بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر مظہری

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

علماء ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلیکیشنز
لاہور ۔ کراچی ۔ پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر مظہری جلد دہم

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ تفسیر

زیر اہتمام: ادارہ ضیاء المصنفین ۔ بھیرہ شریف

WWW.NAFSEISLAM.COM

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور ۔ کراچی ۔ پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	تفسیر مظہری (جلد دہم)
تالیف	حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ متن	ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	الاستاذ مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ
	مولانا محمد انور مگھالوی
	فضلاء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف
تعداد	ایک ہزار
اشاعت	دسمبر 2002ء (رمضان المبارک 1323 ہجری)
کمپیوٹر کوڈ	1Z348

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

فیکس:۔ 042-7238010

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

WWW.NAFSEISLAM.COM

فہرست

سورۃ الملک	13
موت وحیات کی بحث	14
اعیان ثابتہ اور عالم امثال کا ذکر	15
موت واعظ کافی ہے اور یقین غناء کافی ہے۔	17
سات اعمال میں جلدی کرو	17
تمام ستارے آسمان دنیا میں ہیں۔	19
اللہ تعالیٰ کا خوف سب سے بڑی حکمت ہے۔	21
اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے۔	23
حضور ﷺ سے پوچھا گیا کافر کو منہ کے بل کیسے چلایا جائے گا؟	26
سورۃ الملک کے فضائل	28
سورۃ قلم	31
سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا گیا (حدیث)	31
اللہ تعالیٰ مخلوقات کی تقادیر لکھتا ہے (حدیث)	31
گدھی نے کعبہ کو سجدہ کیا جب حضرت حلیمہ حضور ﷺ کے ساتھ اس پر سوار ہوئیں	32
اللہ تعالیٰ کا فرمان وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ	32
حضور ﷺ کے اخلاق کریمانہ	32
حسن خلق کے فضائل	32
اللہ تعالیٰ کا فرمان يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ	43
محشر کے بارے میں احادیث	43
دیدار الٰہی اور کشف ساق	43
پل صراط سے گزرنا اور شفاعت	43
رافضی اور دوسرے اہل ہوا سجدہ نہ کر سکیں گے۔	46
منافقین کی علامات	46
حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ	48
مخلوق کی طرف سے تکالیف پر صبر	
نظر حق ہے (احادیث)	52
حضرت حنظلہ والی حدیث	52
اولیاء اللہ کی علامات	53
نظر کی دواء	53
سورۃ الحاقہ	54
حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ	55
یہ دل برتن ہیں	56
اللہ تعالیٰ کا فرمان اِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ	56
آسمان وزمین کے درمیان دوری	60
اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی اور صحائف کا اڑنا	60
زنجیر کا ستر گز لمبا ہونا	63
حدیث کبریائی میری چادر ہے	64
غسلین کی تفسیر	65
نفس کے فناء کے بعد قرآن کی تلاوت ترقی کا سبب ہے۔	67
رکوع کی تسبیحات میں وارد ہونے والی احادیث	68
سجدہ اور تسبیح کی فضیلت	68
رکوع اور سجدہ کی تسبیحات	68
سورۃ المعارج	69
جنت کے سو درجے ہیں	70
جنتی اہل اعراف کو دیکھیں گے	70

WWW.NAFSEISLAM.COM

اللہ تعالیٰ کا فرمان فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ	70
جوز کوۃ ادا نہیں کرتا اس کا مال اس کے لئے دجال ہوگا	70
عرش کی بلندی تک کی مسافت	71
شفاعت والی حدیث	73
اگر انسان کی سونے کی دو وادیاں ہوں	75
آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اس کی دو خصلتیں.....	75
مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے	76
انسانوں کی استعداد مختلف ہوتی ہے	76
نمازی کو اپنی نظر سجدہ کی جگہ رکھنی چاہئے	76
مرد غلام کی دبر اور مالکہ غلام کی شرمگاہ سے لطف اندوز نہیں ہو سکتی۔	77
جس آدمی کو کوئی عورت اچھی لگے تو وہ اپنی بیوی کی طرف لوٹ آئے۔	78
نکاح متعہ جائز نہیں اور نہ مشت زنی جائز ہے۔	78
حدیث قدسی: اے انسان کیا تو مجھے عاجز کر سکتا ہے؟	81
سورۂ نوح	
مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئیں جو کسی اور کو عطا نہیں کی گئیں۔	83
مجھے انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی	83
اسلام، ہجرت اور حج سابقہ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔	84
قضاء کی دو قسمیں ہیں: قضاء معلق، قضاء مبرم	84
قضاء کو دعا ہی رد کر سکتی ہے۔	85
کیا تعویذ اور دواء اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو بدل سکتے ہیں؟	85
درجہ بدرجہ انسانوں کو آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔	87
سورۃ الجن	
ایمان وہبی چیز ہے، اس میں کوئی اختیار نہیں۔	99
عروج و نزول کے کمالات	100
جنوں کا فرشتوں کی باتیں سننا	102
نیک جنوں کے لئے ثواب اور گناہگاروں کے لئے عذاب	105
مساجد کی عظمت اور ان کی صفائی	109
سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم	109
اللہ تعالیٰ کا فرمان عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ	112
مسئلہ علم غیب	112
اولیاء کا الہام	112
اولیاء کی کرامات	113
میں حجر میں ہوں اور قریش مجھ سے معراج کے بارے میں سوال کر رہے ہیں (حدیث)	113
حضرت عمر کا لشکر بھیجنا	113
یا ساریۃ ارشاد فرمانا	113
نجاشی کا فوت ہونا اور اس کی قبر پر ہمیشہ نور کا ہونا	113
العلماء ورثۃ الانبیاء وامناء الرسل (حدیث)	113
صالح خوابیں نبوت کا چالیسواں حصہ ہیں۔	114
صالح خوابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔	114
علم لدنی	114
خالق اور مخلوق کے درمیان تعلق	115
کاہنوں، نجومیوں اور طبیبوں کا علم	116
نقاط، خطوط اور جادو کا علم	116
میرے بندوں میں سے کچھ مجھ پر ایمان کی حالت میں صبح کرتے ہیں اور ستاروں کا انکار کرتے ہیں۔	117
جس نے علم نجوم سیکھا اس نے جادو سیکھا۔	117
کاہنوں کے پاس نہ جاؤ اور بدفالی تمہیں کسی کام سے	

Nafse Islam
WWW.NAFSEISLAM.COM

نہ رو کے گی۔ 117

سورۃ المزمل

وہ احادیث جن میں یہ ذکر ہے کہ حضور ﷺ اتنا قیام فرماتے کہ آپ کے قدم سوج جاتے۔ 122

قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا مستحب ہے اور اچھے لہجے میں پڑھا جائے نہ کہ نغمہ کی صورت۔ 123

ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی حکمت تدبر کرنا 123

دو کلمے جو زبان پر خفیف ہیں۔ 124

مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ 124

قرآن کی حقیقت کا منکشف ہونا 125

جب قرآن نازل ہوتا تو آپ کو سخت مشقت برداشت کرنا پڑتی۔ 125

اور پیشانی سے پسینہ نمودار ہو جاتا 125

نبوت کی ولایت پر فضیلت 126

عروج و نزول کی بحث 126

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ 126

رات کی نماز کی فضیلت 128

دل کا ذکر 128

قرآن پڑھتے وقت بسم اللہ شریف پڑھنا 129

دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ شریف پڑھنا 129

صوفیاء کا قول الطريقة خطوتان 130

اللہ کا ہونا یہ زندگی میں رکاوٹ کا باعث نہیں۔ 131

اللہ تعالیٰ پر توکل ہی حقیقت میں توکل ہے۔ 131

روح قدس نے یہ بتایا ہے کہ کوئی انسان اس وقت تک نہیں مرتا یہاں تک کہ وہ اپنا رزق مکمل نہیں لے لیتا۔ 131

زہد کا مطلب یہ نہیں کہ انسان حلال چیز کو حرام کر دے 131

سلوک کی منازل، صبر کا مقام سب سے بلند ہے۔ 132

انکال، جہنمیوں کا کھانا اور ان کا عذاب 132

اے آدم جہنم کا حصہ نکالو 134

غور و فکر اللہ کا راستہ ہے جو محبت اور معیت کو لازم ہے۔ 135

کیا تہجد کی نماز حضور ﷺ پر واجب تھی۔ 136

قرأت کی مقدار 138

کیا ہر رکعت میں پورا قرآن پڑھنا واجب ہے؟ 141

عمل میں میانہ روی اور اس پر مواظبت 143

قرأت میں کم سے کم پچاس آیتیں اور زیادہ سے زیادہ ہزار آیتیں 143

کسے اپنے مال کی بجائے وارث کا مال زیادہ محبوب ہے؟ 144

انسان کو نیک اعمال پر ہی بھروسہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ استغفار بھی کرنی چاہئے۔ 144

سورۃ المدثر

توحید باری تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم 146

تکبیر تحریمہ کے بارے میں علماء کے اقوال 146

مکان، کپڑوں، بدن، دل اور نفس کی پاکیزگی 147

صور اور حضرت اسرافیل کا ذکر 149

جہنم میں پہاڑ پر چڑھنا 151

جہنم کے داروغوں کی صفات، ان کی تعداد۔ 152

ان کی حقیقی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے 154

آخرت میں کفار کا مؤاخذہ اعمال فرعیہ پر بھی ہوگا۔ 157

کافر مسلمان ہو جائے تو سابقہ عبادات اور عقوبات سب ساقط ہو جاتی ہیں۔ 157

کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے شفاعت 58

شفاعت کا کون مستحق نہیں؟ 159

وہ گناہ جو شفاعت میں رکاوٹ ہیں۔ 159

WWW.NAFSEISLAM.COM

سورۃ القیامۃ

نفس امارہ، لوامہ اور مطمئنہ کا ذکر	162
محکم اور متشابہ	167
دیدار الٰہی	167
امید ہے انبیاء اور اولیاء، اللہ کا دیدار کریں گے	170
کچھ لوگ دن میں دو دفعہ، کچھ ہر جمعہ، کچھ سال میں ایک دفعہ یا دو دفعہ زیارت کریں گے۔	170

سورۃ الدھر

ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ کی تفسیر صوفیاء کی نظر میں	177
انسان زمانے کو گالی دے کر مجھے اذیت دیتا ہے (حدیث)	179
جنتیوں اور ان کو حاصل ہونے والی نعمتوں کا ذکر	179
نذر کے مسائل	180
مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت	181
کمزوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو	185
صدقہ اللہ تعالیٰ کا غضب دور کر دیتا ہے۔	187
جنت کے پیالوں کی شان	188
مقربین کو شراب طہور دی جائے گی۔	191
نماز میں لوگوں جیسی گفتگو مناسب نہیں۔	194
لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔	196

سورۃ المرسلات

پیدائش کے مراحل	200
احسان کی وضاحت	205
سورۂ ہود، سورۂ واقعہ اور مرسلات نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔	206

سورۃ النبأ

صور سے کیا مراد ہے؟	210
لوگ تین جماعتوں میں اٹھائے جائیں گے۔	210
میری امت دس جماعتوں میں اٹھائی جائے گی۔	210
پل صراط کا بیان	212
جہنم گناہگاروں کی تاڑ میں ہے۔	212
طاغین سے مراد خواہش پرست ہیں۔	213
احقاب، حمیم اور غساق سے کیا مراد ہے؟	213
اہل ہواء اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔	216
مومن گناہگاروں کے لئے عذاب	216
متقین کو اخلاص اور قرب کے مراتب کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔	217
میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔	218
صحابہ کمالات میں مستغرق رہتے تھے۔	218
میری امت کی مثال بارش جیسی ہے۔	219
سابقہ امتوں کے زمانے کے مقابلے میں تمہارا وقت عصر سے مغرب تک کا ہے۔	220
روح کیا ہے؟	220
قبر کا عذاب اور ثواب	222
جانوروں سے قصاص	223

سورۃ النازعات

مومنوں اور کفار کی روحوں کو نکالنا	224
نفس، روح اور قلب کی تحقیق	225
جہنم کو شہوات نے گھیر رکھا ہے۔	233
دنیا ملعون ہے۔	233
خواہش نفس تمام منہیات کی سردار ہے۔	234
خواہش شرعاً اور عقلاً قبیح ہے، کفر بھی ان میں سے ایک ہے۔	234
خواہش نفس کا غلام کتنا برا ہے؟	234

WWW.NAFSEISLAM.COM

خواہش نفس چھوڑنے کے تین مرتبے	235	تعین اول حقیقت محمد یہ ہے۔	254
عقائد کی اصلاح، اعمال کو پاک کرنا اور ارادہ کو فناء کے ساتھ نفی کرنا	236	حضور ﷺ کا اپنے رب کا دیدار کرنا	255
تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ اس پیغام حق کی پیروی نہ کرے جو میں اس کے لئے لایا ہوں۔	236	عبدیت کا آخری مقام حقیقت احمدیت ہے۔	255
میں اور قیامت یوں ساتھ ساتھ مبعوث کئے گئے ہیں	237	حضور ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں	257
سورۂ عبس		**سورۃ الانفطار**	
جو قرآن پڑھتا ہے۔	242	جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔	260
دنیا میں اس طرح رہو جس طرح اجنبی اور مسافر رہتا ہے۔	244	جب نطفہ رحم میں قرار پکڑتا ہے۔	260
سردار نے گھر بنایا اور کھانا تیار کیا	244	قبروں میں جنت اور دوزخ کو پیش کرنا	262
حضرت خدیجہ نے ان بچوں کے بارے میں پوچھا تھا جو دور جاہلیت میں فوت ہوئے۔	246	**سورۃ المطففین**	
سورۂ کورت		بعض نافرمانیوں کی سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔	264
جو قیامت دیکھنا پسند کرے	248	کم تولنے والے کھڑے ہوں گے یہاں تک کہ پسینہ ان کے کانوں تک پہنچ رہا ہوگا۔	264
زندہ درگور کرنے والی اور زندہ درگور ہونے والی دونوں جہنمی ہیں۔	250	موقف، سورج کے قریب ہونے، گرمی اور پسینے کے بارے میں وارد ہونے والی روایات	265
حمل گرانے کا مسئلہ	251	سجین کیا ہے؟	266
جنین گرانے کی صورت میں غرہ واجب ہوگا۔	251	اس روز جہنم کو لایا جائے گا جبکہ اس کی ایک ہزار لگا میں ہوں گی۔	267
لونڈی اور آزاد سے عزل کرنا	251	جب مومن گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔	269
سورج عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے۔	253	علیون ساتویں آسمان کے اوپر ہے۔	270
جب اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہے تو آسمانوں پر زلزلہ طاری ہو جاتا ہے۔	254	انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین اور فاسقوں کی روحیں کہاں ہوتی ہیں؟	270
سب سے پہلے جبرئیل امین سر اٹھاتا ہے	254	دنیوی سامان پر مقابلہ مناسب نہیں۔	273
عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین نبی کریم ﷺ کی صفات ہیں	254	**سورۃ الانشقاق**	
		جس کا حساب میں مناقشہ ہوا وہ عذاب میں مبتلا کیا گیا	278
		تم پہلے لوگوں کی طریقوں پر چلو گے شبرا بشبر	280

WWW.NAFSEISLAM.COM

سجدۂ تلاوت کے مسائل 281

سورۃ البروج

گواہوں کی تعظیم بجالاؤ۔ 285

لوح محفوظ کے آغاز پر لاالہ الا اللہ، دینہ الاسلام اورمحمد عبدہ و رسولہ لکھا ہوا ہے۔ 291

لوح محفوظ سفید موتی کی ہے۔ 291

سورۃ الطارق ۔ سورۃ الاعلیٰ

تسبیح کا واجب ہونا 296

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی مقادیر لکھ دی ہیں۔ 297

ہر شے اندازے کے مطابق ہوتی ہے۔ 297

قرآن کو یاد رکھنے اور نہ بھلانے کا حکم 298

تکبیر تحریمہ نماز کی شرط ہے یا رکن؟ 300

عید کی نماز سے پہلے صدقہ فطر 301

دعا کی سنت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ثناء کی جائے اور اول وآخر میں درود پاک پڑھا جائے۔ 301

سلوک کا پہلا مقام توبہ اور تزکیہ ہے پھر دائمی ذکر 302

(لسانی، قلبی، روحی، سری) پھر مشاہدات۔ 302

سلسلہ مجددیہ کے اذکار 302

فارسی زبان میں قرأت کا مسئلہ 303

سورۃ الاعلیٰ کی فضیلت 303

عروج میں سورۂ اعلیٰ کا اثر 303

سورۃ الغاشیہ

جہنمیوں کا کھانا اور ان کا مشروب 305

جنت کی صفت اور اس میں نہریں، پیالے اور گدے وغیرہ 306

سورۃ الفجر

دسویں ذی الحجہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین دن ہے۔ 310

رمضان شریف کے بعد فضیلت والے روزے محرم کے ہیں۔ 310

فرض نمازوں کے بعد افضل نماز 310

فرعون کی بیوی کا واقعہ 313

مال کی فراوانی اللہ کا فضل ہے اس پر شکر ادا کرنا واجب ہے۔ 316

رشک صرف دو چیزوں پر ہونا چاہئے۔ 316

مال کی کمی ذلت کا باعث نہیں۔ 316

فقراء کی اغنیاء پر فضیلت 317

قیامت کے روز ملائکہ کی صفیں 318

جہنم کو لانے کا مسئلہ 319

نفس کا اطمینان اور حقیقی ایمان 320

جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوا اس نے ایمان کا ذائقہ چکھا۔ 321

اللہ تعالیٰ کا فرمان ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً 321

صالح بندوں کا ذکر 323

دینار و درہم کا بندہ 323

سورۃ البلد

مکہ مکرمہ کی فضیلت 324

اے انسان اگر زبان تجھ سے جھگڑا کرے 326

غلام آزاد کرنا اور کھانا کھلانا 327

سورۃ الشمس

لوگ جو عمل کرتے ہیں کیا اس کا فیصلہ ہو چکا ہے؟ 332

لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ 332

اے اللہ میں عجز و کسل سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ 333

اے اللہ میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما۔ 333

حضرت صالح کی اونٹنی کو قتل کرنے والا سب سے

WWW.NAFSEISLAM.COM

بد بخت ہے۔ 334

حضرت آدم کا بیٹا جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا۔ 334

سورۃ اللیل

انسان صبح کرتا ہے وہ اپنے نفس کو بیچنے والا، اسے آزاد کرنے والا اور اسے ہلاک کرنے والا ہوتا ہے 336

اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ، خواہ کھجور کے ٹکڑے سے۔ 337

جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ درود نہ پڑھے 337

تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانہ جنت یا دوزخ میں لکھ دیا گیا ہے۔ 337

ہر کسی کو ایسے ہی عمل کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ 337

تمام صحابہ عادل ہیں۔ 340

صحابہ کی شان میں احادیث 340

مومن ہمیشہ جہنم میں نہیں رہتا اگرچہ فاسق ہی کیوں نہ ہو۔ 341

حضرت ابوبکر صدیق انبیاء کے بعد سب سے افضل ہیں۔ 344

ہم حضور ﷺ کے زمانے میں حضرت ابوبکر جیسا کسی کو نہ سمجھتے تھے پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان 344

سورۃ الضحیٰ

اہل بیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت کو پسند کیا۔ 347

جس کے دو دن برابر ہیں وہ خسارے میں ہے۔ 347

میرا ایک امتی بھی جہنم میں ہوا تو میں راضی نہیں ہوں گا 347

مسئلہ عروج و نزول 349

جس قدر مجھے اذیتیں دی گئیں اس جیسی کسی کو اذیتیں نہیں دی گئیں۔ 349

قناعت اور نفس کی غنا 351

سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ 351

میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا اس طرح ہوں گے۔ 351

جس نے علم کو چھپایا قیامت کے روز اسے اس کی لگام دی جائے گی۔ 352

کھانے کھلانے والے اور شکر کرنے والے کا اجر روزے دار اور صابر جیسا ہوگا۔ 352

جو لوگوں کا شکر نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی نہیں کرتا 352

نعمت شکر پر شکر واجب ہے۔ 353

سورۂ ضحیٰ سے لے کر آخری سورت کے اختتام پر تکبیر کہنا 353

سورۂ الم نشرح

رسول اللہ ﷺ کے شرح صدر کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث 355

شرح صدر اور حقیقی اسلام 355

اللہ تعالیٰ کا فرمان جب میرا ذکر ہوگا تیرا بھی میرے ساتھ ذکر ہوگا 357

ایک تنگی کے ساتھ دو آسانیاں 358

جنتی صرف اس گھڑی پر حسرت کرے گا جس میں اس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا ہوگا۔ 359

سورۂ الم نشرح کی قرأت مقام نزول میں مددگار ہے۔ 360

سورۂ والتین

ہر بچے کو فطرت سلیم پر پیدا کیا گیا ہے۔ 362

جب ایک انسان بڑھاپے یا مرض کی وجہ سے عمل کرنے سے عاجز آ گیا تو اس سے پہلے جو وہ عمل کرتا تھا اللہ تعالیٰ اس کا وہ عمل لکھے گا۔ 364

سورۃ العلق

وحی کا آغاز اور حضور ﷺ کا غار حرا میں قیام کرنا 366

WWW.NAFSEISLAM.COM

بسم اللہ شریف سورت کا جزء نہیں۔	368
صوفی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرے تا کہ مسمی تک ہدایت پائے۔	368
جہانوں کے علوم انسان کے علم کا بعض ہیں	371
بندہ سجدہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔	376
سورۃ القدر	
لیلۃ القدر آخری عشرہ میں بدلتی رہتی ہے۔	379
لیلۃ القدر کی فضیلت	383
سورۃ البینۃ	
خاص بشر خاص فرشتوں سے فضیلت رکھتے ہیں۔	387
عام بشر (صالحین) عام ملائکہ سے فضیلت رکھتے ہیں۔	387
اللہ تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا کیا تم راضی ہو؟ میں تمہیں اس سے بھی افضل عطا فرمانے والا ہوں۔	388
اللہ تعالیٰ سے بندے کے راضی ہونے کی کئی صورتیں ہیں۔	388
حضور ﷺ کا حضرت ابی کے لئے فرمان	389
سورۃ الزلزال	
قیامت کے روز اللہ تعالیٰ حضرت آدم سے فرمائے گا ابعث بعث النار	390
زمین اپنے جگر کے ٹکڑے باہر پھینک دے گی۔	391
زمین پر جو عمل کیا گیا ہوگا وہ اس بارے میں گواہی دے گی۔	392
جس نے کھجور کے برابر صدقہ کیا	393
کسی نیکی کو حقیر نہ جانو۔	393
گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا انسان ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔	393
جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہوگا وہ جہنم سے نکل آئے گا	393
کافر کی نیکیاں حقیقت میں نیکیاں نہیں۔	394
توبہ کے بغیر گناہگار کی معافی جائز ہے۔	394
یہ بھی جائز ہے کہ گناہ صغیرہ کی وجہ سے مومن کو عذاب دیا جائے۔	394
گناہ صغیرہ سے بچنا چاہئے	394
اس سورت کی فضیلت	395
سورۃ العٰدیٰت	
حاجی صبح کے وقت مزدلفہ سے منیٰ آئے۔	397
سورۃ القارعۃ	
میزان کا ذکر	399
بندے کو لایا جائے گا اور اسے میزان کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا، فرشتہ ندا کرے گا کہ یہ سعید ہے یا بدبخت	401
جن کے اعمال نہیں تولے جائیں گے۔	401
میزان نصب کیا جائے گا اور نماز، صدقہ، حج اور شہادت کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔	402
شائد اہل بلاء سے مراد اہل عشق ہیں۔	402
جس کے گناہوں کا پلڑا بھاری ہوگا۔ پھر لا الہ الا اللہ کے ایک پرزے سے نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔	403
سورۃ التکاثر	
تکاثر سے نہی اور تواضع کا حکم	404
ہم عذاب قبر میں شک کرتے تھے۔	405
خبر مشاہدہ جیسی نہیں ہوسکتی۔	406
جوتا، ٹھنڈا پانی اور گندم کی روٹی یہ بھی نعمت ہے۔	407
علم میں خیانت مال میں خیانت سے بڑھ کر ہے۔	408

WWW.NAFSEISLAM.COM

سورۃ العصر
نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا واجب ہے۔ 409
سورۃ الھمزہ
آرزو اور موت کے بارے میں حضور ﷺ کا خط کھینچنا 412
ہزار سال تک جہنم جلائی گئی۔ 413
جو جہنم میں ہمیشہ رہیں گے انہیں تابوتوں میں بند کر دیا جائے گا۔ 413
سورۃ الفیل
اصحاب فیل کا واقعہ 415
سورۃ القریش
قریش کے فضائل 421
سورۃ الماعون
نماز سے غفلت کرنے والوں سے کیا مراد ہے؟ 426
ریا کاری کے طور پر نماز پڑھنے والے کا حکم 426
مانگنے پر جو چیز دینا ضروری ہے 426
حزب شیطان 427
سورۃ الکوثر
الکوثر سے کیا مراد ہے؟ 429
سورۃ الکافرون
سورت کے فضائل 434
سورۃ النصر
فتح مکہ کا واقعہ 435
اہل یمن سب سے نرم دل ہیں۔ 446
دن میں ستر دفعہ استغفار پڑھنے کا حکم 447
دعا سے پہلے تسبیح تحمید اور درود شریف پڑھنے کا حکم 448
سورۃ اللھب
ہاتھ کی کمائی سب سے عمدہ کھانا ہے۔ 450
تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے۔ 450
سورۃ الاخلاص
اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ 453
لا موجود الا ھو 453
مسائل ذات اور صفات میں بحث و تفتیش درست نہیں 454
جو تیرا مقصود ہے وہی تیرا معبود ہے۔ 455
لا الٰہ الا اللہ کا معنی لا مقصود الا اللہ 455
بنی آدم نے میری تکذیب کی۔ 456
سورۃ اخلاص کے فضائل 456
سورۃ الفلق اور سورۃ الناس
اگر بوڑھے لوگ اور دودھ پیتے بچے نہ ہوں 464
دونوں سورتوں کے فضائل 465
قرآن کے فضائل 467

WWW.NAFSEISLAM.COM

Nafse Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

سورۂ ملک

آیاتہا ۳۰ — سُوۡرَۃُ الۡمُلۡكِ مَکِّیَّۃٌ ۶۷ — رکوعاتہا ۲

سورۃ الملک مکی ہے، اس میں دو رکوع اور تیس آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡكُ ۫ وَ ہُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُۨ ۙ﴿۱﴾

”منزہ و برتر ہے[1] وہ جس کے قبضہ میں (سب جہانوں کی) بادشاہی ہے[2] اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے[3]“

[1] تبارک برکت سے مشتق ہے جس کا معنی زیادہ ہونا ہے، کمال اور عدم نقصان اس کو لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات میں مبادی (ا) مراد نہیں ہوتے بلکہ غایات مراد ہوتی ہیں۔ یہ بھی ان صیغوں میں سے ہے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی بیان کی جاتی ہے۔ اسے مخلوقات کی صفات سے پاک ہونا لازم آتا ہے کیونکہ مخلوقات کی صفات نقصان سے خالی نہیں ہوتیں۔

[2] ید متشابہات میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اعضاء سے پاک ہے۔ متاخرین نے اس کا معنی قدرت کیا ہے۔ ملک کا معنی ہر چیز پر اس کی بادشاہت اور تمام امور میں اس کا تصرف ہے۔

[3] وہ جو چاہے اس پر قادر ہے۔ وہ جو ارادہ کرے کوئی اس میں رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا۔ اس لئے خوف و رجاء اسی سے ہونا چاہئے۔

جب یہ آیت اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی صفات کے کمال اور عیوب سے مبرا ہونے پر دعویٰ کی طرح ہے جبکہ دعویٰ دلیل کا تقاضا کرتا ہے تو اس کے پیچھے ایسی آیات کا ذکر کیا ہے جو اس پر دلیل ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسی دلیلیں ہیں جو مکلفین کی ذات میں موجود ہیں جیسے موت اور حیات، کچھ آسمان کی تخلیق میں ہیں جنہیں کسی پھٹن کے بغیر پیدا کیا۔ کچھ زمین کی پیدائش، اس کے مسخر ہونے اور ان میں مختلف قسم کے رزق پیدا کرنے میں ہیں اور کچھ پرندوں میں ہیں جو پر پھیلائے فضا میں اڑتے پھرتے ہیں۔ درمیان میں کفار کے عذاب کو بطور استطراد (ب) ذکر کیا ہے جو نہ حق بات سنتے ہیں اور نہ دلائل و براہین میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان لوگوں کے ثواب کو ذکر فرمایا جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور جو دلائل و براہین سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَكُمۡ اَیُّكُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡغَفُوۡرُ ۙ﴿۲﴾

”جس نے پیدا کیا ہے موت اور زندگی کو[1] تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے[2] اور

(ا) جیسے رحمۃ سے اللہ تعالیٰ کے اسماء رحمٰن اور رحیم استعمال ہوتے ہیں۔ رحمت کا معنی رقت قلبی اور تعطف ہے۔ رقت قلبی یعنی دل کا کھینچ جانا یہ انفعال ہے، اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ اس لئے جب رحمت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی تو اس کا معنی رقت قلبی نہ کیا جائے گا بلکہ تعطف یعنی فضل کرنا مہربانی کرنا لیا جائے گا۔

یہاں بھی تبارک کا معنی یہ نہ ہوگا کہ پہلے کچھ کمی تھی بعد میں اضافہ ہوا بلکہ اس کا معنی ہوگا وہ ہمیشہ سے عظمت و شان والا ہے۔ (مترجم)

(ب) یہ ایک اصطلاح ہے جس کا معنی ہوتا ہے ایک موضوع سے دوسرے موضوع کی طرف منتقل ہونا۔ (مترجم)

وہی دائمی عزت والا بہت بخشنے والا ہے ۳؎ "

۱؎ اسم موصول محل رفع میں ہے یا تو اس لئے کہ پہلے اسم موصول سے بدل ہے جو فعل کا فاعل ہے یا یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے جو ھو ہے یا مدح کے طور پر منصوب ہے۔ حیات یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک ہے جو صفات علم، قدرت، ارادہ اور دوسری صفات کمال کو لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ صفت ممکنات کو بھی ودیعت کی ہے، جیسا ارادہ تھا اور ممکنات کی جتنی استعداد تھی اس کے مطابق ان میں پیدا کیا۔ ممکنات میں یہ صفت کئی مراتب کے لحاظ سے ظہور پذیر ہوئی۔ بعض میں یہ صفت اس اعتبار سے ظاہر ہوئی کہ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی معرفت حاصل ہوئی جس کی کوئی کیفیت نہیں۔ یہ وہ امانت ہے جو انسان کو عطا کی گئی اور جس سے آسمان، زمین اور پہاڑ ڈر گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور القاء کرنے کی صورت میں نصیب ہوئی۔ حیات کی یہ قسم جس کے مقابلہ میں موت بھی ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ سے سمجھی گئی ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان بھی ہے: اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ خَلْقَهٗ فِيْ ظُلْمَةٍ فَاَلْقٰى عَلَيْهِمْ مِنْ نُوْرِهٖ فَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ النُّوْرِ اهْتَدٰى وَمَنْ اَخْطَاهُ ضَلَّ فَلِذٰلِكَ اَقُوْلُ قَدْ جَفَّ الْقَلَمُ عَلٰى عِلْمِ اللّٰهِ رواه احمد و الترمذی۔(1)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق ظلمت میں پیدا کی ان پر اپنا نور ڈالا، جسے اس نور میں سے کوئی حصہ پہنچا تو وہ ہدایت پا گیا اور جسے وہ نور نہ پہنچا وہ گمراہ ہو گیا۔ اسی وجہ سے میں کہتا ہوں علم الٰہی میں فیصلہ ہو چکا ہے۔

بعض مخلوقات میں یہ صفت اس طریقہ پر ظاہر ہوئی جس کے باعث ان میں حیوانی حس اور حرکت نمودار ہوئی جسے اور اس کے مقابل موت کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں تعبیر کیا ہے كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ الآية۔ بعض مخلوقات میں یہ صفت اس انداز میں ظاہر ہوئی کہ اس نمو (بڑھوتری) نے جنم لیا جسے اور اس کی ضد کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں تعبیر کیا گیا ہے: يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا یعنی اللہ تعالیٰ نباتات کے خشک ہونے کے بعد ان کو تر و تازہ کر دیتا ہے۔

زندگی کی آخری دو قسمیں اجسام میں روح انسانی، روح حیوانی اور روح نباتاتی پھونکنے سے ہوتی ہے۔ جمادات میں مذکورہ تینوں زندگیوں میں سے کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بتوں کے بارے میں فرمایا اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ یہ مردہ ہیں زندہ نہیں۔ لیکن جمادات بھی ایک طرح کی زندگی سے خالی نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ اس کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ زندگی کی یہ قسم ہر وجود کو لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ زندگی کے جتنے مراتب ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے کسی کے نہ ہونے کو موت کہتے ہیں یا جس میں زندگی ہونی چاہئے اس میں زندگی نہ ہونے کو موت کہتے ہیں۔ ان میں تقابل عدم اور ملکہ کا ہو گا یا ایجاب اور سلب کا ہو گا اس لحاظ سے موت ایک عدمی صفت ہو گی جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ممکن کی موت اس زندگی پر مقدم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ودیعت کی گئی جس پر وہ آیت دلالت کرتی ہے جسے ہم نے تلاوت کیا ہے: اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: كُنْ فَيَكُوْنُ۔

جب ہر مرتبہ میں موت، حیات سے مقدم ہے تو یہاں موت کو پہلے ذکر کیا ہے یا کیونکہ موت کا ذکر انسان کو زیادہ خوف دلاتا ہے اس لئے پہلے ذکر کرنا مناسب تھا۔ بعض علماء نے کہا موت ایک وجودی صفت ہے اس کا حیات کے ساتھ تقابل ضد کی صورت میں ہے۔ پس موت اجسام میں ایسی کیفیت ہو گی جو علم، قدرت، حس، حرکت اور ایسی دوسری چیزوں سے مانع ہے وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 89 (وزارت تعلیم)

کیونکہ جب موت کو پیدا کیا تو یہ موت کے وجود کا تقاضا کرتا ہے جبکہ اعدام اصلیہ (جو اصلاً معدوم ہیں) مخلوق نہیں۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ عقل بدیہی طور پر اس پر شاہد ہے کہ ہم اموات میں ایسی چیز نہیں پاتے جو اس کی ذات کے ساتھ باہر سے آکر ملے بلکہ موت ایک امر انتزاعی ہے جو مردہ سے اخذ کیا جاتا ہے جس طرح نابینا کو دیکھ کر بے بصارتی کو سمجھا جاتا ہے۔ کشف کی بصیرت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کے علم میں اپنی اضداد کے ساتھ جدا جدا متحقق ہیں۔ حیات کی نقیض موت ہے۔ علم کی نقیض جہالت ہے، قدرت کی نقیض عجز ہے، بصر کی نقیض اندھاپن ہے۔ اسی طرح یہ اصلاً معدوم ہیں اور مرتبہ علم میں اپنی اضداد کی طرف اضافت کے اعتبار سے ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور اس کے رنگ دینے کی وجہ سے اعدام اصلیہ بھی اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہیں جس رنگ میں اس کی صفات کمال رنگی ہوئی ہیں۔ انہیں کو مرتبہ علم میں اعیان ثابتہ اور اس مرتبہ وجود کے رنگ سے رنگے ہونے کی وجہ سے انہیں کون اول کہتے ہیں اور خارج میں کون کا یہ سبب ہیں جس طرح ہم نے سورۂ بقرہ کی آیت كُنْ فَيَكُوْنُ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ پس اعیان ثابتہ صفات کا ظلال ہیں اور خارج میں ممکنات ان اعیان ثابتہ کا ظل ہیں۔ ممکنات کا اعیان ثابتہ کے ظل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مبدأ فیاض (اللہ تعالیٰ) سے وجود اور اس کے توابع کا فیضان ان ممکنات پر جو خارج میں موجود ہیں انہیں اعیان ثابتہ کے توسط سے ہوتا ہے۔ جس طرح وہ چراغ جو شیشے کے اندر ہوتا ہے اس کا نور دوسری چیزوں کی طرف شیشے کے واسطہ سے پہنچتا ہے۔ اس مفہوم کی طرف اللہ تعالیٰ کے فرمان: مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی ذہن میں رکھو کہ صفات اور ممکنات کے درمیان اعیان کا واسطہ ہوگا یہ صرف دنیا تک محدود ہے۔ جہاں تک آخرت کا تعلق ہے وہاں صفات سے ممکنات کی طرف وجود اور اس کے توابع کا فیضان اعیان کے واسطہ کے بغیر ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ممکنات پر فناء طاری ہوگی لیکن آخرت میں ان پر فناء طاری نہ ہوگی۔

قرآن حکیم کی آیات یعنی كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ، اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ اور اس جیسی دوسری آیات یہ واضح کرتی ہیں کہ موت ممکن کی صفت ہے جو ممکن کی ایجاد سے پہلے متحقق ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے فرمان خَلَقَ الْمَوْتَ کا معنی یہ ہوگا کہ زندگی پیدا کرنے کے ساتھ موت کو ظاہر فرمایا یا زندگی زائل کرنے کے ساتھ اسے ظاہر فرمایا یا اموات کو پیدا فرمایا تاکہ اس سے زندگی نہ ہونے کا تصور کیا جاسکے۔ خلق کا معنی تقدیر بھی ہے، یعنی موت اور حیات کو مقدر کیا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ'' کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں موت کو پیدا کیا اور آخرت میں حیات کو پیدا کیا۔ میں کہتا ہوں شائد حضرت ابن عباس نے یہ معنی لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیوی زندگی کو موت اور اخروی زندگی کو حیات سے تعبیر کیا۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے، جس طرح ہم بیان کر آئے ہیں کہ اعیان ثابتہ دنیا میں ممکنات کے مربی ہیں۔ تاہم عدم ان کی ماہیت میں داخل ہے۔ اس لئے دنیاوی زندگی موت کے شائبہ سے خالی نہیں ہوتی۔ یہ بات درست ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ یعنی فی الحال موت ثابت ہے اسی طرح كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ اور كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ میں ہے کیونکہ اسم مشتق میں حقیقت میں حال کا معنی ہوتا ہے ماضی اور مستقبل مجاز ہوتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک جماعت کا نقطہ نظر یہ ہے کہ موت جسم ہے عرض نہیں۔ اسے چتکبرے مینڈھے کی صورت میں اور زندگی کو چتکبری گھوڑی کی صورت میں پیدا کیا گیا ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بدور السافرہ میں اختیار کیا ہے۔ اس قول کی بنیاد حضرت ابن عباس رضی

اللہ عنہما کا اثر ہے جسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہمانے اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہمانے فرمایا اللہ تعالیٰ نے موت کو چتکبرے مینڈھے کی صورت میں پیدا کیا یہ جس چیز کے پاس سے گزرتا ہے یا جس چیز کو اس کی خوشبو پہنچتی ہے وہ مر جاتا ہے اور زندگی کو ایک چتکبری گھوڑی کی صورت میں پیدا کیا۔ یہی وہ گھوڑی ہے جس پر جبرئیل امین اور انبیاء سواری کرتے۔ یہ جس چیز کے پاس سے گزرتی یا جس چیز کو اس کی خوشبو پہنچتی تو وہ زندہ ہو جاتی۔ یہی وہ گھوڑی تھی جس کے قدموں کی جگہ سے سامری نے مٹھی بھر مٹی لی تھی اور بچھڑے میں ڈال دی تھی تو اس بچھڑے میں زندگی کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔

میں کہتا ہوں یہ اثر اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ موت جسم ہے عرض نہیں ہے۔ اسی طرح زندگی بھی جسم ہے بلکہ یہ اثر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مخلوقات میں سے ایک جسم ہے جو چتکبرے مینڈھے کی صورت میں ہے جسے موت کہتے ہیں اور ایک جسم گھوڑی کی صورت میں ہے جسے زندگی کہتے ہیں۔ یہ جس چیز کے پاس سے گزرتے ہیں یا جس چیز کو ان کی ہوا پہنچتی ہے تو پہلے کے ساتھ وہ چیز مر جاتی ہے اور دوسری کی وجہ سے وہ زندہ ہو جاتی ہے۔ اس حیوان میں موت اور حیات اس کا جسم نہیں بلکہ اثر ہے جو اس کے گزرنے اور خوشبو پانے پر مرتب ہوتا ہے جس طرح زہر یا اس جیسی چیز کے قریب سے اثر مرتب ہوتا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا یہاں تک کہ جنت اور جہنم کے درمیان رکھا جائے گا پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا پھر ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا اے جنتیو اب کوئی موت نہیں ہوگی اے جہنمیو اب کوئی موت نہیں ہوگی۔ تو جنتی یہ سن کر بہت خوش ہوں گے اور جہنمی یہ سن کر سخت غمگین ہوں گے (1)۔ صحیحین میں ہی حضرت ابن سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز موت کو لایا جائے گا گویا وہ چتکبرا مینڈھا ہے اسے جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا کیا جائے گا .... پھر اسے ذبح کرنے کا حکم دیا جائے گا (2)۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چتکبرے مینڈھے کی صورت میں موت کو لایا جائے گا (3)۔ اسلاف کا طریقہ تو یہ تھا کہ وہ اس کے معنی کی تحقیق میں توقف کرتے تھے، اس پر ایمان لانے کا حکم دیتے اور اس کا علم اللہ کے سپرد کر دیتے۔ جس طرح تمام متشابہ روایات میں ان کا معمول تھا۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے یہی نقل کیا ہے۔ جب صوفیاء کے لئے عالم امثال ظاہر ہوا اور عالم امثال میں ہر جوہر، ہر عرض بلکہ مجردات کی بھی مثال ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی مثال (۱) ہے حالانکہ وہ شبہ اور مثال سے پاک اور ماوراء ہے۔ اس حدیث کا محل بھی عالم مثال ہے۔ میں نے اپنے والد کو بے ریش جوان اور گھنگھریالے بالوں والا دیکھا۔ ان کے پاؤں میں سونے کے جوتے تھے بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ صورت مثالیہ میں عالم امثال سے عالم شہادت کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ یہ چیز کثیر اولیاء سے بطور کرامت مشہور ہے۔ شائد اللہ تعالیٰ آخرت میں موت کی صورت مثالیہ کو عالم مثال سے عالم شہادت کی طرف حاضر کرے گا، اسے ذبح کرنے کا حکم دے گا یہاں تک کہ جنتیوں اور جہنمیوں پر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ اب یہاں ہمیشہ رہنا ہے اور اب موت واقع نہ ہو گی۔ اسلام، ایمان، قرآن، اعمال، امانت، رحم اور ایام دنیا کو دوبارہ اٹھانے میں بھی یہی تاویل کی جائے گی جس طرح احادیث صحیحہ نے اس کو بیان کیا ہے جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 382 (قدیمی) 2۔ ایضا 3۔ مستدرک حاکم، جلد 1، صفحہ 156 (العلمیہ)

(۱) یہ چیزیں صوفیاء کی شطحیات میں سے ہیں جن پر اعتقاد رکھنا اور ان کی پیروی کرنا درست نہیں۔ فقہاء اس پر سخت تنبیہ کرتے ہیں۔

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بدور سافرہ میں کہا ہے اعمال اور معانی سب مخلوق ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی کوئی نہ کوئی صورت بھی ہے جن کا ہم مشاہدہ نہیں کر سکتے۔ علماء حقیقت نے وضاحت کی ہے کہ کشف کی قسموں میں سے ایک قسم یہ بھی ہے کہ معانی کے حقائق پر آگاہی ہو جاتی ہے اور صورتوں کو اجسام کی صورتوں میں ادراک کر لیا جاتا ہے۔ احادیث اس کی شاہد ہیں، یہ بہت زیادہ ہیں۔ عالم امثال کے بارے میں یہ قول امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول بھی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

2۔ اے جن و انس تمہیں احکام کا مکلف بنا کر تمہارے ساتھ ممتحن کا سا معاملہ کرے۔ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا یہ جملہ لیبلوکم کا مفعول ثانی ہے جو اپنے ضمن میں ''یعلم'' کا معنی لئے ہوئے ہے۔ یہاں فعل معلق نہیں کیونکہ اس کا مفعول اول کلمہ استفہام سے مقدم ہے۔ اگر یہاں فعل کو معلق کیا جاتا تو کلمہ استفہام مفعول اول سے مقدم ہوتا۔

فراء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بلوی کا فعل اس پر اس وقت عامل نہیں بنایا جاتا جب اس کے بعد ضمیر ہو جس طرح کہا جاتا ہے بَلَوۡتُکُمۡ لِاَنۡظُرَ اَیُّکُمۡ اَطۡوَعُ(1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت مروی ہے کہ اس کا معنی ہے کون از روئے عمل کے سب سے اچھا ہے، کون سمجھ بوجھ میں سب سے اچھا ہے، کون اللہ تعالیٰ کی محارم کے بارے میں احتیاط کرنے والا ہے، کون اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سب سے تیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان لیبلوکم یہ خلق الموت والحیوۃ کے متعلق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ موت اور زندگی کے پیدا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ مطیع نافرمان سے نمایاں ہو جائے کیونکہ زندگی پر ہی تکلیف کا دارومدار ہے اور اسی سے قدرت ممکنہ حاصل ہوتی ہے موت ایک نصیحت ہے جس سے ذہین آدمی نصیحت حاصل کرتا ہے اور آخرت کے لئے زادِ راہ کے حصول میں فرصت کے لمحات کو غنیمت جانتا ہے۔ احوال یعنی موت اور زندگی کا بدلنا یہ اللہ تعالیٰ جو صانع، حکیم اور مختار ہے کے وجود پر دلیل ہے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت مروی ہے موت بہترین واعظ ہے اور یقین بہترین غنا ہے(2)۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ موت دنیا سے بے رغبت کرنے اور آخرت کی رغبت دلانے کے لئے کافی ہے۔(3)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے سات چیزیں جن کا تم سامنا کرنے والے ہو ان سے پہلے عمل کر لو ایسے فقر سے جو ہر چیز کو بھلا دے، ایسی دولت سے جو سرکش بنا دے، ایسی مرض سے جو ہر چیز کو فاسد کر دے، ایسا بڑھاپا جو بے علم بنا دے، ایسی موت جو دنیا چھڑا دے، دجال یہ ایسا شر ہے جس کا پہلے بھی انتظار کیا جاتا رہا اور قیامت جو بہت ہی بڑی مصیبت ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(4)۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا اور صحیح کہا۔ امام احمد اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے انہیں سے مرفوع روایت نقل کی کہ چھ واقعات کے ظہور پذیر ہونے سے پہلے اچھے اعمال کر لو، مغرب کی جانب سے سورج طلوع ہونے سے پہلے، دھواں ظاہر ہونے سے پہلے، دابۃ الارض کے نکلنے سے پہلے، دجال کے ظاہر ہونے سے پہلے، تمہاری موت آنے سے پہلے، امر عام یعنی قیامت سے پہلے(5)۔ خویصہ سے مراد موت ہے اور امر عامہ سے مراد قیامت ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔

3۔ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اس سے انتقام لینے میں وہ غالب ہے اور جس کو چاہے اسے بخش بھی دیتا ہے۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا۔ 3۔ مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 554 (الفکر) 3۔ شعب الایمان، جلد 7، صفحہ 353 (العلمیہ)
4۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 54 (وزارت تعلیم) 5۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 406 (قدیمی)

الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ ہَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ③

''جس نے بنائے ہیں سات آسمان اوپر نیچے [1] تمہیں نظر نہیں آئے گا (خداوند) رحمٰن کی آفرینش میں کوئی خلل [2] ذرہ پھر نگاہ اٹھا کر دیکھ کیا تجھے کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے [3]''

[1] اسم موصول یہ ھو ضمیر کی دوسری خبر ہے یا یہ سابقہ اسم موصول سے بدل ہے۔ طباق اسم جامد ہے اور اس سے پہلے ذا کا لفظ مضاف محذوف ہے۔ یہ طبق کی جمع ہے جس طرح حبل کی جمع حبال آتی ہے۔ یا یہ طبقہ کی جمع ہے جیسے رحبة کی جمع رحاب آتی ہے۔ یا یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی طوبقت طباقا یہ طابقت النعل سے مشتق ہے۔ یہ سبع کی صفت ہے یا اس سے حال ہے۔ ہم نے سورۂ بقرہ میں وہ روایات ذکر کی تھیں جو آسمانوں اور ان کی دوری کے بارے میں وارد ہوئی تھیں۔

[2] خطاب حضور ﷺ کو ہے یا ہر مخاطب کو ہے۔ اس میں ما نافیہ ہے یا ما استفہامیہ ہے جو تری کا مفعول ہے اور انکار کا معنی دیتا ہے۔ خلق الرحمٰن میں اضافت عہدی ہے اور اس سے مراد وہی سات آسمان ہیں جن کا ذکر ہو چکا۔ لفظ رحمٰن کی طرف اضافت تعظیم کے لئے ہے۔ یہ جائز نہیں کہ اضافت جنس کے لئے ہو کیونکہ مخلوقات کی جنس میں واضح تفاوت ہے جو کسی پر بھی مخفی نہیں۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ یہاں تفاوت سے مراد ایسی چیز کا فوت ہونا ہے جو اس میں پائی جانی چاہئے اور تفاوت کا معنی عدم تناسب ہے۔ تو عبارت کا مقتضیٰ یہ ہوگا کہ یہ جس خوبصورت نظام پر اب موجود ہیں اس سے زیادہ خوبصورت نظام میں ممکن نہ تھا۔

من تفوت میں من زائدہ ہے یا بعضیہ ہے جب ما کو نافیہ مانا جائے۔ من بیانیہ ہوگا جب اسے استفہامیہ مانا جائے۔ یہ جملہ سبع کی صفت ہے یا خلق کے فاعل سے حال ہے یا اس کے مفعول سے حال ہے۔ خلق الرحمٰن میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا ہے۔ مقصود یہ وضاحت کرنا ہے کہ اس میں کسی قسم کی کجی اس لئے نہیں پائی جاتی کیونکہ یہ اس ذات کی طرف منسوب ہے جو نقص سے پاک اور رحمت کی صفت کے ساتھ متصف ہے۔ یا یہ کیف خلقت کے جواب میں جملہ مستانفہ ہے۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے باب تفعل سے من تفوت پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے باب تفاعل سے پڑھا ہے۔ دونوں کا معنی ایک ہے جس طرح تعھد اور تعاھد کا معنی ایک ہوتا ہے۔ یہ فوت سے مشتق ہے کیونکہ دو چیزیں جو آپس میں متفاوت ہوتی ہیں ان میں سے ایک میں دوسری چیز کی بنسبت کوئی چیز فوت ہوتی ہے، یعنی اس میں کوئی کجی اور نقصان نہیں جس طرح تم انسانوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں دیکھتے ہو۔

[3] یہ محذوف شرط کا جواب ہے۔ معنی یہ ہوگا اگر تو یہ گمان کرے کہ بار بار نظر کرنے سے فرق ظاہر ہو سکتا ہے تو نظر کو بار بار لوٹا قطور کا معنی شقوق ہے۔ یہ فطرہ سے مشتق ہے۔ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ کسی چیز کو پھاڑ دے۔ اس میں من زائدہ ہے یا بعضیہ ہے اور استفہام معنی کو ذہن میں راسخ کرنے کے لئے ہے۔

ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ ہُوَ حَسِیۡرٌ ④

''پھر بار بار نگاہ ڈالو لوٹ آئے گی تیری طرف (تیری) نگاہ ناکام ہو کر درآں حالیکہ وہ تھکی ماندی ہوگی [1]''

[1] اس کا عطف فارجع پر ہے۔ یہاں تثنیہ کا لفظ کثرت بیان کرنے کے لئے ہے، یعنی یکے بعد دیگرے۔ جس طرح لبیک میں ہے ینقلب جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہے۔ خاسئاً کا معنی اپنے مقصد کو پانے سے بہت دور جبکہ اس میں ذلت اور حقارت بھی موجود ہو۔

حسیر کا معنی تھکی ہوئی کیونکہ اس نے بار بار نظر کی ہے۔ یہ ینقلب کے فاعل سے حال کے بعد حال ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت کعب سے روایت کیا گیا ہے آسمان دنیا ایک بند موج ہے جبکہ دوسرا آسمان سفید موتی ہے، تیسرا لوہے کا ہے، چوتھا تانبے کا ہے، پانچواں چاندی کا ہے، چھٹا سونے کا ہے اور ساتواں سرخ یاقوت کا ہے، ساتویں آسمان سے لے کر سات حجابوں تک نور کے صحراء ہیں۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ ۖ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ۝

"اور بے شک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے [1] اور بنا دیا ہے انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب [2]"

[1] آسمان دنیا یعنی سب سے نیچے والا آسمان جو زمین کے سب سے زیادہ قریب ہے۔ مصابیح سے مراد ستارے ہیں کیونکہ ستارے بھی تاریکیوں کے چراغ ہیں جن کے ذریعے راستوں کو تلاش کیا جاتا ہے۔ آیت کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ تمام ستارے دنیا والے آسمان میں مرتکز ہیں۔ فلاسفہ نے جو گمان کیا ہے اس پر کوئی دلیل نہیں۔ ان کی (ستاروں کی) حرکات کے متعدد ہونے پر افلاک کے متعدد ہونے کا استدلال کرنا یہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک آسمانوں پر خرق والتیام (۱) کا امتناع ثابت نہ ہو جبکہ یہ عقلاً جائز ہے اور شرعاً واجب ہے۔

[2] ہم نے ان ستاروں کو شیاطین کے لئے رجم بنا دیا ہے جو چوری چھپے آسمان والوں کی باتیں سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ستارے اپنی جگہ سے زائل نہیں ہوتے بلکہ ان سے آگ کے شعلے الگ ہوتے ہیں اور آخرت میں ان کے لئے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ جب سابقہ کلام شیاطین کے ذکر کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے تھی اس کے پیچھے کفار کا ذکر کیا کیونکہ شیاطین کفار کی جماعت میں سے ہیں اور کفار شیاطین کے بھائی ہیں تو فرمایا:

وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝

"اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کا ان کے لئے عذاب جہنم ہے اور جہنم بڑی بری لوٹنے کی جگہ ہے [1] جب وہ اس میں جھونکے جائیں گے تو اس کی زوردار گرج سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی [2] (ایسا معلوم ہوتا ہے) گویا مارے غضب کے پھٹنا چاہتی ہے جب بھی اس میں کوئی جتھا جھونکا جائے گا تو ان سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا [3]"

[1] جب کفار کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو وہ اس سے گدھے کی سی آواز سنیں گے جو آگ سے نکل رہی ہوگی یا ان سے نکل رہی ہوگی جو ان سے پہلے جہنم میں داخل ہوئے یا ان جہنمیوں سے نکل رہی ہوگی شهيقاً ذوالحال ہے اور لها اس سے حال ہے ذوالحال کیونکہ نکرہ ہے اس لئے حال کو ذوالحال پر مقدم کیا ہے۔

---

(۱) یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ آسمان نہ پھٹے گا اور نہ جڑے گا بلکہ اس کا پھٹنا اور جڑنا ممتنع ہے۔ مترجم

جہنم اس طرح جوش مار رہی ہوگی جس طرح ہنڈیا جوش مارتی ہے۔ ہر حمتہ نا در حمتہ اللہ علیہ نے مجاہد رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے جہنم ان جہنمیوں کے ساتھ یوں جوش مار رہی ہوگی جس طرح زیادہ پانی تھوڑے دانوں کے ساتھ جوش مارے گا (1) یہ کلام بطور مجاز ہے۔

۲؎ قریب ہے کہ جہنم غصے سے پھٹ جائے من الغیظ تمیز کے متعلق ہے۔ یہ جملہ تفور کے فاعل سے حال ہے اور ھی تفور لھا کی ضمیر سے حال ہے۔ اس غیظ سے مراد اللہ تعالیٰ کا غیظ ہے یا عذاب کے فرشتوں کا غیظ ہے یا جہنم کی آگ کا اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر غیظ ہے۔ غیظ کی آگ کی طرف نسبت یا تو مجازی ہے اور اس میں استعارہ جاری ہوگا یا یہ نسبت حقیقی ہوگی مگر اس وقت جب آگ کے لئے شعور کو ثابت کیا جائے جس طرح ہم نے جمادات میں شعور کو ثابت کیا ہے۔

۳؎ جب بھی جہنم میں کافروں کی جماعت پھینکی جائے گی تو جہنم کے داروغے انہیں شرمندہ کرنے کے لئے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس ڈرانے والا نہیں آیا جو تمہیں آگ کے عذاب سے بچائے یہ جملہ مستانفہ ہے اور مقدر سوال کا جواب ہے مَا یُقَالُ لَھُمْ حِیْنَ یُلْقَوْنَ اور کلما ظرف ہے، جو سالھم کے متعلق ہے یہاں استفہام تقریر کے لئے ہے۔

قَالُوْا بَلٰی قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ ۙ۬ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۖۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ ۝۹

''وہ کہیں گے کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا پس ہم نے اس کو جھٹلایا اور ہم نے اس کو (صاف صاف) کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نہیں اتاری تم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔ ۱؎''

۱؎ یہ حال مستقبل کی حکایت ہے، یعنی جب ان سے پوچھا جائے گا تو وہ کہیں گے یہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ بھی ایک مقدر سوال کا جواب ہے ما یقولون حین یسالون کذلک۔

بلی یہ قالوا کا مفعول ہے۔ نذیر یہ فعیل کا وزن ہے صفت کا معنی دیتا ہے اور جمع کے معنی میں ہے یا یہ مصدر ہے اور اس کا مضاف مقدر ہے ہے جو اہل ہے یا یہ مصدر ہے اور مبالغہ کے لئے اس کے ساتھ صفت لگائی گئی ہے یا یہ صفت کا صیغہ ہے اور واحد کے معنی میں ہے۔ پھر آیت کا معنی یہ بنے گا ہم میں سے ہر ایک کی طرف ایک ڈرانے والا آیا۔ یہ جملہ بلی کے معنی کی ہی وضاحت کرتا ہے۔ ہم نے نذیر کی تکذیب کی اور جھٹلانے میں زیادتی کی یہاں تک کہ یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا، یعنی وحی نازل کرنے اور رسول بھیجنے کی مطلقاً نفی کر دی۔

ان انتم...... کبیر ظاہر سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ کفار کا کلام ہے جنہوں نے رسولوں کی تکذیب میں مبالغہ کیا اور انہیں بڑی گمراہی کی طرف منسوب کیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ مقولہ ہو اور جہنم کے داروغوں نے کفار سے جو کلام کی اس کی حکایت ہو نذیر اگر واحد کے معنی میں ہو تو خطاب اسی کو ہوگا اور اس کے مثل پر اسے غلبہ دیا گیا ہوگا یا ایک رسول کے جھٹلانے کو تمام رسولوں کے جھٹلانے کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔

وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۝۱۰

''وہ کہیں گے کاش ہم (ان کی نصیحت کو) سنتے اور سمجھتے تو (آج) ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے ۱؎''

۱؎ اس کا عطف قالوا پر ہے۔ نسمع کا مفعول بہ کلام النذیر ہے، یعنی انہوں نے کہا کاش ہم انبیاء کا کلام عناد کے بغیر قبول

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

کرنے کے لئے سنتے اور جو چیز دلائل سمعیہ سے ثابت ہوتی اس پر ایمان لاتے یا ہم آیات اور دلائل قطعیہ میں غور وفکر کرتے جو اللہ تعالیٰ، رسول اللہ اور ان کے لائے ہوئے پیغام پر ایمان کو واجب کرتے ہیں۔ یہاں دلیل نقلی کو دلیل عقلی پر مقدم کیا ہے کیونکہ دلائل نقلیہ دلائل عقلیہ کی بنسبت اتباع کرنے اور حق تک پہنچنے میں زیادہ ممد ومعاون ہیں۔ آیت اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ عقل سلیم وحی کے مطابق ہوتی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ او کا کلمہ واؤ کے معنی میں ہو۔ پھر معنی یہ ہوگا کاش ہم انبیاء کے کلام کو سنتے اور اس کے معنی کو سمجھتے اور اس میں صاحب بصیرت لوگوں کی طرح غور وفکر کرتے تو ہم جہنمی نہ ہوتے۔

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ﴿۱۱﴾

''پس (اس روز) اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے تو پھٹکار ہو اہل جہنم پر [1]''

[1] اس کا عطف قالوا پر ہے اور یہ عطف تفسیری ہے۔ انہوں نے اس وقت گناہ کا اعتراف کیا جب اعتراف انہیں کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ اعتراف کا معنی معرفت کا اقرار کرنا ہے۔ یہاں ذنب کا معنی کفر ہے۔ اس کی جمع ذکر نہیں کی گئی کیونکہ یہ اصل میں مصدر ہے۔

فسحقا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی فَاَسْحَقَهُمُ اللّٰهُ سُحْقًا یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا کلام کو مختصر کرنے اور مبالغہ کے اظہار کے لئے فعل کو حذف کیا گیا۔ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے حاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح رعب میں دونوں لغتیں استعمال ہوتی ہیں۔ یہ دعائیہ جملہ جملہ معترضہ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ﴿۱۲﴾

''بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے (اللہ کی) مغفرت اور اجر عظیم ہے [1]''

[1] ربهم سے پہلے عذاب کا لفظ محذوف ہے اور بالغیب اس سے حال ہے۔ وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں جو عذاب ان سے غائب ہے جسے انہوں نے ابھی تک نہیں دیکھا یا یہ واؤ ضمیر سے حال ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں اس حال میں کہ وہ عذاب سے غائب ہیں یا وہ جب لوگوں کی آنکھوں سے غائب ہوں وہ منافقین کی طرح نہیں۔ یا جار مجرور فعل کے متعلق ہے کہ وہ اپنے دلوں سے ڈرتے ہیں ان کے لئے ان کے رب کی طرف سے گناہوں کی بخشش ہے اور بہت بڑا اجر ہے۔ ہر وہ چیز جو لذت کا باعث ہے وہ اس کے مقابلہ میں حقیر ہے۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کی وعید کے مقابلہ میں مومنین کے ساتھ وعدہ کا ذکر کیا ہے۔ ان کا تعارف اللہ سے ڈرنے والے کے الفاظ کے ساتھ کر دیا گیا ہے مقصود یہ شعور دلانا ہے کہ ایمان کا مطلوب یہی چیز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ (1) اللہ تعالیٰ سے ڈرنا دانشمندی کا کمال ہے۔ اسے حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مشرک رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نازیبا باتیں کرتے تو جبریل امین حضور ﷺ کو آگاہ کر دیتے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا آہستہ بات کرو، کہیں حضرت محمد ﷺ کا اللہ سن ہی نہ لے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾

1۔ نوادر الاصول، جلد 1، صفحہ 271 (صادر)

"تم اپنی بات آہستہ کہو یا بلند آواز سے (اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا) بے شک وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے[1]"

[1] اسروا امر کا صیغہ ہے اور انشاء ہے مگر معنی خبر کا دے رہا ہے، یعنی دونوں اللہ تعالیٰ کے علم میں برابر ہیں۔ یہ غائب کے صیغہ سے مخاطب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔ اس میں تہدید ہے کیونکہ وہ دلوں کے بھید اس وقت سے جاننے والا ہے جبکہ ان نے ابھی خفیہ یا بلند آواز سے ظاہر نہ کیا ہو۔ انه علیم ...... الخ اس تہدید کی تعلیل ہے۔

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۴﴾

"(نادانو) کیا وہ نہیں جانتا (بندوں کے احوال کو) جس نے (انہیں) پیدا کیا وہ بڑا باریک بین ہر چیز سے باخبر ہے[1]"

[1] وہ ذات پاک جس نے سینوں کو سینوں میں موجود رازوں کو اور ہر شے کو پیدا کیا کیا وہ سر اور جہر کو نہیں جانتا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کیا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کو نہیں جانتا۔ اس میں استفہام انکاری ہے۔ نفی کا انکار علم کا اثبات ہوتا ہے۔ اس لئے یہ سابقہ کلام کی تاکید ہے۔ اللہ تعالیٰ لطیف و خبیر ہے کیونکہ اس کا علم ظاہر اور باطن تک پہنچنے والا ہے۔ یہ خلق کے فاعل سے حال ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی جہالت پر متنبہ کیا اور اپنی ان حسین صنعتوں کو ذکر کیا جو اس کے علم اور قدرت کی وسعت پر دلالت کرتی ہیں اور لوگوں کی صفت کی قباحت پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ انہوں نے انعام کے مقابلہ میں کفر کیا جو شکر کا تقاضا کرنے والی ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾

"وہی تو ہے جس نے نرم کر دیا ہے تمہارے لئے زمین کو پس (اطمینان سے) چلو اس کے راستوں پر[1] اور کھاؤ اس کے (دیئے ہوئے) رزق سے اور اسی کی طرف تم کو (قبروں سے) اٹھ کر جانا ہے[2]"

[1] ذلولا کا معنی نرم اور مطیع ہے اس زمین میں چلنا مشکل نہیں جس طرح مطیع اونٹنی پر سواری کرنا مشکل نہیں ہوتا۔ تم زمین کی اطراف میں چلو۔ اسی سے منکب الرجل ہے جس کا معنی آدمی کا کندھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا مناکب سے مراد پہاڑ ہیں۔ یہ زمین کے حد درجہ مسخر ہونے کی مثال ہے کیونکہ اونٹ کا کندھے پر سوار قدم نہیں جما سکتا اور نہ ہی کندھا اس کے لئے مسخر ہوتا ہے۔ جب زمین اتنی مسخر کر دی گئی ہے کہ اس کی اطراف میں چلنا ممکن ہے تو اس میں سے کوئی بھی حصہ ایسا باقی نہ رہا جو مسخر نہ ہو۔

[2] اس کی نعمتوں کو تلاش کرو۔ اس کا عطف فامشوا پر ہے۔ تمہارا لوٹنا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر جو انعام کیا ہے اس کے بارے میں تم سے سوال کرے گا۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾

"کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے[1] کہ وہ تمہیں زمین میں غرق کر دے اور وہ زمین تھر تھر کانپنے لگے[2]"

1۔ قنبل رحمۃ اللہ علیہ نے النشور و اٰمنتم پڑھا ہے، یعنی ہمزہ استفہام کو واؤ سے بدل دیا۔ یہ وصل کی صورت میں ہے۔ اگر نشور پر وقف کیا جائے تو ہمزہ کو ثابت رکھا جائے گا۔ ابن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں ہمزوں کو ثابت رکھا ہے جبکہ باقی قراء نے دوسرے ہمزہ کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ سب اپنے اپنے اصولوں پر قائم ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا من فی السماء سے مراد اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے(1)، یعنی اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں تو کیا وہ اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو گئے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب رات کا تیسرا حصہ باقی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اسے عطا کروں کون مجھ سے بخشش کا طلب گار ہے کہ میں اسے بخش دوں، متفق علیہ۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے پھر وہ اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے اور فرماتا ہے کون ہے جو اس ذات سے اعراض کرتا ہے جو کسی کو نہ معدوم رکھتی ہے اور نہ یہ ظلم کرتی ہے یہ ندا صبح طلوع ہونے کے وقت تک جاری رہتی ہے(2)۔ یہ آیت متشابہات میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ آسمان میں مکان بنانے سے منزہ ہے۔ اسلاف کا مذہب اس بارے میں یہ تھا کہ وہ خاموش رہتے اور صوفیاء کا قول اللہ تعالیٰ کے فرمان یَأْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ متاخرین نے اس کی کئی تاویلیں کی ہیں کہ من فی السماء سے مراد اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کی قضاء ہو۔ یا یہ کلام عربوں کے گمان کے مطابق کی گئی یا آسمان سے مراد رتبہ کے اعتبار سے بلندی ہے مکان کے اعتبار سے بلندی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا من فی السماء سے مراد فرشتے ہیں جو امور کی تدبیر پر معین ہیں جن کی حیثیت زمین کو دھنسانے اور ان پر پتھر برسانے میں آلہ کی ہے۔

2۔ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے جس طرح اس نے قارون کے ساتھ سلوک کیا۔ یا یہ من سے بدل اشتمال ہے۔ جبکہ وہ تھر تھرا رہی ہو گی اس جملے کا عطف یخسف پر ہے۔ اذا مفاجاتیہ ہے جو مابعد جملہ کی طرف مضاف ہے۔

أَمْ أَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ ﴿١٧﴾

"کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی ہوا تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے1۔"

1۔ ام منقطع ہے جو ھل کے معنی میں ہے اور استفہام انکار کا معنی دے رہا ہے۔ حاصبا ایسی ہوا جس میں پتھر ہوں جس طرح حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل ہوا۔ فستعلمون کا عطف سابقہ جملہ کے مضمون پر ہے، یعنی تم جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے، یعنی میرا عذاب کیسا ہے مگر تمہارا اس وقت جاننا تمہیں کوئی نفع نہ دے گا۔ ورش نے اسے نذیری پڑھا ہے۔ اسی طرح اس نے نکیری پڑھا ہے۔ وصل کی صورت میں یاء کو آخر میں ثابت رکھا ہے اور وقف کی صورت میں دونوں جگہ کو یاء کو حذف کیا ہے جبکہ باقی قراء نے دونوں میں یاء کو حذف کیا ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿١٨﴾

"اور جو لوگ ان سے پہلے گزرے انہوں نے بھی جھٹلایا (خود دیکھ لو) کہ (ان پر) میرا عذاب کتنا سخت تھا1۔"

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا۔ 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 258 (قدیمی)

WWW.NAFSEISLAM.COM

یہ کلام محذوف قسم کا جواب ہے۔ ان پر عذاب نازل کر کے میرا انکار کرنا کیسا ہوگا۔ ان آیات میں حضور ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے اور کفار کے لئے دھمکی ہے۔ یہاں استفہام تعجب اور تقریر کے لئے ہے۔ جملہ استفہامیہ جملہ خبریہ کی تاویل میں ہو کر کذب پر معطوف ہے۔ اس جملہ میں خطاب سے غائب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾

"کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر (اڑتے) کبھی نہیں دیکھا پر پھیلائے ہوئے اور کبھی پر سمیٹ بھی لیتے ہیں نہیں روکے ہوئے انہیں کوئی (فضا میں) بجز رحمن کے بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے۔[1]"

[1] ہمزہ استفہام کے لئے ہے اور واؤ عاطفہ ہے۔ معطوف علیہ محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: اَلَمْ يَنْظُرُوْا مَا خَلَقْنَا مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَغَيْرِهِمَا وَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ ...... فَوْقَهُمْ یہ ظرف ہے اس کا تعلق صافات کے ساتھ ہے۔ یہ الطیر سے حال ہے۔ اس رؤیت سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے کیونکہ یہ "اِلٰی" کے ساتھ متعدی ہے۔ یعنی وہ اڑنے کے وقت فضا میں اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے ہیں کیونکہ جب وہ پروں کو پھیلاتے ہیں تو اپنے قوادم (وہ پر جو لمبے ہوتے ہیں) صف در صف کر دیتے ہیں اور اپنے پہلو میں اپنے پر سمیٹ لیتے ہیں۔ یقبضن کا عطف صافات پر ہے۔ اسم فاعل سے فعل کی طرف اس لئے عدول (پھرنا) کیا گیا ہے تاکہ حدوث اور تجدد پر دلالت ہو کیونکہ اڑنے میں اصل تو پروں کو پھیلانا ہے اور پروں کا سمیٹنا اور پہلوؤں کے ساتھ مارنا وقفہ وقفہ سے ہوتا ہے تاکہ حرکت کرنے کے لئے ان سے مدد لے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یقبضن کا عطف یبسطن پر ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی يَبْسُطْنَ تَارَةً وَيَقْبِضْنَ اُخْرٰى۔

قاعدہ طبعیہ کے خلاف فضا میں انہیں اللہ تعالیٰ ہی روکے ہوئے ہے۔ یہ جملہ صافات کے فاعل سے حال ہے۔ اللہ تعالیٰ کیونکہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے اس لئے خوب جانتا ہے کہ غرائب کو کس طرح تخلیق کرتا ہے اور عجائبات میں کس طرح تدبیر کرتی ہے۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾

"(اے منکرو) کیا تمہارے پاس کوئی ایسا لشکر ہے جو تمہاری مدد کرے (خداوند) رحمن کے علاوہ بے شک منکرین دھوکہ میں مبتلا ہیں۔[1]"

[1] ام متصل ہے اور اس کا مقابل اولم یروا ہے۔ معنی یہ ہوگا کیا وہ اس قسم کی صنعتوں میں غور نہیں کرتے اور ہماری اس قدرت کو نہیں جانتے کہ ہم انہیں زمین میں دھنسانے اور پتھر برسانے پر قادر ہیں یا تمہارے پاس لشکر ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے مقابلہ میں تمہاری مدد کریں گے اور تم سے عذاب دور کر دیں گے۔ اگر وہ تم پر اپنا عذاب بھیج دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ام ابتدائیہ ہے نہ یہ متصل ہے اور نہ ہی یہ منقطعہ ہے اور ہمزہ اور ھل کے معنی میں ہے۔ یہ اس لئے ذکر کیا تاکہ استفہام کا تکرار نہ ہو من استفہامیہ مبتدا ہے اور ھذا اس کی خبر ہے۔ اسم موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر اس کی (خبر کی) صفت ہے۔ یا اس سے بدل ہے ینصر کم جند کی صفت ہے اور ینصر کو مفرد ذکر کیا کیونکہ جند کے لفظ کا اعتبار کیا گیا ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

یہاں اسم اشارہ اور اسم موصول دونوں ذکر کئے گئے ہیں جب کہ ایک کے ترک کرنے کے ساتھ وہی معنی سمجھا جا سکتا ہے جیسے اَمْ مَنْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ۔ اس طرح کلام لانے کی حکمت یہ ہے کہ جب مبہم کے بعد مفصل کلام لائی جائے تو دل میں بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ھذا مبتداء ہو اور اسم موصول صلہ کے ساتھ مل کر اس کی خبر ہے اور جملہ یقال کا مفعول ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اَمَّنْ يُّقَالُ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ اس آیت میں اور بعد والی آیت میں ھذا کے مشار الیہ سے مراد بت ہیں جنہیں وہ اپنا معبود خیال کرتے ہیں، یعنی وہ بت جن کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مدد کریں گے یا رزق دیں گے یا اس سے مراد ان کے مددگار ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ کافر شیطان کی وجہ سے دھوکے میں مبتلا ہیں کیونکہ وہی انہیں دھوکے میں مبتلا کرتا ہے کہ عذاب ان پر نازل نہیں ہوگا جب کہ ان کے پاس ایسی کوئی دلیل بھی نہیں ہوتی جس پر وہ انحصار کر سکیں۔ اس میں غائب کے صیغہ سے خطاب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾

”کیا کوئی ایسی ہستی ہے جو تمہیں رزق پہنچا سکے اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق بند کر لے لیکن یہ لوگ سرکشی اور حق سے نفرت میں بہت دور نکل گئے ہیں [1]“

[1] یعنی بارش اور وہ اسباب جو رزق عطا کرنے والے ہیں اور تم تک پہنچانے والے ہیں انہیں روک کر تمہیں رزق سے محروم کر دے یا ان چیزوں کا اثر زائل کر دے۔ اس میں بھی وہی گفتگو ہوئی جو اس سے قبل کلام میں گفتگو ہوئی۔ یہ کفار لوگوں کو گمراہ کرنے اور حق سے دور ہونے میں بہت آگے نکل گئے ہیں کیونکہ ان میں جہالت حد درجہ کی موجود ہے اور ان کی طبیعتیں حق سے بہت ہی زیادہ متنفر ہیں۔

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾

”کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرتا پڑتا چلا جا رہا ہے وہ راہ راست پر ہے یا جو سیدھا ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہے [1]“

[1] اس میں ہمزہ استفہام تقریر کا معنی دیتا ہے، یعنی مخاطب کو برانگیختہ کرتا ہے کہ وہ حق بات کو تسلیم کرے۔ اس میں من موصولہ مبتدا ہے۔ اھدی اس کی خبر ہے۔ مکبا، یمشی کے فاعل سے حال ہے۔ اکباب یہ کب سے نکلا ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے كَبَبْتُهٗ فَاَكَبَّ۔ باب افعال کا مطاوعت سے آنا غرائب میں سے ہے جس طرح قَشَعَ اللّٰهُ السَّحَابَ فَاَقْشَعَ۔ یا اس کا معنی ہوگا وہ اپنے آپ کو منہ کے بل گرانے والے ہیں۔ قاموس میں ہے کبہ یعنی اسے الٹ دیا اسے گرا دیا۔ اسی طرح اکبہ کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے کببتہ فاکب میں یہ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی ہے وہ چلتا ہے اور ہر لحہ لڑکھڑاتا ہے اور منہ کے بل گر پڑتا ہے کیونکہ راستہ پر پیچ ہے اور اس میں نشیب و فراز ہیں۔

سویا کا معنی کھڑا ہونے والا سرکشی سے اعراض کرنے والا صراط مستقیم ہموار راستہ کو کہتے ہیں۔ من مبتدا کی خبر یہاں محذوف ہے اور معطوف علیہ میں جو خبر ذکر کی گئی اسی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اب یہ اقرار کرنا واجب ہے کہ جو کھڑے ہو کر صراط مستقیم پر چلتا ہے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔ اسی طرح وہ مومن جو عقل و نقل کی راہ پر بصیرت کے ساتھ چلتا ہے اس کافر سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے جو نہ حق بات سنتا ہے اور نہ ہی حق بات سمجھتا ہے۔

1۔ القاموس المحیط، جلد 1

اهدی کا کلمہ اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ مفضل علیہ میں ہدایت حقیقتاً موجود ہو بلکہ اس میں فرضی اور تقدیری ہدایت کافی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جو دنیا میں نافرمانیوں میں منہمک رہا وہ آخرت میں منہ کے بل گرے گا جبکہ مومن قیامت کے روز سیدھا چلے گا۔ شیخین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کافر کو منہ کے بل کیسے جہنم کی طرف لے جایا جائے گا تو حضور ﷺ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں قدموں پر نہیں چلایا تھا تو وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ قیامت کے روز منہ کے بل چلائے (1)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ اس جملہ میں کفار پر ایک اور طعن کیا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا فرمان امن هذا الذی هو جندلکم ینصرکم اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ''امن هذا الذی یرزقکم'' ان کے لشکروں کی طرف سے مدد اور رزق کے انکار کے لئے لائے گئے تو یہ سوال پیدا ہوا کہ پھر ہماری مدد کون کرے گا اور ہمیں کون رزق دے گا تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد سے دیا۔

قُلْ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾

''آپ فرمائیے وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے (لیکن) تم بہت کم شکر کیا کرتے ہو[1]''

[1] فرما دیجئے تمہاری مدد وہی ذات کرے گی اور تمہیں رزق بھی وہی ذات دے گی جس نے تمہیں پیدا کیا تاکہ تم اپنے رب کو پہچانو اور اس کی عبادت کرو، اسی نے تمہارے لئے کان بنائے تاکہ تم نصیحتوں کو سنو، آنکھیں بنائیں تاکہ تم اس کی صنعتوں کو دیکھو، تمہارے دل بنائے تاکہ تم سوچ و بچار کرو۔ جب سمع اصل میں مصدر ہے اور مصدر کی جمع نہیں آتی تو مفرد کا صیغہ ذکر کیا جبکہ بصر اور فواد کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی طرح سمع سے جو علم حاصل ہوتا ہے اس کی ایک ہی نوع ہوتی ہے جو آواز ہے اور جو علم آنکھ اور دل سے حاصل ہوتا ہے اس کی مختلف انواع ہیں۔

قلیلا یا تو شکر کی صفت ہے یا پھر زمان کی صفت ہے۔ ما زائدہ ہے اور قلت کی تاکید کے لئے ہے، یعنی پہلی صورت میں قلیلا مفعول مطلق اور دوسری صورت میں مفعول فیہ ہے۔ یہاں قلت سے مطلقاً نفی مراد ہے۔

قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

''آپ فرمائیے اسی نے تم کو پھیلا دیا ہے زمین میں اور (روز حشر) تم اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے[1]''

[1] یہ هو الذی انشاکم سے بدل ہے اور الیه تحشرون یہ ذراکم کے فاعل سے حال ہے۔ یہ دونوں جملے اس طریقہ پر ہیں جس طرح یہ جملے ہیں جَاءَ زَیْدٌ وَهُوَ رَاکِبٌ۔

وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾

''(کفار از راہ مذاق) پوچھتے ہیں کہ (بتاؤ) یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو[1]''

[1] کفار قیامت کا انکار کرنے کے لئے اور اس کے واقع ہونے میں دیری ہو جانے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں اے نبی اور مومنین اگر تم سچے

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 347 (قدیمی)

ہوتو قیامت کب برپا ہوگی اس لئے قیامت کا وقت واضح کرو۔

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲۶

"آپ فرمائیے (اس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے میں تو محض واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں لے"

لے یہ جملہ مستانفہ ہے۔ مقدر سوال کا جواب ہے جو ما اقول لھم ہے، یعنی قیامت کے وقت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ میں تو واضح ڈرانے والا ہوں۔ ڈرانے کے لئے اتنا علم ہی کافی ہے کہ جس چیز سے ڈرایا جارہا ہے وہ واقع ہوگی۔ ڈرانے کے لئے اس چیز کے واقع ہونے والے وقت کا علم ضروری نہیں۔ دونوں جملے معطوف اور معطوف علیہ مل کر قول کا مقولہ ہیں۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ قِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ۝۲۷

"پھر جس وقت اسے قریب آتے دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے جس کا تم بار بار مطالبہ کرتے ہو لے"

لے ہ ضمیر الوعد کی طرف لوٹ رہی ہے جو الموعود کے معنی میں ہے۔ اکثر مفسرین نے کہا اس سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے بدر کا عذاب مراد ہے(1)۔ زلفۃ یہ مفعول کی ضمیر سے حال ہے اور اس سے پہلے مضاف ذاحذوف ہے اور لما ظرف ہے جس کا سیئت کے ساتھ تعلق ہے۔ جب انہوں نے عذاب کو قریب دیکھا تو کافروں کے چہرے سیاہ ہوگئے۔ اس وقت انہیں کہا جائے گا کہ اسی عذاب کو تم طلب کررہے تھے اور جلدی مچارہے تھے۔ اس صورت میں یہ دعاء سے مشتق ہوگا یا یہ دعویٰ سے مشتق ہے۔ اس وقت معنی ہوگا کہ تم یہ دعویٰ کرتے تھے کہ قیامت برپا نہیں ہوگی۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَ مَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۲۸

"آپ فرمائیے (اے منکرو) ذرا غور تو کرو اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں کو ہلاک کردے یا ہم پر رحم فرمادے تو کون بچائے گا کافروں کو دردناک عذاب سے لے"

لے خطاب حضور علیہ السلام کو ہے کہ آپ مشرکین مکہ سے کہہ دو جو تمہاری ہلاکت کی آرزو کرتے ہیں۔ اھلکنی میں یاء کو حمزہ نے سکون کے ساتھ جبکہ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ معی میں یاء کو حمزہ، کسائی اور ابوبکر رحمہم اللہ تعالیٰ نے سکون کے ساتھ جبکہ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے ساتھیوں کو موت عطا کردے یا ہماری اموات کے وقت کو مؤخر کر کے ہمارے اوپر رحم فرمائے، ارایتم میں استفہام تقریر کے لئے ہے اور رؤیت علم کے معنی میں ہے۔ معنی اس کا یہ ہوگا مجھے خبر دو۔ افعال قلوب کے بعد جملہ شرطیہ نفی اور استفہام کی طرح ہوتا ہے۔ اس لئے تعلیق واجب ہے۔

فمن یجیر میں استفہام انکار کے لئے ہے۔ یہ جملہ شرط کی جزاء ہے، یعنی انہیں کوئی پناہ نہیں دے گا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہماری ہلاکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں کہ تم ہماری ہلاکت کا مطالبہ کرنے لگو بلکہ تمہارے لئے فائدہ تو اس میں ہے کہ تم ان کی اتباع کرو جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائیں بتوں سے یہ تصور نہیں کیا جاسکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے اگر اللہ تعالیٰ مجھے

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

اور مومنین کو ہلاک کر دے تو پھر یا تو یہ صورت ہو گی کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو ان کے گناہ کی وجہ سے انہیں عذاب دے گا یا وہ ہم پر رحم فرمائے گا اور ہمیں بخش دے گا ہم ایمان رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں کیونکہ ہم سے گناہ صادر ہوئے اور اس کا حکم ہم میں نافذ ہے۔ یہ بتاؤ تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون پناہ دے گا جبکہ تم تو کافر ہو۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾

"فرمائیے وہ (میرا خالق) بڑا ہی مہربان ہے ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہے پس عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کھلی گمراہی میں کون ہے۔1"

1۔ وہ رحمن ہے یعنی جس کے وجود، قدرت اور کمال پر دلائل گزر چکے ہیں اسی کی میں عبادت کرتا ہوں اور اسی کی طرف تمہیں دعوت دیتا ہوں۔ وہ تمام نعمتوں کا مالک ہے۔ ہم اس پر ایمان لائے کیونکہ ہم اس کو جانتے ہیں۔ اس میں سابقہ جملہ هو الرحمن کے معنی کی ہی وضاحت ہے۔ ہم اسی پر بھروسہ کرتے ہیں کیونکہ ہمیں اس پر اعتماد ہے۔ توکل کا انحصار ایمان لانے پر ہے۔ یہاں ظرف کو مقدم کیا ہے جو حصر کا فائدہ دیتا ہے جس طرح هو الرحمن کے جملہ سے حصر حاصل ہو رہا تھا۔ یہ جملہ پہلے دونوں جملوں کے معنی کی وضاحت کرتا ہے۔ یہ آیت سابقہ دلائل کا نتیجہ ہے۔ اسی پر کافروں اور مومنوں کی حالت پر حکم مرتب ہوتا ہے اسی وجہ سے آگے فاء سببیہ کا ذکر کیا۔

کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے فسیعلمون پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے فستعلمون پڑھا ہے۔ یہ جملہ مابعد استفہامیہ جملہ کے ساتھ معلق ہے کہ تم قیامت کے روز جان لو گے کہ کون واضح گمراہی میں ہے، ہم یا تم۔ اس میں دھمکی بھی ہے اور خوف بھی دلایا گیا ہے۔ یہی چیز مابعد آیت میں بھی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾

"آپ پوچھئے اگر کسی صبح تمہارا پانی زمین کی تہہ میں اتر جائے تو تمہیں میٹھا صاف پانی کون لا دے گا۔1"

1۔ غورا مصدر ہے۔ اسم فاعل کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے، یعنی وہ پانی اتنا گہرا چلا جائے کہ وہاں تک ڈول نہ پہنچ سکیں یا یہ حقیقت میں مصدر ہے اور مبالغہ کے لئے اسی کے ساتھ صفت ذکر کی گئی۔ معین یہ عین جاریہ (جاری چشمہ) سے مشتق ہے۔ معنی ہو گا ماء جار (جاری پانی) یا عین باصدہ سے مشتق ہے، یعنی جو دکھائی دے ظاہر ہو اور اسے حاصل کرنا آسان ہو کیونکہ عقل بدیہی طور پر اس پر گواہ ہے کہ یہ بت اس طرح کرنے پر قادر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی بھی اس کے کرنے پر قادر نہیں قاری کے لئے یہ کہنا مستحب ہے کہ وہ جب سورت کو ختم کرے تو اللہ رب العالمین کے الفاظ کہے۔ جلال الدین محلی نے کہا حدیث اسی طرح آئی ہے۔

فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کی ایک سورت ہے جس میں تیس آیات ہیں وہ انسان کے لئے شفاعت کرتی ہے یہاں تک کہ اس بندے کو بخش دیا جاتا ہے۔ وہ سورت تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ہے(1)۔ اسے امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا۔ امام

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 113 (وزارت تعلیم)

WWW.NAFSEISLAM.COM

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: کتاب اللہ کی ایک سورت ہے۔ اس کی صرف تیس آیات ہیں۔ وہ آدمی کی سفارش کرتی ہے، قیامت کے روز جہنم سے نکالتی ہے اور اسے جنت میں داخل کر دیتی ہے۔ یہ سورۃ تبارک الذی ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہی محفوظ رکھنے والی اور نجات دینے والی ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس وقت تک نہ سوتے جب تک الم تنزیل اور تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ کی تلاوت نہ کرتے تھے(3)۔ اسے امام احمد، امام ترمذی اور دارمی رحمہما اللہ تعالی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ خالد بن معدان سے مروی ہے مجھے الم تنزیل کے بارے میں خبر پہنچی اور اسی طرح سورۃ تَبٰرَكَ الَّذِیْ کے بارے میں خبر پہنچی کہ ایک آدمی ان دونوں کو پڑھتا تھا ان کے علاوہ کچھ نہیں پڑھتا تھا۔ اس کے بے شمار گناہ تھے۔ اس نے اس آدمی پر اپنے پر پھیلا لئے اور عرض کی اے میرے رب اسے بخش دے کیونکہ یہ مجھے کثرت سے پڑھا کرتا تھا۔ اللہ تعالی اس بندے کے حق میں اس کی شفاعت قبول فرمالیتا ہے اور فرماتا ہے اس کی ہر خطا کے بدلے میں ایک نیکی لکھ لو، اس کا درجہ بلند کردو۔ یہ بھی کہا کہ یہ اپنے تلاوت کرنے والے کے حق میں قبر میں جھگڑا کرتی ہے، عرض کرتی ہے اے میرے اللہ اگر میں تیری کتاب کا حصہ ہوں تو اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ اگر میں تیری کتاب سے نہیں ہوں تو مجھے اپنی کتاب سے مٹا دے۔ وہ پرندے کی صورت بنا کر اس پر اپنے پر پھیلا لیتی ہے۔ اللہ تعالی اس قاری کے حق میں اس صورت کی شفاعت قبول کر لیتا ہے اور قبر کے عذاب سے اسے محفوظ کر دیتا ہے۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دونوں سورتیں (الم تنزیل، تبارک الذی) دوسری سورتوں پر ساٹھ نیکیوں میں فضیلت رکھتی ہیں(4)۔ اسے دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 424 (الفکر)
2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 112 (وزارت تعلیم)
3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 113
4۔ ایضاً۔

Nafse Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

سورۃ القلم

آیاتہا ۵۲ | سُوْرَۃُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ ۶۸ | رکوعاتہا ۲

سورۃ القلم مکی ہے اس میں 2 رکوع اور 52 آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۙ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ﴿۲﴾ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۚ﴿۳﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾

"ن[1] قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں[2] اور یقیناً آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا[3] اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں[4]"

[1] ن حروف مقطعات میں سے ہے۔ سورۂ بقرہ کے آغاز میں حروف مقطعات کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ مچھلی کا نام ہے اور اس سے مراد جنس ہے یا اس سے مراد بہموت مچھلی ہے جس پر زمین قائم ہے یا اس سے مراد دوات ہے کیونکہ بعض مچھلیوں سے ایسا مادہ نکلتا ہے جو روشنائی سے بھی زیادہ سیاہ ہوتا ہے، اس کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ لیکن "ن" کو حروف کی صورت میں لکھا جانا اور وصل و وقف دونوں صورتوں میں سکون کے ساتھ پڑھنا پہلے قول کی تائید کرتا ہے اور دوسرے اقوال کا انکار کرتا ہے۔ ابن عامر، کسائی اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے نون کے اخفاء کے ساتھ پڑھا ہے اور واؤ منفصل کو واؤ متصل کی جگہ رکھا ہے، جبکہ باقی قراء نے نون میں اظہار کیا ہے۔

واؤ قسمیہ ہے اور قلم سے مراد وہ قلم ہے جس نے لوح محفوظ کو لکھا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اسے فرمایا لکھ۔ قلم نے عرض کی کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھ (1)۔ اس نے تا ابد سب کچھ لکھ دیا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق سے ستر ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیر کو لکھ دیا تھا فرمایا جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (2)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ نور کا قلم ہے، اس کی لمبائی زمین اور آسمان کے درمیان فاصلہ کے برابر ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد قلم کی جنس ہو۔ قلم کی قسم اس لئے اٹھائی کہ اس کے فوائد بے شمار ہیں۔

یسطرون میں واؤ ضمیر قلم کی طرف لوٹ رہی ہے اگر قلم سے پہلا معنی لیا جائے تو پھر جمع کی ضمیر تعظیم کے لئے ہوئی۔ دوسرا معنی لیا جائے تو قلم میں جنس کا اعتبار کرتے ہوئے جمع کی ضمیر ذکر کی۔ یہاں فعل کی نسبت آلہ کی طرف کی گئی اور وہی احکام (1) جاری کئے گئے

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 38 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 335 (قدیمی)
حاشیہ (1) اگلے صفحہ پر

جو ذوی العقول کے لئے ہوتے ہیں کیونکہ قلم کو ذوالعقول کے قائم مقام رکھا ہے۔ یا قلم کے دوسرے معنی کی صورت میں ضمیر قلم والوں کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی لکھنے والوں کی قسم اٹھاتا ہوں یا ضمیر کراماً کاتبین کی طرف لوٹ رہی ہے جس کا ذکر پہلے نہیں ہوا جو لوگوں کے اعمال لکھتے ہیں یا ضمیر علماء کی طرف لوٹ رہی ہے جو دینی علوم لکھتے ہیں۔

۲۔ بنعمة ربک یہ حال ہے۔ آپ اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت آپ پر کی گئی ہے مجنون نہیں۔ نعمت سے مراد نبوت، مروت، کمال عقل، کمال فہم، جلال فضل، مکارم اور علوم کی مختلف انواع مراد ہیں اس حال میں عامل نفی کا معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس میں عامل مجنون ہے کیونکہ باء زائدہ ہے جو ماقبل میں عمل کرنے سے نہیں روکتا۔ لیکن علماء نے اس قول کو معنوی اعتبار سے ضعیف قرار دیا کہ اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ جنون کی آپ سے مطلق نفی نہیں کی گئی بلکہ بعض مواقع پر نفی کی گئی ہے جو درست نہیں۔ یہ کفار کے قول کا جواب ہے کیونکہ وہ یہ کہتے تھے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ یعنی اے وہ جس پر ذکر نازل کیا گیا تو مجنون ہے۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح نقل کیا ہے کیونکہ وہ اس دعویٰ کو بہت ہی ناممکن خیال کرتے تھے جو حضور ﷺ نے اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہونے کا کیا تھا اور تنگدستی اور کفار کے غلبہ کے دور میں تمام لوگوں کی مخالفت کی تھی۔ جب اس کا ناممکن ہونا کفار کے گمان میں قوی اور مستحکم تھا تو انہوں نے اپنے قول کو اِنَّ اور لام قسم کے ساتھ مؤکد کیا ان کے انکار میں کیونکہ شدت پائی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جواب قسم کو بھی مؤکد ذکر کیا اور خبر میں باء کا اضافہ کیا تا کہ نفی کی تاکید ہو۔ اس میں حضور ﷺ سے اس حال میں جنون کی نفی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت آپ کو شامل ہوتا کہ یہ قید نفی پر برہان اور دلیل بن جائے جس کی علم، عقل، فہم اور کمال میں یہ شان ہو اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ مجنون ہے یہ محض بے وقوفی ہے۔ اس قسم کی بات وہی کر سکتا ہے جو گدھے سے بھی بڑھ کر بے وقوف اور کند ذہن ہو کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ مادہ دراز گوش نے اس وقت کعبہ کی طرف تین دفعہ سجدہ کیا۔ جب حضرت حلیمہ حضور ﷺ کے ساتھ اس پر سوار ہوئی تھیں اور مادہ دراز گوش نے کہا تھا۔ اس کی پشت پر انبیاء میں سے افضل، رسولوں کے سردار، اولین وآخرین میں سے بہترین اور رب العالمین کے حبیب ہیں۔ ایک طویل حدیث میں مواہب لدنیہ میں اسی طرح مذکور ہے کفار تو گدھے سے بھی زیادہ کند ذہن ہیں۔

۳۔ آپ نے کفار سے جو اذیتیں اٹھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا ہے اس پر ایسا عظیم اجر دیا جائے گا جو ختم نہ ہوگا یا لوگوں کی طرف سے آپ پر کوئی احسان نہیں جتلایا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرماتا ہے اور لوگوں پر آپ کا احسان ہے۔ اجراً کو عظمت بیان کرنے کے لئے نکرہ ذکر کیا ہے۔ اس جملے کا عطف جواب قسم پر ہے یا یہ بھی انت سے حال ہے۔ یہی صورت حال مابعد جملہ کی ہے۔

۴۔ آپ کو ایسی باتیں برداشت کرنا پڑیں جیسی دوسرے انبیاء نے برداشت نہ کیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو مجھے اذیتیں دی گئیں ایسی اذیتیں کسی اور (نبی) کو نہ دی گئیں (۱)۔ اسے ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کفار کے خلاف بددعا فرمائیں۔ فرمایا میں لعنت کرنے والا بنا کر مبعوث نہیں کیا گیا، میں تو

1۔ کنز العمال، جلد 3، صفحہ 132 (التراث الاسلامی)

(حاشیہ گزشتہ صفحہ) (۱) قلم سے جنس قلم مراد لی جائے تو فعل تسطو ہونا چاہئے کیونکہ جمع مذکر کا صیغہ اسی وقت آتا ہے جب ضمیر جمع مذکر ذوالعقول کی طرف لوٹتی ہو۔ جبکہ یہاں ضمیر قلم کی جنس کی طرف لوٹ رہی ہے جو غیر ذوالعقول ہے۔ (مترجم)۔

رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ جب کفار نے حضور ﷺ پر جنون کا الزام لگایا جبکہ مجنون تو کسی اجر کا مستحق نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کا کوئی اچھا اجر ہوتا ہے۔ ان جملوں کو عطف اور حال کی صورت میں لانا یہ سابقہ جملہ جس میں جنون کی نفی تھی اس کی تاکید اور کفار کے قول کا بلیغ ترین انداز میں رد ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا خلق عظیم سے مراد عظیم دین ہے، دین اسلام سے بڑھ کر نہ کوئی دین میرے لئے پسندیدہ ہے اور نہ ہی محبوب ہے(2)۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا خلق عظیم سے مراد قرآن کے آداب ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور ﷺ کے اخلاق کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا آپ ﷺ کے اخلاق قرآن تھے کیا(3) قرآن کی تلاوت نہیں کرتا قد افلح المومنون۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ادب مفرد میں نقل کیا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا خلق عظیم سے مراد یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے اس سے رک جاتے۔ معنی یہ ہوا آپ ان اخلاق پر ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم دیا ہے(4)۔ جنید نے کہا خلق عظیم یہ ہے کہ آپ کا مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ اور کچھ نہ ہو۔

حضور ﷺ کے اخلاق عظیمہ کے بارے میں فصل

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور سب سے اچھے اخلاق والے تھے نہ زیادہ لمبے قد والے اور نہ ہی چھوٹے قد والے تھے(5)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے دس سال حضور ﷺ کی خدمت کی آپ ﷺ نے کبھی مجھے اف تک نہیں کہی اور نہ ہی کبھی مجھے کسی ایسے کام کے بارے میں کہا جو میں نے کیا ہو کہ تو نے یہ کیوں کیا اور جو میں نے چھوڑ دیا اس کے بارے میں یہ نہیں فرمایا تو نے اسے کیوں چھوڑا۔ حضور ﷺ تمام لوگوں سے اچھے اخلاق والے تھے۔ میں نے حضور ﷺ کے ہاتھ سے بڑھ کر خز (ایک قسم کا ریشم)، ریشم اور کسی اور چیز کو نرم نہیں پایا اور نہ آپ ﷺ کے پسینے سے بڑھ کر کستوری اور عطر کو خوشبودار پایا۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔(6)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت کی عقل کچھ خراب تھی۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ام فلاں جہاں تم بیٹھنا چاہو میں تمہارے ساتھ بیٹھوں گا۔ حضور ﷺ اس کے پاس بیٹھ گئے یہاں تک کہ اس نے گزارش کی۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(7)۔ آپ سے ہی مروی ہے کہ مدینہ کی عورتوں میں سے ایک عورت حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑتی اور جہاں چاہتی آپ ﷺ کو لے جاتی۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(8)۔ آپ سے ہی روایت مروی ہے کہ حضور ﷺ جب کسی سے مصافحہ فرماتے تو آپ اپنا ہاتھ نہ کھینچتے یہاں تک کہ وہ خود ہاتھ کھینچ لیتا آپ اس سے اپنا چہرہ نہ پھیرتے اور آپ کو اس حال میں نہیں دیکھا گیا کہ آپ ﷺ نے اپنے گھٹنے کسی بیٹھنے والے کے سامنے پھیلائے ہوں۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(9)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 323 (قدیمی) 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 3۔ کنز العمال، جلد 7، صفحہ 222 (التراث الاسلامی)
4۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 5۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 258 (قدیمی) 6۔ ایضاً، صفحہ 253-257۔
7۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 256 8۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 897 (و۔ت) 9۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 72 (وزارت تعلیم)

اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا مگر جب آپ ﷺ جہاد کر رہے ہوں۔ آپ نے کسی خادم اور عورت کو نہیں مارا جو آدمی آپ کی حق تلفی کرتا تو آپ اس سے انتقام نہ لیتے مگر جو آدمی اللہ تعالیٰ کی حدود کی پامالی کرتا تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے لئے اس سے انتقام لیتے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں حضور ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا۔ آپ نے موٹے حاشیوں والی ایک نجرانی چادر زیب تن کی ہوئی تھی۔ ایک اعرابی آپ کو ملا۔ آپ کی چادر کے ساتھ آپ کو سختی سے کھینچا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے کندھے پر چادر کے حاشیہ کے نشان پڑ گئے ہیں۔ پھر کہا اے محمد ﷺ آپ کے پاس جو اللہ کا مال ہے اس میں سے میرے لئے حکم فرما دیں۔ رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔ آپ مسکرائے پھر اسے مال عطا کرنے کا حکم دیا، متفق علیہ (2)۔ آپ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سے سب سے حسین سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے، متفق علیہ (3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایسا نہیں ہوا کہ حضور ﷺ سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو تو آپ نے جواب میں لا (نہیں) کہا ہو۔ یہ روایت متفق علیہ ہے(4)۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اسی اثناء میں کہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا جبکہ آپ حنین سے واپس آ رہے تھے۔ بدو سوال کرتے ہوئے چمٹ گئے یہاں تک کہ آپ کو سمرہ (درخت) کی طرف جانے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے آپ ﷺ کی چادر کو اچک لیا۔ رسول اللہ ﷺ ٹھہر گئے۔ فرمایا مجھے میری چادر دے دو اگر ان سنگریزوں کے برابر میرے پاس جانور ہوتے تو میں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا۔ تم مجھے بخیل، جھوٹا اور بزدل نہ پاتے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(5)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نہ فحش کلام کرتے، نہ فحش کلام کرنے کے لئے تصنع کرتے، نہ آپ بازاروں میں شور و غل کرتے، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے بلکہ آپ معاف فرماتے اور درگزر سے کام لیتے۔ حسن اخلاق کی فضیلت میں احادیث بے شمار ہیں۔(6)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس لئے مبعوث کیا گیا ہوں تا کہ حسن اخلاق کو مکمل کر دوں(7)۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے روز مومن کے میزان میں سب سے بھاری چیز اس کا حسن خلق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فحش اور یاوہ گوئی کرنے والے کو ناپسند کرتا ہے(8)۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور کہا یہ روایت حسن ہے۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ لوگوں کو سب سے زیادہ کونسی چیز جنت میں داخل کرتی ہے۔ لوگوں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں تو فرمایا جنت میں سب سے زیادہ لوگوں کو اللہ کا تقویٰ اور حسن خلق داخل کرتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ مومن حسن خلق کے ذریعے رات کو قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کا مقام حاصل کر لیتا ہے(9)۔ اسے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 256 (قدیمی) 2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 899 (وزارت تعلیم)
3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 252 (قدیمی) 4۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 253 5۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 396
6۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 389 (العلمیہ) 7۔ موطا امام مالک، جلد 1، صفحہ 705 (ب۔ت) 8۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 1187 (الفکر)
9۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 305 (وزارت تعلیم)

سے میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہوا۔ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ صحیحین میں ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو تم میں سے از روئے اخلاق کے سب سے بہترین ہو(2)۔ مزنہ کے ایک آدمی سے مروی ہے، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں شعب الایمان میں مروی ہے، اسامہ بن شریک سے شرح السنہ میں مروی ہے کہ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ انسان کو جو کچھ عطا کیا گیا ہے ان میں سے سب سے بہتر کونسی چیز ہے، فرمایا حسن اخلاق حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جب میں نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا تو حضور ﷺ نے سب سے آخری نصیحت مجھے یہ فرمائی لوگوں کے لئے اپنے اخلاق کو اچھا رکھو۔ اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ۝ بِأَيِّكُمُ الْمَفْتُونُ ۝

''عنقریب آپ بھی دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے [1]۔ کہ تم میں سے (واقعی) مجنون کون ہے [2]''

[1] خطاب حضور ﷺ کو ہے اور سین تحقیق کے لئے ہے۔ ''یبصرون'' میں واؤ ضمیر کفار کے لئے ہے، یعنی قیامت کے روز تم اور وہ دیکھ لیں گے کہ کسے جنون ہے۔

[2] ایکم مبتدا ہے۔ باء زائدہ ہے۔ مفتون مجنون کے معنی میں ہے۔ یہ مبتدا کی خبر ہے یا مفتون مصدر ہے۔ جنون کے معنی میں ہے جس طرح معقول اور مجلود مصدر ہیں۔ اس صورت میں خبر مقدم ہے اور مبتدا موخر ہے۔ یا معنی یہ ہے کہ کس جماعت کو جنون لاحق ہے۔ کیا مومنوں کی جماعت کو جنون ہے یا کافروں کی جماعت کو کس میں ایسی علامات ہیں جس وجہ سے وہ اس نام کا مستحق ہے۔ جملہ استفہامیہ مفرد کی تاویل میں ہو کر دونوں سابقہ فعلوں میں سے ایک کا مفعول ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جنون مومنوں کو نہیں بلکہ کفار کو ہے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جسے دو بھلائیوں میں سے ایک کے انتخاب کا اختیار دیا جائے تو وہ ان میں سے بہترین کا انتخاب کرتا ہے اور جسے دو مصیبتوں میں ایک میں ڈالا جائے تو ان میں سے آسان کا انتخاب کرتا ہے مومنوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر میں مشغول کیا جو جمیل ہے تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے اور تمام عیوب سے پاک ہے مومنوں نے نفع مند چیز کا انتخاب کیا اپنی صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے خرچ کیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے اسباب سے اجتناب کیا اور آخرت کی قوی اور ابدی نعمتوں کو دنیا کی کمزور اور زائل ہونے والی نعمتوں کو پسند کیا جن کی کوئی حیثیت ہی نہیں جبکہ کفار نے ایسے ممکنات کا انتخاب کیا جو نہ نقصان دیتے ہیں اور نہ ہی نفع دیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے نفع و نقصان دیتے ہیں بلکہ انہوں نے تو عبادت کے لئے پتھروں کا انتخاب کیا اللہ وحدہ لاشریک جو قہار اور قیوم ہے اس کو چھوڑ دیا۔ انہوں نے ابدی نعمتوں پر دنیا کی نعمتوں کو ترجیح دی جنہیں اتنا ہی حاصل کیا جا سکتا ہے جتنا اللہ چاہے نیز انہوں نے جنت پر جہنم کو ترجیح دی۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝

''بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے ان کو جو اس کی راہ سے بہک گئے ہیں اور انہیں بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں [1]''

[1] ھو ضمیر فصل ہے۔ بمن ضل جار مجرور اعلم کے متعلق ہے۔ حقیقت میں گمراہ ہی مجنون ہیں کیونکہ جنون کا نتیجہ راہ حق سے گمراہ

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 531 (وزارت تعلیم) 2۔ ایضاً صفحہ 1، صفحہ 503

ہونا ہے اور اللہ تعالیٰ کمال عقل کو پانے والوں اور جمیل مطلق تک پہنچنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۸ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝۹

''پس آپ بات نہ مانیں (ان) جھٹلانے والوں کی [1]۔ وہ تو تمنا کرتے ہیں کہ کبھی آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں [2]''

[1] اس میں فاء سببیہ ہے، یعنی جب یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ آپ ہدایت پر ہیں اور جھٹلانے والے گمراہ ہیں تو آپ ان کی اطاعت نہ کریں۔

[2] یہ جملہ قد کے مضمر ماننے کے ساتھ مکذبین سے حال ہے، لو تمنی کے لئے ہے اور یہ ود اکا بیان ہے۔ ادھان کا معنی نرم کرنا ہے جو دھن سے مشتق ہے۔ فیدھنون میں فاء عاطفہ ہے اور تعقیب کا معنی دے رہا ہے، یعنی وہ دونوں جانب سے نرمی کے خواستگار ہیں لیکن وہ چاہتے یہ ہیں کہ وہ اس وقت نرمی کریں گے جب آپ نرمی کریں گے۔

یا فاء سببیہ ہے، یعنی انہوں نے پسند کیا کہ کاش آپ نرمی کرتے تو وہ بھی نرم ہو جاتے۔ یا اس کا معنی ہے وہ آپ کی نرمی چاہتے ہیں اور اسی لالچ میں وہ اب بھی آپ سے نرمی کر رہے ہیں، یعنی اگر آپ ان سے نرمی کریں کہ انہیں شرک سے نہ روکیں یا وقتاً فوقتاً بعض معاملات میں ان کے ساتھ موافقت کریں تو وہ بھی آپ پر طعن کرنا چھوڑ دیں گے اور بعض معاملات میں موافقت کریں گے۔

مسئلہ:۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ دین کے معاملہ میں مداہنت حرام ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝۱۰ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۝۱۱ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝۱۲ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝۱۳

''اور بات نہ مانئے کسی (جھوٹی) قسمیں کھانے والے ذلیل شخص کی [1]۔ جو بہت نکتہ چین، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے [2]۔ سخت منع کرنے والا بھلائی سے حد سے بڑھا ہوا بڑا بدکار ہے [3]۔ اکھڑ مزاج ہے اس کے علاوہ بد اصل ہے [4]''

[1] یہ عمومی حکم دینے کے بعد خاص حکم دیا جا رہا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی۔ منذر رحمۃ اللہ علیہ نے کلبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سدی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق کے حق میں نازل ہوئی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت اسود بن عبد یغوث کے حق میں نازل ہوئی۔

کل کا لفظ اس لئے وارد ہوا تا کہ اس امر کی تاکید لائی جائے کہ نہی ہر فرد کو شامل ہے یہاں مقام کا قرینہ اسی چیز کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ اس چیز پر دلالت نہیں کرتا کہ بعض جھوٹی قسمیں اٹھانے والے کی اطاعت جائز ہے۔ حلاف سے مراد بہت زیادہ جھوٹی قسمیں اٹھانے والا ہے۔ اس کی بحث سورۂ بقرہ میں وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ:۔ زیادہ قسمیں اٹھانا مکروہ ہے۔

مھین کا معنی حقیر ہے۔ یہ مھانہ سے مشتق ہے جس کا معنی حقارت ہے۔ یہ رائے اور تمیز میں کمی ہے۔

۲۔ ھماز کا معنی عیب لگانے والا۔ غیبت کرنے والا ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد وہ آدمی ہے جو آنکھ اور آبرو سے لوگوں کے عیوب کی طرف اشارہ کرے۔ ھشاء بنمیم چغل خور۔

۳۔ مناع للخیر جو لوگوں کو ایمان لانے، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور عمل صالح سے روکتا ہے معتد جو ظلم میں حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔ اثیم جو بہت زیادہ گناہ کرنے والا ہے۔

۴۔ قاموس میں عتل کا معنی پیٹو، متکبر، ترش رو اور اکھڑ مزاج ہے۔ بعد ذلک یہ زنیم کی طرف ہے۔ بعد کا کلمہ مع کے معنی میں ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے جو عیوب اس کے شمار کئے گئے ہیں۔ ان کے بعد وہ بد اصل ہے۔ قاموس میں زنیم کا معنی قوم کے ساتھ لاحق ہونے والا جو اس قوم کا فرد نہیں ہوتا اور بد اصل اس میں یہ بھی ہے۔ دَعِیٌّ فَعِیْلٌ کے وزن پر ہے اسے کہتے ہیں جسے تو متبنیٰ بنائے اور جس کی نسبت میں تہمت ہو۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا زنیم یہ زنمتی الشاۃ سے ماخوذ ہے۔ یہ گوشت کے ان لوتھڑوں کو کہتے ہیں جو کان اور حلق کے نیچے لٹک رہے ہوتے ہیں۔ ولید بن مغیرہ کے بارے میں اس کے باپ نے اٹھارہ سال کی عمر میں اپنا بیٹا تسلیم کیا تھا۔ اخنس بن شریق اصل میں بنو ثقیف سے تعلق رکھتا تھا اور اپنا شمار بنی زہرہ میں کرتا۔

عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت تھی لیکن معلوم نہ ہو سکا کہ کس پر ہے یہاں تک کہ زنیم کا لفظ ذکر فرمایا تو اس کا پتہ چل گیا کیونکہ اس کے گلے میں گوشت کا لوتھڑا تھا جس سے وہ پہچانا جاتا (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی تو ہمیں کچھ پتہ نہ چلا کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی یہاں تک کہ اس کے آخر میں زنیم کے الفاظ نازل ہوئے تو ہم نے اسے پہچان لیا کیونکہ اس میں بھی اسی طرح گوشت کا لوتھڑا لٹک رہا تھا جس طرح بکری کا ہوتا ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ برائی میں اسی طرح معروف تھا جس طرح بکری گوشت کے اس لوتھڑے کے ساتھ معروف اور نمایاں ہوتی ہے (2)۔ میں کہتا ہوں جب یہ صفت یعنی زنیم سابقہ عیوب کی بنسبت قباحت میں بڑھ کر تھی۔ اس لئے بعد ذلک زنیم فرمایا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حارث بن وہب خزاعی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں جنتیوں کے بارے میں نہ بتاؤں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو قسم دے کر کوئی گزارش کریں تو وہ ضرور پوری کر دے کیا میں تمہیں جہنمیوں کے بارے میں آگاہ نہ کروں وہ ہر سخت دل ترش رو اور متکبر ہے۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ابوداؤد اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابودرداء سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿١٤﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٥﴾

" (یہ غرور و سرکشی) اس لئے کہ وہ مالدار اور صاحب اولاد ہے ۱۔ جب ہماری آیات اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں ۲۔"

۱۔ ابو جعفر، ابن عامر، حمزہ، ابو بکر اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے أأن کان پڑھا ہے۔ دو ہمزوں میں سے ایک استفہام کا ہے پھر حمزہ اور ابو بکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے دونوں ہمزوں میں تخفیف کی ہے اور مد بھی نہیں کرتے۔ ابو جعفر، ابن عامر اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ دونوں ہمزوں میں سے پہلے ہمزہ کو مد کے ساتھ دوسرے ہمزہ میں تسہیل کا قاعدہ جاری کرتے ہیں، جبکہ دوسرے قراء نے صرف ایک ہمزہ

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

پڑھا ہے ہمزہ استفہام نہیں پڑھا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی لِاَنْ کَانَ اس کا تعلق نہی کے ساتھ ہوگا۔ جب ہمزہ استفہام نہ ہو تو معنی یہ ہوگا جس میں یہ عیوب ہوں اس کی آپ اس لئے اطاعت کریں کیونکہ وہ مال والا اور اولاد والا ہے جس طرح لوگوں کی عادت ہے کہ وہ صاحب مال کی اطاعت کرتے ہیں۔ اگر ہمزہ استفہام ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کیا آپ اس لئے اطاعت کرتے ہیں کیونکہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے۔ اس صورت میں ہمزہ استفہام انکار کا معنی دے گا یا بعد والا جملہ جس معنی پر دلالت کرتا ہے اس کے ساتھ اس کا تعلق ہوگا، یعنی اس نے کفر اس لئے کیا اور قرآن کو اس لئے جھٹلایا کیونکہ وہ مال دار ہے اور یہ سب کچھ وہ تکبر اور غرور کی وجہ سے کرتا ہے۔ معنی یہ بنے گا کہ غنا تو شکر کا سبب ہے لیکن جو مناسب تھا اس کے برعکس اس نے ناشکری کی۔

۲۔ یہ کلام ایسی شے ہے جسے لوگوں نے پہلے لوگوں کے قصے کہانیوں سے جھوٹ لکھ لیا ہے۔ قاموس میں اساطیر کا معنی ایسی باتیں جن میں کوئی نظم اور ترتیب نہ ہو اذا کا تعلق قال کے ساتھ ہے۔

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾

''ہم بہت جلد اس کی سونڈ پر داغ لگائیں گے ۱۔ ہم نے ان (مکہ والوں) کو بھی آزمایا جیسے ہم نے آزمایا تھا باغ والوں کو جب انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ضرور توڑ لیں گے اس کا پھل صبح سویرے ۲۔ اور انہوں نے ان شاء اللہ بھی نہ کہا ۳۔''

۱۔ خرطوم کا معنی ناک ہے گویا اس بدبخت کو ہاتھی اور خنزیر کے ساتھ تشبیہ دی اور اس کی ناک کو خرطوم کے ساتھ تشبیہ دی یہ جملہ مستانفہ ہے اس میں دھمکی دی گئی ہے۔ فراء نے کہا یہاں خرطوم سے مراد چہرہ ہے کیونکہ جزء بول کر کل مراد لیا جاتا ہے۔ ابو العالیہ اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا۔ آخرت میں یہی چیز اس کے لئے علامت بن جائے گی جس کے ساتھ اسے پہچان لیا جائے گا جو اس کے چہرے کی سیاہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہم اس کی ناک میں تلوار کی نکیل ڈالیں گے۔ یہ غزوہ بدر کے روز اس کے ساتھ ہوا۔ (1)

۲۔ ہم نے اہل مکہ کو قحط اور بھوک کے ساتھ آزمائش میں ڈالا جب حضور ﷺ نے ان کے بارے میں یہ دعا کی تھی اے اللہ ان پر اسی طرح قحط نازل فرما جس طرح تو نے حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں قحط نازل فرمایا تھا یہاں تک کہ لوگ ہڈیاں اور مردار کھانے لگے تھے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہوگا مَا فُعِلَ بِهِمْ حِيْنَ كَذَّبُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

كَمَا بَلَوْنَا یہ محذوف مصدر کی صفت ہے۔ یہاں اضافت اور الف لام عہد خارجی کے لئے ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ابو جہل نے بدر کے روز کہا انہیں پکڑ لو انہیں باندھ دو، ان میں سے کسی کو بھی قتل نہ کرنا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ تو معنی یہ ہوگا ہم نے کفار کو مومنوں پر قدرت دے کر آزمایا جس طرح باغ والوں کو قدرت دے کر آزمایا تھا۔ محمد بن مروان رحمۃ اللہ علیہ نے کلبی رحمۃ اللہ علیہ سے کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن صالح رحمۃ اللہ علیہ سے ابن صالح رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یمن میں ایک باغ تھا جسے صدوان کا نام دیا جاتا۔ یہ صنعاء سے دو فرسخ کے فاصلے پر تھا جسے ایک

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا۔

نیک آدمی نے لگایا تھا جب وہ کھجور کا پھل کاٹتا تو وہ مساکین کے لئے وہ پھل چھوڑ دیتا جو درانتی سے رہ جاتا جب کھجور سے پھل نیچے چادر پر پھینکا جاتا تو جو پھل چادر سے دور جا کر گرتا وہ بھی مساکین کے لئے چھوڑ دیتا۔ جب وہ فصل صاف کرتا تو جو دانے ادھر ادھر بکھر جاتے، وہ بھی مساکین کے لئے چھوڑ دیتا۔ جب وہ خود صالح آدمی فوت ہو گیا تو اس کے تین بیٹے اس کے وارث بنے۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم مال تھوڑا ہے اور خاندان کے افراد زیادہ ہیں۔ یہ عمل تو اس وقت کیا جا سکتا ہے جب مال زیادہ ہو اور زیر کفالت افراد تھوڑے ہوں۔ جب مال تھوڑا ہو جائے اور زیر کفالت افراد زیادہ ہو جائیں تو ہم ایسا عمل نہیں کر سکتے۔ تو انہوں نے باہم قسم اٹھائی کہ وہ صبح داخل ہوتے ہی پھل کاٹ لیں گے۔ اذا قسموا یہ بلونا کے متعلق ہے۔ لیصرمنھا جواب قسم ہے۔ مصبحین یہ لیصرمنھا کے فاعل سے حال ہے۔

ے یہ جملہ اقسموا کے فاعل سے حال ہے وہ قسم اٹھاتے ہیں تو ان شاء اللہ بھی نہیں کہتے ان شاء اللہ کو بھی استثناء کا نام دیا ہے کیونکہ اس میں بھی ماقبل کے حکم سے خارج کیا جاتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ جو چیز ان شاء اللہ کے ساتھ خارج کی جاتی ہے وہ مذکورہ چیز کے خلاف ہوتی ہے جبکہ استثناء کی صورت میں جسے خارج کیا جاتا ہے وہ مستثنیٰ منہ کا عین ہوتا ہے۔ یا اس لئے استثناء کا معنی دیا کیونکہ لَا اَفْعَلُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اور لَا اَفْعَلُ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ کا معنی ایک ہی ہے۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ لا یستثنون کا جملہ لیصرمنھا پر معطوف ہے اور جواب قسم میں داخل ہو۔ معنی یہ ہوگا وہ مساکین کا حصہ نہیں نکالتے جس طرح ان کا باپ نکالتا تھا۔ یا یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی ان کا یہ عمل تھا۔

فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَ هُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿۲۲﴾

"پس چکر لگا گیا اس باغ پر ایک چکر لگانے والا آپ کے رب کی طرف سے درآں حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے [1] چنانچہ (لہلہاتا) باغ کٹے ہوئے کھیت کی مانند ہو گیا [2] پھر انہوں نے ایک دوسرے کو ندا دی صبح سویرے کہ سویرے سویرے اپنے کھیت کی طرف چلو اگر تم پھل توڑنا چاہتے ہو [3]"

ل اس جملے کا عطف اقسموا پر ہے ھا ضمیر سے مراد ان کا باغ ہے۔ طائف صفت ہے اس کا موصوف بلا محذوف ہے جس سے مراد آگ ہے، یعنی رات کے وقت آگ کی صورت میں عذاب آیا جس نے باغ کو جلا دیا۔ من ربک میں من ابتدائیہ ہے۔

ے صبح کے وقت وہ باغ اس طرح ہو گیا جس طرح ایسا باغ ہوتا ہے جس کا پھل کاٹ لیا گیا ہو اور اس میں کوئی چیز باقی نہ رہی ہو، یہ فعیل اسم مفعول کے معنی میں ہے یا یہ جلا ہوا ہونے اور سیاہ ہونے میں رات کی طرح ہو گیا یا زیادہ خشک ہونے کی وجہ سے سفید ہونے میں دن کی طرح ہو گیا رات اور دن دونوں کو صریم کہا گیا کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے منقطع ہوتا ہے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے خیر منقطع کر دی گئی اس میں کوئی خیر باقی نہ رہی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ سیاہ راکھ کی طرح ہو گیا۔ یہ معنی اہل خزیمہ کی لغت کے مطابق ہے(1)۔ اس جملے کا عطف طاف پر ہے۔ صبح ہوتے ہی باغ کے مالکوں نے ایک دوسرے کو بلایا اس جملے کا عطف بھی اصبحت پر ہے۔

ے اس میں ان مفسرہ ہے کیونکہ تنادوا قول کے معنی میں ہے۔ علی حرثکم، اغدوا کے متعلق ہے یعنی تم اپنی کھیتیوں کی طرف نکلو علی حرف جار کے ساتھ اس لئے متعدی کیا گیا ہے کیونکہ اغدوا اپنے ضمن میں اقبلوا کا معنی لئے ہوئے ہے یا صبح کے وقت پھل

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

کاٹنے کو صبح کے وقت حملہ کرنے والے دشمن سے تشبیہ دی جس میں غلبہ کا معنی موجود ہوتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے اغدوا افعال ناقصہ میں سے ہو اور علی حرثکم اس کی خبر ہو۔ صارمین کا معنی کاٹنے والے یہاں جزاء ذکر نہیں کی کیونکہ سابقہ جزا کی وجہ سے شرط اس سے مستغنی ہے۔

فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿٢٣﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿٢٤﴾

"سو وہ چل پڑے اور ایک دوسرے کو چپکے چپکے کہتے جاتے[1] کہ (خبردار) اس باغ میں ہرگز داخل نہ ہو آج تم پر کوئی مسکین[2]۔"

[1] باغ کے مالک چلے جبکہ وہ رازدارانہ انداز میں باتیں کر رہے تھے۔ خفی، خفت اور خفد سب کا معنی چھپانا ہے۔

[2] ھا ضمیر سے مراد باغ ہے ان مفسرہ ہے کیونکہ یتخافون قول کے معنی میں ہے۔ موکد انداز میں مسکینوں کو داخل ہونے سے نہی ہے۔ مقصود انہیں داخل ہونے کا موقع دینے سے نہی میں مبالغہ کا اظہار ہے جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے لا ارینک ھھنا مقصود یہ ہوتا ہے کہ تم یہاں نہ آیا کرو۔

وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٢٧﴾

"اور تڑکے چلے (یہ سمجھتے ہوئے) کہ وہ اس ارادہ پر قادر ہیں[1] پھر جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے (غالباً) ہم راستہ بھول گئے[2] نہیں نہیں ہماری تو قسمت پھوٹ گئی[3]۔"

[1] جملے کا عطف انطلقوا پر ہے۔ جار مجرور قادرین شبہ فعل کے متعلق ہے جو غدوا کی خبر ہے لغت میں حرد کا معنی قصد کرنا منع کرنا اور ناراض ہونا ہے۔ حضرت حسن بصری، قتادہ اور ابو العالیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی ہے وہ جدوجہد پر قادر تھے۔ قرطبی، مجاہد اور عکرمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ جس امر پر انہوں نے اتفاق کیا تھا اس پر وہ قادر تھے سب معنوں میں قصد کا مفہوم ہی پایا جاتا ہے۔ ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ مساکین کو روکنے پر قادر تھے۔ امام شعبی اور سفیان رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا وہ مساکین پر ناراض ہونے پر قادر تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا وہ اپنے نزدیک اپنے باغ اور پھل پر قادر تھے۔ (1)

[2] جب انہوں نے باغ کو جلے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے ہم تو راستہ بھول گئے۔ لما ظرف ہے جس کا قالوا فعل کے ساتھ تعلق ہے کہنے لگے۔ یہ ہمارا باغ نہیں یا یہ معنی ہے جب ہم نے مساکین کو باغ میں داخل ہونے سے روکا تو ہم نے غلطی کی اور ہم نے ان شاء اللہ بھی نہ کہا اس لئے ہمیں باغ کے پھل سے محروم کر دیا گیا۔

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿٣٠﴾

"ان میں جو زیرک تھا بول اٹھا کہ کیا میں تمہیں کہتا نہ تھا کہ تم (اس کی) تسبیح کیوں نہیں کرتے[1] کہنے لگے پاک ہے ہمارا رب بے شک ہم ہی ظالم تھے[2] پھر ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے[3]۔"

[1] جو عمر میں درمیانہ تھا یا زیادہ انصاف پسند اور عقلمند تھا اس نے کہا یہ جملہ مستانفہ ہے۔ الم میں ہمزہ استفہام تقریر کے لئے ہے اور

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا۔

لو ھل کے معنی میں ہے تم کیوں نہیں ان شاء اللہ کہتے یہاں استثناء کو تسبیح کا نام دیا ہے کیونکہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور اس امر کا اقرار ہے کہ تم میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر کسی چیز پر قادر نہیں۔

ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان کی استثناء سبحان اللہ تھی یا اس کا معنی ہے تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیوں نہیں بیان کرتے اور اس نے جو تمہیں عطا فرمایا ہے اس پر شکر کیوں نہیں بجالاتے اور مساکین کو داخل ہونے سے نہ روکو کیونکہ شکر کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں صرف کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا تم اپنے عمل پر استغفار کیوں نہیں کرتے۔

۲؎ یہ جملہ مستانفہ ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس امر میں پاکی بیان کی کہ اللہ تعالیٰ ظالم ہو سکتا ہے اور اپنے بارے میں اقرار کیا کہ انہوں نے ظلم کیا ہے کیونکہ انہوں نے مساکین کو باغ میں داخل ہونے سے روکا ہے۔

۳؎ جملے کا عطف قالوا پر ہے۔ یتلاومون یہ اقبل کے فاعل اور مفعول دونوں سے حال ہے، یعنی انہوں نے مساکین کو حق دینے سے جو روکا تھا اس پر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾

”کہنے لگے تف ہے ہم پر ہم ہی سرکش تھے ۱؎ امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں (اس کا) بدلہ دے گا جو بہتر ہوگا اس سے ہم (اب) اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے ہیں ۲؎“

۱؎ یہ جملہ مستانفہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں عطا کی گئیں تو جس طرح ہمارے باپ نے شکر ادا کیا تھا ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا۔

۲؎ جب وہ اپنے کیے پر نادم ہوئے توبہ کی شکر اور مال خرچ کرنے پر پختہ ارادہ کیا تو کلام کا رخ اپنی طرف پھیر کر امید کے انداز میں کہنے لگے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جلے ہوئے باغ کی بنسبت اچھا باغ عطا فرمائے ہم اپنے رب کی طرف رغبت رکھنے والے ہیں۔ یہاں اِلٰی حرف جار اس لئے ذکر کیا تاکہ انتہائی رغبت پر دلالت ہو یا اس لئے اِلٰی ذکر کیا کیونکہ رغبت میں رجوع کا معنی پایا جاتا ہے۔ یہ جملہ (انا الی ربنا راغبون) علت کی جگہ واقع ہے اور امید کا معنی دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت یہ انعام کو واجب کرتی ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے یہ خبر پہنچی کہ ان لوگوں نے اخلاص کا مظاہرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے سچائی کو پہچان لیا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بدلے میں انہیں دوسرا باغ عطا فرما دیا جسے حیوان کہتے اس میں انگور تھے جس کے ایک گچھے کو خچر اٹھاتا تھا۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾

”(دیکھ لیا) ایسا ہوتا ہے عذاب اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے کاش یہ لوگ (اس حقیقت کو) جانتے ۱؎ بے شک پرہیزگاروں کے لئے اپنے رب کے پاس نعمتوں بھری جنتیں ہیں ۲؎“

۱؎ کذالک خبر ہے اور مابعد اس کا مبتداء ہے، یعنی جو آدمی شکر نہیں کرتا اس کے لئے دنیا میں ایسا عذاب ہے جیسا عذاب ہم نے اہل

مکہ اور باغ والوں کو دیا تھا۔ کفر، نافرمانی شکر چھوڑنے اور زکوۃ نہ دینے پر آخرت میں عذاب اس سے بھی بڑا ہوگا جو سخت بھی ہوگا اور باقی رہنے والا ہوگا۔ لو کانوا یعلمون شرط ہے جو جزاء سے مستغنی ہے کیونکہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْعَذَابَ مَا فَعَلُوْا فِعْلَهُمْ اگر وہ عذاب کو جانتے ہوتے تو ایسا نہ کرتے۔

۲ عند ربھم یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں خالص نعمتیں ہیں۔ یہ جملہ مستانفہ ہے پہلے مجرموں کے لئے وعید کا ذکر کیا پھر متقین کے لئے وعدہ ذکر کیا۔ جب مشرکین مکہ نے یہ کہا اگر بفرض محال قیامت برپا ہوئی تو ہمیں تمہاری بنسبت بہتر عطا کیا جائے گا۔ یا اسی کی مثل عطا کیا جائے گا جو ہمیں دنیا میں دیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جھٹلاتے ہوئے فرمایا۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝٣٥ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝٣٦ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ۝٣٧ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۝٣٨

"کیا ہم فرمانبرداروں کا حال مجرموں کا سا کر دیں گے ۱۔ تمہیں کیا ہو گیا تم کیسے فیصلے کرتے ہو ۲۔ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو ۳۔ کہ تمہارے لئے اس میں ایسی چیزیں ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو ۴۔"

۱ ہمزہ استفہام مجرموں اور مسلمانوں میں برابری کے انکار کے لئے ذکر کیا گیا ہے تو مجرموں کے لئے فضیلت نہ ہونے کو بدرجہ اولیٰ ثابت کرے گا۔ یہ جملہ ایک محذوف جملہ کا معطوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: اَلَا نُفَضِّلُ الْمُسْلِمِيْنَ الْمُطِيْعِيْنَ عَلَى الْمُجْرِمِيْنَ فَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ کیا ہم مسلمان اطاعت شعاروں کو مجرموں پر فضیلت نہیں دیں گے اور مسلمانوں کے ساتھ مجرموں جیسا سلوک کریں گے۔

۲ کیف یہ تحکمون کے فاعل سے حال ہے۔ حال کو ذوالحال سے اس لئے پہلے ذکر کیا کیونکہ کلام کے آغاز میں ہونے کا تقاضا کرتا ہے تم عقل کے خلاف عجیب وغریب فیصلہ کر رہے ہو کیونکہ عقل تو یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اطاعت شعار نافرمان سے اچھی حالت میں ہو۔ اس میں غائب کے صیغہ سے خطاب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔

۳ ام منقطعہ ہے بل کے معنی میں ہے۔ سابقہ جملہ کے حکم سے اضراب ہے، یعنی اگر یہ عقل کا فیصلہ نہیں تو کیا تمہارے پاس ایسی سمعی اور نقلی دلیل ہے جو آسمان سے نازل ہوئی ہے جس میں سے تم یہ پڑھ کر سناتے ہو۔

۴ تمہارے لئے وہ کچھ ہوگا جس کی تم خواہش کرو گے۔ تخیرون کی ایک تاء کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ جملہ تدرسون کا مفعول ہے یا تو اس سے پہلے قول محذوف ہوگا اور یہ مقولہ ہوگا یا اصل میں انّ تھا جب ماتخیرون میں لام مفتوح آیا تو ہمزہ کو کسرہ دے دیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہو اور انکار کے طریقہ پر اسے لایا گیا ہو۔

اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ۝٣٩ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ۝٤٠ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝٤١

"کیا تمہارے لئے قسمیں ہم پر (لازم) ہیں جو باقی رہنے والی ہیں قیامت تک کہ تمہیں وہی ملے گا جو تم حکم کرو گے ۱۔ ان سے پوچھئے ان میں سے کون ان (بے سروپا) باتوں کا ضامن ہے ۲۔ کیا ان کے پاس کوئی گواہ رہے ہیں اگر ہیں تو

پھر پیش کریں اپنے گواہوں کو اگر وہ سچے ہیں ۳ے"

۱ے لکم ظرف مستقر ہے اور ایمان اس شبہ فعل کا فاعل ہے۔ لکم جس کے متعلق ہے یعنی ہم پر ایسی مؤکد قسمیں ہیں جو تاکید میں انتہاء درجے کو پہنچی ہوئی ہیں اور قیامت تک مؤثر ہیں الی یوم القیمۃ۔ یہ بھی اسی شبہ فعل کے متعلق ہے جس کے متعلق لکم تھا۔ یعنی ہم ان کی ذمہ داری سے اس وقت تک فارغ نہیں ہوں گے جب تک قیامت کے روز تمہارے حق میں فیصلہ نہیں کر دیتے۔ یا الی یوم القیمۃ جار مجرور بالغۃ کے متعلق ہے، یعنی ایسی قسمیں جو قیامت تک موثر ہیں۔ ان لکم لما تحکمون یہ اس قسم کا جواب ہے جو ایمان کے لفظ سے سمجھی جا رہی ہے، یعنی کیا ہم نے تمہارے لئے قسم اٹھا رکھی ہے کہ تمہارے لئے وہی کچھ ہوگا جو تم فیصلہ کرو گے۔

۲ے ان کے پاس کون ہے جو اس کا دعویٰ کرے اور اسے صحیح ثابت کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان تمام دلائل کی نفی کر دی جن کے ذریعے وہ اپنا موقف ثابت کر سکتے تھے جیسے عقلی اور نقلی دلیل جس سے ان کا استحقاق ثابت ہو سکتا تھا یا وعدہ یا ایسے شخص کی تقلید جو اپنا دعویٰ ثابت کرنے پر قادر ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس امر کی نفی کر دی کہ وہ کفار اور مومنوں میں مساوات کرے گا۔ ساتھ ہی اس کی بھی نفی کر دی کہ یہ مساوات ان شریکوں کی طرف سے ہو جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں تو فرمایا۔

۳ے کیا ان کے ایسے شریک ہیں جو انہیں قیامت کے روز مومنوں جیسا بنا دیں گے تو وہ اپنے شرکاء لے آئیں اور یہ ثابت کریں کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کے ساتھ علم، قدرت، ارادہ اور تخلیق کرنے میں شریک ہیں۔ یہاں فاء سببیہ ہے اور امر ان کے عجز کو ظاہر کرنے کے لئے ہے یہاں شرط مذکور ہے جزاء نہیں کیونکہ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ سابقہ کلام کی وجہ سے جزاء سے مستغنی ہے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾

"جس روز پردہ اٹھایا جائے گا ایک ساق سے ۱ے تو ان (نابکاروں) کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی ۲ے تو اس وقت وہ سجدہ نہ کر سکیں گے ۳ے"

۱ے یوم ظرف ہے اور اذکر کے ساتھ متعلق ہے۔ کشف الساق سے مراد میدان محشر میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی ایک قسم ہے۔ شیخین اور دوسرے محدثین نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم قیامت کے روز اپنے رب کا دیدار کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں دوپہر کے وقت جب بادل وغیرہ بھی نہ ہوں تو کیا تمہیں سورج کے دیکھنے میں کوئی شک ہوتا ہے جب چودھویں رات ہو بادل وغیرہ بھی نہ ہوں تو کیا چاند کے دیکھنے میں کوئی شک وشبہ ہوتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہرگز نہیں فرمایا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے دیدار میں تمہیں کوئی شک وشبہ نہیں ہوگا جس طرح تمہیں ان دونوں میں کسی کے دیکھنے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا ہر امت اس کے پیچھے پیچھے چلے جس کی وہ عبادت کرتی تھی تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ جو بھی کسی بت کی عبادت کرتے تھے (1) سب جہنم میں گر جائیں گے یہاں تک کہ نیک وبد میں سے صرف وہ رہ جائیں گے جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے ایک روایت میں ہے کہ اہل کتاب کے علاوہ کوئی نہیں رہے گا تو یہودیوں کو بلایا جائے گا انہیں کہا جائے گا کس کی عبادت

1۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 212 (الفکر)

WWW.NAFSEISLAM.COM

کرتے تھےتو وہ کہیں گے ہم عزیر بن اللہ کی عبادت کرتے تھے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا تم نے جھوٹ بولا اللہ تعالیٰ نے تو کسی کو اپنا بیٹا اور بیوی نہیں بنایا۔ ارشاد ہوگا اب کیا چاہتے ہو تو عرض کریں گے اے ہمارے رب ہمیں سخت پیاس ہے ہمیں پانی پلا تو انہیں اشارہ کیا جائے گا کیا تم دیکھتے نہیں تو انہیں جہنم کی طرف ہانکا جائے گا گویا جہنم اس وقت سراب ہوگا جو اپنے آپ کو کھا رہی ہوگی تو وہ جہنم میں گر پڑیں گے پھر نصرانیوں کو بلایا جائے گا تو انہیں کہا جائے گا تم کس کی عبادت کرتے تھے تو وہ جواب دیں گے ہم مسیح بن اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ انہیں کہا جائے گا تم نے جھوٹ بولا پھر ان سے اسی طرح کلام کی جائے گی جس طرح یہودیوں سے کی گئی تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہے۔ نیز دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے اسے صحیح کہا کہ جو بھی غیر اللہ کی عبادت کرتا تھا جیسے سورج، چاند اور بت وغیرہ تو ان کے لئے ان چیزوں کو مثالی صورت دی جائے گی جو حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے ان کے لئے حضرت عزیر علیہ السلام کے شیطان کو مثالی صورت دی جائے گی اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے۔ ان کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کے شیطان کو مثالی صورت میں لایا جائے گا وہ سب ان کے ساتھ جہنم کی طرف چل پڑیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے جو طبرانی، ابویعلی، بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے محدثین کے ہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو حضرت عزیر علیہ السلام اور ایک فرشتے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں لائے گا۔ یہودی اور عیسائی ان کی اتباع کریں گے۔ پھر ان کے معبود انہیں جہنم کی طرف لے جائیں گے۔ یہی کہیں گے لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۚ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ اب ہم پھر صحیحین کی طرف لوٹتے ہیں یہاں تک کہ نیک و بد میں سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے کے علاوہ کوئی نہیں رہے گا تو رب العالمین جلوہ افروز ہوگا۔ ارشاد فرمائے گا تم کیا دیکھ رہے ہو، ہر امت تو جس کی عبادت کرتی تھی وہ اس کے پیچھے پیچھے جا چکی تو لوگ عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم دنیا میں ان لوگوں سے الگ تھلگ رہے جبکہ ہمیں ان کی سخت ضرورت تھی، ہم نے ان سے دوستی اور سنگت اختیار نہ کی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں تو لوگ کہیں گے ہم تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں ٹھہراتے۔ وہ یہ بات دو یا تین دفعہ کہیں گے یہاں تک کہ ان میں سے بعض پلٹنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کیا کوئی ایسی نشانی ہے جس کے ذریعے تم اسے پہچان لوگے تو لوگ عرض کریں گے ہاں۔ تو پنڈلی سے پردہ ہٹایا جائے گا تو جو خلوص دل سے عبادت کرتا تھا اسے سجدہ کی اجازت دیدی جائے گی اور جو نفاق اور ریاکاری کے طور پر سجدہ کرتا تھا اس کی پشت کو اللہ تعالیٰ ایک تختہ کی مانند بنادے گا۔ جب بھی وہ سجدہ کرنے لگے گا تو گدی کے بل گر پڑے گا۔ پھر جہنم پر پل رکھ دیا جائے گا۔

ایک روایت میں ہے عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ یہ پل صراط کیا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ پھسلنے والا کیچڑ جس پر آنکڑے (لوہے کے کانٹے) اور نجد میں پیدا ہونے والی خاردار گھاس یعنی سعدانہ کے خمیدہ کانٹے ہوں گے۔ شفاعت کی اجازت ہو جائے گی۔ انبیاء عرض کریں گے سلّم سلّم اے اللہ انہیں سلامتی عطا فرما مومن پلک جھپکنے کی طرح، ہوا کی طرح، پرندے کی طرح، عمدہ گھوڑوں کی طرح اور اونٹوں کی رفتار میں گزر جائیں گے، کچھ مسلمان صحیح وسالم نجات پا جائیں گے، کچھ زخمی ہوں گے اور کچھ جہنم میں گر پڑیں گے یہاں تک کہ جب مومنوں کو جہنم سے چھٹکارا مل جائے گا تو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ان سے زیادہ تم میں سے کوئی اپنے حق کا مطالبہ کرنے والا نہ ہوگا اللہ تعالیٰ مومنوں کے لئے جہنم میں موجود ان کے بھائیوں کو ظاہر کردے گا۔ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب وہ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے، ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے، تھے ہمارے ساتھ حج کرتے تھے تو اللہ

تعالیٰ ارشاد فرمائے گا جنہیں تم پہچانتے ہو انہیں جہنم سے نکال لو، ان مومنوں کے چہرے جہنم پر حرام ہوں گے۔ جہنم ان کے چہروں کو نقصان نہ پہنچائے گی۔ وہ بے شمار لوگوں کو نکال لیں گے پھر وہ کہیں گے اے ہمارے رب جن کے بارے میں تو نے ہمیں حکم دیا ہے ان میں سے اب کوئی بھی نہیں بچا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا واپس پلٹ جاؤ جس کے دل میں دینار کے برابر ایمان اور خیر پاؤ اسے نکال لاؤ تو وہ بے شمار لوگوں کو نکال لائیں گے پھر ارشاد فرمائے گا واپس جاؤ جس کے دل میں نصف دینار کے برابر خیر اور ایمان پاؤ اسے بھی جہنم سے نکال لاؤ تو وہ بے شمار لوگوں کو نکال لائیں گے۔ پھر ارشاد ہو گا واپس جاؤ اور جن کے دل میں ذرہ برابر ایمان پاؤ تو اسے بھی نکال لاؤ تو وہ بے شمار لوگوں کو نکال لائیں گے۔ پھر وہ عرض کریں گے اب ہم نے اس جہنم میں کوئی خیر نہیں دیکھی تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اب ملائکہ، انبیاء اور مومنوں نے شفاعت کر لی ارحم الرحمین کے سوا کوئی نہیں بچا اللہ تعالیٰ جہنم میں سے ایک مٹھی بھرے گا تو قوم کو نکالے گا جنہوں نے کبھی کوئی اچھائی نہ کی ہو گی وہ کوئلہ بن چکے ہوں گے اللہ تعالیٰ اسے ایک دریا میں ڈال دے گا جسے نہر حیات کہتے ہیں تو وہ اس سے یوں نکلیں گے جس طرح دانہ سیلاب والی مٹی سے نکلتا ہے۔ وہ موتیوں کی طرح باہر نکلیں گے۔ ان کی گردنوں میں یہ مہر ہو گی۔ جنتی انہیں کہیں گے یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بغیر عمل کے جنت میں داخل کیا ہے اور نہ ہی انہوں نے پہلے کوئی اچھائی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا جو تم دیکھ رہے ہو یہ بھی تمہارے لئے ہے اور اس کی مثل بھی تمہارے لئے ہے۔ (۱)

کشف الساق کا ذکر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے جو حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین کے ہاں بھی مذکور ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو صحیحین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے پاس ایسی صورت میں آئے گا جسے وہ نہیں پہچانتے ہوں گے۔ لالکائی نے السنۃ میں اور آجری نے کتاب الرؤیۃ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جب قیامت کا روز ہو گا تو ہر قوم دنیا میں جس کی عبادت کرتی تھی اسے ایک مثالی صورت میں لایا جائے گا۔ ہر قوم اپنے معبود کے ساتھ چلی جائے گی صرف توحید والے رہ جائیں گے۔ انہیں کہا جائے گا لوگ تو چلے گئے تو لوگ کہیں گے ہم دنیا میں اپنے رب کی عبادت کرتے تھے جسے ہم نے دیکھا نہیں تو ارشاد فرمائے گا جب تم اسے دیکھو گے تو پہچان لو گے تو لوگ عرض کریں گے ہم پہچان لیں گے۔ ارشاد ہو گا تم اسے کس طرح پہچانو گے جبکہ تم نے اسے دیکھا ہی نہیں۔ لوگ عرض کریں گے اس کی کوئی مثل نہیں تو ان کے لئے حجاب اٹھا دیا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور سجدہ میں گر جائیں گے کچھ لوگ اسی طرح رہ جائیں گے۔ ان کی پشتوں کے مہرے بیل کی پشت کے مہروں جیسے ہو جائیں گے وہ سجدہ کا ارادہ کریں گے لیکن سجدہ نہ کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا سر اٹھاؤ میں نے تمہاری جگہ (جہنم میں) ایک یہودی اور عیسائی کو داخل کر دیا ہے۔

یہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی کئی قسمیں ہیں ان میں سے کچھ اس کی صورت کی تجلیات ہیں۔ یہ عالم مثال میں ہے۔ یہ حقیقت میں رؤیت نہیں ہوتی جس طرح حضور ﷺ نے اپنے رب کو بے ریش نوجوان گھنگھریالے بالوں والا دیکھا جس کے پاؤں میں سونے کے جوتے تھے۔ اسی تجلی کے موقع پر محشر میں لوگوں نے کہا ہم تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ ان تجلیات میں سے ایک صورت یہ ہے کہ اس کی کوئی مثل نہیں ہوتی اس میں ظلیت کا شائبہ ہوتا ہے۔ شائد اس آیت میں اسی نوع کا ارادہ فرمایا یَوْمَ یُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ تو مومنوں اور فجار نے بغیر حجاب کے اسے اس طرح

۱۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 13-212 (الفکر)

دیکھا جس طرح تم سورج کو دوپہر کے وقت دیکھتے ہو جبکہ بادل وغیرہ نہ ہوں اور چاند کو چودھویں کی رات میں دیکھتے ہو جس طرح ہم نے اس سے پہلے روایت کیا ہے اس تجلی میں کفار کا کوئی حصہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے یہاں تک کہ نیک اور فاجر کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے کوئی نہیں رہے گا تو ان کا رب آئے گا۔

ساق کا لفظ متشابہات میں سے ہے جس طرح ید، وجہ متشابہات میں سے ہے۔ اس کی تاویل اللہ اور راسخ فی العلم علماء جانتے ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ ان تجلیات کی ایک قسم وہ ہے جو جنت میں ظلیت کے شائبہ کے بغیر ہوگی جسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ذکر کیا گیا ہے لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ۔

2۔ نیک مومنوں اور فجار کو سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ یہ سجدے کی دعوت اس باب سے تعلق نہیں رکھتی جو دنیا میں انسان کو بطور حکم دی جاتی ہے کیونکہ آخرت میں وہ مکلف نہیں بلکہ یہ ایک طبعی دعوت ہے کیونکہ جب عظمت وجلال کے پردے ہٹا دیئے جائیں تو ممکن کو واجب الوجود کے سامنے جھکنا چاہئے جبکہ کوئی مانع نہ ہو۔

3۔ تو نافرمان اس کی طاقت نہ رکھیں گے کیونکہ ان کی پشتیں ایک تختہ کی مانند ہو چکی ہوں گی۔ اس کی وجہ گناہوں کا بوجھ ہوگا۔ یستطیعون کی ضمیر ان بعض لوگوں کے لئے ہے جنہیں سجدہ کی دعوت دی گئی تھی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ضمیر بعض کی طرف لوٹ رہی ہے۔ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ کا ذکر مطلقات کے بعد آیا ہے۔

اسی مفہوم پر مذکورہ احادیث بھی دلالت کرتی ہیں کہ جو سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھیں گے وہ ایسے مومن ہوں گے جو نماز نہیں پڑھتے تھے یا جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اگر پڑھتے بھی تھے تو تقیہ کے طور پر پڑھتے تھے جس طرح رافضی وغیرہ بدعتی لوگ ہیں یا لوگوں کو دکھانے کے لئے سجدہ کرتے تھے عمل میں اخلاص نہیں ہوتا تھا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے راویوں کی احادیث میں یہ وارد ہوا ہے جب مومنوں کے علاوہ کوئی باقی نہ ہوگا اور ان میں منافق بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے ہاں نزول اجلال فرمائے گا...... تو پنڈلی ظاہر ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی عظمت ان کے لئے عیاں ہوگی جس سے وہ پہچان لیں گے کہ یہ ان کا رب ہے تو وہ منہ کے بل اس کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے اور ہر منافق پشت کے بل گر پڑے گا اور اللہ تعالیٰ ان کے مہروں کو اس طرح بنا دے گا جس طرح بیل کی پشت کے مہرے ہوتے ہیں۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں ان احادیث میں منافق سے مراد عمل میں نفاق کرنے والا ہے نہ کہ اعتقاد میں نفاق کرنے والا ہے کیونکہ جو اعتقاد میں نفاق کرتا ہے وہ پکا کافر ہے بلکہ کافروں سے بھی سخت کافر ہے اور وہ جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوگا۔ انہیں قیامت کے روز اپنے رب کا دیدار نہیں ہوگا۔ ان کے لئے دیدار الٰہی کا شرف کیسے ہو سکتا ہے۔ احادیث طیبہ میں گناہگار کے لئے بھی منافق کا لفظ استعمال ہوا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا چار خصلتیں جس میں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے جب اسے امین بنایا جائے تو وہ خیانت کرے جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو اسے توڑ دے جب جھگڑا کرے تو گالی دے(1)۔ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور متفق علیہ ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 332 (وزارت تعلیم)

مروی ہے کہ منافق کی تین علامتیں ہیں۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور یہ گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے۔ پھر دونوں محدثین نے ان الفاظ کے نقل کرنے میں اتفاق کیا ہے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اسے توڑ دے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۗ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

''ندامت سے جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں ان پر ذلت چھا رہی ہوگی حالانکہ انہیں (دنیا میں) بلایا جاتا تھا سجدہ کی طرف جبکہ وہ صحیح سلامت تھے ۱؎''

۱؎ خشوع اصل میں ذات کی صفت ہے اور آنکھوں کی طرف مجازاً منسوب ہے کیونکہ اس کا ظہور آنکھوں میں ہوتا ہے۔ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ یعنی انہیں ذلت لاحق ہوگی۔ انہیں دنیا میں سجدہ کی دعوت دی جاتی تھی۔ وہ اس طرح سجدہ نہیں کرتے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں اخلاص کے ساتھ سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا جبکہ اس وقت ان کی پشتیں ایک بے جوڑ تختہ کی مانند نہ تھیں۔ یہ جملہ (وَهُمْ سٰلِمُوْنَ) دوسرے يُدْعَوْنَ کے نائب فاعل کا حال ہے۔ باقی خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ سے لے کر وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ تک سب پہلے يُدْعَوْنَ کے نائب فاعل سے حال ہیں۔ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ یہ آخرت میں ان کے سجدہ نہ کرنے کی طاقت پر علت ہے۔

فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ۙ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۴۵﴾

''پس (اے حبیب) آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور اسے جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا ۱؎ اور میں نے (سردست) انہیں مہلت دے رکھی ہے میری خفیہ تدبیر بڑی پختہ ہے ۲؎''

۱؎ مَنْ يُّكَذِّبُ کا عطف یا تو فذرنی کی ضمیر منصوب پر ہے۔ یا اس کا مفعول معہ ہے ھذا الحدیث سے مراد قرآن ہے۔ فذرنی کا جملہ کفار کو وعید اور نبی کریم ﷺ کی تسلی کے لئے بطور معترضہ ذکر کیا ہے، یعنی آپ غمگین نہ ہوں اسے میری طرف سپرد کر دیں میں اسے کافی ہو جاؤں گا۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ میں ہم ضمیر منصوب من کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اسے جمع معنی کی وجہ سے لایا گیا ہے۔ درج کا معنی خط یا کپڑے کو لپیٹنا لپیٹی گئی چیز کو درجی کہتے ہیں۔ درج بطور مجاز موت کے معنی میں مستعمل ہے جس طرح طی کا لفظ موت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے اور کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان سَنَسْتَدْرِجُهُمْ کا معنی یہ ہے ہم خط کی طرح اسے لپیٹ دیں گے، یعنی انہیں غافل رکھیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے ہم درجہ بدرجہ انہیں پکڑیں گے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا ہم انہیں مہلت اور تدریج کے ساتھ عذاب میں پکڑلیں گے اور انہیں پتہ بھی نہیں چلے گا کہ انہیں عذاب کیسے پہنچتا ہے۔

۲؎ میں انہیں مہلت دوں گا بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہوگی۔ اس کا دور کرنا اس کے بس کی بات نہ ہوگی۔ ان کیدی متین یہ جملہ مستانفہ ہے۔ کید کا معنی مکر اور حیلہ ہے اور اس نے جو برائی اپنے دل میں چھپا رکھی ہے۔ اس کے برعکس ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ کی

WWW.NAFSEISLAM.COM

طرف سے تدبیر یہ ہوگی کہ انعام کی صورت میں وہ انتقام لیتا ہے۔ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان ان کیدی متین میں فرمایا کہ بعض کا قول ہے کہ کید سے مراد عذاب ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ اس کا معنی مہلت دینا ہے، یعنی دنیا میں ان کفار کو جو ہم نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔ یہ مومنوں پر فضل واحسان نہیں جس طرح انہوں نے گمان کیا ہے بلکہ ان کے ساتھ کید اور استدراج ہے۔

فائدہ:۔ جس نے گناہ کا ارتکاب کیا اور دنیا میں مصیبت کے ذریعے اس کو سزا مل گئی اس کے گناہ کی بخشش کی امید ہوتی ہے جو گناہ کا ارتکاب کرے۔ پھر اس پر نعمت کی زیادتی دکھائی دے اس کے بارے میں مکر اور استدراج کا اندیشہ ہوتا ہے نعوذ باللہ منہ۔

أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿٤٦﴾ أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤٧﴾

''آیا آپ ان سے کچھ اجرت مانگتے ہیں پس وہ اس تاوان (کے بوجھ) سے دبے جاتے ہیں 1۔ کیا ان کے پاس غیب کی خبر آتی ہے اور وہ اس کو لکھ لیتے ہیں 2۔''

1۔ کیا آپ ان سے تبلیغ پر اجرت مانگتے ہیں ام منقطعہ ہے بل کے معنی میں ہے اس کا عطف ام لھم شرکاء پر ہے درمیان میں جملہ معترضہ ہیں۔ پس وہ اجرت کی چٹی کے نیچے دبے جا رہے ہیں وہ چٹی سے بچنے کے لئے بغیر کسی دلیل کے تجھ سے اعراض کر رہے ہیں جملہ اسمیہ کا عطف فاء سببیہ کے ذریعے جملہ فعلیہ پر کیا ہے۔

2۔ غیب سے مراد لوح محفوظ یا مغیبات ہیں اور وہ اسی سے فیصلے کرتے ہیں۔ ام عندھم کا عطف ام تسئلھم پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیات میں دلیل عقلی، نقلی اور تقلیدی کی نفی کی جس سے عوام استدلال کرتے ہیں۔ یہاں مغیبات سے کشف اور الہام کی نفی کی جو خواص کے علم کا ذریعہ ہے جیسے انبیاء، ملائکہ اور بعض اولیاء کیونکہ اللہ تعالیٰ ان ہستیوں پر لوح محفوظ اور مغیبات ظاہر کر دیتا ہے، یعنی جن چیزوں کا ہم نے ذکر کیا ہے ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے پاس نہیں ہے تو پھر وہ باطل اور لغو فیصلہ کرتے ہیں۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾

''پس انتظار فرمائیے اپنے رب کے حکم کا اور نہ ہو جائیے مچھلی والے کی مانند 1۔ جب اس نے پکارا اور وہ غم واندوہ سے بھرا ہوا تھا 2۔''

1۔ اے محمد ﷺ اپنے رب کے فیصلے پر صبر کیجئے کہ اس نے کفار کو مہلت دی اور استدراج سے کام لیا۔ آپ نہ تنگ دل ہوں اور نہ ہی جلد بازی کا مظاہرہ کریں۔ تنگ دلی اور جلدی کرنے میں مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں۔ ولا تکن کا عطف فاصبر پر ہے۔ وہب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یونس بن متی ایک صالح انسان تھے۔ آپ کے اخلاق میں تنگی تھی۔ جب آپ پر نبوت کا بوجھ ڈالا گیا تو اس سے بوجھل ہوئے اور اس کے اٹھانے سے اسی طرح اعراض کیا جس طرح اونٹ کے بچے پر بھاری بوجھ لادا جائے تو اسے سامنے پھینک دیتا ہے اور بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اولوالعزم رسولوں سے خارج کر دیا۔ حضور ﷺ سے فرمایا اسی طرح صبر کریں جس طرح اولوالعزم رسول صبر کرتے ہیں، آپ مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں۔

حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ

حضرت ابن مسعود، حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما اور وہب رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل نینوی کی

WWW.NAFSEISLAM.COM

طرف مبعوث فرمایا جن کی تعداد ایک لاکھ یا اس سے زیادہ تھی۔ آپ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تو لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے لوگوں کو خبردار کیا کہ تین دنوں تک عذاب تمہیں آپہنچے گا۔ لوگوں نے کہا اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں بولا دیکھو اگر اس رات بھی یہ تمہارے ساتھ رہا تو پھر عذاب نہیں ہوگا۔ اگر اس نے رات نہ گزاری تو جان لینا کہ صبح عذاب آجائے گا۔ حضرت یونس علیہ السلام نصف رات کو گھر سے نکل گئے۔ جب صبح ہوئی تو عذاب ظاہر ہونے لگا ان کے سروں پر ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔ آسمان پر سیاہ بادل نمودار ہوئے بلکہ سخت دھواں چھا گیا وہ نیچے آنے لگا یہاں تک کہ ان کے شہر کو ڈھانپ لیا اور ہر طرف اندھیرا پھیل گیا۔ جب انہوں نے یہ حالات دیکھے تو انہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا اور انہیں تلاش نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں توبہ کا خیال ڈالا تو وہ سب کھلے میدان کی طرف نکل گئے ان کی عورتیں، بچے اور جانور سب ساتھ تھے۔ انہوں نے کمبل کا لباس زیب تن کیا، ایمان اور توبہ کا اظہار کیا ارادے کو خالص کیا والدہ اور بچوں اور مادہ جانوروں اور ان کے بچوں میں علیحدگی کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا ان کی دعا قبول فرمائی۔ عذاب ان پر آچکا تھا کہ ان سے عذاب کو دور کر دیا۔ یہ دس محرم کی تاریخ تھی۔ حضرت یونس علیہ السلام بستی سے نکل گئے تھے اور عذاب کے نازل ہونے اور اپنی قوم کے ہلاک ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے اس میں سے کچھ بھی نہ دیکھا۔ اب آپ علیہ السلام اپنے آپ کو جھوٹوں میں شمار کرنے لگے اور عذاب نہ آنے کی کوئی دلیل بھی نہ تھی۔ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا میں اب اپنی قوم کے پاس کیسے جاؤں جبکہ میں ان کے پاس جھوٹا ثابت ہو چکا ہوں تو آپ علیہ السلام چل پڑے سمندر کے کنارے آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ کشتی پر سوار ہیں۔ انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر کرایہ کے کشتی پر سوار کر لیا کشتی درمیان میں جا کر کھڑی ہو گئی نہ پیچھے ہٹتی تھی اور نہ ہی آگے جاتی تھی۔ لوگ کہنے لگے ہماری کشتی کے ساتھ کوئی خاص واقعہ ہو گیا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا میں اس کا سبب جان چکا ہوں ایک گناہگار آدمی اس پر سوار ہو گیا ہے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون ہے تو کہنے لگے میں ہوں مجھے سمندر میں پھینک دو۔ انہوں نے کہا ہم آپ کو ہرگز نہیں پھینکیں گے یہاں تک ہم اپنے آپ کو آپ پر قربان کر دیں گے۔ انہوں نے قرعہ ڈالا۔ تین دفعہ آپ کا نام ہی نکلا۔ ایک مچھلی کشتی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی جو اپنا منہ کھولے ہوئے تھی۔ اپنے رب کے حکم کا انتظار کر رہی تھی۔ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا اللہ کی قسم تم سب ہلاک ہو جاؤ گے مگر اس صورت میں بچ جاؤ گے کہ مجھے سمندر میں پھینک دو۔ انہوں نے آپ کو سمندر میں پھینک دیا۔ لوگ چلے گئے اور مچھلی نے آپ کو اپنے منہ میں لے لیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے جب کشتی رک گئی تو ملاحوں نے کہا یہاں کوئی نافرمان آدمی ہے یا کوئی بھاگا ہوا غلام ہے۔ یہی کشتی کا ضابطہ ہے اور ہمارے قانون میں یہ بھی ہے کہ ہم قرعہ اندازی کریں تو انہوں نے تین دفعہ قرعہ اندازی کی تینوں دفعہ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا آپ نے سمندر میں چھلانگ لگا دی مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ اس مچھلی کو ایک اور مچھلی نے نگل لیا جو اس سے بڑی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مچھلی کو حکم دیا ہم نے حضرت یونس علیہ السلام کو تیرے لئے خوراک نہیں بنایا بلکہ ہم نے تیرے پیٹ کو اس کی پناہ گاہ اور سجدہ کی جگہ بنا دی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہم نے اسے قید خانہ بنا دیا ہے۔ روایت کی گئی ہے کہ آپ قرعہ اندازی سے پہلے کھڑے ہو گئے اور کہا میں ہی گناہگار اور بھاگا ہوا غلام ہوں۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ علیک السلام ہم آپ کو سمندر میں نہیں پھینکیں گے یہاں تک کہ ہم قرعہ اندازی نہ کر لیں۔ قرعہ آپ کے نام ہی نکلا تو آپ نے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ قصہ میں یہ

WWW.NAFSEISLAM.COM

بھی مروی ہے کہ جب سمندر تک پہنچے تو آپ کے ساتھ آپ کی بیوی اور دو بیٹے بھی تھے۔ ایک کشتی آئی آپ نے سوار ہونے کا ارادہ کیا آپ نے بیوی کو آگے کیا تا کہ اس کے بعد کشتی پر سوار ہوں تو موج آپ کے اور کشتی کے درمیان حائل ہوگئی۔ پھر دوسری موج آئی اور ان کے بڑے بیٹے کو بہا کر لے گئی۔ پھر ایک بھیڑیا آیا اور آپ کے چھوٹے بیٹے کو پکڑ کر لے گیا۔ ایک اور کشتی آئی تو آپ اس پر سوار ہو گئے۔ پھر کشتی پانی میں جا کر رک گئی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا مچھلی نے اسے نگل لیا اور ساتویں زمین میں جا کر بیٹھ گئی۔ آپ اس کے پیٹ میں چالیس دن تک رہے۔ آپ نے سنگریزوں کی تسبیحات سنیں تو ان تاریکیوں میں یہ تسبیح پڑھی: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔

۲۔ معصیت اور مشقت میں پڑنے کی وجہ غصے اور غم کے عالم میں کہا۔ اذ ظرفیہ فعل محذوف اذکر کے متعلق ہے۔ یہ ظرف فعل نہی کے متعلق نہیں کیونکہ ان کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں ندا کرنا اچھا عمل ہے۔ یہ ان امور میں سے نہیں ہو سکتا جس کی نہی کی گئی ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی آپ حضرت یونس علیہ السلام کی طرح نہ ہو جائیں کہ آپ کفار کے عذاب کے لئے جلدی کر رہے ہوں۔ اس وقت کو یاد کرو جب آپ نے توبہ کرتے ہوئے ندا کی جبکہ آپ غصے سے بھرے ہوئے تھے کیونکہ وہ غصے کو ضبط نہ کر سکے۔ اس کی وجہ ان کی جلد بازی اور صبر نہ کرنا تھا۔

لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾

"اگر اس کی چارہ سازی نہ کرتا اس کے رب کا لطف تو ڈال دیا جاتا اسے چٹیل میدان میں درآں حالیکہ اس کی مذمت کی جاتی۔"

۱۔ تدارکہ فعل ماضی ہے اور ادرکہ کے معنی میں ہے کیونکہ فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ ہے۔ اس لئے فعل کو مذکر لانا بہت اچھا ہے یا یہ فعل مضارع منصوب ہے اور تفاعل کی ایک تاء کو حذف کر دیا گیا اور حال ماضیہ کی حکایت کی گئی ہے۔ یہ مصدر کی تاویل میں ہو کر مبتدا ہے جو شرط کے قائم مقام ہے۔ نعمۃ یہ فعل تدارکہ کا فاعل ہے۔ من ربہ یہ نعمۃ کی صفت ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت، توبہ کی توفیق اور اس کی قبولیت ہے۔ مبتدا کی خبر محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے: لَوْلَا تَدَارُكُ نِعْمَةِ رَبِّهٖ اِيَّاهُ مَوْجُوْدٌ۔

لنبذ یہ لولا کا جواب ہے تو انہیں درختوں اور عمارتوں سے خالی زمین پر پھینک دیا جاتا جبکہ آپ مذموم ہوتے۔ وھو مذموم یہ نبذ کے نائب فاعل سے حال ہے جواب کا انحصار اسی حال پر ہے اور نفی اسی طرف متوجہ ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوتی تو انہیں مذمت کیا گیا پھینک دیا جاتا کیونکہ آپ اپنی قوم میں نہ ٹھہرے اور اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر قوم سے نکل آئے تھے۔ اولیٰ امر کو چھوڑنا یہ انبیاء کا گناہ شمار ہوتا ہے کیونکہ وہ عظمت شان کے حامل ہوتے ہیں، اگرچہ وہ حقیقت میں گناہ نہ ہو اور عصمت کے منافی نہ ہو۔ لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ندا کی اور توبہ کی تو انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت نے آلیا اور انہیں بے آب و گیاہ جگہ پر پھینک دیا گیا جبکہ آپ بیمار تھے جس طرح سورۃ صافات میں محمود امر حوما کے الفاظ ہیں۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام اور آپ کی قوم فلسطین میں رہتی تھی۔ ایک بادشاہ نے ان پر حملہ کر دیا تو ساڑھے نو خاندانوں کے افراد کو اس نے گرفتار کر لیا اور اڑھائی خاندان کے افراد باقی بچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ بادشاہ حزقیا کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ اس دوسرے بادشاہ کے پاس ایک مضبوط اور دانشمند آدمی کو بھیجے۔

میں ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا تو وہ بنی اسرائیل اس کے ساتھ بھیج دے گا۔ بنی اسرائیل کے بادشاہ کی مملکت میں اس وقت پانچ نبی تھے۔ بادشاہ نے حضرت یونس علیہ السلام کو بلا بھیجا اور دوسرے بادشاہ کے پاس جانے کو کہا حضرت یونس علیہ السلام نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ حکم دیا ہے کہ تو مجھے بھیجے۔ بادشاہ نے کہا نہیں آپ نے پوچھا کیا اس نے میرا نام لیا تھا۔ اس نے کہا نہیں تو آپ نے کہا یہاں میرے علاوہ قوی انبیاء ہیں۔ لوگوں نے آپ سے اصرار کیا تو آپ ناراض ہو کر گھر سے نکل پڑے تو بحر روم کے کنارے آ گئے اور کشتی پر سوار ہو گئے۔

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۵۰﴾

''پھر چن لیا اس کو اس کے رب نے اور بنا دیا اس کو اپنے نیک بندوں سے۔[1]''

[1] فجعله کا عطف فاجتبه پر ہے، یعنی وحی کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا اور اسے کامل صالحین میں سے بنا دیا کہ اسے ایسی بات کرنے سے محفوظ کر دیا جس کا ترک کرنا بہتر تھا۔ صوفی پر لازم ہے کہ جب مخلوق اسے اذیتیں دے تو اس وقت وہ صبر کرے اور جو اس کی بات نہ مانے اس کے لئے بددعا نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف بددعا کی اجازت نہیں دی بلکہ صبر کا حکم دیا تو جو ولی کا منکر ہو اور مومن ہو تو اس کے بارے میں بددعا کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے، و اللہ اعلم۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کفار نے ارادہ کیا کہ وہ حضور ﷺ کو نظر لگائیں قریش کے کچھ لوگوں نے آپ کو دیکھا تو کہا ہم نے آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا اور آپ کی دلیل جیسی کوئی دلیل نہیں سنی۔ ایک قول یہ کیا گیا بنی اسد میں ایسے لوگ تھے جو نظر لگاتے تھے جو کوئی موٹی تازی اونٹنی یا گائے ان میں سے کسی کے پاس سے گزرتی تو وہ اسے دیکھتے ہی کہتے اے لونڈی ٹوکری اور درہم لے جاؤ اور اس کا گوشت لے آؤ وہ تھوڑی دور نہ جاتی کہ گر پڑتی اور اسے ذبح کر دیا جاتا۔

کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایک عرب تھا۔ وہ دو یا تین دن کھانا نہ کھاتا۔ پھر اپنے خیمے میں واپس آ جاتا۔ اس کے پاس سے اونٹوں یا بھیڑ بکریوں کا ریوڑ گزرتا تو وہ کہتا میں نے آج تک ان جیسے اونٹ یا بھیڑ بکریاں نہیں دیکھیں۔ وہ تھوڑا دور نہیں جاتے تھے کہ ایک دم ان جانوروں میں سے کچھ گر پڑتے کفار نے اس آدمی سے مطالبہ کیا کہ وہ حضور ﷺ کو نظر لگائے اور انہیں ہلاک کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کے شر سے محفوظ رکھا اور فرمایا۔

وَ اِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ یَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَ مَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۲﴾

''اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ کفار پھسلا دیں گے آپ کو اپنی (بد) نظروں سے جب وہ سنتے ہیں قرآن اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو مجنون ہے[1] حالانکہ وہ نہیں مگر سارے جہانوں کے لئے وجہ عزوشرف۔[2]''

[1] ان مثقلہ سے مخففہ ہے جس پر لام مفتوح دلالت کرتا ہے۔ لیزلقونک یہ یکاد کی خبر ہے۔ نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اسے یاء کے فتحہ کے ساتھ مجرد کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ باقی نے یاء کے ضمہ کے ساتھ باب افعال سے پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ اس کا معنی ہے یہ امر نافذ ہو جاتا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے زلق السنتھم۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب ان کی زبانیں مؤثر ہو جائیں۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے وہ تمہیں نظر لگا دیں۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ تمہیں ہلاک کر دیں۔ بابصارھم جار

مجرور یزلقون کے متعلق ہے لما سمعوا الذکر کا بھی اسی کے ساتھ تعلق ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آنکھ (نظر) انسان کو قبر میں داخل کر دیتی ہے اور اونٹ کو ہنڈیا میں داخل کر دیتی ہے۔ اسے ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیہ میں نقل کیا ہے۔ ابن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ صحیحین اور دوسرے محدثین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نظر حق ہے۔ امام احمد اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نظر حق ہے (1)۔ اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے سکتی تو نظر سبقت لے جاتی۔ جب تم سے غسل کا مطالبہ کیا جائے تو غسل کر لیا کرو (2) (نظر لگانے والے کا پانی اس پر ڈالا جاتا)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ نظر حق ہے نظر کے وقت شیطان حاضر ہوتا ہے اور انسان پر حسد کرتا ہے۔ صبیہ بن رفاعہ سے مروی ہے کہ اسماء بنت عمیس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کو نظر لگ جاتی ہے۔ آپ کچھ انہیں دم کر دیں۔ فرمایا ہاں اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جاتی۔ تو نظر سبقت لے جاتی اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ یہاں یہ ارادہ نہیں فرماتا کہ وہ تمہیں نظر لگا دیں گے جس طرح ایک نظر لگانے والا نظر لگاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ جب آپ قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہیں تو وہ آپ کو سخت غصے سے دیکھتے ہیں۔ قریب ہے کہ وہ آپ کو ہلاک کر دیں جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے۔ اس نے مجھے ایسی نظر سے دیکھا قریب تھا کہ مجھے ہلاک کر دیتا۔ اسی کی مثل یکاد یا کلنی جملہ بولتے ہیں کہ قریب تھا کہ مجھے کھا جاتا یہ دشمنی سے کنایہ ہے۔ اس معنی کی صحت پر قرآن سننے کے وقت کی قید دلالت کرتی ہے کیونکہ اس وقت وہ سخت ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے اور غصے کی نظر سے دیکھتے تھے (3)۔ جب آپ کو قرآن پڑھتے ہوئے سنتے تو کہتے آپ مجنون ہیں۔ یقولون والا جملہ یکاد الذین کفروا پر معطوف ہے۔

یعنی قرآن تمام عالمین کے لئے نصیحت ہے آپ مجنون نہیں قرآن ایسی چیز نہیں جسے مجنون اپنی زبان سے ادا کریں بلکہ یہ عام ذکر ہے اسے وہی پا سکتا ہے جو تمام لوگوں سے کامل اور صحیح رائے رکھتا ہو۔ میرے شیخ اور امام یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا یہاں ھو ضمیر میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ حضور ﷺ تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہیں جس طرح زید عدل جملہ کہتے ہیں۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ملے پوچھا اے حنظلہ تیرا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی حنظلہ منافق ہوگیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا سبحان اللہ! ہوش کرو، کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ ہمارے سامنے جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو گویا وہ ہمارے سامنے ہوتی ہیں۔ جب ہم حضور ﷺ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ہم بیویوں، بچوں اور جاگیروں میں مشغول ہو جاتے ہیں اور بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم بھی یہی حالت پاتے ہیں۔ پس میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چل پڑے یہاں تک کہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کی حنظلہ منافق ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کیسے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ جہنم اور جنت کا ہمارے سامنے ذکر کرتے ہیں تو وہ ہمارے

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 220 (قدیمی) 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

WWW.NAFSEISLAM.COM

آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں جب ہم آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو ہم اپنی بیویوں، بچوں اور جاگیروں میں مصروف ہوجاتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم اسی حالت پر رہو جس پر تم ذکر کے وقت ہوتے ہو تو تمہارے بستروں اور تمہارے راستوں پر فرشتے تم سے مصافحہ کریں۔ لیکن اے حنظلہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے یہ بات آپ ﷺ نے تین دفعہ کہی اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔(1)

فائدہ: یہ اولیاء اللہ کی علامت ہے کہ ان کے دیدار اور ان کی نصیحت سے اللہ یاد آجائے۔ بعض مرفوع روایات میں آیا ہے کہ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا اولیاء اللہ کون ہیں؟ فرمایا جب ان کا دیدار کیا جائے تو اللہ تعالیٰ یاد آجائے۔ حضور ﷺ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں میں سے میرے اولیاء وہ ہیں جنہیں میرے ذکر سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کے ذکر سے میری یاد ہوتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نظر لگنے کا علاج یہ ہے کہ انسان اس آیت کی تلاوت کرے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 335 (قدیمی)

نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

سورۃ الحاقہ

ایاتہا ۵۲ ۔ سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ ۶۹ ۔ رکوعاتہا ۲

سورۃ الحاقہ مکی ہے، اس میں دو رکوع اور باون آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

اَلْحَآقَّةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الْحَآقَّةُ ۚ﴿۲﴾ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۳﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَ عَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾

''وہ ہو کر رہنے والی [۱] کیا ہے وہ ہو کر رہنے والی [۲] اور اے مخاطب تم کیا سمجھو وہ ہو کر رہنے والی کیا ہے [۳] جھٹلایا ثمود اور عاد نے ٹکرا کر پاش پاش کرنے والی کو [۴] پس ثمود کو انہیں ہلاک کر دیا گیا سخت چنگھاڑ سے [۵]''

[۱] الحاقہ سے مراد قیامت ہے۔ اسے حاقہ سے تعبیر اس لئے کیا کیونکہ قیامت حق ہے اور اس کا وقوع ثابت ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں یا اس لئے حاقہ کا نام دیا کیونکہ اس میں امور کی حقیقت کا علم ہو جائے گا۔ یا اس لئے یہ نام دیا کہ اس دن میں اعمال کی جزاء ثابت ہوگی۔ جب کوئی چیز ثابت ہو جائے تو یہ جملہ بولا جاتا ہے حق علیہ الشیء اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ اس میں اسناد مجازی ہے یعنی فعل کی نسبت زمانہ کی طرف ہے۔ ترکیب کلام میں یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ما الحاقہ ہے۔

[۲] اس میں کلمہ استفہام قیامت کی عظمت بیان کرنے اور اس کی ہولناکی بیان کرنے کے لئے ہے۔ یہاں رابطہ اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ہے، یعنی ماھی کی جگہ ما الحاقہ ذکر کیا۔

[۳] اس میں ما مبتدا ہے اور ادراک اس کی خبر ہے اور کلمہ استفہام انکار کا معنی دیتا ہے۔ ما الحاقہ میں جملہ استفہامیہ قیامت کی ہولناکی بیان کرنے کے لئے ہے اور یہ ادراک کا مفعول ہے۔ آیت کا معنی ہوگا قیامت کتنی ہولناک چیز ہے تو اس کی حقیقت نہیں جانتا یہ کسی کے ادراک سے عظیم ترین ہے۔

[۴] حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود اور حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد نے اس ساعت کو جھٹلایا جو لوگوں کو خوفزدہ کر کے کھٹکھٹاتی ہے اور اجرام کو توڑنے اور بکھیرنے کے ساتھ کھٹکھٹاتی ہے۔ قارعہ سے مراد قیامت ہے جس کا ذکر ''الحاقہ'' کے لفظ کے ساتھ ہو چکا ہے۔ یہاں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر اور سابقہ لفظ کا مرادف اور اس کے وصف میں جو شدت پائی جاتی ہے۔ اس کو بیان کرنے کے لئے قارعہ ذکر کیا۔ یہ جملہ پہلے حاقہ کی خبر کے بعد خبر ہے۔ یا سابقہ دونوں جملے جملہ معترضہ ہیں جو ہولناکی بیان کرنے کے لئے لائے گئے ہیں۔ یا یہ جملہ مستانفہ ہے جو پہلے جملہ متحقق ہونے اور ثابت ہونے کی تاکید بیان کرتا ہے کیونکہ قیامت کا انکار اور اس کا جھٹلانا ہلاکت کو واجب کرتا ہے۔

اما مجمل کلام کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ اس جملے کا عطف کذبت پر ہے۔ فاما پر فاء سببیہ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے کہ کذبت ثمود و عاد بالقارعة فاهلكوا بسبب تكذيبها جہاں تک قوم ثمود کا تعلق ہے انہیں اس چیخ کے ساتھ ہلاک کیا گیا جو چیخ کی مقادیر سے تجاوز کر گئی تو انہیں ہلاک کر دیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے(1)۔ یہی صحیح قول ہے اس کی صورت یہ بنی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری تو وہ سب ہلاک ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا آسمان سے ایک چیخ آئی جس میں ہر کڑک اور زمین کی ہر چیز کی آواز تھی جس کی وجہ سے ان کے سینوں میں ان کے دل پھٹ گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا طاغیہ عافیہ کی طرح مصدر ہے جس کا معنی طغیان ہے یعنی انہیں تکذیب میں حد سے تجاوز کرنے ناقہ (اونٹنی) کو قتل کرنے اور اس جیسے دوسرے اعمال کی وجہ سے قتل کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ طاغیہ سے مراد قدار بن سالف ہے جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔ اس صورت میں طاغیۃ کے آخر میں تاء مبالغہ کے لئے ہے یا اس سے مراد وہ جماعت ہے جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹنے پر اتفاق کیا تھا اور قدار کو اس کی کونچیں کاٹنے کے لئے بھیجا تو یہی اونٹنی ان کی تباہی کا سبب بن گئی۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو قوم ثمود کی طرف بھیجا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ انہوں نے آپ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ مطالبہ کر دیا کہ اس چٹان سے دس ماہ کی گابھن اونٹنی بطور معجزہ نکالے پھر وہ آپ پر ایمان لائیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو اسی وقت اس چٹان سے ایک عظیم اونٹنی نکل پڑی جس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان ایک سو بیس ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ وہ دس ماہ کی گابھن تھی۔ اس نے اسی وقت اپنے جیسا بچہ جنا۔ وہ پھر بھی ایمان نہ لائے اور کہا یہ بھی اس کا جادو ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسی اونٹنی کو ان کے لئے آزمائش بنا دیا۔ ان کے پاس پانی کم تھا۔ وہ اونٹنی ان کا ایک روز کا پانی پی جاتی تھی اور دوسرے دن کا پانی ان کے لئے چھوڑ دیتی گھاس کی بھی۔ یہی حالت تھی قوم ثمود کی ایک جماعت نے انہیں قتل کرنے پر اتفاق کر لیا۔ انہوں نے بدبخت ترین آدمی قدار بن سالف کو بھیجا جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہا اے صالح اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا اس اونٹنی کے قتل کے بعد اپنے گھروں میں چند روز لطف اندوز ہو لو پہلے دن تمہارے چہرے زرد ہوں گے، دوسرے دن سرخ ہوں گے اور تیسرے دن سیاہ ہوں گے، چوتھے دن تمہیں عذاب آ لے گا۔ پھر اسی طرح عذاب آ گیا۔ ظالموں کو عذاب نے آ لیا تو وہ اپنے گھروں میں مرے پڑے تھے۔ گویا وہ یہاں بستے ہی نہ تھے۔ ان تاویلات کی صورت میں کہ طاغیہ سے مراد مصدر ہو یا قدار بن سالف ہو اس پر اما عاد کے ساتھ جو عطف کیا جا رہا ہے وہ ان کی تائید نہیں کرتا۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝٦ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝٧

"رہے عاد تو انہیں برباد کر دیا گیا آندھی سے جو سخت سرد بے حد تند تھی۔ اللہ نے مسلط کر دیا اسے ان پر (مسلسل) سات رات اور آٹھ دن تک جو جڑوں سے اکھیڑنے والی تھی تو تو دیکھتا قوم عاد کو ان دنوں کہ وہ گرے پڑے ہیں گویا وہ ٹنڈ ہیں کھوکھلی کھجور کے ۲۔"

1۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 31 (الامیریہ)

لے بریح میں باء استعانت کے لئے ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس سے پہلے جملہ میں الطاغیہ پر بھی باء استعانت کے لئے ہو تا کہ دونوں جملے مجمل کلام کی تفصیل ہوں۔ صر صر کا معنی سخت ٹھنڈک اور سخت آواز ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے عاتیۃ یعنی وہ شدت اور ٹھنڈک میں حد سے تجاوز کرنے والی ہے۔ قاموس میں ہے عتا یعنی اس نے تکبر کیا اور حد سے تجاوز کیا اس سے اسم فاعل کا صیغہ عات ہے۔

ئے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے مسلط کیا تھا۔ یہ جملہ مستانفہ ہے یا یہ ریح کی صفت ہے اور اس وہم کو دور کرنے کے لئے ہے کہ اس وہم کو دور کیا جائے کہ یہ آندھی فضا میں کسی تغیر کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔

ھم ضمیر سے مراد قوم عاد ہے۔ یہ طوفان ایک بدھ کی صبح سے لے کر دوسرے بدھ کی شام تک رہی۔ وہب نے کہا یہ ہوا ان ایام میں چلی جنہیں عرب ایام عجوز کہتے ہیں جو سخت ٹھنڈے اور تیز ہوا والے تھے انہیں عجوز اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ موسم سرما کے آخر میں تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ انہیں ایام عجوز اس لئے کہتے ہیں کہ قوم عاد کی ایک بوڑھی عورت ایک درندے کی بل میں گھس گئی۔ ہوا اس پر چلتی رہی یہاں تک کہ آٹھویں دن اسے ہلاک کر دیا پھر عذاب کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ (1)

حسوما یہ سخر کے مفعول بہ سے حال ہے جس کا معنی پے در پے ہے۔ یہ حاسم کی جمع ہے۔ اس کا معنی پے در پے ہے یہ حسام الکی سے مشتق ہے جس کا معنی کاویہ کے ساتھ بیماری کی جگہ کو پے در پے داغنا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے صحت یاب ہو جائے۔ مجاہد اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے۔ یا اس کا معنی منحوس ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے فی ایام نحسات یعنی ان دنوں نے ہر بھلائی کو ختم کر دیا اور اسے جڑ سے اکھیڑ دیا۔ عطیہ نے اسی طرح کہا ہے یا اس کا معنی ختم کرنے والے جنہوں نے ان کی جڑ کو ہی ختم کر دیا۔ زجاج اور نضر بن شمیل نے یہی کہا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو یا یہ فعل مقدر کا مفعول مطلق ہو۔

فتری میں خطاب غیر معین مخاطب کو ہے۔ یہ حال ماضیہ کی حکایت ہے۔ القوم سے مراد قوم عاد ہے۔ فیھا میں ھا ضمیر سے مراد وہ راتیں اور دن ہیں یا ان کا درمیانی عرصہ ہے۔ صرعی صریع کی جمع ہے جو اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ یہ تری کا مفعول ثانی ہے اگر یہ افعال قلوب میں سے ہو۔ بصورت دیگر یہ مفعول بہ سے حال ہو گا۔

اعجاز کا معنی تنے ہیں خاویۃ یعنی اندر سے کھوکھلے۔ یہ جملہ حال مفرد کے بعد حال بن رہا ہے کیونکہ یہ حال مفرد کے بعد حال ہے اور اس کے آغاز میں کان ہے۔ اسی وجہ سے واؤ کو ترک کر دیا گیا۔

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝٨ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝٩

''کیا تمہیں نظر آتا ہے ان کا کوئی باقی ماندہ فرد لے اور فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور الٹائی جانے والی بستیوں کے باشندوں نے غلطی کا ارتکاب کیا ئے''

لے اس میں استفہام تقریری ہے، یعنی مخاطب کو اقرار کرنے پر برانگیختہ کیا گیا ہے۔ لھم میں ھم ضمیر سے مراد قوم عاد ہے۔

ئے ابو عمر اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے قاف کے کسرہ کے ساتھ قبلہ پڑھا ہے جس کا معنی جانب ہوتا ہے، یعنی اس کے لشکروں اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 118 (التجاریہ)

پیروکاروں میں سے جو اس کے پاس تھے جبکہ باقی قراء نے اسے قبلہ پڑھا ہے۔ پھر معنی ہوگا اس سے قبل جو کافر قومیں ہوئیں۔

مؤتفکات سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں ہیں جنہیں الٹ دیا گیا تھا۔ یہ افک سے مشتق ہے جس کا معنی الٹنا ہے۔ یہاں اس سے مراد بستیوں والے ہیں۔ خاطئہ یا تو مصدر ہے یا اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اسم محذوف فعلة کی صفت ہے یا یہ اسم مفعول کے معنی میں ہے۔

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝

''پس انہوں نے نافرمانی کی اپنے رب کے رسولوں کی تو اللہ نے پکڑ لیا انہیں بڑی سختی سے ۱۔ ہم نے جب سیلاب حد سے گزر گیا تو تمہیں کشتیوں میں سوار کر دیا ۲۔ تاکہ ہم بنا دیں اس واقعہ کو تمہارے لئے یادگار اور محفوظ رکھیں اسے یاد رکھنے والے کان ۳''

۱۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اور ہر امت نے اپنے نبی کی نافرمانی کی۔ یہ جملہ جآء فرعون کا عطف تفسیری ہے۔ فاخذھم میں فاء سببیہ ہے۔ رابیة یعنی شدت میں بہت بڑھ کر۔ اخذہ رابیة یہ اخذھم کا مفعول مطلق ہے۔

۲۔ جب پانی اپنی حد سے تجاوز کر گیا یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں ہر چیز سے بلند ہو گیا۔ لما ظرف ہے اور مابعد کے متعلق ہے۔ حملنکم میں کم ضمیر سے مراد تمہارے آباء و اجداد ہیں جبکہ تم ان کی پشتوں میں تھے۔ جاریہ سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے۔

۳۔ ھا ضمیر سے مراد کشتی ہے یا ان مومنوں کو نجات دینا ہے جو کشتی میں سوار تھے جبکہ پانی سرکش تھا اور تمام حدود سے تجاوز کر چکا تھا۔ تذکرة یعنی عبرت اور نصیحت بنایا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی حکمت اور رحمت کے کمال پر دلالت کرتی ہے اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھتے ہیں۔ تعیھا کا معنی یاد رکھتے ہیں سمجھتے ہیں اور اس میں سوچ و بچار کرتے ہیں۔ جمہور نے اسے عین کے کسرہ اور یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عین کے اختلاس کے ساتھ پڑھا ہے۔ صاحب تیسیر نے کہا ابن کثیر کی قرأت درست نہیں۔ نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اذن کو تخفیف یعنی ذال کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ جمہور نے دونوں پر ضمہ پڑھا ہے۔ وعی یہ دل اور نفس کی صفت ہے۔ اس کی نسبت کانوں کی طرف مجازاً کی ہے یا اس سے مراد کان والے ہیں۔ مضاف کو حذف کیا اور مضاف الیہ پر مضاف کے احکام جاری کئے۔ اذن کو نکرہ اس لئے ذکر کیا کیونکہ ایسے کان تھوڑے ہوتے ہیں مگر جس کی یہ شان ہو وہ قلیل ہونے کے باوجود کثیر افراد کی نجات اور ان کی نسل کے باقی رکھنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ دل برتن ہیں ان میں سے بہترین وہی ہے جو زیادہ یاد رکھنے والا ہو (1)۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ جب قیامت کی ہولناکی بیان کرنے میں مبالغہ سے کام لیا اور اس کا انکار کرنے والوں کے انجام کا ذکر کیا تو پھر دوبارہ اس کی وضاحت کی۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً

1۔ کنز العمال، جلد 2، صفحہ 74، حدیث: 3191 (التراث الاسلامی)

WWW.NAFSEISLAM.COM

وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾

" پھر جب پھونک ماردی جائے گی صور میں ایک بار ۱؎ اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر دفعتاً چور چور کر دیا جائے گا ۲؎ "

۱؎ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ صور ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا(1)۔اسے امام ترمذی، ابوداؤد اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ فعل کی نسبت مصدر کی طرف کی گئی ہے اور یہ بہت اچھا ہے کیونکہ مصدر کی صفت واحدۃ سے لگائی گئی جس وجہ سے نکرہ مقید ہو گیا ہے۔ فعل کو مذکر ذکر کرنا بھی اچھا ہے کیونکہ فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ آ گیا ہے اس نفخہ سے مراد فنا کا نفخہ ہے نفخات کی تعداد میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نفخے تین ہیں: 1۔ نفخة الفزع گھبراہٹ کا نفخہ، 2۔ موت کا نفخہ، 3۔ دوبارہ اٹھائے جانے کا نفخہ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ایک اور جگہ فرمان ہے: وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ایک اور جگہ فرمان ہے: ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ۔ اس قول کو ابن عربی نے پسند کیا ہے۔ اسی طرح ایک طویل حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں بھی صراحۃ ذکر ہے کہ اس میں تین نفخے ہوں گے۔ پہلا نفخہ فزع کا نفخہ ہے، دوسرا نفخہ صعق کا نفخہ ہے، تیسرا نفخہ رب العالمین کے لئے کھڑا ہونے کا نفخہ ہے(2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر، طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے مطولات اور ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بعث اور دوسرے محدثین نے ذکر کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا نفخے صرف دو ہیں:۔ ایک فزع کا نفخہ ہے اور دوسرا صعق کا نفخہ ہے کیونکہ دونوں امر لازم ملزوم ہیں یعنی وہ سخت گھبرائے تو مر گئے۔ اس قول کو قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح قرار دیا ہے(3)۔ اس موقف پر دلیل یہ قائم کی گئی کہ دونوں سے استثناء کی گئی ہے دونوں سے استثناء یہ دلالت کرتی ہے کہ یہ دونوں نفخے ایک ہی نفخہ ہیں۔ اکثر احادیث میں صرف دو کا ذکر ہے۔ ان دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہے۔ اس طویل حدیث کے راویوں میں ایسے راوی بھی ہیں جن میں اعتراضات کئے گئے ہیں۔ اس حدیث کی صحت میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ ابن عربی اور قرطبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے صحیح قرار دیا۔ بیہقی اور عبدالحق رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے ضعیف قرار دیا اس حدیث کا دارومدار اسماعیل بن رافع پر ہے جو مدینہ طیبہ کے قاضی تھے اس پر اعتراض کیا گیا ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس روایت کے سیاق میں کچھ بے تعلقی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس روایت کو مختلف طرق اور مختلف مقامات سے جمع کر کے ایک سیاق بنا دیا گیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہاں ظرف اذا نفخ فی الصور سے طویل زمانہ مراد ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں الحاقه، القارعه، القيامه، الواقعه وغیرہ سے تعبیر کیا ہے۔ اس زمانے کا آغاز نفخہ اولی سے ہوگا اور اس کی انتہاء جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے اور جہنمیوں کے جہنم میں داخل ہونے پر ہوگی۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے زیاد بن مخراق سے نقل کیا ہے کہ حجاج نے عکرمہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام تھے سے یوم قیامت کے بارے میں پوچھا کیا وہ دن دنیا کے دنوں جیسا ہوگا یا آخرت کے دنوں جیسا ہوگا تو

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 4، صفحہ 379 (دار الکتب العربیہ بیروت)
2۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 20 (الامیریہ)
3۔ تفسیر قرطبی، جلد 13، صفحہ 240 (دار الکتب المصریہ)

WWW.NAFSEISLAM.COM

انہوں نے جواب دیا اس کا آغاز دنیا کے دن جیسا اور اس کی انتہاء آخرت کے دن جیسی ہوگی۔ اس وجہ سے اس زمانہ کی طرف نفخہ اولی اور دوسرے تمام واقعات جو اس دن میں واقع ہوں گے جیسے موت، دوبارہ اٹھانا، حساب، آسمان کا پھٹنا، ستاروں کا بکھرنا، جنت اور دوزخ میں داخل ہونا اس کے علاوہ دوسرے امور کی نسبت کرنا درست ہوگی۔ اذا نفخ فی الصور نفخة واحدة یہ اس وقت کی ابتداء کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان فھو فی عشیة راضیة سے لے کر آخر تک اور اللہ تعالیٰ کا فرمان خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ یہ دونوں آیات اس وقت کی انتہاء کا بیان ہیں۔

۲۔ زمین اور پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھالئے جائیں گے پھر ان سب کو ایک ہی دفعہ ٹکرا کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ قاموس میں ہے دک کا معنی باریک کرنا اور گرانا ہے۔ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا اصل معنی توڑنا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ جوہری رحمۃ اللہ نے یہ بھی کہا ہے کہ الدک الارض سے مراد نرم اور ہموار زمین ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہوگا کہ پہاڑوں کو نرم زمین جیسا بنا دیا جائے گا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ زمین اور پہاڑوں کو ایک ہی دفعہ ہموار کر دیا جائے گا تو اس میں کوئی کجی اور کوئی اونچ نیچ نہیں دیکھے گا۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں روایت نقل کی ہے کہ دونوں چیزیں کفار کے چہروں پر غبار کی صورت میں ہو جائیں گی۔ مومنین کے چہروں پر کوئی ایسی صورت نہ ہوگی: وُجُوْهٌ يَّوْمَىٕذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ کا یہی مفہوم ہے شرط کی جزاء محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اذا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ انقضت الدُّنْيَا وَحَقَّتِ الْحَاقَّةُ۔

فَيَوْمَىٕذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَىٕذٍ وَّاهِيَةٌ ۝

"تو اس روز ہونے والا واقعہ ہو جائے گا ۱۔ اور آسمان پھٹ پڑے گا تو وہ اس دن بالکل بودا ہوگا ۲۔"

۱۔ یومئذ مابعد فعل کی طرف ہے اور پھر یہ جملہ اذا نفخ کا بدل ہے۔ پھر وہ ساعت واقع ہو جائے گی جس کا انتظار کیا جا رہا تھا جس کا وقوع کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے وہ امور جیسے حساب وجزاء جن کا وقوع ضروری تھا واقع ہو جائیں گے۔

۲۔ جملے کا عطف وقعت پر ہے۔ ھی ضمیر سے مراد آسمان ہے۔ یومئذ مابعد شبہ فعل کی طرف ہے۔ واھیة یعنی کمزور اور ڈھیلا ہو جائے گا۔ وہ سخت اور قوی نہیں ہوگا جس طرح وہ پہلے سخت اور قوی تھا۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وھیھا سے مراد اس کا پھٹ جانا ہے۔ قاموس میں وھی کا معنی کسی شے میں سوراخ ہو جانا ہے کہتے ہیں۔ وھی یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ پھٹ جائے اور اس کی رسیاں ڈھیلی پڑ جائیں۔

وَّالْمَلَكُ عَلٰۤى اَرْجَآىٕهَا ؕ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَىٕذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝

"اور فرشتے اس کے کناروں پر مقرر کر دیئے جائیں گے اور آپ کے رب کے عرش کو اس روز اپنے اوپر آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہوگا ۱۔"

۱۔ ملک سے مراد فرشتوں کی جنس ہے۔ ارجاء کا معنی اطراف ہے جو آسمان کے پھٹنے کے بعد بھی باقی ہوں گی۔ یہاں عرش کو جو رب کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ وہ ایک تو عرش کی تعظیم کے لئے ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش اس کی مخصوص تجلی کی جگہ ہے۔ فوقھم میں ھم ضمیر یا تو ثمانیہ کے لئے ہے، اگرچہ ثمانیہ کا لفظ بعد میں ہے لیکن فاعل ہونے کی حیثیت سے پہلے مقام رکھتا ہے۔ یا ھم ضمیر ان فرشتوں کے لئے ہے جو آسمان کی اطراف میں جمع تھے۔ آٹھ فرشتے ہوں گے۔ ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ

تعالیٰ نے حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ان کا گمان ہے کہ وہ بطحاء میں ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے جبکہ رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان تشریف فرما تھے۔ ایک بادل گزرا لوگوں نے اسے دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تم اسے کیا کہتے ہو تو لوگوں نے کہا بادل۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسے مزن بھی کہتے ہو۔ صحابہ نے عرض کی مزن بھی کہتے ہیں فرمایا عنان بھی۔ صحابہ نے عرض کی عنان بھی کہتے ہیں۔ فرمایا کیا تم جانتے ہو زمین اور آسمان کے درمیان کتنی دوری ہے۔ تو صحابہ نے عرض کی ہم تو کچھ نہیں جانتے۔ فرمایا زمین اور آسمان کے درمیان اکہتر (71)، بہتر (72) یا تہتر (73) سال کی مسافت ہے۔ وہ آسمان جو اس سے اوپر ہے اس کی بھی یہی حالت ہے یہاں تک کہ آپ نے سات آسمانوں کو شمار کیا۔ پھر ساتویں آسمان سے اوپر ایک سمندر ہے جو بلندی سے پستی تک کو محیط ہے جس طرح ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پھر اس سے اوپر آٹھ پہاڑی بکرے ہیں جن کے کھروں اور سرینوں کے درمیان دو آسمانوں کے درمیان کا فاصلہ ہے۔ پھر ان کی پشتوں پر عرش ہے جس کے پائے کے سرے اور بلندی کے درمیان ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان کا فاصلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بھی ماوراء ہے۔ (1)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث اسی طرح ذکر کی ہے۔ تاہم زمین اور آسمان کے درمیان اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت کا ذکر ہے۔ اسی طرح سمندر کی پستی اور بلندی کے درمیان، پہاڑی بکروں کے کھروں اور ان کی سرینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ یہ مسافت کا اختلاف سفر طے کرنے والوں کے اختلاف کی بناء پر ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حدیث میں آیا ہے کہ آج وہ چار ہیں۔ جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ چار اور کے ساتھ ان کی مدد فرمائے گا وہ پہاڑی بکروں کی صورت میں ہیں ان کے کھروں اور سرینوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جس طرح ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان ہے۔ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ان چار میں سے ایک انسان کی شکل میں ہے، دوسرا شیر کی شکل میں ہے، تیسرا بیل کی شکل میں ہے اور چوتھا گدھ کی شکل میں ہے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس روز تیرے رب کے عرش کو فرشتوں کی آٹھ صفیں اٹھائے ہوئے ہوں گی جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہوگا۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿١٩﴾

WWW.NAFSEISLAM.COM

"وہ دن جب تم پیش کئے جاؤ گے تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہ رہے گا[1]۔ پس جس کو دے دیا گیا اس کا نامہ عمل دائیں ہاتھ میں تو وہ (فرط مسرت سے) کہے گا لو پڑھو میرا نامہ عمل[2]۔"

[1]۔ اے لوگو تم سب کو حساب کیلئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ یہ اس نفحہ کے بعد ہوگا جس میں سب کو دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے ما یفعل بنا ذلک الیوم۔ جمہور نے تخفی پڑھا ہے کیونکہ فاعل مونث ہے جبکہ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ ہے۔

خافیۃ کا معنی مخفی ہے لا تخفی منکم خافیۃ یا تو یہ تعرضون سے بدل ہے یا اس کے فاعل سے حال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز لوگوں کو تین دفعہ پیش کیا جائے گا۔ دو پیشیاں تو جھگڑے اور معذرت کی صورت میں ہوں گی۔ تیسری

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 167 (وزارت تعلیم)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 119 (التجاریہ)

پیشی کے موقع پر صحائف لوگوں کو ہاتھوں میں دے دیئے جائیں گے کچھ دائیں ہاتھ میں انہیں لیں گے اور کچھ بائیں ہاتھ میں انہیں لیں گے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جدال دشمنوں کی طرف سے ہوگا کیونکہ وہ اپنے رب کو نہیں پہچانتے ہوں گے تو وہ گمان کریں گے کہ جب وہ جھگڑا کریں گے تو نجات پا جائیں گے اور ان کی حجت قائم ہو جائے گی۔ معذرت کی پیشی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام اور تمام انبیاء کے سامنے عذر پیش کرے گا اور دشمنوں کے خلاف ان کے سامنے حجت قائم فرمائے گا پھر انہیں جہنم کی طرف بھیج دے گا۔ تیسری پیشی مومنین کی ہو گی۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ انہیں تنہائی میں عتاب فرمائے گا یہاں تک کہ اسے حیا آ جائے گی پھر اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا اور ان سے راضی ہو جائے گا۔

۲۔ یہ مومن کے لئے ہوگا۔ اس جملے کا عطف تعرضون پر ہے۔ اس میں اس تیسری پیشی کی تفصیل ہے۔ وہ مومن خوشی سے کہے گا لو میری کتاب پڑھو۔ هاء اسم فعل ہے خذ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسے یوں استعمال کیا جاتا ہے هاء یا رجل هائما یا رجلان هاؤم یا رجال هاء یا امرأة هائما یا امرأتان هاؤ ن یا نسوة۔ یہ فیقول والا جملہ من اوتی کی خبر ہے۔ کتابیہ کس کا مفعول ہے۔ اس میں هاء م اور اقرء وا کا تنازع ہے۔ اس میں دوسرے فعل کو عامل بنایا کیونکہ مفعول بہ کے قریب ہے اور پہلے فعل کا مفعول بہ حذف کر دیا۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو یوں کلام ہوتی اقرء وہ۔

کتابیہ، حسابیہ، مالیہ اور سلطانیہ میں ہا سکتہ کے لئے ہے جو وقف کی صورت میں ثابت رہتی ہے اور وصل کی صورت میں گر جاتی ہے کیونکہ یہ ایام خالیہ میں ثابت ہے۔ اس لئے اس پر وقف کرنا مستحب ہے۔ اسی لئے وصل کی صورت میں بھی اس ہا کو ثابت رکھا گیا ہے۔

إِنِّي ظَنَنتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾

"مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا ۱۔ پس یہ (خوش نصیب) پسندیدہ زندگی بسر کرے گا ۲۔ عالیشان جنت میں ۳۔"

۱۔ ظننت کا معنی علمت اور ایقنت ہے۔ جب حساب کا یقین ہونا اعمال صالحہ کے بجا لانے کو مستلزم ہے تو اسے کنایہ کی صورت میں ذکر کیا۔ گویا یہ کہا میں نے نیک عمل کیا لیکن تواضع کی وجہ سے صراحۃ یہ نہیں کہا کہ میں نے نیک عمل کیا۔ نیز یہی وجہ ہے کہ علم کو ظن سے تعبیر کیا مقصود اللہ تعالیٰ جو عالم الغیوب ہے، کی بارگاہ اقدس میں اپنے دعویٰ علم کو نامناسب خیال کرنا ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا شاید اسے یہاں ظن کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ مقصود یہ شعور دلانا ہے کہ اعتقاد میں وہ وساوس نقصان نہیں دیتے جو دل میں کھٹکتے ہیں اور جن سے علوم نظریہ جدا نہیں ہوتے۔

انی ملاق حسابیہ یہ ظننت کا مفعول ہے جو دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عثمان نہدی سے نقل کیا ہے کہ مومن کو کتاب پردے میں دی جائے گی وہ اپنے گناہ پڑھے گا اس کا رنگ بدل جائے گا۔ پھر وہ اپنی نیکیاں پڑھے گا تو اس کا رنگ واپس لوٹ آئے گا پھر وہ دیکھے گا تو اس کی برائیاں نیکیوں میں بدل جائیں گی۔ اس موقع پر وہ کہے گا لو میری کتاب پڑھو۔ (1)

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 410 (العلمیہ)

۲۔ قاموس میں ہے راضیۃ کا معنی مرضیۃ ہے۔ یہ فعل مجہول لایا جاتا ہے: رُضِیَتِ العِیشَۃُ یہ کہا جاتا ہے۔ رَضِیَتِ العِیشَۃُ نہیں کہا جاتا۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اسم فاعل کا صیغہ نسبت کا معنی دے رہا ہے یا فعل کی نسبت مجازاً زندگی کی طرف کر دی۔

۳۔ جار مجرور ظرف مستقر ہے۔ فعل یا شبہ فعل اس سے پہلے محذوف ہوگا۔ عالیۃ کا معنی بلند ہے یا تو معنی یہ ہوگا اس کا رتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند ہوگا کیونکہ اسے اللہ کا قرب حاصل ہے یا یہ جنت بلند جگہ واقع ہے کیونکہ یہ آسمان میں ہے یا اس کا درجہ، مکانات اور درخت بلند ہیں۔ جب درختوں کی بلندی یہ وہم دلاتی ہے کہ اس کے پھل بہت دور ہوں گے اور ان کا حصول آسان نہیں ہوگا تو اس کے بعد ایک اور صفت ذکر کی۔

قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾

''جس کے خوشے جھکے ہوں گے ۱ (اذن ملے گا) کھاؤ اور پیو مزے اڑا (یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے آگے بھیج دیے گزشتہ دنوں میں ۲۔''

۱۔ قطوف سے مراد پھل ہیں۔ یہ قطف کی جمع ہے دانیۃ کا معنی قریب ہیں، یعنی ان کا کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے لینا ممکن ہے۔

۲۔ ھنیئاً یہ اکلا اور شربا کی صفت ہو کر مفعول مطلق ہے۔ ھنیی ہر ایسی چیز کو کہتے ہیں جس کے استعمال کرنے کے بعد کسی قسم کی مشقت اور تھکاوٹ اور بدہضمی نہ ہو یا یہ اپنے فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ یہ جملہ قول مقدر کے بعد خبر کے بعد خبر ہے یہاں جمع کی ضمیر معنی کا اعتبار کرتے ہوئے لائی گئی ہے، یعنی ان جنتیوں کو کہا جائے گا کہ کھاؤ اور پیؤ یا یہ جملہ مستانفہ ہے اور ایک مقدر سوال کا جواب ہے، یعنی انہیں جنت میں کہا جائے گا بما اسلفتم یہ کلوا و اشربوا کے متعلق ہے اور اس میں تنازع فعلین کا قاعدہ جاری ہوگا۔ یہ بات انہیں ان اعمال صالحہ کی وجہ سے کہی جائے گی جو انہوں نے آگے بھیجے ہیں سلف سے مراد گزر جانے والی شے ہے۔

ایام خالیہ سے مراد دنیا کے گزرے ہوئے دن ہیں۔ زمان و مکان میں سے خالی اسے کہتے ہیں جس میں کوئی کام کرنے والا نہ ہو۔ خالی زمانہ اس وقت کو کہتے ہیں جب اس زمانے میں رہنے والا کوئی نہ رہے گزرنا اور چلے جانا اسے لازم ہے۔ اسی وجہ سے ماضی کو خالی سے تعبیر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾

''اور جس کو دیا جائے گا اس کا نامہ عمل بائیں ہاتھ میں وہ کہے گا اے کاش! مجھے نہ دیا جاتا میرا نامہ عمل ۲۔''

۱۔ اس سے مراد کافر ہے جس کا بایاں ہاتھ پشت کی طرف کیا جائے گا جس کے ساتھ وہ اپنی کتاب پکڑے گا۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن سائب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا بایاں ہاتھ پشت پر موڑ دیا جائے گا پھر اسے کتاب دی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا بایاں ہاتھ سینے سے کھینچ کر پیچھے کی پیچھے کیا جائے گا(1) تو وہ اپنے اعمال کی قباحت اور برے انجام کو دیکھ کر کہے گا ہائے کاش مجھے کتاب نہ دی جاتی۔ حرف ''یا'' کے بعد منادی محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی یاقوم لیتنی لم اوت کتابیہ۔

وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّىْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾

''اور میں نہ جانتا میرا حساب کیا ہے ۱ اے کاش موت نے ہی (میرا) قصہ پاک کر دیا ہوتا ۲۔ آج میرا مال میرے کسی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 121 (التجاریہ)

WWW.NAFSEISLAM.COM

کام نہ آیا۳ ''

۱۔ ما حسابیه جملہ استفہامیہ لم ادر کا مفعول بہ ہے۔

۲۔ ھا ضمیر کا مرجع نفخه ہے یا اس کا مرجع مذکور ہی نہیں۔ معنی یہ ہوگا اے میری قوم ہائے کاش وہ موت جو مجھ پر دنیا میں گزری یا وہ حالت جس میں میں اب ہوں وہ میرا معاملہ ختم کرنے والی ہوتی اور مجھے بعد میں زندہ نہ کیا جاتا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ اب موت کی تمنا کرتا ہے جبکہ دنیا میں موت سے بڑھ کر اس کے لئے ناپسندیدہ چیز کوئی نہ تھی (1)۔ ان دونوں جملوں کے درمیان حرف عطف اس لئے ذکر نہیں کیا کیونکہ دونوں جملوں کا معنی ایک ہے اور دوسرا جملہ پہلے جملے کی تاکید ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے جملے میں حساب نہ ہونے اور کتاب نہ دیئے جانے کی تمنا ہے جبکہ معنی کے اعتبار سے یہ دوبارہ نہ اٹھائے جانے کی تمنا کے لئے کنایہ ہے جبکہ دوسرے جملے میں دوبارہ نہ اٹھائے جانے کی تمنا کی صراحت ہے۔

۳۔ اس میں ما نافیہ ہے یا استفہامیہ ہے اور انکار کا معنی دیتا ہے اور اغنی کا مفعول ہے، یعنی جو کچھ میرا ہے اس نے مجھے کوئی نفع نہ دیا وہ مال ہو یا خدام۔

هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾

'' میری بادشاہی بھی فنا ہوگئی ۱۔ (فرشتوں کو حکم ہوگا) پکڑ لو اس کو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو ۲۔ پھر اسے دوزخ میں جھونک دو ۳۔ ''

۱۔ سلطانیه سے مراد میری بادشاہت اور میرا غلبہ لوگوں سے ختم ہوگیا یا وہ میری دلیل جاتی رہی دنیا میں جس کے ذریعے میں لوگوں پر غلبہ پاتا تھا۔ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے مالیه اور سلطانیه میں وصل کی صورت میں ھاء کو حذف کیا جبکہ باقی قراء نے وصل اور وقف دونوں صورتوں میں ھاء کو ثابت رکھا ہے۔

۲۔ جہنم کے داروغوں کو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے پکڑ لو اور اس کے ہاتھوں کو گردن کے ساتھ باندھ دو۔

۳۔ پھر اسے جہنم میں داخل کردو۔ ثم کا لفظ دونوں عذابوں کی شدت میں فرق بیان کرنے کے لئے ہے۔ حصر کے لئے مفعول کو مقدم کیا ہے یعنی اسے کسی چیز میں داخل نہ کرو مگر جہنم میں داخل کرو جحیم سے مراد بڑی آگ ہے۔

ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾

'' پھر ستر گز لمبے زنجیر میں اس کو جکڑ دو ۱۔ ''

۱۔ فاسلکوا میں فاء زائدہ ہے اور نظم کلام کو حسین بنانے کے لئے ذکر کی گئی ہے۔ یہ عاطفہ نہیں اگر عاطفہ ہوتی ہو پھر معطوف اور معطوف علیہ کا جمع ہونا لازم ہوتا۔

ابن ابی حاتم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عوفی رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ زنجیر اس کی دبر میں داخل کی جائے گی اور اس کے ناک سے نکالی جائے گی اور وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکے گا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی نقل کیا ہے کہ اس زنجیر کو اس کی سرین سے داخل کیا جائے گا پھر منہ سے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 121 (التجاریۃ)

WWW.NAFSEISLAM.COM

نکالا جائے گا پھر انہیں اس زنجیر میں پرو دیا جائے گا جس طرح مکڑی کو سلاخ میں پرو دیا جاتا ہے پھر اسے آگ پر جھونا جائے گا۔ نوف بکالی شامی نے کہا وہ زنجیر ستر گز لمبی ہوگی۔ ہر ذراع ستر باع کا ہوگا اور ہر باع یہاں سے مکہ تک ہوگا۔ اس وقت وہ کوفہ کے میدان میں تھے۔ ہناد اور ابن مبارک رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے نقل کیا ہے کہ سفیان نے کہا ہر ذراع ستر ذراع کے برابر ہوگا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس ذراع سے کونسا ذراع مراد ہے (1)۔ میں کہتا ہوں یہ جہنم کے داروغوں میں سے ایک فرشتے کا ذراع ہو یا جہنم میں کافر کا ذراع ہو کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جہنم میں کافر کی داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی اور اس کی جلد کی موٹائی تین دن کی مسافت جتنی ہوگی۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع انداز میں نقل کیا ہے۔

امام احمد، امام ترمذی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے جبکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سر کی کھوپڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر اس زنجیر کا اتنا گولا آسمان سے زمین کی طرف پھینکا جائے جبکہ آسمان اور زمین کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے تو وہ زمین تک رات سے پہلے پہنچ جائے۔ اگر اس زنجیر کا سرا جہنم میں لٹکایا جائے تو جہنم کی گہرائی تک پہنچنے تک اسے چالیس سال لگ جائیں (2)۔ ابن مبارک نے کعب رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اس زنجیر کا ایک حلقہ دنیا کے تمام لوہے کے برابر ہے۔ ابو نعیم نے محمد بن منکدر رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اگر دنیا کا تمام لوہا جمع کر دیا جائے تو جہنم کی اس زنجیر کے ایک حلقہ کے برابر نہ ہوگا۔

إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿٣٤﴾

"بے شک یہ بدبخت ایمان نہیں لایا تھا اللہ پر جو بزرگ (و برتر) ہے 1 اور نہ ترغیب دیتا تھا مسکین کو کھانا کھلانے کی 2"

1۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اس عذاب کے سبب کو بیان کرتا ہے۔ عظیم کا ذکر اس بات کا شعور دلانے کے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی عظمت کا مستحق ہے۔ جو اس کے علاوہ اپنے آپ کو بڑا جانتا ہے وہ عذاب کا مستحق بن گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کبر میری چادر ہے، عظمت میری ازار ہے جس نے ان میں کوئی ایک بھی چھیننے کی کوشش کی میں اسے جہنم میں داخل کروں گا اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ (3)

2۔ وہ کسی اور کو بھی اسے کھانا کھلانے پر برانگیختہ نہیں کرتا، چہ جائیکہ وہ اپنا مال خرچ کرے۔ حض کا ذکر یہ شعور دلانے کے لئے ہے کہ جو برانگیختہ نہیں کرتا اس کا یہ حال ہے اور جو عمل نہیں کرتا اس کا کیا حال ہوگا۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ کفار کو بھی فرعی اعمال میں عذاب دیا جائے گا۔ شاید ان دو امروں کو خصوصی طور پر اس لئے ذکر کیا ہے کہ قبیح ترین عقیدہ اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا اور قبیح ترین اخلاق بخل اور دل کی سختی ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَاهُنَا حَمِيمٌ ﴿٣٥﴾ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ ﴿٣٦﴾ لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ﴿٣٧﴾

"پس آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں 1 اور نہ کوئی طعام بجز پیپ کے 2 جسے کوئی نہیں کھاتا بجز خطاکاروں کے 3"

1۔ اس میں فاء سببیہ ہے۔ الیوم اور ھھنا دونوں ظرف مستقر ہیں۔ حمیم کا معنی قریبی ہے جو حمایت کرے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 121 (التجاریہ)　　2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 83 (وزارت تعلیم)

3۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 92، حدیث: 5110 (الفکر)

۲؎ الا من غسلین یہ استثناء مفرغ ہے اور طعام کی صفت ہے لا زائدہ ہے اور قصر اضافی ہے۔ غسلین سے مراد جہنمیوں کی پیپ وغیرہ ہے یہ غسل سے فعلین کے وزن پر ہے۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہا غسلین سے مراد جہنمیوں کی پیپ ہے۔ ضحاک اور ربیع رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ ایسا درخت ہے جسے جہنمی کھائیں گے (1)۔ ابن ابی حاتم نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ غسلین کیا ہے لیکن میرا گمان ہے کہ اس سے مراد زقوم ہے۔

۳؎ خاطئون فاعل کے محل سے استثناء مفرغ ہے۔ یہ جملہ غسلین کی صفت ہے۔ اس سے مراد گنا ہگار لوگ ہیں۔ یہ خطی الرجال سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اس نے جان بوجھ کر گناہ کیا یہ خطأ سے مشتق نہیں جو صواب کی ضد ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾

''پس میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں تم نہیں دیکھتے ۱؎ بے شک یہ قول ہے عزت والے رسول کا ۲؎''

۱؎ قسم اس لئے نہیں اٹھاتا کیونکہ معاملہ ظاہر ہے اور اس لئے بھی کیونکہ وہ قسم کے ذریعے ثابت کرنے سے مستغنی ہے۔ یا یہ کہا جائے گا کہ لا زائدہ ہے اور اس کا معنی ہے میں قسم اٹھاتا ہوں۔ یا لا الگ کلام ہے اور اقسم الگ کلام ہے۔ معنی یہ ہوگا بات اس طرح نہیں جس طرح کفار کہتے ہیں کہ حضور ﷺ قرآن اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر دیتے ہیں یا وہ شاعر اور کاہن ہیں یا بعث اور دوبارہ اٹھانا نہیں ہوگا۔ یہ سب غلط ہے اور میں قسم اٹھاتا ہوں ان کی جنہیں آنکھ یا بصیرت سے دیکھتے ہو جیسے مظاہر قدرت اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے معانی اور ان کی بھی قسم اٹھاتا ہوں جن کا آنکھیں اور بصیرتیں ادراک نہیں کر سکتیں جیسے صفات کے مراتب اور اللہ تعالیٰ کی ذات ایک قول یہ کیا گیا ما تبصرون سے مراد دنیا ہے اور مالا تبصرون سے مراد آخرت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ما تبصرون سے مراد اجسام اور مالا تبصرون سے مراد ارواح ہیں یا ماتبصرون سے مراد انسان اور مالا تبصرون سے مراد ملائکہ اور جن ہیں یا اس سے مراد ظاہری اور باطنی نعمتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ماتبصرون سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ علوم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں، جنوں اور انسانوں پر ظاہر کیا اور مالا تبصرون سے مراد وہ علوم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ خاص کیا ہے اور کسی کو بھی اس پر مطلع نہیں کیا۔

۲؎ قرآن رسول کریم کا قول ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچاتا ہے وہ اسے اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ وہ اللہ تعالیٰ پر بڑے معزز ہیں، اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات یا جبرئیل امین ہے۔

وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾

''اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں لیکن تم بہت کم ایمان لاتے ہو ۱؎ اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے تم لوگ بہت کم توجہ کرتے ہو ۲؎''

۱؎ وہ شاعر کا قول نہیں جس طرح تم کبھی گمان کرتے ہو۔ قلیلا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے یا ظرف ہونے کی حیثیت سے

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

WWW.NAFSEISLAM.COM

منصوب ہے۔ ما زائدہ ہے قلت کی تاکید کا فائدہ دیتی ہے اور قلیلا ما کا تعلق مابعد کلام سے ہے، یعنی تم بہت کم ایمان لاتے ہو یا بہت تھوڑا عرصہ ایمان لاتے ہو جب اس کا صدق تمہارے لئے ظاہر ہوتا ہے۔ قلیل ایمان لانا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اکثر ایمان نہ لایا جائے جو عناد اور تعنت پر مبنی ہے کیونکہ وہ سرکشی اور عناد کی وجہ سے کامل ایمان نہیں رکھتے تھے کوئی اور وجہ نہیں تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ قلت ایمان سے مراد ایمان کی مطلق نفی ہے، جس طرح جو آدمی تیری ملاقات کے لئے نہیں آتا تو تو اسے کہتا ہے۔ قلیلا ما تاتینا یہ جملہ جملہ معترضہ ہے جو کفار کی مذمت کے لئے آیا ہے۔

۲۔ اس میں لا زائدہ ہے اور اس کا مابعد ما ھو کی خبر کا معطوف ہے۔ شاعریت کی نفی کے ساتھ ایمان کا ذکر اور کہانت کی نفی کے ساتھ تذکر کا ذکر کیا کیونکہ قرآن کی شعر سے عدم مشابہت واضح ہے جس کا انکار دشمنی رکھنے والا ہی کر سکتا ہے جہاں تک قرآن کا کہانت سے اختلاف ہے۔ یہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کوئی آدمی رسول اللہ ﷺ کے احوال اور قرآن کے معانی میں غور و فکر کرے جو کاہنوں کے احوال اور ان کے اقوال کے معانی کے منافی ہیں۔ ابن کثیر، ابن عامر اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے یومنون اور یذکرون پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے تاء کے ساتھ مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝

"بلکہ یہ نازل شدہ ہے رب العالمین کا ۱۔ اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں منسوب کرتا ۲۔ تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے ۳۔"

۱۔ تنزیل مصدر ہے اسم مفعول کے معنی میں ہے اور مبتدا محذوف کی خبر ہے جو ھو ہے۔ یہ قرآن جبرئیل امین کی زبان پر رب العالمین کی طرف سے ہے جو جملہ مستانفہ ہے اور مقدر سوال ما ھو کا جواب ہے۔

۲۔ اگر وہ ہم پر وحی کے بغیر جھوٹا بول بولتا یا قول میں تکلف اور تصنع کرتا۔ اقاویل اقوولۃ کی جمع ہے جو قول سے مشتق ہے جس طرح اضاحیک اضحوکۃ کی جمع ہے جھوٹی باتوں کو اقاویل کہتے ہیں۔

۳۔ منہ میں ہ ضمیر سے مراد مفتری ہے۔ بالیمین کا تعلق اخذنا کے ساتھ ہے، یعنی اس کو ذلیل کرنے کے لئے اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے۔ یا اس کا معنی ہے کہ ہم اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے اس تعبیر کی صورت میں من زائدہ ہے اور یمین متشابہات میں سے ہے۔ بعض اوقات یمین کا معنی قوت اور قدرت کیا جاتا ہے کیونکہ ہر شے کی قوت اس کے دائیں ہاتھ میں ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی ہے ہم اسے قوت اور قدرت کے ساتھ پکڑ لیتے (1)۔ یہ بھی احتمال ہے کہ لاخذنا منہ میں من سببیہ ہو اور ضمیر تقول کی طرف لوٹ رہی ہو۔ معنی یہ بنے گا ہم اس کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے اس کو پکڑ لیتے۔

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝

"پھر ہم کاٹ دیتے اس کی رگ دل ۱۔ پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا ۲۔"

۱۔ وتین دل میں ایک رگ ہے۔ جب وہ منقطع ہو جائے تو وہ آدمی مر جاتا ہے۔

۲۔ منکم میں من بیانیہ ہے۔ احد یہ مشابہ بلیس کا اسم ہے اور من زائدہ ہے۔ عنہ میں ہ ضمیر سے مراد قتل یا مقتول ہے جس نے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 122 (التجاریۃ)

بہتان باندھا۔ اس کا مابعد کے ساتھ تعلق ہے۔ حاجزین احد کی صفت ہے کیونکہ احد نکرہ ہے اور نفی کے تحت داخل ہے اور یہ جملہ شرط کی جزاء پر معطوف ہے جو لاخذنا ہے۔ جملہ شرطیہ معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ معطوف علیہ یہ جملہ ہے انہ لقول رسول کریم اور معطوف مابعد آیت ہے۔

وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾

''اور بے شک یہ تو ایک نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے ۱؎ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض جھٹلانے والے ہیں ۲؎''

۱؎ ہ ضمیر سے مراد قرآن ہے۔ یہ متقین کے لئے نصیحت ہے کیونکہ وہی اس سے نفع اٹھاتے ہیں۔

فائدہ: حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت نفس کے فنا، اور عین اور اثر کے زائل ہونے کے بعد ترقی کا سبب ہے کیونکہ تقوی کا تصور فناء کے بعد ہی ہوتا ہے۔ قرآن کا تذکرہ ہونا یہ متقی کے ساتھ مختص ہے جس پر لام تخصیص دلالت کرتا ہے۔ فناء سے قبل تلاوت ابرار کے عمل میں داخل ہے۔ مقربین کے عمل میں داخل نہیں جو اپنے آپ کو نفس کے رذائل سے بچاتے ہیں۔

۲؎ ہم جانتے ہیں کہ تم میں جھٹلانے والے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے جھٹلانے اور نصیحت حاصل نہ کرنے پر ہم انہیں جزاء دیں گے۔

وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾

''اور یہ باعث حسرت ہوگی کفار کے لئے ۱؎ اور بے شک یہ یقیناً حق ہے ۲؎''

۱؎ جب کفار نصیحت حاصل کرنے والے مومنوں کا ثواب دیکھیں گے تو یہ ان کے حسرت کا سبب ہوگا۔

۲؎ قاموس میں ہے یقین کا معنی شک کو ختم کرنا ہے۔ صحاح میں ہے یقین علم کی صفت ہے جس کا درجہ معرفت سے اوپر ہوتا ہے۔ قرآن حکیم پر اس کا حمل کرنا ایسے ہی ہے جیسے زید عدل یعنی قرآن کے واضح ہونے اور اس کی دلیل کے روشن ہونے کی وجہ سے عقل منداس پر یقین رکھتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کرتا حق باطل کی ضد ہے۔ صاحب البحر المواج نے کہا یہ یقین حق ہے یقین باطل نہیں۔ یقین باطل سے مراد جہل مرکب ہے تو اس اعتبار سے یہاں صفت اپنے موصوف کی طرف مضاف ہوگا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہاں یقین سے مراد ایسی چیز ہے جس کے واضح ہونے اور دلیل کے روشن ہونے کی وجہ سے عقل منداس پر یقین کر لیتا ہے تو اس اعتبار سے یقین سے مراد حق ہے۔ اس سے مراد وہ یقین نہیں جو باطل کو بھی عام ہے جو جہل مرکب ہے۔ اس وجہ سے حق کی اس طرف نسبت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں بات اسی طرح ہے لیکن یہاں حق کی یقین کی طرف اضافت تاکید اور توبیخ کی زیادتی کے لئے ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دونوں سے ایک ہی معنی مراد ہے۔ یہاں اضافت اپنی ہی ذات کی طرف ہے اور اضافت اس لئے کی کہ الفاظ آپس میں مختلف ہیں۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

''پس (اے حبیب) آپ تسبیح کیا کریں اپنے رب کی جو عظمت والا ہے ۱؎''

۱؎ اللہ تعالیٰ کے عظیم نام کو ذکر کرنے کے ساتھ اس کی پاکی بیان کیجئے۔ اس پر بہتان باندھنے اور نامناسب بات کرنے سے راضی

WWW.NAFSEISLAM.COM

ہونے پر اس کی پاکی بیان کیجئے اور جو ان کی طرف وحی کی گئی ہے اس پر شکر بجالاتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ اپنے رب کو یاد کرتے ہوئے اور اس کے حکم کی وجہ سے اس کی نماز پڑھو۔ ایک قول یہ کیا گیا اس میں باء زائدہ ہے اور اسم کا لفظ زائد ہے۔ اس کا معنی یہ ہے اپنے عظیم رب کی پاکی بیان کیجئے۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا اسے اپنے رکوع میں رکھ لو۔ جب **سبح اسم ربک الاعلی** نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا اسے اپنے سجدوں میں رکھ لو(1)۔ اسے ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی آپ رکوع میں **سبحان ربی العظیم** اور سجدہ میں **سبحان ربی الاعلیٰ** پڑھتے۔ جب تلاوت میں رحمت کی آیت پڑھتے تو توقف کرتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں سوال کرتے۔ جب کوئی عذاب والی آیت تلاوت کرتے تو آپ ﷺ ٹھہر جاتے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے(2)۔ اسے امام ترمذی، ابوداؤد اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسے امام نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ عون بن عبداللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے اور رکوع میں یہ تین بار کہے **سبحان ربی العظیم** تو اس کا رکوع مکمل ہو گیا۔ یہ ادنیٰ مقدار ہے۔ جب وہ سجدہ کرے اور سجدہ میں **سبحان ربی الاعلیٰ** تین دفعہ کہے تو اس کا سجدہ مکمل ہو جاتا ہے۔ یہ ادنیٰ مقدار ہے۔ اسے امام ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کی سند متصل نہیں کیونکہ عون حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نہیں ملا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو کلمے جو زبان پر ہلکے میزان میں بھاری اور اللہ کو محبوب ہیں وہ **سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم** ہیں، متفق علیہ (3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے **سبحان اللہ العظیم وبحمدہ** کہا اس نے اپنے لئے جنت میں کھجور کا درخت لگایا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ (4)

مسئلہ:۔ رکوع اور سجدہ کی تسبیحات جمہور کے نزدیک سنت ہیں کمال کی ادنیٰ مقدار تین تسبیحات ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا واجب ہیں۔ اسی طرح ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے کی تکبیرات، قومہ میں تسمیع (ا) اور تحمید (ب)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ اسے رکوع میں رکھ لو فرمایا امر وجوب کے لئے آتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رکوع کے مکمل ہونے کو اس کے ساتھ معلق کیا ہے جبکہ جمہور علماء امر کو ندب پر محمول کرتے ہیں، **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب**۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 36 (وزارت تعلیم) 2۔ ایضاً، جلد 1 صفحہ 35

3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 344 (قدیمی) 4۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 184 (وزارت تعلیم)

(ا) جلسہ میں رب اغفرلی کے علاوہ سب میں اختلاف ہے، کسی نے بھی اس کے واجب ہونے کا قول نہیں کیا۔

(ب) سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد کہنا۔

سورۃ المعارج

آیاتها ۴۴ — سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ ۷۰ — رکوعاتها ۲

سورۃ المعارج مکی ہے، اس میں دو رکوع اور چوالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ؕ﴿۳﴾

”مطالبہ کیا ایک سائل نے ایسے عذاب کا جو ہو کر رہے [۱] وہ سن لے یہ تیار ہے کفار کے لئے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں [۲] یہ اللہ کی طرف سے ہے جو عروج کے زینوں کا مالک ہے [۳]“

[۱] نافع اور ابن عامر رحمہما اللہ تعالیٰ نے سال الف ساکن کے ساتھ پڑھا ہے جو ہمزہ کا بدل ہے جبکہ باقی قراء نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حمزہ نے وقف کی صورت میں بین بین پڑھا ہے۔ امام نسائی اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہاں سائل سے مراد نضر بن حارث ہے۔ اس نے یہ کہا تھا: اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ۔ ابن ابی حاتم نے سدی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ اس عذاب سے مراد بدر کا دن ہے۔ یہاں سوال سے مراد طلب کرنا ہے۔ اس معنی پر دلالت یہ ہے کہ اسے باء کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے۔ نافع رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت کے مطابق یہ بھی احتمال ہے کہ سال، سیلان سے مشتق ہے۔ معنی یہ ہوگا وادی عذاب سے بہہ پڑی فعل ماضی اس لئے ذکر کیا کیونکہ اس کا وقوع یقینی ہے یا تو دنیا میں جس طرح بدر میں ان کو قتل کر دیا گیا یا آخرت میں وہ آگ کا عذاب ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سائل جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے یہ عبدالرحمٰن بن زید سے مروی ہے۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ تو لوگوں نے پوچھا کس پر یہ عذاب نازل ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے علی الكافرين ليس له دافع نازل فرمایا۔ اس صورت میں سوال استفہام کے معنی میں ہے۔ اس صورت میں باء عن کے معنی میں ہوگا۔ یا اسے باء کے ساتھ اس لئے متعدی کیا کیونکہ سال اهتم کے معنی میں ہے۔ واقع عذاب کی صفت ہے۔

[۲] یہ جار مجرور عذاب کی ایک اور صفت ہے یا واقع کا صلہ ہے۔ اگر سوال یہ ہو کہ عذاب کس کے بارے میں واقع ہوگا تو یہ اس کا جواب ہوگا اور ليس له دافع یہ عذاب کی ایک اور صفت ہوگی یا یہ بھی جواب کے زمرہ میں ہے۔

[۳] یہ اللہ کی طرف سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہے۔ ذی المعارج یہ لفظ اللہ کی صفت ہے، یعنی وہ سیڑھیوں والا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا اس کا معنی وہ درجات والا ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد قرب کے درجات ہیں جن کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 415 (العلمیہ)

جن تک انبیاء، ملائکہ اور اولیاء ہی پہنچ سکتے ہیں یا اس سے مراد قبولیت کے درجات ہیں جن سے پاکیزہ کلمات اور عمل صالح بلند ہوتے ہیں یا اس سے مراد جنت کی سیڑھیاں ہیں اور جنت کے درجات ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجات میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین میں فاصلہ ہے۔ فردوس ان میں سے سب سے بلند ہے جس سے جنت کے چاروں دریا بہتے ہیں۔ اس سے اوپر عرش ہے جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو اس سے فردوس کا سوال کرو۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔ اس میں یہ وضاحت بھی ہے کہ دونوں درجوں میں سو سال کی مسافت ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بالا خانوں والے جنتی ایک دوسرے کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم مشرق و مغرب کے افق میں چمکدار ستاروں کو دیکھتے ہو کیونکہ جنتیوں کے مراتب میں باہم فضیلت کے اعتبار سے فرق ہوگا۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ انہیں تو انبیاء ہی پا سکیں گے۔ کوئی اور ان تک نہ پہنچ سکے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ لوگ اسے پائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لائے اور جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی، متفق علیہ (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کا معنی ہے کہ وہ آسمانوں والا ہے جسے معارج کا نام دیا کیونکہ فرشتے ان میں اوپر چڑھتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد انعامات والا ہے۔ (3)

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝

''عروج کرتے ہیں فرشتے اور جبرئیل اللہ کی بارگاہ میں یہ عذاب اس روز ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے لـ''

لـ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے یعرج پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے تاء کے ساتھ مونث کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ جملہ معارج کی صفت ہے جس طرح اس جملہ میں جملہ فعلیہ اللئیم کی صفت ہے: وَلَقَدْ اَمُرُّ عَلَى اللَّئِيْمِ يَسُبُّنِيْ. اس میں رابطہ والی ضمیر محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے تعرج فیھا الملئکۃ والروح یہاں روح سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ ان کی فضیلت کی وجہ سے اسے الگ ذکر کیا ہے یا یہ ملائکہ سے بھی بڑی مخلوق ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ روح سے مراد بشر کی روح ہے جو عالم امر سے متعلق ہے کیونکہ انبیاء اور اولیاء کی روحیں بعد اور غفلت کی پستی سے قرب اور حضور کی بلندیوں کی طرف بلند ہوتی ہیں۔

الیہ میں ہ ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ یا اس کا عرش ہے۔ فی یوم شبہ فعل محذوف کے متعلق ہے جس پر واقع کا لفظ دلالت کرتا ہے، یعنی عذاب ان پر ایسے دن میں واقع ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔ امام بیہقی نے عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ یمان نے کہا یوم قیامت میں پچاس منزلیں ہوں گی اور ہر منزل کی مسافت ایک ہزار سال کی مسافت جتنی ہوگی۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو بھی کسی خزانے کا مالک جب اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا مگر اس خزانے کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جاتا ہے تو اس (خزانے) سے تختے بنائے جاتے ہیں۔ پھر اس کے پہلوؤں اور پیشانی پر انہیں لگایا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان اس دن میں فیصلہ کر دے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ پھر اسے جنت کی طرف لے جایا جائے گا یا جہنم کی طرف لے

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 76 (وزارت تعلیم) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 378 (قدیمی) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 124 (التجاریۃ)

جاتا جائے گا۔ جو بھی اونٹوں کا مالک اپنے مال کی زکوۃ نہیں دیتا۔ جب قیامت کا دن ہو گا تو بلبلاتے اونٹ اس پر دوڑیں گے۔ کوئی اونٹ کا بچہ بھی مفقود نہ ہو گا وہ اپنے پاؤں کے نیچے روندیں گے اور منہ سے کاٹیں گے جب ایک جماعت اس پر گزر جائے گی تو دوسری اس پر لوٹا دی جائے گی۔ یہ اس دن میں ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر اسے جنت یا جہنم میں داخل کیا جائے گا اور جو بکریوں کا مالک ہو گا اور زکوۃ ادا نہیں کرتا تھا وہ اسے لتاڑیں گی ان بکریوں میں کوئی سینگ مڑی، منڈی اور ٹوٹے ہوئے سینگ والی نہ ہو گی مگر اسے سینگ سے ماریں گی اور کھروں سے روندے گی۔ جونہی پہلی جماعت گزر جائے گی اس پر دوسری لوٹا دی جائے گی۔ یہ اس دن میں سلسلہ چلتا رہے گا جس کی طوالت پچاس ہزار سال کے برابر ہو گی۔ یہ سلسلہ اس دن میں جاری رہے گا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر اسے جنت یا دوزخ کی راہ دکھائی جائے گی۔ (1)

امام احمد، ابو یعلی، ابن حبان اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حسن سند کے ساتھ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ سے اس دن کے بارے میں پوچھا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے کہ وہ دن کتنا لمبا ہوتا ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ وہ مومن پر بہت خفیف ہو گا یہاں تک کہ وہ دنیا میں جتنے وقت میں فرض نماز ادا کرتا تھا اس سے بھی کم وقت کا ہو گا (2)۔ میں کہتا ہوں اس تاویل کی بنا پر اس آیت اور اس آیت یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ کیونکہ اس کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ حکم نازل فرماتا ہے اس سے کہ جبریل امین آسمان سے زمین کی طرف نازل ہوتا ہے۔ پھر جبریل امین آسمان کی طرف دنیا کے ایک دن میں عروج کرتا ہے جبکہ اس کی مسافت ہزار سال کے برابر ہے پانچ سو سال اترنے کے اور پانچ سو سال اوپر چڑھنے کے کیونکہ زمین اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے، یعنی اگر انسانوں میں سے کوئی اسے طے کرتا تو اسے پانچ سو سال لگ جاتے لیکن فرشتے اسے ایک دن بلکہ اس سے بھی کم عرصہ میں طے کر لیتے ہیں۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہ دنیا میں ہو گا کہ فرشتے ایک دن میں اتنا سفر کر لیتے ہیں جس کی مقدار ایک ہزار سال کے برابر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ یہ قیامت کے دن ہو گا۔ اس قیامت کے دن کو اللہ تعالیٰ کفار پر پچاس ہزار سال کا بنا دے گا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ دونوں آیتوں سے مراد قیامت کا دن ہے کہ یہ دن بعض افراد کے لئے لمبا اور بعض کے لئے مختصر ہو گا یہاں تک کہ مومنین کے لئے فرض نماز کے وقت سے بھی آسان اور مختصر ہو گا۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ امام حاکم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع اور موقوف روایت نقل کی ہے کہ مومنین کے لئے یہ ظہر اور عصر کے درمیان کا وقت ہو گا (4)۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے فرمان يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ کا معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے ایام تک تمام کائنات کے نظام کی تدبیر کرتا رہے گا۔ پھر دنیا کے فناء ہونے، امراء اور حکام کے امر کے انقطاع کے بعد تمام امور کی تدبیر براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جائے گی اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہو گی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 319 (قدیمی)

2۔ تفسیر خازن، جلد 7، صفحہ 124 (التجاریہ)

3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 416 (العلمیہ)

4۔ ایضاً

اللہ تعالیٰ کے فرمان فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ میں ظرف یعرج کے متعلق ہے۔جس طرح سورۂ تنزیل میں یعرج کے متعلق ہے۔ پھر دو آیتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ سورۂ تنزیل میں آیت کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین تک کے معاملہ کی تدبیر ایک دن میں فرماتا ہے جس میں مسافت ایک ہزار سال کے برابر ہے پانچ سو سال اترنے اور پانچ سو سال اوپر چڑھنے کے ہیں جبکہ اس آیت میں مسافت کی مدت سات زمینوں کی پستی سے لے کر سات آسمانوں کی بلندی تک ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لیث نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اگر کوئی انسان طبعی چال چلے تو دنیا سے عرش تک اسے پچاس ہزار سال لگیں گے (1)۔ اسی وجہ سے صوفیاء کہتے ہیں کہ صوفی کو جو فناء قلب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ اور مشائخ کے واسطہ سے نصیب ہوتا ہے اگر کوئی انسان اسے شیخ کے جذب کے بغیر عبادات اور ریاضات کے ذریعے حاصل کرنے کا ارادہ کرے تو اسے یہ مقام اتنے زمانے میں حاصل ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔ جب کسی ایک انسان کے لئے اتنی مدت تک باقی رہنا بلکہ دنیا کا اتنے عرصے تک باقی رہنا متصور نہیں ہوسکتا تو اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنا محال ہے جب تک مشائخ کے توسط جو عام طریقہ ہے اور روح کا توسط جو بعض اویسی افراد کو نصیب ہوتا ہے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشش نصیب نہ ہو۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿٥﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ﴿٦﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿٧﴾

”ایسا صبر کیجئے جو بہت خوبصورت ہو 1۔ کفار کو تو یہ بہت دور نظر آتا ہے 2۔ (لیکن) ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں 3۔“

1۔ اے محمد ﷺ جو وہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اس پر آپ صبر کیجئے اس میں جلد بازی، اضطراب اور جزع فزع کا شعور نہ ہو اس میں فاء سببیہ ہے جو سال کے متعلق ہے کیونکہ وہ سوال سرکشی اور استہزاء کے طور پر کرتے تھے۔ اسی سے حضور ﷺ کی طبیعت تنگ ہوتی تھی۔ تو معنی یہ ہوگا آپ صبر کیجئے ان کے سوال سے تنگ نہ پڑیئے اور ان کے لئے عذاب میں جلدی نہ کیجئے۔ یا اس کا تعلق سَالَ کے ساتھ ہے جو نافع کی قرأت ہے۔ یا یہ بھی محذوف کے متعلق ہے جس کے ساتھ فی یوم متعلق ہے، یعنی آپ صبر کیجئے عذاب انہیں بہالے جائے گا اور اس کا وقوع قریب آچکا ہے۔

2۔ کفار اسے ناممکن اور عقل سے بعید خیال کرتے ہیں۔ اگر اس کا احتمال آتا بھی ہے تو احتمال ضعیف ہوتا ہے۔

3۔ جب کہ ہم اسے قریب ہی واقع ہوتا ہوا دیکھتے ہیں کیونکہ جو چیز وقوع پذیر ہونے والی ہو وہ قریب ہوتی ہے۔ وقوع میں قرب اس امر کو مستلزم ہے کہ وہ محذوف کلام کے متعلق ہوا۔ گر وہ یعرج کے متعلق ہو تو یہ مضمر کلام کے متعلق ہوگا جس پر واقع شبہ فعل ولالت کرتا ہے۔

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿١٠﴾

”اس روز آسمان پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہوگا 1۔ اور پہاڑ رنگ برنگی اون کی طرح ہو جائیں گے 2۔ اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کا حال نہ پوچھے گا 3۔“

1۔ مھل سے مراد پگھلا ہوا تانبہ ہے یا دوسری پگھلی ہوئی دھات یا تیل کی تلچھٹ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے فرمایا آسمان کبھی مختلف رنگوں والا ہوگا کبھی وہ پگھلے ہوئے تانبے جیسا ہوگا کبھی سرخ ہوگا جس طرح تیل ہوتا ہے اور وہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 124

کمزور ہو کر پھٹ جائے گا۔

2۔ عھن سے مراد مختلف رنگوں میں رنگی ہوئی اون ہے کیونکہ پہاڑوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ جب انہیں پیس دیا جائے گا اور فضاء میں اڑا دیا جائے گا تو وہ دھنی ہوئی رنگ دار اون کی طرح ہو جائے گا جبکہ اس اون کو ہوا اڑا رہی ہو۔

3۔ کوئی قریبی دوسرے قریبی سے اس کا حال نہیں پوچھے گا کیونکہ وہ خود سخت مصیبت کا شکار ہوگا۔ اس جملے کا عطف اس جملے پر ہے جس کی طرف یوم کالفظ مضاف ہے۔ براء نے ابن کثیر رحمہما اللہ تعالیٰ سے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی کسی قریبی دوست سے کسی دوست کے بارے میں محاسبہ نہیں کیا جائے گا۔ یا اس سے حال نہیں پوچھا جائے گا یہ اختلاف قرأت مشہورہ میں نہیں اور نہ اسے تیسیر میں ذکر کیا ہے۔

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىٕذٍۭ بِبَنِيْهِ ﴿11﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿12﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـــْٔوِيْهِ ﴿13﴾ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿14﴾

''دکھائی دیں گے ایک دوسرے کو ہر مجرم تمنا کرے گا کہ کاش بطور فدیہ دے سکتا آج کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے بیٹوں کو اپنی بیوی کو اپنے بھائی کو اپنے خاندان کو جو (ہر مشکل میں) اسے پناہ دیتا تھا اور (بس چلے تو) جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو، پھر یہ فدیہ اس کو بچالے 1 ''

1۔ یبصرونھم وہ ایک دوسرے کو دکھائی دیں گے۔ یہ جملہ حمیم کی صفت ہے یا جملہ مستانفہ ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سوال سے مانع چیز خفا نہیں یا تو وہ اس لئے ایک دوسرے سے سوال نہیں کرتے کیونکہ ہر ایک اپنی مصیبت میں پھنسا ہوا ہے یا اس وجہ سے سوال نہیں کرتے کہ حال کے مشاہدہ کی وجہ سے سوال سے بے نیاز ہیں جس طرح ان کا چہرہ سیاہ ہوگا۔ یا سفید ہوگا فاعل اور مفعول دونوں ضمیریں جمع کی ذکر کی ہیں کیونکہ نکرہ نفی کے تحت داخل ہے اور عموم پر دلالت کرتا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ قیامت کے روز ہر مخلوق جیسے جن اور انسان نظروں کے سامنے ہوں گے۔ آدمی کا باپ، بھائی، رشتہ دار اور دوستوں کو وہ دیکھے گا۔ اپنی مصیبت میں پریشان ہونے کی وجہ سے وہ کسی دوسرے سے کلام نہیں کرے گا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا یبصرونھم کا معنی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے جہاں تک مومن کا تعلق ہے ان کے چہرے سفید ہیں گے اور کافر کا چہرہ سیاہ ہوگا۔ یود المجرم یہ یبصرونھم کے فاعل یا مفعول سے حال ہے۔ اس جملہ میں مجرم کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے۔ یا یہ جملہ مستانفہ ہے اور ایک مقدر سوال کا جواب ہے جو مایصنع المجرم ہے یعنی مجرم دوسروں سے بے نیاز ہو کر اپنی ذات کے بارے میں مشغول ہوگا اور تمنا کرے گا کہ وہ اپنے قریبی رشتہ دار اور دنیا میں محبوب ترین انسان کو فدیہ کے طور پر دے دیں، چہ جائیکہ وہ اس کی حالت کا خیال کرے اور اس کا حال پوچھے۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا فرمان لایسئل حمیم حمیما کفار کے ساتھ خاص ہوگا۔ جہاں تک مومنین کا تعلق ہے وہ اپنے دوستوں کے بارے میں پوچھیں گے، ان کے حق میں شفاعت کریں گے۔ اس میں احادیث معنوی اعتبار سے متواتر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں کوئی بھی اپنے حق کے بارے میں اتنا جھگڑا نہیں کرتا جتنا جھگڑا مومن اپنے بھائیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے کریں گے، وہ کہیں گے اے ہمارے رب یہ ہمارے ساتھ نمازیں پڑھا کرتے تھے، متفق علیہ (2)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 125 (التجاریہ)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 103 (قدیمی)

طویل حدیث میں یہ مروی ہے۔

لو یفتدی والا جملہ و داد کا بیان ہے۔ یفتدی کی ضمیر یا تو مجرم کے لئے ہے یا آرزو کرنے والے کے لئے ہے، من عذاب یہ جار مجرور یفتدی کے متعلق ہے اور عذاب کا لفظ یوم کی طرف مضاف ہے۔ جمہور قراء یوم کے لفظ کو مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور پڑھا ہے۔ نافع اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے میم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ عذاب کا مفعول فیہ ہے۔

ببنیہ اپنے معطوفات کے ساتھ مل کر یفتدی کے متعلق ہے صاحبہ کا معنی بیوی ہے فصیلۃ کا معنی قبیلہ ہے جن سے وہ الگ ہوتا ہے اور جو اسے مصائب میں پناہ دیتا ہے۔ من فی الارض سے مراد جن و انس اور تمام مخلوقات ہے۔ ثم ینجیہ کا عطف یفتدی پر ہے۔ ثم کے ساتھ اس کا عطف استبعاد کے لئے ہے۔

كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوَىٰ ﴿١٦﴾ تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٧﴾

"(لیکن) ایسا ہرگز نہ ہوگا بے شک آگ بھڑک رہی ہوگی[1] نوچ لے گی گوشت پوست کو[2] وہ بلائے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری اور منہ موڑا تھا[3]"

[1] اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں کوئی چیز نجات نہ دے گی۔ اس میں مجرم کو اس قسم کی خواہش کرنے سے جھڑکا جا رہا ہے۔
ھا ضمیر کا مرجع پہلے مذکور نہیں۔ اس سے مراد وہ آگ ہے جس پر عذاب ولالت کرتا ہے۔ یا ھا ضمیر مبہم ہے جس کی تفسیر مابعد جملہ کرتا ہے۔ لظی یہ خبر ہے یا ھا ضمیر سے بدل ہے یا ضمیر قصہ ہے لظی مبتدا ہے اور اس کی خبر بعد میں ہے۔ اس صورت میں نزاعۃ مرفوع ہوگا۔ لظی کا معنی خالص آگ ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ دوسرا گڑھا ہے۔ اسے لظی کا نام اس لئے دیا کیونکہ وہ بھڑکتا رہتا ہے(1)۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے لظی، شوی، تولی، فاوعی میں امالہ کیا ہے۔ ورش اور ابو عمر رحمہما اللہ تعالیٰ نے بین بین پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے مفتوح پڑھا ہے۔

[2] شوی سے مراد اطراف ہیں یعنی ہاتھ اور پاؤں یہ شواۃ کی جمع ہے۔ سر کی جلد کو شواۃ کہتے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ ابراہیم بن مہاجر نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ہی نقل کیا ہے۔ اس سے مراد ایسا گوشت ہے جو ہڈی کے بغیر ہو(2)۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد پٹھے اور ایڑی ہے۔ قلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ آگ تمام دماغ کو کھا جائے گی پھر وہ پہلی طرح ہو جائے گا(3)۔ حفص نے عاصم رحمہما اللہ تعالیٰ سے نزاعۃ کو منصوب پڑھا ہے۔ یہ اختصاص کی وجہ سے منصوب ہے یا حال مؤکدہ مرادف ہے یا منتقلہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ لظی ملتظیۃ کے معنی میں ہوگا جبکہ باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے۔

[3] یہ جملہ ان کی خبر کے بعد خبر ہے یا لظی کی خبر ہے، یعنی جنہوں نے حق سے اعراض کیا اور حق سے روگردانی کی ان کو جہنم کی آگ بلائے گی آگ کہے گی اے مشرک میری طرف آ اے منافق میری طرف آ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ کافروں اور منافقوں کو فصیح زبان میں ان کے ناموں سے پکارے گی۔ پھر انہیں یوں اچک لے گی جس طرح پرندہ دانے کو چک لیتا ہے۔(4)

وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ﴿١٨﴾ إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿١٩﴾ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿٢٠﴾ وَإِذَا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 125 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿٢١﴾

"اور مال جمع کرتا رہا پھر اسے سنبھال سنبھال کر رکھتا رہا[1]۔ بے شک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے[2]۔ جب اسے تکلیف پہنچے تو سخت گھبرا جانے والا[3] اور جب اسے دولت ملے تو حد درجہ بخیل ہے[4]۔"

[1] اس نے مال جمع کیا اور برتن میں محفوظ کر لیا اسے اپنے پاس روک لیا اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہ کیا۔

[2] اگر ھلوعا سے بالفعل متصف ہونا مراد ہو تو پھر یہ حال مقدرہ ہوگا۔ اگر اس صفت کے مبدا پر مشتمل ہونا مراد ہو تو اس سے حال محققہ مراد ہوگا کیونکہ یہ طبعی امور ہیں جو نفس کے رذائل میں سے ہیں جن سے انسان بالقوۃ متصف ہوتا ہے۔ یہ جملہ ادبر کی علت ہے۔ ھلوع کا معنی ایسے امر کی حرص کرنے والا جو حلال نہیں ہوتا۔ سدی نے ابوصالح رحمہما اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ھلوع کا معنی بخیل ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی مضطرب ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جزع کرنے والا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تنگ دل اور ھلع کا معنی حرص کی شدت اور قلت صبر ہے عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس لفظ کی تفسیر مابعد کلام کرتی ہے۔(1)

[3] جب تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر نہیں کرتا۔

[4] جب اس کے پاس مال آتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا اور نہ ہی شکر بجالاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں اگر انسان کی مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کی خواہش کرتا ہے انسان کے پیٹ کو مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے، متفق علیہ۔(2)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے دو چیزیں اس میں جوان رہتی ہیں مال کی حرص اور عمر کی حرص، متفق علیہ۔(3)

إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿٢٢﴾ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ﴿٢٣﴾

"بجز ان نمازیوں کے[1] جو اپنی نماز پر پابندی کرتے ہیں[2]۔"

[1] مصلین سے مراد کامل مومن ہیں مومن کامل کو مصلی سے تعبیر کیا جس طرح آیت کریمہ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ میں صلوٰۃ کو ایمان سے تعبیر کیا کیونکہ نماز مومن کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ یہی مومن کی معراج اور دین کا ستون ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا انسان جن مقامات کو حاصل کر سکتا ہے ان میں سے بلند ترین مقام نماز ہے۔ یہاں مستثنیٰ متصل ہے اگر الانسان پر الف لام جنسی یا استغراقی ہو۔ یہ لفظ میں مفرد ہے مگر معنی کے اعتبار سے جمع ہے۔ یا معنی یہ ہے کہ مجرم نے پیٹھ پھیری اور روگردانی کی کیونکہ انسان کی جنس یا اس کے ہر فرد میں حرص اور بے صبری مقدر کر دی گئی ہے مگر کامل مومن جو مذکورہ صفات سے متصف ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طاعت میں مستغرق ہونے، مخلوقات پر شفقت کرنے، روز جزاء پر ایمان لانے، عذاب سے ڈرنے، خواہش نفس کو مارنے، دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دینے پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ انہیں بے صبرا پیدا نہیں کیا گیا بلکہ انہیں اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ وہ تکلیف پر صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں اور خوشی پر شکر کرتے ہیں جو جنتوں میں تکریم کا باعث ہیں۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 125 (التجاریہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 335 (قدیمی) 3۔ ایضاً

WWW.NAFSEISLAM.COM

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حبیب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کے معاملہ پر تعجب ہے۔ اس کا سارا معاملہ خیر ہے۔ یہ صرف مومن کے لئے ہے۔ اگر اسے خوشی آئے تو وہ شکر گزار ہوتا ہے تو یہ بھی اس کے حق میں خیر ہے۔ اگر اسے تکلیف آئے تو وہ صبر کرتا ہے، یہ بھی اس کے حق میں خیر ہے (1)۔ جب یہ تاویل کی جائے تو اس آیت کا معنی اور مفہوم وہی ہوگا جو اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، کا معنی اور مفہوم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مستثنیٰ منقطع ہو اگر انسان پر الف لام عہدی ہو۔ معنی یہ ہوگا مجرم جو پیٹھ پھیرتا ہے اور روگردانی کرتا ہے اسے بے صبرا پیدا کیا گیا لیکن وہ مومن جو ان صفات سے متصف کیا گیا اسے اس طرح پیدا نہیں کیا گیا بلکہ اسے جنتوں میں تکریم کے اہل پیدا کیا گیا ہے۔ دونوں تاویلوں کی صورت میں یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ انسان خلقت میں مختلف استعدادوں پر پیدا کیا گیا ہے جس طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مومن کے تعینات کے مبادی اللہ تعالیٰ کے اسم ہادی کی جزئیات ہیں اور کفار کے تعینات کے مبادی اسم مضل کی جزئیات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگ بھی سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح ہیں۔ تم میں سے جو دور جاہلیت میں بہترین تھے اسلام میں بہترین ہیں (2)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جنت کے لئے لوگوں کو اہل بنایا جبکہ وہ آباء کی پشتوں میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم کے لئے لوگوں کو اس وقت اہل بنایا تھا جبکہ وہ آباء کی پشتوں میں تھے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (3)۔ اس باب میں کثیر احادیث ہیں۔

۲۔ جب تک وہ نماز میں ہوتے ہیں تو ان کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف اور آنکھیں سجدہ گاہ پر لگی ہوتی ہیں۔ اس آیت کا بھی وہی معنی ہے جو سورۂ مومنین کی آیت کا معنی ہے: اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ کے ساتھ تکرار لازم نہیں آتا کیونکہ دوام سے مراد دائمی حضور ہے جو اس کی محافظت کرنے، نماز، اس کی شرائط، ارکان اور آداب کے فوت ہونے سے بچنے کے ساتھ ہی ممکن ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابوالخیر سے روایت کیا ہے کہ ہم نے عقبہ بن عامر سے اللہ تعالیٰ کے فرمان هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ کے معنی کے بارے میں سوال کیا کہ کیا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ نماز ادا کرتے ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو وہ دائیں، بائیں اور پیچھے متوجہ نہیں ہوتے (4)۔ امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک ایک انسان نماز میں ہوتا ہے اور کسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جب وہ کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے رخ پھیر لیتا ہے (5)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن کبیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے انس جہاں سجدہ کرتے ہو وہاں اپنی نظر رکھو (6)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہونا ہلاکت ہے۔

فائدہ:۔ وساوس کو دور کرنا ہو اور دل حاضر رکھنا ہو تو نظر کو سجدہ گاہ پر رکھا جائے تو اس کا بہت اثر ہوتا ہے۔ (7)

وَالَّذِیْنَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 413 (قدیمی) 2۔ ایضاً، صفحہ 331 3۔ ایضاً، صفحہ 337

4۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 126 (التجاریہ) 5۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 342 (وزارت تعلیم)

6۔ سنن کبریٰ از بیہقی، جلد 2، صفحہ 284 (الفکر) 7۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 76 (وزارت تعلیم)

الدِّيْنِ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿٢٧﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿٢٨﴾

''اور وہ جن کے مالوں میں مقررہ حق ہے سائل کے لئے اور محروم کے لئے ۱؎ اور جو تصدیق کرتے ہیں روز جزاء کی ۲؎ اور جو اپنے رب کے عذاب سے ہمیشہ ڈرنے والے ہیں ۳؎ بے شک ان کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں ہے ۴؎''

۱؎ حق معلوم سے مراد زکوٰۃ اور فرض صدقات ہیں۔ سائل سے مراد جو سوال کرتا ہے اور محروم سے مراد جو سوال نہیں کرتا۔ اس وجہ سے عموماً عطیہ سے محروم رہ جاتا ہے۔ للسائل حق کی صفت کے بعد صفت ہے۔

۲؎ اگر انسان روز جزاء کی حقیقت میں تصدیق کرے تو انسان مصیبت میں جزع فزع نہ کرے بلکہ جزاء کی خاطر صبر کرے اور نہ ہی مال خرچ کرنے میں کوتاہی کرے بلکہ ثواب کی طلب میں مال وقف کر دے۔

۳؎ مشفق کا معنی ڈرنے والا کیونکہ ایمان اور تصدیق کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرے اور اس کی رحمت کا امیدوار ہو۔

۴؎ کوئی بھی اس کے عذاب سے امن میں نہیں کیونکہ اس کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿٣٠﴾

''اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ۱؎ بجز اپنی بیویوں کے یا اپنی کنیزوں کے تو ان پر کوئی ملامت نہیں ہے ۲؎''

۱؎ فواصل کی رعایت کرتے ہوئے لفروجھم کو مقدم کیا ہے۔ لام کا اضافہ اس لئے کیا تاکہ اسم مشتق حفظون کے عمل کو قوت حاصل ہو، فرج مرد اور عورت کی شرمگاہ کو کہتے ہیں۔ حفظ فرج کا معنی یہ ہے کہ خواہش نفس میں انہیں استعمال نہ کیا جائے۔

۲؎ یہ استثناء مفرغ ہے۔ یہاں اثبات کی صورت میں استثناء مفرغ اس لئے درست ہے کہ حفظ نفی کے معنی کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے اور علی کا صلہ اسی طرح ہے جس طرح تیرا یہ قول ہے احفظ علی عنان فرسی، یعنی وہ اپنی شرمگاہیں عورتوں پر محفوظ رکھتے ہیں مگر اپنی بیویوں پر۔ اس صورت میں علی من کے معنی میں ہے یا یہ حال ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ تمام احوال میں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر جب وہ ان کی بیویاں ہوں یا ان کی باندیاں ہوں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ استثناء فعل منفی سے ہو جو مقدر ہو اور اس پر حفظ کا اسم مشتق دلالت کرتا ہے، یعنی وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں وہ اسے کسی عورت پر خرچ نہیں کرتے مگر اپنی بیویوں پر ہی خرچ کرتے ہیں۔

ما ملکت ایمانھم سے مراد ان کی لونڈیاں ہیں۔ یہاں ما کا لفظ ذکر کیا ہے اور لونڈیوں کو غیر ذوی العقول کی حیثیت دی ہے (جبکہ حقیقت میں وہ ذوی العقول ہیں اور ذوی العقول کے لئے ما کا لفظ آتا ہے)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے انہیں غیر ذوی العقول کے ساتھ شامل کیا ہے اسی وجہ سے ان کی بیع کرنا اور ان سے خدمت لینا جائز ہے۔ یہاں ما ملکت ایمانھم سے مراد لونڈیاں ہیں، غلام نہیں کیونکہ مردوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ غلام سے لواطت کریں کیونکہ اس کی حرمت ہم سورۂ بقرہ کی آیت یسئلونک عن المحیض میں سنت اور قیاس کے ساتھ بیان کر آئے ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے سنت اور قیاس کو کتاب کی نص جو

یہاں موجود ہے پر کیسے مقدم کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہاں حکم عام ہے، غلاموں اور لونڈیوں دونوں کو شامل ہے۔ ہم کہیں گے یہ حکم عام نہیں کیونکہ حالت حیض اور ظہار کی صورت میں بیوی سے بھی وطی کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح وہ لونڈی جو رضاعت کی وجہ سے حرام ہو اس سے بھی وطی کرنا جائز نہیں اس نص کی تخصیص خبر واحد اور قیاس سے کرنا جائز ہے۔ عورت کے لئے اپنے غلام کی شرمگاہ سے لطف اندوز ہونا جائز نہیں کیونکہ علی اور ما کے کلمات اس پر دلالت کرتے ہیں کہ مما لیک (لونڈیاں) کو مفترش (ان سے خواہش پوری کی جائے) تو بنایا جاسکتا ہے اس کے برعکس کرنا جائز نہیں یہ صورت لونڈی سے وطی کرنے میں تو بنتی ہے غلام کو اپنے اوپر قدرت دینے میں نہیں بنتی۔

فانھم غیر ملومین میں استثناء کے مضمون کی تعلیل ہے کیونکہ بیوی اور لونڈی کے ساتھ خواہش پوری کرنا اور مشروع طریقے سے متمتع ہونا ملامت کا باعث نہیں کیونکہ نسل کو باقی رکھنے کے لئے اس کا مباح ہونا ضروری ہے۔ سیاق کلام اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جماع میں اصل حرمت ہے جس طرح ہم سورۂ بقرہ میں بیان کر آئے ہیں۔ یہ اسی صورت میں درست ہوگا جب نکاح کی شرائط پائی جائیں، وہ اس کی لونڈی ہو جزئیت موجود نہ ہو، وہ حیض اور نفاس سے پاک ہو، وہ قبل میں جماع کرے دبر میں جماع نہ کرے۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۳۱

''البتہ جو خواہش کریں گے ان کے علاوہ تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں [1]''

[1] اس میں فاء سببیہ ہے۔ پس جو بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ عورتوں کی خواہش کرے وہ سرکشی میں انتہاء کو پہنچ چکے ہیں کیونکہ انہوں نے ایک حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے جسے حلال کیا تھا وہ اس کے لئے کافی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی کسی عورت کو دیکھے اور وہ عورت اسے اچھی لگے تو وہ اپنی بیوی کے پاس چلا جائے کیونکہ اس کی بیوی کے پاس وہ کچھ ہے جو اس کے پاس ہے۔ اسے دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (1)

مسئلہ:۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نکاح متعہ جائز نہیں کیونکہ عورت نکاح متعہ کے ساتھ بیوی نہیں بنتی یہاں تک کہ وہ لوگ جو نکاح متعہ کو جائز سمجھتے ہیں وہ بھی اس وجہ سے وراثت جاری ہونے کا قول نہیں کرتے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ مشت زنی بھی حرام ہے۔ یہی علماء کا قول ہے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا مکروہ ہے۔ میں نے سنا ہے ایک قوم کو اٹھایا جائے گا تو ان کے ہاتھ حاملہ ہوں گے۔ میرا خیال ہے وہ یہی مشت زنی کرنے والے ہوں گے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو عذاب میں مبتلا کرے گا جو اپنی شرمگاہوں سے کھیلتے تھے۔ میں کہتا ہوں اس باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مشت زنی کی وہ ملعون ہے۔ اسے ازدی نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن بن عرفہ کے واسطہ سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے کہ سات افراد جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا ان میں مشت زن کا بھی ذکر کیا۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝۳۲ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۝۳۳

1۔ کنزالعمال، جلد 5، صفحہ 329، حدیث 3070 (التراث الاسلامی)

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ أُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾

''اور جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی پاسداری کرتے ہیں ۱؎ اور جو لوگ اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں ۲؎ اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ۳؎ یہی لوگ مکرم (ومحترم) ہوں گے جنتوں میں ۴؎ ''

۱؎ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں امانات جمع کا صیغہ اور سورۂ مومنین میں واحد کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے تمام جگہ جمع کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی وہ امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں اور امانتیں مستحقوں کے حوالے کرتے ہیں کچھ اللہ اور بندوں کے درمیان ہیں جس طرح نماز، روزہ، غسل جنابت فرائض جو حقوق اللہ شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح تمام کمالات جو انسان کو میسر ہیں جیسے انسان کا وجود اس کے توابع، ظاہری اور باطنی نعمتیں سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ یہ جاننا اور اقرار کرنا ضروری ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہیں یہاں تک کہ اپنے آپ کو وہ فقیر اور ان سے خالی پائے اگرچہ اس کے پاس موجود بھی ہوں جس طرح ایک انسان مانگا ہوا کپڑا پہنے ہوئے ہو تو وہ حقیقت میں ننگا ہی ہے وہ یہ بھی جانے کہ کبریائی اور عظمت اللہ تعالیٰ کی رداء اور ازار (لباس) ہے کسی کو بھی اس سے جھگڑنا جائز نہیں۔ جب نعمتیں میسر ہوں تو وہ شکر بجالائے اور جب نہ رہیں تو صبر کرے اور جزع نہ کرے اور کچھ امانتیں بندوں کے درمیان ہیں جیسے کسی کو کوئی مال امانت کے طور پر دیا، بضاعت کے طور پر دیا یا ادھار دیا تو بندے پر لازم ہے کہ ان کی پابندی کرے وہ ان وعدوں کو پورا کریں جو انہوں نے یوم میثاق کو اللہ تعالیٰ سے کئے تھے۔ اسی طرح دوسرے وعدے جو اللہ سے کئے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے وعدہ لیا کہ وہ حضور ﷺ کی نعت بیان کریں اسے نہ چھپائیں اسی طرح ان وعدوں کو پورا کریں جو لوگوں کے درمیان ہیں جیسے معاملات اور معاشرت کے وعدے ان سب کو پورا کرنا واجب ہے۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافق کی تین علامتیں ہیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے۔ باقی الفاظ میں شیخین کا اتفاق ہے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اسے توڑ دے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ (1)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار چیزیں جس میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے جس میں ان میں سے کوئی خصلت ہے ان میں نفاق کی ایک خصلت پائی جارہی ہے یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے جب اسے امین بنایا جائے تو وہ خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے، تو خلاف ورزی کرے جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ نکالے (2)۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن ابی الحماء سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے خرید و فروخت کی میرے ذمہ کچھ چیز باقی تھی۔ میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ میں ابھی آپ کو یہاں لا کر دیتا ہوں۔ پھر میں بھول گیا تین دن بعد مجھے یاد آیا تو آپ اسی جگہ موجود تھے تو آپ نے فرمایا تو نے مجھے تکلیف دی میں تین دنوں سے یہاں تیرا انتظار کر رہا ہوں۔

۲؎ حفص نے عاصم اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ سے شہادات جمع کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے واحد کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی وہ گواہیاں حق کے ساتھ دیتے ہیں اسے چھپاتے نہیں اور نہ ہی ان میں تبدیلی کرتے ہیں اور نہ ہی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرتے ہیں خواہ وہ شہادت محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جیسے توحید و رسالت پر شہادت اہل کتاب کی۔ حضور ﷺ کی نعت پر شہادت جو

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 60، حدیث: 66 (الفکر)
2۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 60 (الفکر)

WWW.NAFSEISLAM.COM

تورات میں موجود ہے۔ رمضان شریف کے چاند کے طلوع ہونے کی شہادت، حدود کے بارے میں شہادت وغیرہ یا وہ بندوں کے حقوق کے بارے میں شہادت ہو جیسے لوگوں کے آپس میں معاملات ہوں، خواہ انہیں یہ اپنے خلاف دینی پڑے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف دینی پڑے وہ گواہی دیتے ہیں۔

3۔ وہ نماز کے اوقات، ارکان، سنن اور آداب کی رعایت کرتے ہیں اور ان چیزوں کے ضائع ہونے سے حد درجہ بچتے ہیں نماز کا مکرر ذکر کرنا اور ابتداء اور آخر میں دو مختلف صورتوں میں نماز کے ساتھ ان کی صفت بیان کرنا اس بات پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ ارکان اسلام میں سے اسے دوسرے ارکان پر فضیلت حاصل ہے۔

4۔ مکرمون یہ اولئک کی خبر ہے۔ فی جنت ظرف ہے اور مکرمون کے ساتھ متعلق ہے۔ فواصل کی رعایت کرتے ہوئے اسے مقدم ذکر کیا ہے۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿٣٦﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿٣٧﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿٣٨﴾

"پس ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی طرف ٹکٹکی باندھے بھاگتے چلے آرہے ہیں 1۔ ایک گروہ دائیں طرف سے اور دوسرا گروہ بائیں طرف سے 2۔ کیا طمع کرتا ہے ان میں سے ہر شخص کہ (ایمان وعمل کے بغیر) نعمتوں بھری جنت میں اسے داخل کیا جائے 3۔"

1۔ اس میں فاء سببیہ ہے اور ما استفہامیہ مبتدا ہے۔ مقصود انہیں شرمندہ کرنا ہے اور مابعد اس کی خبر ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آیت کفار کی ایک جماعت کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ حضور ﷺ کے ارد گرد جمع ہو جاتے تھے، آپ کا کلام سنتے، آپ کا مذاق اڑاتے اور آپ کو جھٹلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شرمندہ کرنے کے لئے فرمایا انہیں کیا ہو گیا ہے۔ وہ آپ کو دیکھتے ہیں، آپ کے پاس بیٹھتے ہیں اور جو کچھ آپ سے سنتے ہیں اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے۔(1)

قبلک ظرف ہے جو مابعد کے متعلق ہے۔ مھطعین الذین کفروا سے حال ہے۔ اس کا عامل معنی فعل ہے۔ یعنی کفار تیزی سے آتے ہوئے گردنیں لمبی کئے ہوئے نظریں آپ پر جمائے ہوئے کیوں آتے ہیں۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے(2)۔ قاموس میں ہے ھطع ھطوعا و ھطعا یعنی وہ جلدی سے آیا جبکہ وہ خوفزدہ تھا نظر ایک چیز پر لگائی ہوئی تھی اس سے نظر ہٹا نہیں رہا تھا۔ اھطع مزید فیہ کا معنی اس نے گردن لمبی کی ہوئی تھی اور اپنے سر کو سیدھا کیا ہوا تھا۔

2۔ جار مجرور کا تعلق معطعین شبہ فعل کے ساتھ ہے۔ عزین عز کی جمع ہے جس کا معنی جماعت ہے۔ صحاح میں اسی طرح ہے۔ قاموس میں ہے عزۃ جس طرح عدۃ ہوتا ہے لوگوں کی ایک جماعت کو کہتے ہیں۔

3۔ اس میں استفہام انکاری ہے اور ان کے قول کا رد ہے جبکہ ان کا گمان یہ بھی تھا کہ دوبارہ اٹھانا محال ہے۔ وہ یہ طمع کرتے ہے کہ اگر معاملہ اسی طرح ہو جس طرح حضور ﷺ کہتے ہیں تو ہم ایمان اور عمل صالح کے بغیر بھی ان سے مرتبہ میں بلند ہوں گے جس طرح ہم دنیا میں تھے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 126 (التجاریہ)　　2۔ ایضاً

كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۝ عَلٰٓي اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝

''ہرگز نہیں ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اس (مادہ) سے جس کو وہ بھی جانتے ہیں [1] پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ ہم پوری قدرت رکھتے ہیں [2] کہ ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم ایسا کرنے سے عاجز نہیں [3]''

[1] اس باطل طمع سے انہیں جھڑکا جا رہا ہے۔ اس آیت میں پہلی دفعہ پیدا کرنے سے دوسری دفعہ پیدا کرنے پر استدلال کیا جا رہا ہے اور موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو جو وہ محال خیال کرتے تھے اس کو باطل قرار دیا جا رہا ہے۔ نیز ایمان کے بغیر جو وہ جنت میں داخل ہونے کی طمع رکھتے تھے اس کے باطل ہونے کی علت بیان کی جا رہی ہے۔ معنی اس کا یہ ہے کہ ہم نے انہیں گندے نطفے سے پیدا کیا پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے ان میں سے کوئی بھی چیز عزت و تکریم کے لائق نہیں اور نہ ہی عالم قدس کے مناسب ہے تو جو آدمی ایمان اور طاعت کے ساتھ اپنے آپ کو مکمل نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اخلاق سے اپنے آپ کو مزین نہیں کرتا وہ جنت میں داخل ہونے کا اہل نہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ بسر بن جحاش سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کہ ایک روز آپ نے اپنے ہاتھ پر لعاب رکھا اس پر اپنی انگلی رکھی فرمایا اللہ تعالیٰ انسان سے کہتا ہے تو مجھے کیسے عاجز کر سکتا ہے جبکہ میں نے تجھے اس جیسی حقیر چیز سے پیدا کیا پھر تجھے درست کیا اور تجھے اعتدال پر پیدا کیا پھر تو دو چادریں پہن کر چلا جبکہ زمین پر تو زور سے چل رہا تھا (تکبر کر رہا تھا) تو نے مال جمع کیا اسے خرچ کرنے سے رکے رہا۔ جب جان ہنسلی کی ہڈی تک پہنچ گئی تو تو نے سچ کہا مگر اب سچی بات کہنے کا وقت کہاں رہا۔ یا اس کا معنی ہے کہ ہم نے جس مقصد کے لئے انہیں پیدا کیا ہے وہ اسے جانتے ہیں(1)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ تو جو آدمی علم اور عمل سے اپنے آپ کو کامل نہیں بناتا تو وہ کاملین کے مقامات کی طمع کیسے کر سکتا ہے۔

[2] ستاروں کے طلوع ہونے اور ان کے غروب ہونے کی جگہیں یا سورج اور چاند کے سال کے دنوں میں طلوع اور غروب ہونے کی جگہیں مراد ہیں۔ اس وجہ سے مشارق اور مغارب جمع کا صیغہ ذکر کیا ہے۔

[3] یعنی انہیں ہلاک کر دیں اور ان سے بہتر مخلوق لے آئیں یا حضور ﷺ کو تم سے بہتر بدل عطا فرما دیں وہ مومن ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے مددگار ہیں۔

اگر ہم انہیں ہلاک کرنے کا ارادہ کریں تو ہم پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا۔ وما نحن بمسبوقین کا عطف انا لقادرون پر ہے۔ ان آیات میں رب المشارق و المغارب ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے آسمان، سورج، چاند اور ستارے پیدا کرنے کی قدرت پر استدلال کیا ہے اور ہر روز سورج اور چاند کے طلوع و غروب کی جگہوں کے مختلف ہونے سے بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے عاجز نہ ہونے پر استدلال ہے کہ وہ ان سے بہتر بندے پیدا کر سکتا ہے اور انہیں بدل سکتا ہے۔

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰي يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 127 (التجاریہ)

"سو آپ رہنے دیجئے انہیں کہ (خرافات میں) مگن رہیں اور کھیلتے کودتے رہیں حتیٰ کہ وہ ملاقات کریں اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے ۱؎"

۱؎ اس میں فاء سببیہ ہے، یعنی جب تو یہ جان چکا ہے کہ ہم انہیں ہلاک کرنے پر قادر ہیں تو ان کی وجہ سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہم نے ان کے ساتھ استدراج (۱) کا ارادہ کیا ہے اور سخت عذاب دینے کا ارادہ کیا ہے۔ یخوضوا اور یلعبوا دونوں فعل جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہیں۔ حتیٰ یلقوا کا تعلق ذرھم کے ساتھ ہے۔

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

"اس روز نکلیں گے (اپنی) قبروں سے جلدی جلدی گویا وہ (اپنے بتوں کے) استھانوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں ۱؎ جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں چھا رہی ہوگی ان پر ذلت یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا ۲؎"

۱؎ اجداث کا معنی قبریں ہیں۔ یوم یخرجون، یومھم سے بدل ہے۔ سراعاً سریع کی جمع ہے جس طرح کرام کریم کی جمع ہے۔ یہ یخرجون کے فاعل سے حال ہے۔ الی نصب یوفضون کے ساتھ متعلق ہے۔ یوفضون کا معنی ہے کہ وہ جلدی کرتے ہیں یہ حال کے بعد حال ہے۔ ابن عامر اور حفص رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے (نصب) نون کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے نون کے فتحہ اور صاد کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ مقاتل اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی پوجا کرتے تھے، ان کی طرف جلدی جاتے تھے۔ اسی طرح اب وہ اپنے اعمال کی جزاء دیکھنے کے لئے جلدی جلدی میدان محشر کی طرف جائیں گے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ جھنڈے کی طرف جلدی جائیں گے، یعنی جس طرح لشکر والے اپنے اپنے جھنڈوں کی طرف جلدی جاتے ہیں۔

۲؎ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ یہ بھی حال ہے۔ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ یعنی ان پر ذلت چھائی ہوگی۔ یہی وہ دن ہے جن کا دنیا میں ان سے وعدہ کیا جاتا تھا اور وہ اس کا انکار کرتے تھے۔ یہ جملہ یا تو سابقہ جملے کی تاکید ہے یا یہ جملہ مستانفہ ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

(۱) ظاہر میں نعمت عطا فرمائی تاکہ وہ اپنے حال میں مگن رہیں اور سرکشی میں بڑھتے رہیں تاکہ سخت سزا کے مستحق ٹھہریں، مترجم۔

سورۂ نوح

آیاتہا ۲۸ | سُوْرَةُ نُوْحٍ مَكِّيَّةٌ ۷۱ | رکوعاتہا ۲

سورۂ نوح مکی ہے، اس میں 2 رکوع اور 28 آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○

''بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف (اور فرمایا اے نوح) بروقت خبردار کرو اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ نازل ہو جائے ان پر عذاب الیم [1]''

[1] کلام کی ابتداء میں اِنَّ کو ذکر کیا ہے۔ مقصود اہتمام کا اظہار ہے۔ یہاں حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف بھیجنے کی قید اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام تمام لوگوں کی طرف مبعوث نہیں کیے گئے تھے۔ جس طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی شانیں عطا فرمائی گئیں جو مجھ سے قبل کسی کو نہیں دی گئیں، مجھے ایک ماہ کی مسافت پر سے رعب عطا کیا گیا، میرے لئے زمین مسجد اور پاکیزگی عطا کرنے والی بنائی گئی، میری امت کا کوئی بھی فرد جہاں کہیں نماز کا وقت پائے تو وہ وہاں ہی نماز پڑھ لے، میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں جبکہ مجھ سے قبل کسی کے لئے مال غنیمت حلال نہیں تھا، مجھے شفاعت کرنے کی اجازت دی گئی، نبی اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا جبکہ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا، متفق علیہ (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے چھ چیزوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی۔ باقی حدیث سابقہ حدیث کی طرح ذکر کی مگر یہ ذکر نہیں کیا کہ مجھے شفاعت کا مقام عطا کیا گیا ہے بلکہ یہ ذکر کیا مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا گیا اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (2)

اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ میں ان مفسرہ ہے کیونکہ ارسال قول کا معنی دیتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ان مصدریہ ہو اور پہلے قول محذوف ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی بان قلنا له انذر۔ یہ تعبیر کرنا صحیح نہ ہوگی کہ بان انذر قومک کیونکہ اس طرح کلام غائب اور خطاب کی ضمیروں کی وجہ سے گڑبڑ ہو جائے گی۔

عَذَابٌ اَلِيْمٌ سے مراد آخرت کا عذاب ہے یا طوفان ہے۔ اگر وہ ایمان نہ لائے تو انہیں اس عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢﴾ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ﴿٣﴾

''آپ نے فرمایا اے میری قوم میں تمہیں صریح طور پر ڈرانے والا ہوں [1] کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرو

1۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 254 (الفکر) 2۔ ایضاً

اور میری پیروی کرو۔1''

1۔ اے میری قوم کیونکہ میں واضح ڈرانے والا ہوں اس لئے میں تمہیں خبردار کرتا ہوں اور تمہارے سامنے حقیقت حال واضح کرتا ہوں۔

2۔ اللہ سے ڈرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ توحید اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بارے میں میں تمہیں جو کہتا ہوں اس میں میری اطاعت کرو۔

يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ④

''وہ بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ اور مہلت دے گا تمہیں ایک مقررہ میعاد تک بلاشبہ اللہ کا مقررہ وقت جب آ جاتا ہے تو اسے مؤخر نہیں کیا جا سکتا کاش تم (حقیقت کو) جان لیتے 1۔''

1۔ یہ فعل جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہے کیونکہ ایمان اور اطاعت مغفرت کا سبب ہیں۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھائیے تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کر دوں۔ آپ نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔ تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو تجھے کیا ہوا؟ میں نے عرض کی میں شرط لگانا چاہتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کونسی شرط لگانا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی مجھے بخش دیا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو تو جانتا نہیں کہ اسلام سابقہ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، ہجرت سابقہ گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور حج سابقہ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہا میں حضور ﷺ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا۔ میرے اور آپ کے درمیان زین کا آخری حصہ حائل تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے معاذ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں، بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق یہ ہے کہ جو شرک نہیں کرتا اسے عذاب نہ دے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا میں اس کے بارے میں لوگوں کو خوشخبری نہ دے دوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا انہیں خوشخبری نہ دو وہ تکیہ کرنے لگیں گے، متفق علیہ (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ قصہ اسی طرح مروی ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے گناہ سے بچنے کے لئے موت کے وقت یہ حدیث بیان کی، متفق علیہ۔

من ذنوبکم میں من زائدہ ہے یا تبعیض کے لئے ہے، یعنی تمہارے بعض گناہ بخش دیئے جو حقوق اللہ میں شمار ہوتے ہیں اور تمہیں اتنی دیر مہلت دے جو ایمان اور اطاعت کی شرط کے ساتھ تمہارے حق میں لمبی مدت مقدر کر رکھی ہے۔ اس سے پہلے تمہیں سزا نہ دے بلکہ تمہیں معاف کر دے۔

مسئلہ:۔ قضا کی دو قسمیں ہیں: قضاء مبرم، قضاء معلق۔ قضاء معلق یہ ہے کہ لوح محفوظ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اگر فلاں نے اطاعت کی تو فلاں مدت تک اسے معاف کیا جائے گا۔ اگر اس نے نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ اس پر طوفان اور اس جیسے دوسرے عذاب نازل فرمائے گا۔ اگر شرط مفقود ہو اس قسم کی قضا کا تبدیل ہونا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِندَهُ أُمُّ الْكِتَابِ۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 76 (قدیمی) 2۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 49 (الفکر)

WWW.NAFSEISLAM.COM

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قضاء کو دعا ہی رد کر سکتی ہے اور نیکی ہی عمر میں اضافہ کرتی ہے۔اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(1)۔اس آیت لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ میں قضاء مبرم مراد ہے۔وہ اجل جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کی اگر مقدر صورت میں متحقق ہو جائے تو اس کو موخر نہیں کیا جائے گا۔جہاں تک قضاء مبرم کا تعلق ہے اسے تو موخر کیا ہی نہیں جاتا۔جہاں تک قضاء معلق کا تعلق ہے اگر شرط کے متحقق ہونے کے ساتھ واقع ہو جائے تو اس کو بھی موخر نہیں کیا جائے گا اس اجل مبرم کے آنے سے پہلے مہلت اور تاخیر کے لمحات میں طاعت میں جلدی کرلو،ان معاصی کا ارتکاب نہ کرو جو عذاب کا سبب ہیں اور اجل معلق تک لے جانے والے ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے اہل سنت کا مذہب تو یہ ہے کہ اجل ایک ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی یہاں تک یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مقتول اپنی اجل سے مرا ہے۔حدیث طیبہ میں جو یہ وارد ہوا کہ نیکی عمر میں اضافہ کرتی ہے۔اس کا معنی یہ ہے کہ نیکی ثواب کی کثرت کے ساتھ عمر کی برکات میں اضافہ کرتی ہے اور جو کچھ ذکر کیا گیا وہ معتزلہ کے مذہب کے مشابہ ہے۔

ہم کہتے ہیں بات اس طرح نہیں بلکہ معتزلہ تقدیر کا انکار کرتے ہیں اور قاتل کو موت کا خالق بناتے ہیں جو کچھ ذکر کیا گیا وہ اہل سنت کا مذہب ہے کیونکہ اہلسنت کا یہ قول کہ اجل ایک ہے زیادتی اور کمی نہیں ہوتی وہ وہ اجل ہے جو قضاء مبرم سے ثابت ہے،اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی،نہ اسے پہلے کر سکتے ہیں اور نہ ہی اسے پیچھے کر سکتے ہیں۔مقتول اپنی اجل مبرم پر مرتا ہے اگرچہ لوح محفوظ میں یہ معلق ہو کہ اگر اسے فلاں نے قتل کیا تو وہ مر جائے گا۔ورنہ نہیں مرے گا لیکن اس کے بارے میں قضاء مبرم یہ ہے کہ اسے فلاں ہر صورت قتل کرے گا اور اس کے قتل کرنے سے وہ فلاں وقت ضرور قتل ہوگا۔اس وقت کے بعد اس کے باقی رہنے کی شرط نہیں پائی گئی۔

اس وقت اس حدیث کی تاویل کی ضرورت نہیں جو ابی حزامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،جسے وہ اپنے باپ سے نقل کرتا ہے،کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ جو ہم دم وغیرہ کراتے ہیں،دواء کرتے ہیں یا پرہیز کرتے ہیں کیا یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو بدل دیتے ہیں؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں سے ہے(2)۔اسے امام احمد،امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کیا کہ وہ دوائی استعمال کرے گا تو دواء کے ساتھ اسے شفاء حاصل ہوگی۔

اگر تم اہل علم اور اپنی مصلحتوں میں نظر کرنے والے ہو۔اس میں یہ اشارہ بھی ہے کیونکہ وہ شہوات میں منہمک ہیں اس لئے انہیں موت کے بارے میں شک ہو گیا ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت نوح علیہ السلام پر وحی کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب آپ کی عمر چالیس سال تھی اور طوفان کے بعد آپ ساٹھ سال تک زندہ رہے۔مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آپ کو جب مبعوث کیا گیا تو اس وقت آپ کی عمر سو سال تھی۔ایک قول کیا گیا کہ آپ کی عمر پچاس سال تھی۔آپ کی کل عمر ایک ہزار چار سو پچاس سال تھی۔اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم میں رہ کر دعوت حق دیتے رہے۔ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آپ کو مارتی یہاں تک کہ آپ گر پڑتے۔وہ آپ کو مردہ سمجھ کر نمدہ میں لپیٹ کر گھر میں ڈال جاتے۔آپ دوسرے دن گھر سے باہر آتے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے۔محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے عبید بن عمر لیثی سے روایت کیا ہے کہ آپ کو خبر پہنچی ہے کہ آپ کی قوم کے افراد آپ کو پکڑ لیتے،گلا گھونٹتے یہاں تک کہ آپ پر غشی طاری ہو جاتی

1۔جامع ترمذی،جلد 2،صفحہ 36(وزارت تعلیم)
2۔ایضاً،صفحہ 28

۔جب آپ کو افاقہ ہوتا تو کہتے اے میرے رب میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ نہیں جانتے یہاں تک کہ وہ پھر نافرمانیاں کرنے لگتے ۔ان کی طرف سے آپ پر مصیبت شدید ہو جاتی تو آپ اگلی نسل کا انتظار کرتے ۔ بعد والی نسل پہلی نسل سے بھی بدتر ہوتی یہاں تک کہ وہ بعد میں آنے والے لوگوں کو کہہ جاتے یہ ہمارے آباؤ اجداد کے ساتھ بھی اسی طرح مجنون رہا ہے تو بعد والے لوگ بھی اس کی کوئی بات نہیں مانتے تھے ۔تو اس موقع پر آپ نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی ۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ۙ﴿۵﴾ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾

”نوح نے عرض کی اے میرے رب میں نے دعوت دی اپنی قوم کو رات کے وقت اور دن کے وقت ۱؎ لیکن میری دعوت کے باعث ان کے فرار (ونفرت) میں ہی اضافہ ہوا ۲؎ “

۱؎ لیلا و نہارا سے مراد ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ میں انہیں دعوت دیتا رہا۔

۲؎ کوفیوں نے دعاءی کو یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی وہ ایمان اور اطاعت سے بھاگتے ہیں۔ زیادتی کے فعل کو دعاء کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح فعل کی نسبت سبب کی طرف کی جاتی ہے۔

وَ اِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۚ﴿۷﴾ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ﴿۹﴾

”اور جب بھی میں نے انہیں بلایا تاکہ تو ان کو بخش دے (تو ہر بار) انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر لپیٹ لئے اپنے کپڑے اور اڑ گئے (کفر پر) اور پرلے درجے کے متکبر بن گئے ۱؎ پھر (بھی) میں نے ان کو بلند آواز سے دعوت دی ۲؎ پھر انہیں کھلے بندوں سمجھایا اور چپکے چپکے بھی انہیں (تلقین) کی ۳؎ “

۱؎ جب بھی میں نے انہیں ایمان کی طرف دعوت دی تاکہ ایمان کے سبب تو انہیں بخش دے تو انہوں نے اپنے کان بند کر لئے ۔اپنے آپ کو کپڑوں سے ڈھانپ لیا تاکہ مجھے نہ دیکھ سکیں کفر اور معاصی پر اصرار کیا اور بہت زیادہ تکبر کیا۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

۲؎ جہارا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ یہ دعاء کی ایک قسم ہے یا مصدر محذوف کی صفت ہے اور مجاہر کے معنی میں ہے یا یہ حال ہے۔

۳؎ کوفیوں اور ابن عامر نے انی کی یاء کو ساکن پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ثم کا لفظ دعوت کی صورتوں میں جو تفاوت (فرق) ہے اس کو ظاہر کرنے کے لئے ذکر کیا کیونکہ جہار اسرار سے سخت ہے۔ دونوں صورتوں کو جمع کرنا ایک صورت سے سخت ہے۔ یا ثم تراخی زمانی کے لئے ہے، یعنی یہ صورتیں یکے بعد دیگرے کچھ وقت گزرنے کے بعد واقع ہوئیں۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ﴿۱۰﴾ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ﴿۱۱﴾

”پس میں نے کہا (ابھی وقت ہے) معافی مانگ لو اپنے رب سے بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے ۱؎ وہ برسائے گا

آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش ۲؂"

۱؂ یہ دعوتھم کا بیان ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے طویل زمانہ تک حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک لیا۔ چالیس سال تک ان کی عورتوں کے رحموں کو بانجھ کر دیا، ان کی اولادیں، ان کے مال اور چوپائے ہلاک ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے کہا(1) کفر سے توبہ کرکے، معاصی پر شرمندگی کا اظہار کرکے اور آئندہ زمانہ میں ایسے اعمال چھوڑ کر اپنے رب سے بخشش طلب کرو، اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے: انه كان غفارًا یہ استغفروا کی علت ہے۔

۲؂ السماء سے مراد بارش ہے۔ حال کو محل کا نام دیا ہے۔ مدرارا یہ السماء سے حال ہے، یعنی اس کی خیر بہت زیادہ ہوگی۔ اس وزن میں مذکر اور مونث برابر ہوتے ہیں۔ یرسل اور اس کے معطوف استغفروا امر کے جواب میں ہونے کی وجہ سے مجزوم ہیں۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ استغفار بارش اور دوسری دنیاوی نعمتوں کے حصول اور مصیبتوں کو دور کرنے کا سبب ہے، یا تو عموماً ایسا ہوتا ہے یا خصوصی موقع پر جہاں مصیبت کا نزول نافرمانیوں کی نحوست کی وجہ سے ہو۔ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں تھا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس پر دلالت کرتا ہے: مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ۔

جب یہ مصیبت درجات کے بلندی کے لئے نازل ہو تو پھر یہ معاصی کی نحوست کی وجہ سے نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ استغفار سے دور ہوتی ہے جس طرح حضرت ایوب علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کے ساتھ ہوا۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں میں سے سب سے زیادہ آزمائشیں انبیاء کو آتی ہیں، پھر اس سے جو نیچے درجے پر فائز ہوں، پھر اس سے جو نیچے درجے پر فائز ہوں۔ ہر ایک آدمی کو اس کے دین کے مرتبہ کے مطابق آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اگر وہ دین میں مضبوط ہو تو اس کی مصیبت سخت ہوتی ہے۔ اگر اس کے دین میں نرمی ہو تو اس کے دین کے مطابق اسے آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔ آزمائش صرف وعدہ کرنے سے دور نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے اور گناہ کے بغیر زمین پر چلے پھرے(2)۔ اسے امام احمد، امام بخاری، امام ترمذی، ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں حضور ﷺ کی ایک زوجہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت نقل کی ہے دنیا میں سب سے زیادہ آزمائش نبی پر آتی ہے یا اللہ کے منتخب ولی پر۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ انہیں آزمائش کی وجہ سے اتنی خوشی ہوتی ہے جتنی تمہیں عطیہ کی وجہ سے خوشی نہیں ہوتی۔ یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ قحط عام مصیبت ہے۔ اس کا تصور اس وقت تک نہیں کیا جاتا جب تک عام لوگوں کی طرف سے گناہوں کی نحوست نہ ہو۔ استغفار عموماً بارش کا سبب ہے۔ اسی وجہ سے بارش کی طلب میں استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ مطرف نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کے ساتھ بارش کی دعا کرنے کے لئے نکلے اور استغفار سے زیادہ کچھ نہ کیا۔ آپ سے عرض کیا گیا ہم نے سنا تھا کہ آپ بارش کے لئے دعا کریں گے تو آپ نے فرمایا میں نے بارش ان چشموں سے طلب کی ہے جن کے ذریعے بارش ہوتی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ) اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، وہ غفار ہے، وہ تم پر موسلا دھار بارش برساتا ہے۔(3)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 128 (التجاریہ) 2۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 411، حدیث: 4023 (العلمیہ)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 128 (التجاریہ)

WWW.NAFSEISLAM.COM

وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَ قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾

"اور مدد فرمائے گا تمہاری اموال اور فرزندوں سے اور بنادے گا تمہارے لئے باغات اور بنادے گا تمہارے لئے نہریں۔[1] تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم پرواہ نہیں کرتے اللہ کی عظمت وجلال کی۔[2] حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا۔[3]"

[1] عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے وہ تمہارے مال اور اولاد میں اضافہ کرے گا۔ جنات کا معنی باغ ہیں، یعنی جس طرح پہلے اس کے تم پر احسانات تھے جب تم نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب نہ کی تھی اسی طرح بعد میں ایسا کرے گا۔

[2] ما استفہامیہ مبتدا ہے اور لکم اس کی خبر ہے۔ لا ترجون والا جملہ یہ مخاطب کی ضمیر سے حال ہے۔ عامل معنی فعل ہے۔ للہ یہ وقارا سے حال ہے۔ نکرہ ہونے کی وجہ سے حال کو مقدم کیا گیا اور ذوالحال کو مؤخر کیا گیا۔ وقار کا معنی عظمت ہے جو توقیر مصدر سے اسم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے تم اعتقاد میں اللہ تعالیٰ کے لئے عظمت نہیں دیکھتے۔ اعتقاد کو رجاء سے تعبیر کیا ہے جو ظن کا ادنیٰ مرتبہ ہے۔ مقصود مبالغہ کا اظہار ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے تم اللہ تعالیٰ کی عظمت سے نہیں ڈرتے۔ اس صورت میں رجاء کا معنی خوف ہوگا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا تم اللہ تعالیٰ کا حق نہیں پہچانتے اور اس کی نعمت کا شکر بجا نہیں لاتے۔ ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم عبادت میں یہ امید نہیں رکھتے۔ تم اللہ تعالیٰ کی جو تعظیم بجالاتے ہو وہ تمہیں اس کا بدلہ عطا فرمائے گا(1) یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں یہ امید کیوں نہیں رکھتے کہ وہ تمہیں عزت عطا فرمائے۔ للہ یہ موقر کا بیان ہے۔

[3] تمہیں مختلف مراحل سے گزار کر پیدا کیا۔ پہلے عناصر، پھر مرکبات جو انسان کی غذا ہیں، پھر اخلاط، پھر نطفہ، پھر علق، پھر مضغہ، پھر ہڈیاں اور گوشت بنایا، پھر روح پھونکنے کے ساتھ تمہیں ایک اور زندگی عطا فرمائی۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ پھر تمہیں موت عطا کرتا ہے۔ تم میں سے جو اطاعت گزار ہوتا ہے اسے عزتیں عطا فرماتا ہے اور گناہ گار کو سزا دیتا ہے۔ یہ جملہ ترجون کے فاعل سے حال ہے یا لفظ اللہ سے حال ہے۔ انفسی دلائل کے بعد آفاقی دلائل ذکر فرمائے۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسے پیدا کیا ہے سات آسمانوں کو تہ بہ تہ[1] اور بنایا ہے چاند کو ان میں روشنی اور بنایا ہے سورج کو (درخشاں) چراغ[2]"

[1] الم یہ تعجب کے اظہار سے مجاز ہے۔ کیف کلمہ استفہام ہے جو اللہ کی عظمت کو ذہن میں لانے کے لئے ذکر کیا ہے۔ یہ بعد میں آنے والے جملے کے فاعل یا مفعول سے حال ہے۔ اسے آغاز میں اس لئے ذکر کیا کیونکہ یہ صدر کلام کا تقاضا کرتا ہے۔ طباقا یعنی آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر پیدا کیا نیچے اور اوپر والے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے جس پر یہ احادیث دلالت کرتی ہیں۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 128 (التجاریہ)

ئے فیھن سے مراد ہے ان میں سے بعض میں چاند بنایا وہ آسمان دنیا ہے۔جس طرح مابعد جملہ میں ایک گھر مراد ہے۔ نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دُوْرِ بَنِي نَجَّارٍ. امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سورج اور چاند کے چہرے آسمانوں کی طرف ہیں سورج اور چاند کی روشنی ان سب میں ہے اور ان کی شعاعیں زمین کی طرف منعکس ہوتی ہیں(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے۔

سورج کو سراج سے تشبیہ دی کیونکہ سورج ہر اس چیز سے تاریکی کو دور کر دیتا ہے جو اس کے مقابل آتی ہے۔ جس طرح چراغ اپنے اردگرد کے ماحول سے تاریکی کو دور کر دیتا ہے۔ یہاں سورج کو چراغ سے تشبیہ دی جبکہ چراغ روشنی میں سورج سے کم ہے۔ اس تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ چراغ کا معاملہ سامعین کے ذہنوں میں ظاہر ہے اور کوئی ایسی چیز بھی نہیں جس کے ساتھ اسے تشبیہ دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان جَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُوْرًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا میں یہ بتانا مقصود ہے کہ چاند سورج سے نور حاصل کرتا ہے کیونکہ نور دیے سے حاصل ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾

''اور اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین سے عجب طرح اگایا ہے لے پھر لوٹا دے گا تمہیں اس میں اور (اسی سے) تمہیں (دوبارہ) نکالے گا ۲ے اور اللہ نے ہی زمین کو تمہارے لئے فرش کی طرح بچھا دیا ہے ۳ے تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو ۴ے''

لے اللہ تعالیٰ کا اسم پاک مذکور ہے۔ ضمیر پر اکتفا نہیں مقصود اللہ نام لے کر شاد کام ہونا ہے جو کائنات کا محبوب ہے اور یہ اظہار کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا۔ انشاء کو مجازاً انبات سے تعبیر کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبات کا لفظ حدوث پر دلالت کرتا ہے۔ نبات مصدر ہے اور مفعول مطلق ہے مگر فعل کے مصدر کے وزن پر نہیں جس طرح تبتل اليه تبتيلا میں تبتيل مفعول مطلق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا نبات مصدر نہیں بلکہ اسم ہے جو مصدر کی جگہ رکھا گیا ہے یا یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ فَنَبَتُّمْ نَبَاتًا کیونکہ انبات اور نبات آپس میں لازم و ملزوم ہیں اس لئے ایک کا فعل اور دوسرے کا مصدر ذکر کر دیا۔

۲ے موت کے بعد تمہیں دوبارہ زمین میں لوٹا دے گا پھر تمہیں حشر کے موقع پر دوبارہ زمین سے نکالے گا۔ یہاں مفعول مطلق کے ساتھ فعل کی تاکید ذکر کی ہے جس طرح پہلے فعل کی مفعول مطلق کے ساتھ تاکید ذکر کی تھی۔ مقصود موت کے بعد دوبارہ اٹھانے کو ثابت کرنا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے پہلی دفعہ انسانوں کو پیدا کیا۔

۳ے بساط یعنی جس میں تم ادھر ادھر جاتے ہو۔

۴ے فجاج فج کی جمع ہے۔ من حرف جار اس لئے ذکر کیا کیونکہ فعل اپنے ضمن میں اتخاذ کا معنی لئے ہوئے ہے۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾

''نوح نے عرض کی اے میرے پروردگار انہوں نے میری نافرمانی کی اور اس کی پیروی کرتے رہے جس کو نہ بڑھایا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 129 (التجاریہ)

اس کے مال اور اولاد نے بجز خسارہ کے[1] اور انہوں نے بڑے بڑے مکر وفریب کئے[2] ''

[1] حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب انہوں نے میری ان معاملات میں نافرمانی کی جن کا میں نے انہیں حکم دیا تھا۔ یہ جملہ سابقہ جملہ **قال رب انی دعوت.....** کی تاکید کے طور پر ہے۔ یہ بھی کہا دونوں جملوں کا معنی ایک ہی ہے کیونکہ دعا سے فرار، کانوں کو بند کرنا اور آنکھوں پر پردہ ڈال لینا یہی تو عین نافرمانی ہے یا اس کے اسباب میں سے ہے۔ اسی وجہ سے جملہ سے پہلے حرف عطف ذکر نہیں کیا اور کہا نافرمانی کرنے کے قول کو مکرر ذکر کیا ہے جبکہ سابقہ آیت میں بھی اس کا ذکر تھا۔ دوبارہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ پہلی کلام اس لئے چلائی گئی تا کہ تبلیغ کے فریضہ کی ادائیگی کا بیان ہو جبکہ یہ کلام اس لئے چلائی گئی تا کہ ان کے خلاف بددعا کی تمہید بن جائے۔

قوم کے کمزور لوگوں نے اپنے سرکش سرداروں کی اتباع کی جو اپنے مال اور اولاد کی وجہ سے دھوکے میں مبتلا ہو چکے تھے۔ یہی چیز آخرت میں ان کے خسارہ کا سبب بن گئی۔ نافع، عاصم اور ابن عامر رحمہم اللہ تعالیٰ نے **وَلَده** پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے **وُلْده** پڑھا ہے کیونکہ یہ بھی ایک لغت ہے جس طرح حزن میں دونوں لغتیں ہیں یا یہ جمع ہے جیسے اُسد کی جمع اُسد آتی ہے۔

[2] اس جملے کا عطف **من لم یزده** پر ہے۔ ضمیر من کی طرف لوٹ رہی ہے اور جمع کی ضمیر معنی کی وجہ سے آئی ہے یا اس کا عطف **اتبعوا** پر ہے۔ کُبَّار یہ کُبَار سے ابلغ ہے اور کُبار کبیر سے ابلغ ہے، یعنی انہوں نے بڑا مکر کیا یہ ان کا دین میں حیلہ سازی کرنا تھا سرداروں کی طرف سے مکر یہ تھا کہ وہ لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کو اذیتیں دینے پر برانگیختہ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے تھے جبکہ کمزور لوگوں کا مکر یہ تھا کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کو مختلف اذیتیں دیتے تھے۔

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۚ ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

'' اور رئیسوں نے کہا (اے لوگو نوح کے کہنے پر) ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور (خاص طور پر) ود اور سواع کو مت چھوڑنا اور نہ یغوث، یعوق اور نسر کو[1] اور انہوں نے گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو، (الٰہی) تو بھی ان کی گمراہی میں اضافہ کر دے[2] ''

[1] اس جملے کا عطف **مکروا** پر ہے۔ بعض نے بعض سے کہا اپنے بتوں کی عبادت کو نہ چھوڑنا اور ود کو نہ چھوڑنا۔ نافع نے وُدًا پڑھا ہے جبکہ باقی نے واؤ پر زبر پڑھی ہے۔ پہلے عمومی ذکر کیا بعد میں ان بتوں کی تخصیص کر دی مقصود ان کا اہتمام کرنا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا محمد بن کعب نے کہا یہ صالح لوگوں کے نام ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ہو گزرے ہیں۔ جب وہ لوگ فوت ہو گئے تو ان کی جو لوگ اقتداء کرتے تھے اور عبادت میں ان کے طریقے اپناتے تھے۔ ان کے پاس ابلیس آیا، انہیں کہا اگر تم ان کی تصویریں بنا لو تو یہ تمہارے لئے زیادہ نشاط کا باعث ہوگا اور تمہیں عبادت میں شوق دلائے گا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا پھر ان کے بعد ایک قوم آئی۔ انہیں ابلیس نے کہا تم سے پہلے لوگ ان تصویروں کی عبادت کرتے تھے تو بعد کے لوگوں نے ان تصویروں کی عبادت کرنا شروع کر دی۔ اس طرح بتوں کی عبادت شروع ہو گئی پھر ان تصویروں کے یہ نام پڑ گئے (1)۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے وہ بت جن کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم عبادت کرتی تھی بعد میں عربوں میں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 129 (التجاریہ)

بھی انہیں کی پوجا کی جانے لگی۔ ودیہ بنی کلب کا بت تھا جو دومۃ الجندل کے مقام پر نصب تھا۔ سواع بنی ہذیل کا بت تھا، یغوث بنی مرد کا بت تھا۔ پھر یہی بت بنی غطیف نے اپنا لیا جو جرف کے مقام پر نصب تھا۔ یعوق، بنی ہمدان کا بت تھا۔ نسر، بنی حمیر کا بت تھا جو آل ذی کلاع تھے۔ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے صالح لوگوں کے نام تھے۔ جب یہ مر گئے تو شیطان نے ان کی قوموں کے دلوں میں القاء کیا کہ جن جگہوں میں وہ عبادت کیا کرتے تھے انہیں ان کے بت نصب کر دو اور ان بتوں کے نام ان افراد کے نام پر رکھ دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا مگر ان کی عبادت نہ کی۔ جب یہ لوگ بھی مر گئے تو بعد میں ان کی عبادت کی جانے لگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان بتوں کو طوفان نے دفن کر دیا تھا اور مٹی نے انہیں چھپا دیا تھا۔ یہ اسی طرح دفن رہے یہاں تک کہ شیطان نے مشرکین مکہ کے لئے انہیں باہر نکالا۔(1)

۲۔ قد اضلوا میں ضمیر یا تو بتوں کے لئے ہے یا قوم نوح کے رؤساء کے لئے ہے۔ جب فعل کی نسبت بتوں کی طرف ہوگی تو یہ اسناد مجازی ہوگا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ کیونکہ شیطان نے ان بتوں کے ذریعے انہیں گمراہ کیا تھا۔ یہ جملہ یا تو قالوا کے فاعل سے حال ہے یا لا تذرن کے مفعول سے حال ہے یا یہ جملہ معترضہ ہے۔

ظلمین سے مراد کافر ہیں ضلالا سے مراد ہلاکت اور ضیاع ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ میں ضلال سے مراد ہلاکت اور ضیاع ہے۔ یا ضلال سے مراد خفیہ تدبیر ہے جس کا انہوں نے ارادہ کیا تھا یا دنیاوی فوائد مراد ہیں، یعنی اس کی طرف انہیں ہدایت نہ دے۔ اس جملہ کا عطف قال رب انهم عصونی کے مقولہ پر ہے، یعنی حضرت نوح علیہ السلام نے یہ قول کیا۔ یہاں مفرد کا عطف مفرد پر ہے۔ انشاء کا عطف خبر پر نہیں ہے۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ۬ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾

"اپنی خطاؤں کے باعث انہیں غرق کر دیا گیا[1] پھر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا پھر انہوں نے نہ پایا اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار[2]"

۱۔ جمہور قراء اور ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے خطیئٰتهم کی جگہ خطایاهم پڑھا۔ مما میں ما زائدہ ہے اور تاکید اور تفخیم کے لئے ہے۔ من سببیہ ہے اور اُغرقوا کے متعلق ہے۔ معنی ہوگا ان کے گناہوں کے باعث انہیں طوفان میں غرق کر دیا گیا اور عالم برزخ میں آگ میں داخل کیا گیا عالم برزخ جسے عالم قبر کہتے ہیں کیونکہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ اس تعبیر کی بناء پر آیت عذاب قبر کے ثابت ہونے پر دلیل ہے کیونکہ فاء تعقیب کے لئے ہے اور ادخلوا کا صیغہ ماضی پر دلالت کرتا ہے جبکہ معتزلہ اور دوسرے بدعتیوں نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ انہوں نے اس آیت کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ فاء یہاں اس لئے داخل کی گئی کیونکہ انہیں غرق کرنے اور جہنم میں داخل کرنے کے درمیان کوئی اور عذاب ان کے لئے تیار نہیں کیا گیا یا۔ اس وجہ سے فاء داخل کیا گیا ہے کہ مسبب پیچھے آنے والے کی طرح ہوتا ہے جس طرح جب سبب پایا جائے تو مسبب متحقق ہو جاتا ہے اور ماضی کا صیغہ اس لئے ذکر کیا کیونکہ جس چیز کا وقوع یقینی ہو وہ واقع کی طرح ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں اصل یہ ہے کہ کلام کا حقیقی معنی لیا جائے جبکہ یہ تمام تاویلات مجاز پر محمول ہیں جبکہ مجازی معنی دلیل کے بغیر جائز نہیں معتزلہ کا قول کیسے درست ہو سکتا ہے جبکہ بے شمار ایسی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 129 (التجاریہ)

احادیث ہیں جو عذاب قبر پر دلالت کرتی ہیں اس پر اسلاف کا اجماع بھی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب ایک بندے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اسے دفنانے والے واپس آتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ تو دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں۔ وہ اسے بٹھاتے ہیں۔ وہ اسے کہتے ہیں تم اس ہستی پاک یعنی حضرت محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتے تھے۔ مومن یہ کہتا ہے آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اسے کہا جائے گا جہنم میں اپنے ٹھکانے کو دیکھو، اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں جنت میں تیرا ٹھکانہ بنادیا ہے۔ وہ ان دونوں کو دیکھے گا۔ جہاں تک منافق اور کافر کا تعلق ہے اسے کہا جائے گا تم اس ہستی پاک کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ وہ کہے گا میں کچھ نہیں جانتا، میں وہی کچھ کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ تو اسے کہا جائے گا تو خود جانتا بھی نہ تھا اور تو نے پڑھا بھی نہ تھا۔ اس لئے لوہے کے گرزوں کے ساتھ مارا جائے گا۔ وہ سخت چیخے گا جن و انس کے علاوہ جو بھی ہوں گے سب اس کی چیخ و پکار کو سنیں گے (1)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ نے نماز پڑھی ہو اور عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ نہ چاہی ہو، متفق علیہ (2)۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے جب آپ کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو روتے یہاں تک کہ آپ کی داڑھی تر ہو جاتی۔ آپ سے عرض کیا گیا آپ جنت کا ذکر کرتے ہیں تو آپ نہیں روتے جبکہ قبر پر روتے ہیں۔ تو فرمایا رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے۔ اگر کوئی قبر میں نجات پا گیا تو بعد والا مرحلہ اس کے لئے آسان ہے، اگر اسے یہاں نجات نہ ملی تو بعد کا مرحلہ اس سے بھی سخت ہوگا۔ یہ بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے قبر سے زیادہ ڈراؤنی کوئی چیز نہیں دیکھی اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔(3)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قبر میں کافر پر ننانوے سانپ مسلط کر دیئے جاتے ہیں جو اسے قیامت قائم ہونے تک کاٹتے اور ڈستے رہیں گے۔ اگر ان میں سے ایک سانپ بھی زمین میں سانس لے تو زمین پر سبزہ نہ اگے۔ اسے دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (4)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ اس میں انہوں نے ننانوے کی بجائے ستر سانپوں کا ذکر کیا ہے۔ نار کی تعظیم کے لئے اسے نکرہ ذکر کیا۔ یا اس نار سے مراد جہنم کی آگ کے علاوہ اور آگ ہے۔ اغرقوا والا جملہ اپنے معطوف کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کی نافرمانی کی شکایت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا کیا۔

ع وہ کوئی بھی دوسرے کو اپنا مددگار نہیں پائے گا کیونکہ جب جمع کا مقابلہ جمع سے ہو تو وہ واحد کا واحد پر منقسم ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ احد نکرہ ہے [نفی کے تحت داخل ہے جو عموم کا معنی دیتا ہے۔ اس جملہ میں اشارہ کے ساتھ یہ بات کی گئی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو معبود بنالیا ہے جو ان کی مدد کرنے پر قادر نہیں۔

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 178 (وزارت تعلیم)
2۔ ایضاً، جلد 1 صفحہ 183
3۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 544، حدیث: 4267 (العلمیہ)
4۔ سنن الدارمی، جلد 2، صفحہ 238، حدیث: 2818 (المحاسن)

"اورنوح نے عرض کی اے میرے رب نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا۔ اگر تو نے ان میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو وہ گمراہ کردیں گے تیرے بندوں کو اور نہ جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار سخت ناشکر گزار ہوگی ۲"

۱۔ اس جملے کا عطف قال نوح رب انهم عصونی پر ہے۔ الارض سے مراد آپ کی قوم کی سرزمین ہے اور اس پر الف لام عہد خارجی کے لئے ہے۔ دیارا سے مراد کوئی گھر ہے۔ جس میں وہ لوگ رہتے ہوں۔ یہ نکرہ ہے، نفی کے تحت داخل ہے اس لئے عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے کہ یہ اصل میں دیوار تھا پہلے واؤ کو یاء سے بدلا، پھر یاء کو یاء میں ادغام کردیا۔ جس طرح سید میں ہوتا۔ یہ فعال کا وزن نہیں۔ اگر فعال کا وزن ہوتا تو پھر یہ دوار ہوتا۔

۲۔ یہ جملہ ان کے بارے میں بددعا کی علت ہے۔ وہ تیرے بندوں کو گمراہ کرنے کا ارادہ کریں گے، فاجر اور کافر جنیں گے۔ محمد بن کعب، مقاتل اور ربیع رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بددعا اپنی قوم کے خلاف کی جب ہر مومن ان کی پشتوں اور ان کی عورتوں کی رحموں سے نکالا جا چکا تھا۔ ان کے مردوں کی پشتیں عذاب سے چالیس سال پہلے یا نوے سال پہلے بانجھ ہو چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو آگاہ کیا تھا کہ اب یہ ایمان نہیں لائیں گی اور نہ ہی کسی مومن کو جنیں گی۔ عذاب کے وقت ان میں کوئی بچہ نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جب قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں غرق کردیا۔ جھٹلانے کا فعل بچوں سے ثابت نہیں ہوتا(1)۔ اس سے یہ بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ عذاب تمام زمین پر نہیں آیا تھا بلکہ صرف آپ کی قوم پر آیا تھا تاکہ بغیر جھٹلانے کے عذاب نازل ہونا لازم نہ ہو۔

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ۝۲۸

"میرے رب بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور اسے بھی جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا اور بخش دے سب مومن مردوں اور عورتوں کو اور کفار کی کسی چیز میں اضافہ نہ کر بجز ہلاکت و بربادی کے ۱۔"

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کے والد کا نام لمک بن متوشلخ تھا۔ آپ کی والدہ نام سمحاء بنت انوش تھا۔ یہ دونوں مومن تھے۔ حفص اور ہشام نے بَيْتِيَ کی یاء کو مفتوح جبکہ باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔ اس سے مراد میرا گھر ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بیتی سے مراد میری مسجد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد میری کشتی ہے جو میرے گھر میں مومن کی حیثیت سے داخل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا اس دعا کے ساتھ ابلیس آپ کی کشتی سے نکل گیا جبکہ وہ پہلے داخل ہو گیا تھا۔ مومنین اور مومنات سے مراد قیامت تک مومن ہیں۔ ظالمین سے مراد کافر ہیں۔ تبار سے مراد ہلاکت ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں حضرت نوح کی دعا قبول فرمائی۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 130 (التجاریہ)

سورۂ جن

آیاتہا ۲۸ | سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ ۷۲ | رکوعاتہا ۲

سورۂ معارج مکیہ ہے اس میں دو رکوع اور اٹھائیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾

"آپ فرمائیے میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بڑے غور سے سنا ہے (قرآن کو) جنوں کی ایک جماعت نے [1] پس انہوں نے (جاکر دوسرے جنات کو) بتایا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے، [2]"

[1] نفر کا اطلاق تین سے لے کر دس تک کے افراد پر ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ نصیبین کے جنوں میں سے نو جن تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ان کی تعداد سات تھی۔ جن ذی روح اجسام ہیں جس طرح حیوان ہوتا ہے۔ یہ ذوی العقول میں سے ہیں جس طرح انسان ذوی العقول ہیں یہ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں جن کہتے ہیں۔ یہ آگ سے پیدا کئے گئے ہیں جس طرح انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ۔ یہ مذکر بھی ہوتے ہیں اور مونث بھی۔ ان میں توالد (پیدائش) کا سلسلہ بھی جاری ہوتا ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ شیاطین بھی جنوں کی ایک قسم ہے۔ ملائکہ کا معاملہ ان سے مختلف ہے کیونکہ وہ مذکر اور مونث نہیں ہوتے۔ جنوں، شیاطین اور ملائکہ کا وجود شرع سے ثابت ہے جبکہ فلاسفہ نے جنوں کا انکار کیا ہے۔ عقول عشرہ جنہیں فلاسفہ نے ایجاد کیا ہے وہ ملائکہ میں سے نہیں کیونکہ عقول عشرہ کو فلاسفہ مجردات کہتے ہیں جبکہ ملائکہ کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ ایسے اجسام ہیں جو ذی روح ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس کلام کا سیاق تقاضا کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جنوں کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ آپ کی قرأت کے اوقات میں سے کسی وقت میں اتفاقاً حاضر ہوئے تھے۔ انہوں نے آپ کی تلاوت کو سنا۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو آپ پر وحی کی صورت میں بیان کر دیا۔ شیخین، ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنوں پر تلاوت نہیں کی تھی اور نہ ہی آپ نے ان کو دیکھا تھا۔ آپ اپنے چند صحابہ کے ساتھ عکاظ کی منڈی کی طرف جا رہے تھے۔ اس وقت شیاطین پر آسمان کی خبریں لینے پر رکاوٹ قائم کر دی گئی تھی اور انہیں شہابیے مارے گئے۔ جنوں نے کہا یہ کسی خاص سبب کی وجہ سے ہے۔ اس لئے مشرق و مغرب میں پھیل جاؤ، دیکھو کیا واقعہ ہوا۔ وہ نکل پڑے۔ جنوں کا وہ وفد جو تہامہ کی طرف گیا تھا وہ حضور ﷺ کی طرف جا نکلا جبکہ آپ نخلہ کے مقام پر لوگوں کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے قرآن حکیم کو سنا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو کہا یہی چیز تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہوئی ہے۔ تو وہ اپنی قوم کی طرف پلٹ آئے۔ تو کہا اے قوم ہم نے عجیب شان والا قرآن سنا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی پر قل اوحی والی آیت نازل فرمائی۔ (1)

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 167 (التجاریہ)

WWW.NAFSEISLAM.COM

اکثر مفسرین نے یہ کہا جب ابو طالب کا وصال ہو گیا تو حضور ﷺ اکیلے طائف تشریف لے گئے تا کہ ثقیف سے مدد اور حمایت حاصل کریں۔ محمد بن اسحاق نے یزید بن زیاد رحمہما اللہ تعالیٰ سے انہوں نے محمد قرظی رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ طائف پہنچے تو بنی ثقیف کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے۔ ان دنوں وہی لوگ بنی ثقیف کے سردار اور معززین شمار ہوتے تھے۔ وہ تین بھائی تھے۔ عبد یالیل مسعود اور حبیب جو عمیر کے بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک کے عقد میں قریش کے خاندان بنی جمح کی ایک عورت بھی تھی۔ آپ ان کے پاس بیٹھ گئے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور جس مقصد کے لئے آپ تشریف لائے کہ وہ اسلام کی مدد کریں اور آپ کی قوم کے مخالفین کے خلاف آپ کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں۔ ان میں سے ایک نے کہا اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے تو وہ بیت اللہ شریف کا غلاف لباس بنائے گا۔ دوسرے نے کہا کیا اللہ تعالیٰ کو تیرے سوا کوئی اور نہیں ملا تھا جسے وہ اپنا رسول بناتا۔ تیسرے نے کہا اللہ کی قسم میں تجھ سے کبھی کلام نہیں کروں گا، اگر تم اللہ کے رسول ہو جس طرح تم کہتے ہو تو تم اس امر سے عظیم ہو کہ میں تجھ سے کلام کروں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہو تو مجھے آپ سے کلام کرنا اچھا نہیں لگتا۔ رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ثقیف کی طرف سے کسی بھلائی سے مطلقاً مایوس ہو چکے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا جو کچھ تم نے کیا وہ کیا، اسے مخفی رکھنا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ ناپسند کیا کہ یہ خبر آپ کی قوم تک پہنچے کیونکہ یہ ان کی بے باکی میں اضافہ کر دے گی۔ انہوں نے ایسا نہ کیا۔ انہوں نے قوم کے بے وقوفوں اور اپنے غلاموں کو اس بات پر برانگیختہ کیا کہ وہ آپ کو گالیاں دیں اور آپ پر آوازے کسیں یہاں تک کہ بہت سارے لوگ جمع ہو گئے اور آپ کو ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا جو عتبہ اور شیبہ کی ملکیت تھا جو ربیعہ کے بیٹے تھے۔ وہ دونوں اس وقت وہاں موجود تھے۔ بنو ثقیف کے سفہاء اور دوسرے لوگ واپس چلے گئے۔ آپ نے انگور کے درخت کے سایہ کا قصد کیا۔ اس کے سایہ میں بیٹھ گئے جبکہ ربیعہ کے دونوں بیٹے آپ کو دیکھ رہے تھے اور بنو ثقیف کے بے وقوفوں سے جو آپ کو تکلیف پہنچی تھی۔ وہ بھی سب اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ حضور ﷺ بنی جمح کی اس عورت سے بھی ملے تھے اور اس کے سسرالی رشتہ داروں کے رویہ کی بھی شکایت کی تھی۔ جب حضور ﷺ مطمئن ہو گئے تو عرض کی اے اللہ میں اپنی قوت کی کمزوری، تدبیر کی کمی اور لوگوں پر اپنے ضعیف ہونے کی تیری بارگاہ اقدس میں شکایت کرتا ہوں۔ تو ارحم الراحمین ہے، تو کمزوروں کا رب ہے، تو میرا بھی رب ہے، تو مجھے کس کے سپرد کر رہا ہے؟ کیا کسی اجنبی کے سپرد کر رہا ہے جو میرے ساتھ ترش روئی سے پیش آئے یا دشمن کے سپرد کر رہا ہے؟ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ تیری عافیت میرے لئے کافی ہے۔ میں تیرے چہرے کے نور کی پناہ چاہتا ہوں جس کے باعث تاریکیاں چھٹ گئیں اور دنیا و آخرت کے امور درست ہو گئے اس سے کہ تیری ناراضگی مجھ پر آئے یا تیرا غضب مجھ پر نازل ہو۔ تجھے ناراض ہونے کا حق ہے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِکَ۔

جب ربیعہ کے بیٹوں نے یہ منظر دیکھا تو رحمت کے جذبات آپ کے لئے متحرک ہوئے۔ انہوں نے اپنے نصرانی غلام کو بلایا جس کا نام عداس تھا۔ اس سے کہا انگور کا ایک گچھا لو، اس برتن میں رکھو، پھر اسے اس آدمی کے پاس لے جاؤ، اسے کہو کہ وہ اسے کھالے۔ عداس نے اسی طرح کیا پھر اسے لایا اور آپ کے سامنے رکھ دیا جب وہ رکھ چکا تو حضور ﷺ نے کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور کہا بسم اللہ، پھر اسے کھایا۔ عداس آپ کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا اللہ کی قسم یہ کلام یہاں کے لوگ نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کس علاقہ کے رہنے والے ہو اے عداس اور تمہارا دین کیا ہے؟ تو عداس نے جواب دیا میں نصرانی ہوں اور نینویٰ کا رہنے والا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا اس شہر کا رہنے والا ہے جو حضرت یونس بن متی علیہ السلام کا شہر تھا تو عداس نے پوچھا آپ کو یونس بن متی کے بارے میں کس نے بتایا؟ حضور ﷺ نے فرمایا وہ میرا بھائی تھا، نبی تھا، میں بھی نبی ہوں۔ عداس آپ پر جھک گیا، آپ کے سر، ہاتھ اور قدم چومے۔ ربیعہ کے دونوں بیٹوں نے ایک دوسرے سے کہا تیرے غلام کو بھی اس نے خراب کر دیا۔ جب عداس اپنے مالکوں کے پاس گیا تو دونوں نے اس سے کہا تو ہلاک ہو، تو کس لئے اس آدمی کو، اس کے ہاتھ اور پاؤں چوم رہا تھا؟ تو عداس نے کہا اے میرے آقا روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی انسان نہیں، اس نے مجھے ایسی باتوں کے بارے میں بتایا ہے جنہیں نبی کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ مالکوں نے اسے کہا اے عداس تو ہلاک ہو، وہ تجھے تیرے دین سے پھیر نہ دے کیونکہ تیرا دین اس کے دین سے بہت بہتر ہے۔ جب آپ ﷺ طائف کی بھلائی سے مایوس ہو گئے تو آپ مکہ مکرمہ لوٹ آئے۔ واپسی پر نخلہ کے مقام پر قیام کیا۔ رات کو نماز پڑھ رہے تھے کہ نصیبین کے جنوں کا وہاں سے گزر ہوا تو انہوں نے قرآن حکیم سنا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو یہ اپنی قوم کی طرف پلٹے تا کہ انہیں خبردار کریں جبکہ یہ ایمان لا چکے تھے اور جو سنا تھا اس کو تسلیم کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ سے حضور ﷺ کو باخبر کیا۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصفوۃ میں اپنی سند سے سہل بن عبداللہ سے نقل کیا ہے میں زراع کے علاقہ میں تھا کہ میں نے ایک ایسا شہر دیکھا جو پہاڑ کو کھود کر بنایا گیا تھا۔ اس کے درمیان پتھر کا بنا ہوا محل تھا جس میں جن رہتے تھے۔ میں اس میں داخل ہوا تو وہاں ایک عظیم الجثہ شیخ کعبہ کی طرف منہ کئے نماز پڑھ رہا تھا۔ اس پر اون کا ایک جبہ تھا جس میں بڑی صفائی تھی۔ میں اس کے عظیم الجثہ ہونے سے اتنا متعجب نہیں ہوا جتنا متعجب اس کے جبہ کی صفائی سے ہوا تھا۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے مجھے سلام کا جواب دیا۔ اس نے کہا اے سہل بدن کپڑوں کو بوسیدہ نہیں کرتے گناہوں کی بدبو اور حرام خوری اسے بوسیدہ کرتی ہے۔ یہ جبہ سات سو سال سے میں نے زیب تن کیا ہوا ہے۔ اسی میں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ سے ملا تھا۔ میں ان دونوں پر ایمان لایا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا میں ان میں سے ہوں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک جماعت نے کہا رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ جنوں کو ڈرائیں اور اللہ کی طرف دعوت دیں، انہیں قرآن پڑھ کر سنائیں۔ نینوی کے جنوں کی ایک جماعت آپ کے پاس آئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ آج رات میں جنوں کو قرآن سناؤں، تم میں سے کون میرے ساتھ جائے گا تو صحابہ نے اپنے سر جھکا لئے۔ پھر آپ نے ساتھ چلنے کو کہا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ساتھ ہو لئے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہمارے ساتھ کوئی اور نہ تھا۔ ہم چلتے رہے یہاں تک کہ بالائی مکہ میں پہنچے تو حضور ﷺ ایک گھاٹی میں داخل ہو گئے جسے شعب حجون کہتے ہیں آپ نے میرے لئے ایک خط کھینچا۔ پھر آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس میں بیٹھ جاؤں۔ آپ نے فرمایا جب تک میں تیرے پاس واپس نہ آؤں اس سے نہ نکلنا۔ پھر آپ چلے گئے یہاں تک کہ کھڑے ہو کر قرآن پڑھنے لگے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ گدھوں جیسے جانور اتر رہے ہیں۔ میں نے سخت شور و غل بھی سنا مجھے حضور ﷺ کے بارے میں خوف ہوا۔ پھر سیاہ پرچھائیاں سی چھا گئیں جو میرے اور آپ ﷺ کے درمیان حائل ہو گئیں یہاں تک کہ میں آپ کی آواز نہیں سن سکتا تھا۔ پھر جس طرح بادل بکھرتے ہیں وہ پرچھائیاں ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگیں۔ حضور ﷺ فجر کی نماز کے وقت فارغ ہوئے تو آپ میرے پاس تشریف لائے۔ آپ نے پوچھا کیا تو سو گیا تھا؟ میں نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم میں نے کئی دفعہ ارادہ کیا کہ لوگوں سے مدد طلب کروں یہاں تک کہ میں آپ کی آواز سنتا کہ آپ اپنے عصا کو کھٹکھٹاتے اور فرماتے بیٹھ جاؤ۔ فرمایا اگر

آپ اس دائرے سے باہر آتے تو مجھے خوف تھا کہ ان میں سے کوئی تجھے اچک لیتا، پھر آپ نے فرمایا کیا تو نے کوئی چیز دیکھی ہے؟ میں نے عرض کی ہاں میں نے ایسے سیاہ رنگ کے لوگ دیکھے تھے جن پر سفید کپڑے تھے۔ آپ نے فرمایا وہی نصیبین کے جن تھے۔ انہوں نے مجھ سے زادراہ کے بارے میں پوچھا تھا تو میں نے ان کے لئے موٹی ہڈی، لید اور مینگنیاں معین کردی ہیں۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ لوگ اسے آلودہ کردیتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ہڈی اور گوبر وغیرہ سے استنجاء کرنے سے منع کردیا۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ یہ انہیں کیا فائدہ دے گا۔ فرمایا وہ کوئی ہڈی نہیں پائیں گے مگر اس پر گوشت ملے گا۔ وہ گوبر نہیں پائیں گے مگر اس سے وہ دانے پائیں گے جن سے گوبر بنتا ہے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں نے بہت زیادہ شور وغل سنا تھا۔ فرمایا جنوں میں ایک مقتول کے بارے میں جھگڑا تھا۔ انہوں نے میرے سامنے اپنا مسئلہ پیش کیا۔ میں نے ان میں حق کے ساتھ فیصلہ کردیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا پھر رسول اللہ ﷺ ظاہر ہوئے۔ پھر میرے پاس تشریف لائے، فرمایا کیا تیرے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میرے پاس برتن میں نبیذ ہے۔ آپ نے وہی طلب کی۔ میں نے آپ کے ہاتھوں پر اسے انڈیلا۔ آپ نے وضو کیا، فرمایا یہ عمدہ کھجور ہے اور پاک کرنے والا پانی ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ ہمیں اسماعیل بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے داؤد رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے عامر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہا میں نے علقمہ سے سوال کیا کہ کیا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ لیلۃ الجن کو حضور ﷺ کے ساتھ تھے؟ تو علقمہ نے کہا میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا کہ کیا لیلۃ الجن کو تم میں سے کوئی حضور ﷺ کے ساتھ تھا تو کہا ہم ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ آپ ہمارے درمیان سے اٹھ کر تشریف لے گئے۔ ہم نے آپ کو وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کیا۔ ہم نے کہا آپ کو کوئی چیز اڑا کرلے گئی ہے یا آپ کے ساتھ کوئی دھوکہ ہوگیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا وہ رات مسلمانوں کے لئے بدترین رات تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا جنوں کا داعی میرے پاس آیا۔ میں اس کے ساتھ گیا تھا۔ میں نے ان پر قرآن پڑھا۔ پھر حضور ﷺ ہمیں ساتھ لے کر گئے اور ہمیں جنوں اور آگ کے آثار دکھائے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جنوں نے حضور ﷺ سے اپنی خوراک کے بارے میں پوچھا۔ یہ جزیرہ کے جن تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے ہر وہ ہڈی خوراک ہے، جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ وہ ہڈی تمہارے ہاتھ لگے تو اس میں تمہارے لئے گوشت ہوگا اور یہ مینگنیاں تمہارے جانوروں کے لئے چارہ ہوں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان دونوں چیزوں کے ساتھ استنجانہ کرو کیونکہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے جاٹ قوم کے لوگوں کو دیکھا تو کہا کہ لیلۃ الجن کو میں نے جن جنوں کو دیکھا تھا یہ ان کے مشابہ ہیں۔

میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ جنوں نے نبی کریم ﷺ سے قرآن اس وقت سنا تھا جب آپ ﷺ عکاظ کی منڈی میں جارہے تھے اور طائف سے واپس آرہے تھے۔ یہ پہلا واقعہ تھا۔ اسی کا ذکر قل اوحی الی میں ہوا ہے۔ جہاں تک لیلۃ الجن جس کا ذکر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا وہ اس کے بعد کا واقعہ ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ احقاف کی تفسیر میں کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نخلہ کے مقام پر جب جنوں نے حضور ﷺ سے قرآن کو سنا تو ان میں سے ایک جماعت نے ایمان قبول کرلیا۔ پھر اپنی قوم کی طرف پلٹ گئے اور انہیں خبردار کیا تو ان کی دعوت کی وجہ سے ستر جن حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے

اور بطحاء میں آپ سے ملاقات ہوئی۔ حضور ﷺ نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا انہیں کچھ چیزوں کا حکم دیا اور کچھ چیزوں سے انہیں منع کیا۔ خفاجی نے ذکر کیا ہے کہ یہ احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ جنوں کے وفد چھ دفعہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نیز اس امر پر بھی دلالت موجود ہے کہ حضور ﷺ جنوں اور انسانوں کی سرف مبعوث کئے گئے تھے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضور ﷺ سے پہلے کوئی بھی نبی جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا تھا(1) واللہ اعلم۔

۲۔ جب وہ جماعت اپنی قوم کی طرف لوٹی تو کہا ہم نے ایسا کلام سنا ہے جو انوکھا ہے اور مخلوق کی کلام سے مختلف ہے۔ عجبا مصدر ہے اور مبالغہ کے لئے مصدر کے ساتھ قرآن کی صفت ذکر کی گئی ہے۔

يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾

''راہ دکھاتا ہے ہدایت کی پس ہم (دل سے) ایمان لے آئے اور ہم ہرگز شریک نہیں بنائیں گے کسی کو اپنے رب کا''

۱۔ رشد کا معنی حق اور صواب ہے۔ یہاں اس سے مراد توحید اور احسان ہے عقل اور دلیل بھی اسی کا تقاضا کرتے ہیں۔ یہ جملہ قرآن کی دوسری صفت ہے۔ بہ میں ضمیر سے مراد قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شرک سے کیونکر منع کیا ہے۔ اس لئے ہم مخلوقات میں سے کسی کو بھی اس کا شریک نہیں ٹھہراتے۔

وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾

''اور بے شک ۱؎ اعلیٰ وارفع ہے ہمارے رب کی شان ۲؎ نہ اس نے کسی کو اپنی بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا ۳؎''

۱۔ ہ ضمیر گزشتہ آیت میں لفظ رب کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یا یہ ضمیر شان ہے۔ نافع، ابن کثیر، ابوعمرو اور شعبہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ انَّهٗ پڑھا ہے۔ اس کا عطف قالوا کے مقولہ پر ہے، یعنی انا سمعنا پر اس کا عطف ہے اور انا منا المسلمون تک گیارہ مواقع پر یہ اسی طرح ہے۔ یہ امر تو ظاہر ہے تاہم آیت وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ میں متکلم کے صیغہ سے غائب کے صیغہ کی طرف التفات ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان وانھم ظنوا کی ظننتم میں غائب کے صیغہ سے خطاب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔ ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ نے تین مواقع پر اَن کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ وہ انه استمع نفر من الجن، انه تعالی جد ربنا اور انھم ظنوا کیونکہ یہ ان باتوں میں سے ہیں جو حضور ﷺ کی طرف وحی کی گئیں۔ باقی جو مواقع ہیں وہاں اِنَّ پڑھا ہے کیونکہ ان کا تعلق قول کے ساتھ ہے۔ ابن عامر، حفص، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے تمام مواقع پر اَنَّ پڑھا ہے۔ مفسرین نے ان قراتوں کی توجیہ میں کہا کہ ان کا عطف انه استمع پر ہے جبکہ یہ صرف تین مواقع میں درست ہے جس کا ذکر ابوجعفر رضی اللہ عنہ نے کیا باقی میں درست نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ان کا عطف امنا به کے جار مجرور کے محل پر ہے، یعنی ہم نے تصدیق کی کہ ہمارے رب کی عظمت عظیم ہے۔ یہ بھی بعض مواقع پر درست ہے جس طرح ظاہر ہے۔ اگر یہ متواتر قراتیں نہ ہوتیں تو ہمیں ان کی توجیہ کے تکلفات کی ضرورت نہ ہوتی۔ لیکن یہ متواتر ہیں اس لئے یہ تکلف ضروری ہے۔

۲۔ تعلی جد ربنا یہ جملہ انّ کی خبر ہے۔ اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے۔ مقصود اس کی ربوبیت کی وضاحت ہے کیونکہ اس کی ربوبیت تقاضا کرتی ہے کہ اس کی عظمت اور شان جن کی وہ پرورش کر رہا ہے ان سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ یہاں جد سے مراد اس کا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 42-140 (التجاریہ)

جلال اور عظمت ہے۔ مجاہد، عکرمہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ اسی سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب کوئی آدمی سورۂ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تو اس کی قدر ہم میں بڑھ جاتی۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جد کا معنی امر ہے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی غناء ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس کا معنی قدرت ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی فعل ہے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر نعمتیں ہیں۔ اخفش رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جد کا معنی ملک ہے۔ (1)

۳۔ یہ خبر کے بعد خبر ہے گویا یہ اس کی تاکید اور اس کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت کسی کو بیوی بنانے اور بیٹا بنانے سے بلند و بالا ہے جس طرح ان لوگوں کی شان ہے جن کی پرورش کی جارہی ہے۔ گویا انہوں نے قرآن حکیم کا ایک ایسا حصہ سنا جس نے انہیں ان کی ایسی خطاء پر آگاہ کیا جس کا عقیدہ میں وہ ارتکاب کرتے تھے جیسے عبادت میں شرک، بیوی اور بچے کو اس کی طرف منسوب کرنا۔

وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ

"اور (یہ راز بھی کھل گیا کہ) ہمارے احمق اللہ کے بارے میں ناروا باتیں کہتے رہے ۱۔ اور ہم تو یہ خیال کئے ہوئے تھے کہ انسان اور جن اللہ کے بارے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے ۲۔"

۱۔ سفیہ سے مراد جاہل ہے۔ قتادہ اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس سے مراد ابلیس ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد سرکش جن ہے۔ شططا ترکیب کلام میں قولا مصدر محذوف کی صفت ہو کر مفعول مطلق ہے۔ اس کا معنی دوری ہے یعنی ایسی بات کی جو اللہ تعالیٰ کی شان سے بہت ہی بعید ہے۔ یا اس کا معنی حکم میں ناانصافی کرنا اور حد سے تجاوز کرنا ہے۔ قاموس میں ہے شط علیه فی حکم یعنی اس پر ظلم کیا مقدار اور حد سے تجاوز کیا اور حق سے دور ہوا، یعنی سفیہ اللہ تعالیٰ پر ناحق بات کرتا۔ ناحق فیصلہ کرتا یہاں اس سے مراد بیوی اور بچے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا ہے۔

۲۔ سفیہ کی جو وہ پیروی کرتے رہے اس پر معذرت کر رہے ہیں کیونکہ جن یہ گمان کرتے تھے کہ ان کا سردار اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں بولے گا۔ کذبا یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ جھوٹ بھی قول کی قسم ہے۔ یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے اور یہ تقول کا مقولہ ہے۔ یا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے اور کذبا اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے باب تفعل سے تقوّل پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ مفعول مطلق ہوگا کیونکہ تقول کا معنی جھوٹ ہوتا ہے۔ ظننا کے بعد ان مصدریہ ہے یا مخففہ ہے۔ دونوں آیتوں کا معنی یہ ہوگا کہ ہمیں یقین ہوگیا کہ ہمارے سردار کی بات حق سے دور ہے اور وہ حکم میں ظلم کرنے والا ہے اور ہم جو یہ گمان کرتے تھے کہ جن جھوٹ نہیں بولتا وہ باطل تھا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضور علیہ السلام کی بعثت سے قبل جن آسمان میں ایسی جگہوں پر بیٹھتے جہاں سے وہ فرشتوں کی آوازیں سن لیتے وہ فرشتوں کی تسبیح اور دوسرے کلام کو سننے کے باوجود ان کے اپنے سردار کی اتباع اور ان کے اس گمان کی کیا توجیہ ہوسکتی ہے کہ جن اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں بول سکتا۔ وہ اکثر فرشتوں کا کلام سنتے رہے اور ایمان نہ لائے جبکہ انہوں نے ایک دفعہ حضور علیہ السلام سے قرآن حکیم سنا تو ایمان لے آئے، اس کی کیا توجیہ ہوگی۔ میں اس کا جواب یہ دوں گا ایمان وہبی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اس عطیہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 132 (التجاریہ)

خداوندی کا حصول واسطہ سے ہی ممکن ہے جو واسطہ اپنی عظیم الشان استعداد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناسبت معنویہ رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ سے فیض کو حاصل کرے اور مخلوقات کے ساتھ صوری مناسبت کی وجہ سے مخلوقات پر اس کا فیضان کرے یہ واسطہ انبیاء ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ معنوی مناسبت ہے کیونکہ انبیاء کے تعین کا مبداء اور مربی اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ ہیں۔ نیز انبیاء کو نزول کے مراتب میں کمال کی وجہ سے مخلوقات کے ساتھ صوری مناسبت ہوتی ہے۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو فرشتوں جیسی مناسبت حاصل ہے مگر انہیں مخلوقات کے ساتھ مناسبت نہیں کیونکہ وہ بہت بلند ہیں اور انہیں نزول کے مراتب حاصل نہیں۔ اسی وجہ سے جن ان سے متاثر نہ ہوتے فرشتوں سے اگرچہ انہوں نے ہدایت کے کلمات سنے پھر بھی ایمان نہ لائے کیونکہ انہیں سرکش جنوں اور شیاطین کے ساتھ کامل مناسبت تھی۔ اس لئے ان سے متاثر ہوتے۔ اسی طرح لوگ ان انبیاء سے متاثر نہ ہوتے جو نزول کے مراتب میں کمال پر فائز نہ تھے جبکہ حضور ﷺ سے لوگ متاثر ہوتے کیونکہ آپ بنیادی اور تبعی کمالات کی طرف دعوت دینے والے تھے۔ نیز آپ عروج ونزول کے درجات کو جامع تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا بلکہ جن وانس سب کی طرف مبعوث کیا۔ اسی وجہ سے آپ کی ہدایت کے نور سے تمام جہانوں نے نور حاصل کیا اور آپ کی ہدایت کی ضو سے جمہور مکلفین نے ضیاء پائی۔ صرف وہی محروم رہا جس کے دل اور کانوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جس میں ہدایت قبول کرنے کی استعداد ہی پیدا نہ فرمائی ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کے بعد کون ہدایت عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی جس کے حق میں چاہتا ہے اسے صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا یہی معنی ہے کہ لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اس لئے قبول نہ کی کیونکہ آپ ﷺ مرتبہ عروج کے کمال پر فائز تھے اور آپ کی امت آپ سے مناسب نہ رکھتی تھی جبکہ حضور ﷺ کی دعوت کو لوگوں نے قبول کیا کیونکہ آپ عروج اور نزول دونوں کے مرتبہ کمال پر فائز تھے۔

وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۟

"اور یہ کہ انسانوں میں سے چند مرد پناہ لینے لگے جنات میں سے چند مردوں کی پس انہوں نے بڑھا دیا جنوں کے غرور کو۔"

انہ ضمیر ضمیر شان ہے۔ ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابن ابی شیخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کردم بن سائب انصاری سے نقل کیا ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ ایک کام کے لئے مدینہ کی طرف نکلا۔ یہ وہ وقت تھا جس میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہو رہا تھا۔ ہمیں ایک چرواہے کے پاس رات گزارنا پڑی۔ جب نصف رات ہوئی تو ایک بھیڑیا آیا۔ اس نے ایک مینا پکڑ لیا۔ چرواہا اس پر جھپٹ پڑا۔ اس نے کہا اے وادی کے مالک یہ تیری پناہ میں تھا۔ کسی ندا کرنے والے نے ندا کی جسے ہم نہیں دیکھ رہے تھے اے سرحان (بھیڑیئے) اسے چھوڑ دو۔ میمنہ دوڑتا ہوا آیا یہاں تک کہ ریوڑ میں داخل ہو گیا اور اسے خراش تک نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ میں اپنے رسول پر اس بارے میں اس آیت کو نازل فرمایا(1)۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ابو رجاء عطاردی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی جب کہ میں گھر والوں کی بکریاں چراتا اور ان کے دوسرے کام سرانجام دیتا۔ اسی زمانہ میں ہم گھر سے بھاگ کر نکل کھڑے ہوئے۔ ہم بے آباد جگہ پہنچے۔ جب ہمیں ایسی جگہ رات ہو جاتی تو ہمارا شیخ کہتا ہم اس وادی کے جنوں کے سردار کی پناہ مانگتے ہیں۔ تو اس نے اسی طرح کہا تو ہمیں (غیب سے) کہا گیا اس آدمی کی پناہ کا راستہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا ہے جس نے اس کا اقرار کیا اس

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 132 (التجاریہ)

کی جان اور مال محفوظ ہو گیا (یہ سن کر) ہم اسلام کی طرف لوٹ آئے۔ ابو رجاء نے کہا میرا خیال تو یہ ہے کہ یہ آیت میرے اور میرے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ جزائطی نے اپنی کتاب ہواتف الجن میں اپنی سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے نقل کیا کہ بنو تمیم کا ایک آدمی جسے رافع بن عمیر کہتے۔ وہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتا کہ ایک رات میں عالج کے ریگستان میں سفر کر رہا تھا کہ مجھے نیند آ گئی۔ میں اپنی سواری سے نیچے اترا۔ اونٹنی کو بٹھایا اور خود سو گیا۔ میں نے سونے سے پہلے تعوذ پڑھا۔ میں نے کہا میں اس وادی کے بڑے جن کی پناہ چاہتا ہوں۔ میں نے خواب میں ایک آدمی کو دیکھا جس کے ہاتھ میں برچھا تھا جو میری اونٹنی کی گردن میں مارنا چاہتا تھا۔ میں گھبرا کر جاگ گیا۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا مگر کوئی چیز نہ دیکھی۔ میں نے کہا یہ برا خواب ہے۔ پھر سو گیا تو میں نے پھر اسی طرح ایک آدمی دیکھا۔ میں جاگ گیا میں نے اپنی اونٹنی کے اردگرد چکر لگایا مگر کوئی چیز نہ دیکھی۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ میری اونٹنی کانپ رہی ہے۔ میں پھر سو گیا۔ پھر وہی خواب دیکھتا ہوں۔ میں جاگ جاتا ہوں اور اپنی اونٹنی کو کانپتا ہوا دیکھتا ہوں۔ میں مڑتا ہوں تو ایک نوجوان دیکھتا ہوں جس کی شکل وصورت ایسی ہی تھی جیسا آدمی میں نے خواب میں دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں برچھا تھا اور ایک بوڑھا شخص اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا جو اسے برچھا مارنے سے روک رہا تھا۔ اسی اثناء میں کہ وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے تین جنگلی بیل اس طرف آ نکلے۔ بوڑھے نے نوجوان سے کہا اٹھو اور ان میں سے جو چاہو پکڑ لو۔ وہ اس آدمی کی اونٹنی کا فدیہ ہوگا۔ وہ نوجوان اٹھا اور بڑا بیل پکڑ لیا اور چلا گیا۔ پھر بوڑھا میری طرف متوجہ ہوا اور کہا اے فلاں جب تم کسی وادی میں اترو اور تمہیں اس سے خوف لاحق ہو تو یہ کہو اَعُوْذُ بِرَبِّ مُحَمَّدٍ مِنْ هَوْلِ هٰذَا الْوَادِیْ میں اس وادی کے خوف سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جو حضور ﷺ کا رب ہے، کسی جن کی پناہ طلب نہ کرو کیونکہ اب اس کا معاملہ باطل ہو چکا ہے۔ میں نے پوچھا محمد کون ہے؟ تو اس بوڑھے نے جواب دیا وہ نبی عربی ہے نہ شرقی ہے نہ غربی، اسے پیر کے روز مبعوث کیا گیا۔ میں نے پوچھا اس کی رہائش کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا یثرب جو کھجوروں والا شہر ہے۔ جب صبح ہوئی تو میں اپنی سواری پر سوار ہو گیا۔ میں تیز رفتاری سے چلا یہاں تک کہ مدینہ طیبہ پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا۔ آپ نے میرے بتانے سے پہلے ہی سارا واقعہ ذکر کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے اسلام کی دعوت دی تو میں نے اسلام قبول کر لیا۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم یہی خیال کرتے تھے یہ آیت کریمہ اسی کے بارے میں نازل ہوئی (2)۔ انسانوں نے جنوں کے سرداروں سے پناہ چاہنے کے ساتھ انہیں زیادہ گناہ گار بنا دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا رھقا کا معنی گناہ ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی سرکشی ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی گمراہی ہے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی برائی ہے۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی عظمت ہے۔ اسی وجہ سے جن کہا کرتے تھے کہ ہم جنوں اور انسانوں کے سردار بن گئے (3)۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ جنوں نے انسانوں کی گمراہی میں اضافہ کر دیا اس طرح کہ انسانوں کو اتنا گمراہ کیا کہ لوگ جنوں کی پناہ چاہنے لگے۔ رھق کا معنی کسی چیز کو ڈھانپ لینا ہے یہاں اس سے ممنوع اعمال اور گناہ کا ارتکاب کرنا ہے اس جملہ میں ان کا یہ اعتراف موجود ہے کہ ان کا عقیدہ غلط ہے۔

وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾

"اور ان انسانوں نے بھی یہی گمان کیا جیسے تم گمان کرتے ہو کہ اللہ کسی کو رسول بنا کر مبعوث نہیں کرے گا۔"

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 431 (العلمیۃ) 2۔ ایضاً، صفحہ 432 3۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 133 (التجاریۃ)

لے ھم ضمیر سے مراد انسان ہیں، یعنی انسانوں نے اسی طرح گمان کیا جس طرح اے جنو! تم نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد کسی کو دوبارہ نہیں اٹھائے گا ان لن یبعث یہ دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ پہلے وہ ظن فاسد رکھتے تھے مگر قرآن کے نازل ہونے کے بعد وہ غیب پر ایمان لے آئے تو اے جنو! تم بھی قیامت پر اسی طرح ایمان لے آؤ جس طرح وہ ایمان لائے ہیں۔ یہ جنوں نے ایک دوسرے سے کلام کی۔ یہ تاویل اس صورت میں ہوگی جب ہم انھم کے ہمزہ کو مکسور پڑھیں گے مگر جب اس کے ہمزہ پر فتحہ پڑھیں تو یہ جملہ اور ماقبل جملہ جملہ معترضہ ہوں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام ہوگا اور ان کا عطف انه استمع پر ہوگا۔ اس تقدیر کی صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جنوں نے اسی طرح گمان کیا جس طرح اے کفار تم نے گمان کیا کہ قیامت برپا نہ ہوگی۔ جب قرآن نازل ہوا اور جنوں نے سنا تو وہ قیامت پر ایمان لے آئے تو اے کفار تم پر لازم ہے کہ جس طرح وہ ایمان لائے تم بھی یمان لاؤ۔

وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا ۙ﴿۸﴾

''اور (سنو) ہم نے ٹٹولنا چاہا آسمان کو تو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شہابوں سے بھرا پایا لے''

لے ہم نے حضور ﷺ کی بعثت کے بعد آسمان تک پہنچنا چاہا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں سماء سے مراد بادل ہیں کیونکہ سماء کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو تیرے اوپر ہو۔ اس تاویل پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ فرشتے بادل میں اترتے ہیں اور آسمان میں جس امر کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے اس کا ذکر کرتے ہیں تو شیاطین ان باتوں کو چوری چھپے سن لیتے ہیں۔ پھر ان باتوں کو کاہنوں تک پہنچاتے ہیں جو ان باتوں کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ اسے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے روایت کیا(1)۔ اگر یہ کہا جائے کہ بعض روایات میں ایسے الفاظ واقع ہوئے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں السماء سے مراد آسمان ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی بات کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے پر ہلاتے ہیں تو ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جس طرح چٹان پر زنجیر لگنے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ جب کلام ختم ہو جاتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا ارشاد فرمایا تو دوسرے فرشتے کہتے ہیں اس نے جو کہا حق کہا ہے جبکہ وہ بلند اور بڑا ہے۔ چوری چھپے سننے والے اسے سن لیتے ہیں۔ اسی طرح بعض بعض کو یہ کلام پہنچاتے ہیں۔ ان کا یہ عمل اس لئے تھا تا کہ وہ اللہ کا حکم سن لیں۔ چوری چھپے سننے والا پھر اسے نیچے والے پر القاء کرتا ہے یہاں تک کہ آخر میں جادوگر یا کاہن پر القاء کرتا ہے، کبھی القاء کرنے سے پہلے اوپر والے کو شہابیہ آ پہنچتا ہے اور کبھی شہابیہ پہنچنے سے پہلے وہ القاء کر دیتا ہے تو وہ ساتھ سو جھوٹ ملا دیتا ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔(2)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے جب ہمارا رب کوئی حکم دیتا ہے تو عرش کو اٹھانے والے فرشتے اس کی تسبیح کرتے ہیں پھر عرش کے ساتھ والے آسمان کے فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ تسبیح آسمان دنیا تک آ پہنچتی ہے۔ پھر عرش اٹھانے والے پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا حکم دیا ہے تو دوسرے فرشتے انہیں بتاتے ہیں۔ پھر ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں سے پوچھتے ہیں یہاں تک کہ یہ بات آسمان دنیا تک آ پہنچتی ہے تو جن ان باتوں کو اچک لیتے ہیں۔ تو وہ اپنے چیلوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ جو بات وہ اس خبر کے مطابق کریں وہ سچی ہوتی ہے لیکن وہ اس میں اضافہ اور مبالغہ کرتے ہیں۔ اسے امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(3)۔ ہم کہتے ہیں ان دونوں حدیثوں اور جو احادیث ان کے ہم معنی ہیں ان میں ایسی کوئی دلیل

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 456 (وزارت تعلیم)　2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 682　3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 233 (قدیمی)

نہیں کہ جن آسمان دنیا سے خبر لیتے ہیں۔ اس کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ خبر آسمان دنیا تک پہنچی ہو۔ پھر آسمان دنیا والے بادل تک اترتے ہوں اور آسمان میں جو فیصلہ ہوا ہو اس کا ذکر کرتے ہوں تو چوری چھپے سننے والے جن اس خبر کو سن لیتے ہوں اور جنوں میں سے بعض بعض سے اوپر ہوتے ہوں اور بادل تک ان کی قطار ہوتی ہو اس طرح آسمان کے ستاروں کے شہابیے انہیں آلیتے ہوں۔

فوجدناھا میں ھا ضمیر سے مراد السماء (آسمان) ہے۔ حرسا اسم جمع ہے جس طرح خدم اسم جمع ہے۔ حرسا کا معنی نگہبان ہے۔ شدید کا معنی قوی ہے، یعنی طاقتور فرشتے انہیں سننے سے روکتے ہیں۔ شھب شھاب کی جمع ہے۔ یہ آگ کا شعلہ ہے جو ستاروں سے الگ ہوتا ہے۔

وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ وَّ اَنَّا لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ﴿۱۰﴾

"اور پہلے تو ہم بیٹھ جایا کرتے تھے اس کے بعض مقامات پر سننے کے لئے لیکن اب جو (جن) سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لئے کسی شہاب کو انتظار میں [1] اور ہم نہیں سمجھتے (اس کی کیا وجہ ہے) کیا کسی شر کا ارادہ کیا جا رہا ہے زمین کے مکینوں کے بارے میں یا ان کے رب نے ان کو ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا ہے [2]"

[1] ھا ضمیر السماء کی طرف لوٹ رہی ہے جس سے مراد بادل ہیں یہ مقاعد سے حال ہے کیونکہ ذوالحال نکرہ ہے۔ اس لئے حال مقدم ہے۔ مقاعد سے مراد ایسی جگہیں ہیں جو نگہبانوں اور شہابیوں سے خالی ہیں جو تاڑنے اور سننے کے مناسب ہیں۔ یہ نقعد کی ظرف ہے۔ للسمع یہ نقعد کے متعلق ہے یا یہ مقاعد کی صفت ہے۔ جو حضور ﷺ کی بعثت کے بعد سننے کی کوشش کرے گا وہ اپنے لئے تاڑنے والا شہابیہ پائے گا اور رجم کے ذریعے اسے منع کردے گا۔ رصد یا تو مصدر ہے اور اسم فاعل کے معنی میں ہو کر شہاب کی صفت ہے یا یہ راصد سے اسم جمع ہے اور شہاب سے پہلے ذوی کا لفظ محذوف ہے۔ یہ جنوں کے لئے حضور ﷺ کا معجزہ ہے جس کی وجہ سے جن ایمان لائے۔

[2] آسمان کی نگہبانی کی وجہ ہم پہلے نہیں جانتے تھے مگر اب جب ہم نے قرآن کو سنا تو ہمیں معلوم ہوا کہ اس رکاوٹ کی وجہ اس نبی کی بعثت ہے یہاں تک کہ یہی امر معجزہ بن گیا۔ اب کاہن اس قسم کی خبر لانے سے عاجز ہیں۔ اس سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے عالمین کی ہدایت کا ارادہ کیا ان تینوں آیات میں قرآن کی حقانیت اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر دلیل ہے۔ شر اور خیر اگرچہ دونوں اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور ارادہ سے واقع ہوتے ہیں لیکن خیر کے ارادہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف صراحۃً اور شر کے ارادہ کی نسبت کنایہ کی صورت میں ہے، یعنی مجہول کا صیغہ ذکر فرمایا۔

وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ﴿۱۱﴾

"اور ہم میں بعض نیک بھی ہیں اور بعض اور طرح کے ہم بھی تو کئی راستوں پر گامزن ہیں"

[1] صالحون سے مراد وہ جن ہیں جو تورات، دوسری آسمانی کتابوں اور سابقہ انبیاء پر ایمان لائے۔ دون ذلک سے پہلے قوم موصوف محذوف ہے۔ طرائق سے پہلے ذوی کا لفظ محذوف ہے، یعنی ہم مختلف مذہب رکھتے ہیں یا احوال کے مختلف ہونے میں ہماری حالت بھی ایسی ہے جیسی مختلف راستوں کی ہوتی ہے۔ قددا کا معنی متفرق ہے۔ یہ جملہ کنا طرائق قددا سابقہ جملے انا منا

الصالحون کے مضمون کی تاکید ہے۔ قددا یہ قدہ کی جمع ہے جس کا معنی ٹکڑا ہے۔ حسن بصری اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا جن بھی تمہاری مثل ہیں یعنی قدریہ، مرجیہ، رافضی (1) وغیرہ۔ ان کی آپس میں گفتگو انا منا الصالحون یہ مابعد آیات کی تمہید ہے، یعنی ہمارا ایمان لانا اور رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنا کوئی نیا امر نہیں بلکہ اس سے قبل بھی جن مختلف حالتوں میں تھے، کچھ صالح تھے اور کچھ اس کے علاوہ تھے، اگرچہ ہم نے غلط بات میں اپنے سردار کی اتباع کی۔ لیکن جب ہم نے قرآن کو سنا تو ہمیں یقین ہو گیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ ہم نے ہدایت کو سنا، اس پر ایمان لائے جس طرح ہمارے بعض پیشرو ایمان لائے تھے۔

وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَ لَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًاۙ۝۱۲ وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖؕ فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًاۙ۝۱۳

''اور (اب) ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہم زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں ۱؎ اور (اے جن بھائیو!) ہم نے جب پیغام ہدایت سنا تو ہم اس پر ایمان لے آئے، پس جو شخص اپنے رب پر ایمان لاتا ہے تو اسے نہ کسی نقصان کا خوف ہوتا ہے اور نہ ظلم کا ۲؎ ''

۱؎ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم دینے اور اس کی ہدایت سے ہم نے جان لیا اور ہمیں یقین ہو گیا۔ یا اس کا معنی یہ ہو گا ہم اس سے پہلے گمان کرتے تھے۔ یا اس کا معنی یہ ہو گا تورات میں جو کچھ ہے اس کے جاننے کی وجہ سے ہم یقین رکھتے تھے کہ ہم زمین میں جہاں کہیں بھی ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے بارے میں کسی برائی کا ارادہ کرے تو ہم اس کی گرفت سے باہر نہیں ہو سکتے اور نہ ہی زمین سے آسمان کی طرف بھاگ کر اسے عاجز کر سکتے ہیں۔ یہ تعبیر اس وقت درست ہو گی جب ہم ہربا کو حال بنائیں گے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ھربا مفعول مطلق ہو۔ تقدیر کلام یہ ہو گی نھرب ھربا یا یہ مفعول لہ ہو۔ تقدیر کلام یہ ہو گی نعجزہ للھرب۔ یا ظرف ہو تو تقدیر کلام یہ ہو گی نعجزہ فی الھرب یا نسبت فاعلی سے تمیز ہو نعجزہ ھربا۔

۲؎ ھدی سے مراد قرآن ہے کیونکہ قرآن ہدایت کا سبب ہے۔ ہم قرآن سن کر ایمان لائے۔ اس لئے اے جنوں کی ہماری قوم تم بھی ایمان لاؤ۔

فمن یومن بربہ یہ شرط ہے۔ اس پر فاء سببیہ ہے اور اس کی جزاء بعد میں ہے۔ فلا یخاف جملہ فعلیہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ جو ھو ہے تقدیر کلام یہ ہو گی فھو لا یخاف۔ بخس کا معنی جزاء میں کمی اور رھق کا معنی ذلت کا چھا جانا ہے یا اس کا معنی ہے انہیں اطاعت میں کوتاہی اور ظلم کرنے کی جزاء کا خوف نہیں ہو گا کیونکہ قرآن پر ایمان لانے کا حق یہ ہے کہ انسان ان چیزوں (طاعت میں کمی اور ظلم) سے اجتناب کرے۔

وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓىٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا۝۱۴ وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًاۙ۝۱۵

''اور بے شک ہم میں سے کچھ تو فرمانبردار ہیں اور کچھ ظالم تو جنہوں نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے حق کی راہ تلاش کر لی ۱؎ اور جو حق سے منحرف ہوتے ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں ۲؎ ''

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 133 (التجاریہ)

ل مسلمون سے مراد نیک اور قاسطون سے مراد حق سے انحراف کرنے والے ہیں۔ جب کوئی آدمی عدل کرے تو اس وقت کہتے ہیں اقسط الرجل اور جب کوئی ظلم کرے تو اس وقت کہتے ہیں قسط الرجل۔ یہاں اس جملہ کا ذکر کیا جبکہ اس سے قبل اس کے مضمون کو وانا منا الصالحون ومنا دون ذلک میں ذکر کیا تا کہ یہ دونوں فریقوں کی حالت کی تفصیل کی تمہید ہو۔ یہاں سے اس کی حالت کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے جبکہ سابقہ کلام میں صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ اسلام کوئی نئی چیز نہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ جن جنوں نے قرآن حکیم سنا ان میں سے بعض مسلمان ہو گئے اور بعض مسلمان نہ ہوئے تو یہ ان مسلمان جنوں کا اس وقت کا مقولہ ہو جب وہ واپس لوٹ آئے؟ جو مسلمان ہو گئے انہوں نے اس راستے کا قصد کیا جو فلاح تک لے جانے والا تھا۔

۲۔ جس طرح دنیا کی آگ کو ایندھن سے جلایا جاتا ہے۔ اسی طرح تمہارے ساتھ جہنم کی آگ کو جلایا جائے گا۔ ان سات جملوں " انا لمسنا السماء سے لے کر انا منا المسلمون" کے بارے میں کوئی شک نہیں کہ یہ جنوں کا کلام ہے۔ اس لئے اِنَّ پڑھنے میں کوئی قدغن نہیں۔ اگر اَنَّ پڑھیں تو یہ تکلف کرنا ضروری ہوگا کہ ان کا عطف آمنا بہ کے جار مجرور پر ہے۔ ان جملوں کا عطف انہ استمع نفر من الجن پر کرنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ امر ظاہر ہے مخفی نہیں۔

بہ پر عطف کرنے کی صورت میں معنی یہ ہوگا ہم قرآن پر ایمان لائے اور آفاق میں موجود اس کے معجزات کا ہمیں یقین ہو گیا جن کا اظہار لمسنا السماء سے وانا کنا نقعد منہا مقاعد سے اور انا لاندری ما اراد اللہ بالشہب سے ہوتا ہے یہاں تک کہ ہم نے قرآن اور اس کے معجزات کے بارے میں سنا اور نفسوں میں جو اس کی تاثیر ہے اس کے بارے میں ہمیں یقین حاصل ہوا اور ہمیں یہ علم ہوا کہ ہم میں سے صالح بھی ہیں اور کچھ دوسرے بھی اور ہمیں یہ بھی یقین ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ ہم نے ہدایت کو سنا اس پر ایمان لائے اور ہمیں یقین ہو گیا کہ ہم میں سے جو مسلمان تھے انہوں نے ہدایت کو پا لیا ہے جو ظالم اور حق سے انحراف کرنے والے ہیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔

مسئلہ:۔ ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ جنوں میں سے جو کافر ہیں انہیں جہنم میں عذاب دیا جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا۔ ان جنوں میں سے جو مومن ہیں ان کے ثواب کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قوم کا یہ خیال ہے ان کا ثواب یہی ہے کہ انہیں جہنم سے نجات مل گئی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی نقطہ نظر ہے سفیان نے لیث سے یہی نقل کیا ہے کہا جنوں کا ثواب یہی ہے کہ انہیں جہنم سے پناہ دے دی جائے گی۔ پھر انہیں کہا جائے گا چوپاؤں کی طرح مٹی ہو جاؤ۔ ابی الزیاد سے مروی ہے کہا جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا مومن جنوں کو کہا جائے گا مٹی ہو جاؤ تو وہ مٹی ہو جائیں گے اس موقع پر کافر کہے گا ہائے کاش میں مٹی ہو جاتا (1)۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں توقف کیا ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے اللہ تعالیٰ نے جس امر کو مبہم رکھا ہے اسے مبہم رکھو، اللہ تعالیٰ نے جنوں میں سے جو کافر ہیں ان کے عذاب کا تو ذکر کیا ہے، ان میں سے جو مطیع ہیں ان کے ثواب کا ذکر نہیں کیا۔ صرف اتنا بتایا ہے کہ انہیں جہنم سے پناہ دی جائے گی۔ دوسرے علماء نے یہ کہا اچھے اعمال کی صورت میں ان کے لئے ثواب ہوگا جس طرح گناہ کی صورت میں ان کے لئے عذاب ہوگا۔ یہی حکم انسانوں کے لئے ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی یعلی رحمۃ اللہ

علیہ کا یہی مسلک ہے۔ جریر نے ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ جن جنت میں داخل ہوں گے، کھائیں گے اور پئیں گے۔ اسے ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ نقاش نے اپنی تفسیر میں حدیث ذکر کی ہے وہ (جن) جنت میں داخل ہوں گے۔ ان سے پوچھا گیا کیا وہ نعمتیں پائیں گے تو انہوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ ان کے دل میں تسبیح اور ذکر القاء کرے گا تو جن ان سے وہ لذت حاصل کریں گے جو انسان جنت کی نعمتوں سے لذت حاصل کریں گے۔ میں کہتا ہوں شائد انہوں نے مومن جنوں کو ملائکہ کے ساتھ ملا دیا ہے۔ طاءۃ بن منذر نے کہا میں نے حمزہ بن حبیب سے پوچھا کیا جنوں کے لئے ثواب ہے؟ کہا ہاں اور یہ آیت تلاوت کی لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ۔ ساتھ ہی کہا انسانوں میں ایسی عورتیں انسانوں کے لئے اور جنوں میں سے ایسی عورتیں جنوں کے لئے ہوں گی۔ ابوالشیخ نے ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ تمام مخلوق تین حصوں میں تقسیم ہوگی۔ ایک مخلوق سب کی سب جنت میں ہوگی۔ وہ فرشتے ہیں۔ ایک مخلوق مکمل جہنم میں ہوگی۔ دو قسم کی مخلوق جنت اور جہنم میں ہوگی۔ ان کے لئے عذاب اور ثواب ہے۔ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان سے پوچھا گیا کیا جنوں کے لئے ثواب اور عتاب ہے؟ فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا۔

عمرو بن عزیز نے کہا مومن جن جنت کے ارد گرد میدانوں میں ہوں گے وہ جنت میں نہیں ہوں گے جو علماء جنوں کے حق میں ثواب کے قائل ہیں وہ عمومی آیات سے استدلال کرتے ہیں جیسے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا۔ اسی طرح کی دوسری آیات ہیں جو سورۂ رحمٰن میں وارد ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَاۗنٌّ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ احناف نے یہ جواب دیا ہے کہ دلالت عرف کی وجہ سے ان عمومی آیات کو انسانوں پر محمول کیا جائے گا کیونکہ اہل عرف اس سے انسان ہی سمجھتے ہیں جہاں تک سورۂ رحمٰن میں فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ سے جو خطاب کیا گیا ہے اس میں جنوں اور انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی عمومی نعمتیں جھٹلانے پر شرمندہ کیا گیا۔ خصوصاً اس نعمت کے جھٹلانے پر شرمندہ نہیں کیا گیا جس کا ذکر اس آیت سے پہلے ہوا۔ یہ خصوصی نعمت کیسے مراد ہوسکتی ہے جبکہ بعض آیات میں نعمت کا تصور ہی ممکن نہیں جیسے يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ڏ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ والاقدام فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ اسی طرح کی دوسری آیات بھی ہیں۔ بعض آیات میں ایسی نعمتوں کا ذکر ہے جو صرف انسانوں کے ساتھ خاص ہیں جنوں کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ جنت کی نعمتیں انسانوں کے ساتھ خاص ہوں اور جن وانس کو خطاب اس لئے ہو کہ جن وانس نے جو عمومی نعمتوں کی ناشکری کی ہے اس پر انہیں شرمندہ کیا جائے۔

میرے نزدیک صحیح بات وہ ہے جو جمہور کا نقطہ نظر ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا نقطہ نظر بھی یہی ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں جس نے جنوں کے لئے ثواب کو ثابت کیا ہے تو اس کا قول دلیل اور شہادت پر مبنی ہے جبکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ کسی دلیل پر مبنی نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابن عباس، حضرت عمر عبدالعزیز رضی اللہ عنہما اور ان جیسے ثقہ صحابہ اور تابعین کے اقوال مرفوع حکمی ہوں گے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 507 (العلمیہ)

سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ مومن جنوں کے لئے ثواب ہے اور ان کے لئے عتاب بھی ہے۔ ہم نے ان کے ثواب اور ٹھکانے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا وہ اعراف پر ہوں گے، وہ جنت میں نہیں ہوں گے، ہم نے پوچھا اعراف کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا وہ جنت سے باہر جگہ ہے جہاں نہریں چلتی ہیں، اس میں درخت اور پھل اگتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾

''اور اگر وہ ثابت قدم رہیں راہ حق پر تو ہم انہیں سیراب کریں گے کثیر پانی سے ۱؎ تا کہ ہم ان کی آزمائش کریں اس فراوانی سے اور جو منہ موڑے گا اپنے رب کے ذکر سے تو وہ داخل کرے گا اسے سخت عذاب میں ۲؎''

۱؎ اَنْ کے بارے میں تمام قراء کا اتفاق ہے کہ ہمزہ پر زبر ہے اور یہ مثقلہ سے مخفف ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے۔ جملہ شرطیہ اس کی خبر ہے اور جملہ کا عطف انه استمع نفر من الجن پر ہے اس کا معنی یہ ہے کہ میری طرف وحی کی گئی کہ اگر جن وانس اللہ کے پسندیدہ طریقہ پر استقامت کا مظاہرہ کرتے پسندیدہ راستہ دین اسلام ہے۔ یہی وہ فطرتی راہ ہے جس پر انسان کو پیدا کیا گیا۔ غدقا سے مراد کثیر ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ سات سال تک بارش نہ ہوئی تھی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ماء غدق سے مراد وسیع رزق ہے اس کا استعمال بطور مجاز ہے کیونکہ پانی رزق کا سبب ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں رزق سے مراد بارش ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ۔ اس آیت کا معنی یہ ہوگا ہم انہیں کثیر مال عطا کریں گے یا خوشحال زندگی عطا کریں گے۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے معنی میں ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں ہے: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ۔

۲؎ اس کا تعلق اسقيناهم کے ساتھ ہے۔ یعنی ہم انہیں آزمائیں کہ وہ کیسے شکر کرتے ہیں۔ یہ تاویل سعید بن مسیب، عطاء بن ابی رباح، ضحاک، قتادہ، مقاتل اور حسن رحمہم اللہ تعالیٰ نے کی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے اگر وہ کفر کے طریقہ پر قائم رہتے تو ہم انہیں کثیر ملا عطا کرتے تا کہ ہم انہیں بطور سزا اور استدراج آزمائش میں ڈالتے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ۔ یہ ربیع بن انس، زید بن اسلم، کلبی اور ابن کیسان رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے (2)۔ یہ قول درست نہیں ورنہ یہ لازم آئے گا کہ کفر رزق کی فراخی اور اچھی زندگی کا ذریعہ ہو جبکہ اس کا مابعد آیات اس کا انکار کرتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ، وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ۔ لو کا کلمہ اس لئے وضع کیا گیا کہ جواب محقق نہیں ہوتا کیونکہ شرط متحقق نہیں۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ حال ماضی کا واقعہ ہے جو عموم پر دلالت نہیں کرتا ورنہ ایسی دلیلوں میں تعارض واقع ہوگا جو نسخ کا احتمال نہیں رکھتیں۔ نیز اہل مکہ کے واقعات پہلی تاویل کی صحت پر دلالت کر رہی ہیں دوسرے معنی کی صحت پر دال نہیں کیونکہ ابو جہل اور مکہ مکرمہ کے دوسرے کافر جو ایمان نہیں لائے تھے انہیں سات سال تک قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 134 (التجاریہ) 2۔ ایضاً

انہوں نے اونٹ کے لید نے کھائے۔ پھر انتہائی بری حالت میں انہیں بدر میں قتل کر دیا گیا جو حضور ﷺ پر ایمان لائے اور اس مثالی طریقہ پر استقامت کا مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قیصر و کسریٰ کے ملک عطا کئے۔ نیز پہلی تاویل کی صحت پر یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے و من یعرض عن ذکر ربہ کیونکہ اس آیت کریمہ میں یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ جو آدمی ذکر سے اعراض کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر عذاب لازم کر دے گا۔ اعراض نہ ہو تو یہ اس کے برعکس حکم کا تقاضا کرتا ہے، یعنی بہترین زندگی سے نوازتا ہے شریعت پر استقامت سے مراد بھی یہی ہے۔ قرآن میں یہی اسلوب ہے کہ دو چیزوں کو مقابلہ میں ذکر کیا جاتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کوفہ کے قراء اور یعقوب نے یسلکہ کو غائب کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ انہیں سخت عذاب میں داخل کرے گا جبکہ دوسرے قراء نے اسے جمع متکلم کا صیغہ پڑھا ہے۔ عذاب کی صفت صعد ذکر کی ہے کیونکہ یہ سخت عذاب جہنمیوں پر غالب آ جائے گا۔ اس عذاب سے مراد یا تو دنیا کا عذاب ہے یا عذاب قبر مراد ہے یا آخرت کا عذاب مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی یہی مراد ہے وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں عذاب سے مراد دنیا کا عذاب ہے کیونکہ مقابلہ پایا جا رہا ہے۔ اسی طرح ضنک معیشت سے مراد بھی دنیا کا عذاب ہے کیونکہ و نحشرہ کا اس پر عطف ہے۔ اسی طرح حیوۃ طیبۃ سے مراد بھی دنیا کی زندگی ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ہر مال تھوڑا ہو یا زیادہ ہو اگر تقویٰ نہ ہو تو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ زندگی میں تنگی سے یہی مراد ہے جو قوم حق سے اعراض کرنے والی ہو اگرچہ وہ خوشحال ہو اور اس کے پاس مال کی کثرت ہو تب بھی اس کی زندگی تنگ ہی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس قوم کے افراد یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے وعدہ خلافی نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سوء ظن کی وجہ سے ان پر زندگی سخت ہو جاتی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا قناعت ان سے سلب ہو جاتی ہے یہاں تک کہ وہ سیر نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں یہ امر ظاہر ہے کیونکہ دنیا داروں سے جب قناعت سلب ہو جاتی ہے تو وہ ہمیشہ مشقت اور مصیبت میں مبتلا رہتے ہیں، وہ مال کماتے ہیں، اس کی حفاظت میں لگے رہتے ہیں، مال ضائع ہونے سے خوفزدہ رہتے ہیں، ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے بغض کرتے ہیں، ان کے دشمن اور حاسد بہت زیادہ ہوتے ہیں اس لئے انہیں اپنی جان کے بارے میں بھی امن نہیں ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت ہی مشکل عذاب ہے اور تنگ زندگی ہے کاش انہیں یہ معلوم ہوتا جو صوفیاء کے لئے پاکیزہ زندگی اور دل کا اطمینان ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نصیب ہوتا ہے۔ نیز انہیں جو شرح صدر، تھوڑے مال سے ضرورت کا پورا ہو جانا، مخلوقات سے بے نیاز ہونا تمام مخلوقات پر شفقت کرنا تکلیف اور تنگی کی حالت میں بھی شکر کرنا اور خوش رہنا محض اس امید پر کہ یہ گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔ اور اچھا بدلا ملے گا جب خوشحالی اور مال کی فراوانی ہوتی ہے تو کیفیت ہی الگ ہوتی ہے چہ جائیکہ وہ ایک دوسرے سے حسد کریں۔ اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے دنیا اور آخرت عطا فرماتا ہے۔

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾

”اور بے شک سب مسجدیں اللہ کے لئے ہیں پس مت عبادت کرو اللہ کے ساتھ کسی کی۔ اور جب کھڑا ہوتا ہے اللہ کا (خاص) بندہ تاکہ اس کی عبادت کرے تو لوگ اس پر ہجوم کر کے آ جاتے ہیں۔“

ہے۔ اس کا عطف ان لو استقاموا پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مساجد سے مراد وہ جگہیں ہیں جو نماز کے لئے بنائی گئی ہوں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب یہود و نصاریٰ اپنی عبادت گاہوں میں داخل ہوتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تو اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا کہ وہ جب مسجد میں داخل ہو جائیں تو اپنی دعاؤں کو اللہ کے لئے خالص کریں یہاں مساجد سے مراد تمام مساجد ہیں(1)۔ مساجد کے پاک رکھنے کا حکم دیا، فرمایا میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اپنی مساجد کو بچوں، مجنون، معبودان باطلہ، خرید و فروخت، جھگڑوں، آواز بلند کرنے، حدود قائم کرنے، تلواریں سونتنے سے دور رکھو، اس کے دروازوں پر لوٹے رکھو، اور جمعہ کے موقع پر اس میں دھونی دو(2)۔ اسے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے واصلہ سے مرفوع روایت کیا ہے اور مسجد میں شعر پڑھنے، خرید و فروخت کرنے اور جمعہ کے روز نماز سے پہلے مسجد میں حلقے بنانے سے منع کیا ہے(3) اسے ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عمرو بن شعیب سے روایت کیا انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا انہوں نے دادا سے روایت کیا ہے فرمایا مسجد میں ریشہ پھینکنا خطا ہے اس کا کفارہ اسے دفن کرنا ہے(4)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں یہاں تک جو آدمی مسجد سے تنکا باہر پھینکتا ہے وہ بھی پیش کیا جاتا ہے۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے کسی کو مسجد میں اپنی گمشدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سنا تو وہ کہے اللہ تعالیٰ تیری چیز تجھ پر نہ لوٹائے کیونکہ مساجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ زائد ذکر کئے ہیں جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ مسجد میں خرید و فروخت کرتا ہے تو کہو اللہ تعالیٰ تیری تجارت میں نفع پیدا نہ فرمائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا مساجد سے مراد تمام جگہیں ہیں کیونکہ اس امت کے لئے تمام زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے(5)۔ معنی ہوگا کسی جگہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ ابن ابی حاتم نے ابوصالح رحمہما اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جنوں نے عرض کی کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ ہم آپ کی مسجد میں آپ کے ساتھ نماز میں شامل ہوں تو اللہ تعالیٰ نے آیت کو نازل فرمایا۔ ابن جریر نے جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہا جنوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا ہم مسجد میں کیسے حاضر ہوں جبکہ ہم آپ سے بہت دور رہتے ہیں یا کہا ہم نماز میں کیسے حاضر ہوں جبکہ ہم آپ سے بہت دور رہتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی(6)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مساجد سے مراد وہ اعضاء ہیں جن کے ساتھ سجدہ کیا جاتا ہے، یعنی یہ اعضاء اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے گئے ہیں، ان کے ساتھ کسی اور کی تعظیم بجا نہ لاؤ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے پیشانی، ہاتھ، گھٹنے، دونوں قدموں کی طرف، وہ نہ کپڑوں کو سمیٹے اور نہ ہی بالوں کو۔(7)

ہ ضمیر ضمیر شان ہے۔ نافع اور ابوبکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ان جملوں کو جملہ مستانفہ کے طور پر پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے ان کے ہمزہ پر فتحہ پڑھا ہے۔ اس کا عطف اس کلام پر ہے جو وحی کی گئی۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 134 (التجاریہ)
2۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 408، حدیث: 750 (العلمیہ)
3۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 43 (وزارت تعلیم)
4۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 207 (التجاریہ)
5۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 134 (التجاریہ)
6۔ ایضاً
7۔ ایضاً

عبداللہ سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ یہاں لفظ عبد ذکر کیا رسول اور نبی ذکر نہیں کیا۔ مقصود تواضع کا اظہار ہے کیونکہ یہ کلام اس طرح واقع ہے جس طرح حضور ﷺ اپنے بارے میں کلام کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ شعور دلانا مقصود ہے کہ آپ کے قیام کا تقاضا کرنے والی چیز یہی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عبودیت کمال کا انتہائی مرتبہ ہے۔ یدعوہ یہ عبداللہ سے حال ہے۔ معنی ہوگا وہ اس کی عبادت کرتا ہے اور اس کا ذکر کرتا ہے۔ ہشام نے لبدا کو لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ لبدہ کی جمع ہے۔ لبد کا اصل معنی ایک دوسرے پر جمع ہونا ہے۔ حضرت حسن بصری، قتادہ اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی ہے جب اللہ کا بندہ توحید کی طرف دعوت دینے کے لئے کھڑا کیا تو قریب تھا کہ جن اور انسان آپ کی دعوت کو باطل کرنے کے لئے جمع ہو جاتے۔ وہ ارادہ یہ رکھتے تھے کہ وہ اپنے بندے سے اللہ کا نور بجھا دیں جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کرنا چاہتا ہے اور جو اس نور سے دشمنی کرے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی مدد فرمائے گا(1)۔ یہ معنی بھی ہو سکتا ہے جب اللہ کا بندہ نخلہ کے مقام کھڑا ہوا کہ دعوت دے اور قرآن کی قرأت کرے تو جن قرآن سننے کے شوق میں تہ در تہ جمع ہونے لگے کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَ لَاۤ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ۬ وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ۙ

”آپ فرمائیے میں تو بس اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور شریک نہیں ٹھہراتا اس کا کسی کو[1]۔ آپ فرمائیے (اللہ کے اذن کے بغیر) نہ میں تمہیں نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ ہدایت کا[2]۔ آپ فرمائیے مجھے اللہ تعالیٰ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور نہ میں پا سکتا ہوں اس کے بغیر کہیں پناہ[3]“

1۔ عاصم، حمزہ اور ابو جعفر رحمہم اللہ تعالیٰ نے امر کا صیغہ قل پڑھا ہے اور یہ مابعد کے موافق ہے جبکہ باقی قراء نے ماضی کا صیغہ پڑھا ہے یعنی اللہ کے بندے نے کہا میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم میری دعوت کو روکنے کے لئے اتفاق کر رہے ہو۔ یا معنی یہ ہے جب جن آپ کی کلام کے مشتاق ہوئے تو آپ نے کہا میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں، تم بھی اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ سے کہا آپ نے بہت بڑا کام کر دیا ہے، اس سے رجوع کر لو، ہم آپ کو پناہ دے دیں گے تو یہ اور مابعد آیت نازل ہوئی۔(2)

2۔ میں تمہارے نفع اور نقصان کا مالک نہیں یا تمہاری گمراہی اور ہدایت کا مالک نہیں۔ ایک اسم کو اپنے ذاتی اسم اور دوسرے کو اس کے سبب یا مسبب کے نام سے ذکر کیا۔ مقصود یہ شعور دلانا تھا کہ یہاں دونوں معنی مراد ہیں۔

3۔ ملتحدا کا معنی پناہ گاہ ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ مجھے سزا دینے کا ارادہ کرے تو میں اس پناہ گاہ میں پناہ لے لوں۔ یہ دونوں مستانفہ جملے گویا مقدر سوال کا جواب ہیں کہ وہ کفار جنہوں نے میری دعوت کو روکنے کے لئے اتفاق کر لیا ہے۔ جب وہ یہ کہیں اگر آپ نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے اوپر عذاب لے آئیں یا کفار یہ کہیں اپنے دین سے رجوع کر لیں پھر ہم آپ کو پناہ دیں گے تو میں کیا کہوں۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ پہلا جملہ اس مقدر سوال کا جواب ہو کہ جن میری زیارت اور ملاقات کا اشتیاق رکھتے ہیں کیونکہ ان کا بھیڑ کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کے نفع اور نقصان کے مالک ہیں۔ یا دوسرا جملہ پہلے جملے کے مضمون کی تاکید ہے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 135 (التجاریہ) 2۔ ایضاً

کہ حضور ﷺ اس کے مالک نہیں۔ ابن جریر نے حضرمی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ جنوں کے سردار نے اپنے تبعین سے کہا کہ محمد ﷺ ارادہ رکھتے ہیں کہ ہم جن انہیں پناہ دیں تو میں انہیں پناہ دیتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(1)

إِلَّا بَلَٰغًا مِّنَ ٱللَّهِ وَرِسَٰلَٰتِهِۦ ۚ وَمَن يَعْصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَإِنَّ لَهُۥ نَارَ جَهَنَّمَ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ﴿٢٣﴾

''البتہ میرا فرض صرف یہ ہے کہ پہنچادوں اللہ کے احکام اور اس کے پیغامات پس (اب) جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں (یہ نافرمان) ہمیشہ رہیں گے ۔1''

1۔ رسٰلتہ کا عطف بلاغا پر ہے۔ استثناء یا تو لا املک سے ہے کیونکہ تبلیغ، راہنمائی کرنا اور نفع دینا ہے۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہے جو استطاعت کی نفی کی تاکید بیان کرتا ہے۔ اس لئے اجنبی چیز سے فاصلہ لازم نہیں آتا۔ معنی یہ ہوگا میں تمہارے لئے تکلیف دور کرنے اور ہدایت دینے کا مالک نہیں مگر میں تبلیغ کرنے اور پیغام حق پہنچانے کا مالک ہوں۔ یا یہ احدا اور ملتحدا سے تنازع فعلین کے طریقہ پر مستثنیٰ ہے۔ معنی یہ ہوگا اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی بھی کسی پناہ گاہ میں مجھے پناہ نہیں دے گا مگر تبلیغ اور پیغام حق پہنچانا مجھے پناہ گاہ دے گا کیونکہ تبلیغ اور پیغام حق پہنچانا اللہ تعالیٰ کی جانب سے مجھ پر فرض ہے۔ یہی مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائے گا اور اگر میں نے ایسا نہ کیا تو وہ مجھے عذاب دے گا۔ حسن اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی یہ ہے میں تمہارے حق میں خیر و شر اور ہدایت کا مالک نہیں لیکن میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیغام حق پہنچانے والا ہوں(2) (یعنی الا لکن کے معنی میں ہے)۔ ایک قول یہ کیا گیا الا یہ ان لا سے مرکب ہے، ان شرطیہ ہے اور لا نافیہ ہے اور شرط کی جزاء محذوف ہے اور سابقہ جزاء پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔ معنی یہ ہوگا اگر میں تمہیں وہ پیغام نہ پہنچاؤں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر فرض ہے تو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں مجھے کوئی پناہ نہیں دے گا۔ جو توحید کے معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرے گا اور وہ ایمان نہیں لائے گا اس کے لئے جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

فعل مضارع یعص اور لہ کی ضمیر واحد ہے۔ یہ من کے لفظ کے اعتبار سے ہے اور خالدین کی ضمیر جمع ہے۔ یہ من کے معنی کے اعتبار سے ہے ومن یعص اللہ کے جملہ کا عطف مقدر جملے پر ہے، یعنی میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچانے کا مالک ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے وہی ہدایت یافتہ ہیں اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو اس کے لئے عذاب جہنم ہے۔ حتی اذا راوا یا تو یکونون علیہ لبدا کی غایت ہے اگر اس سے مراد کفار کا اجتماع ہو اور مقصد حضور ﷺ کے امر کو باطل کرنا ہو۔ ورنہ یہ کلام محذوف کی غایت ہوگا جس پر حال دلالت کرتا ہے کہ کفار حضور ﷺ کو کمزور جانتے اور آپ کی نافرمانی کرتے گویا یہ کہا گیا وہ ہمیشہ آپ کی نافرمانی کرتے رہیں گے اور آپ کو کمزور جانتے رہیں گے۔

حَتَّىٰٓ إِذَا رَأَوْا۟ مَا يُوعَدُونَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَأَقَلُّ عَدَدًا ﴿٢٤﴾ قُلْ إِنْ أَدْرِىٓ أَقَرِيبٌ مَّا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُۥ رَبِّىٓ أَمَدًا ﴿٢٥﴾

''یہاں تک کہ جب وہ دیکھ لیں گے (وہ عذاب) جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو انہیں پتہ چل جائے گا کہ کون ہے جس کا مددگار کمزور ہے اور جس کی تعداد کم ہے 1 آپ فرمائیے (میں اپنی سوچ بچار سے) نہیں جانتا کہ وہ دن قریب

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 438 (العلمیۃ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 135 (التجاریۃ)

ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے یا مقرر کر دی ہے اس کے لئے میرے رب نے لمبی مدت ۲؎‘‘

۱؎ ما یوعدون سے مراد یا تو دنیا کا عذاب ہے جس طرح بدر کا واقعہ یا موت کی گھڑی ہے کیونکہ جو آدمی مر جاتا ہے اس کے لئے قیامت قائم ہو جاتی ہے جو جہنم پر مشتمل ہے جبکہ قیامت موت سے بہت بڑی مصیبت اور سخت تکلیف دہ ہے۔ جب وہ ساعت قائم ہو جائے گی تو انہیں علم ہو جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور ان کی تعداد کم ہے ان کے یا حضور ﷺ کے یہ جملہ استفہامیہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان فسیعلمون کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے بعض کفار نے کہا یہ وعدہ کب برپا ہوگا تو مابعد آیت نازل ہوئی۔

۲؎ اے محمد ﷺ میں نہیں جانتا کہ جس عذاب یا ساعت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کے لئے لمبی مدت معین کی ہے۔ قریب خبر مقدم ہے اور مابعد مبتداء موخر ہے یا قریب دوسری قسم کا مبتداء ہے اور مابعد اس کا فاعل ہے۔ ماتوعدون سے مراد عذاب اور قیامت ہے۔ نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے ربی کی یاء کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ امد سے مراد غایت اور اجل ہے کیونکہ اس کی مدت بہت طویل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ جملہ استفہامیہ ادری کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾

’’(اللہ تعالیٰ) غیب کو جاننے والا ہے پس وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو ۱؎ بجز اس رسول کے جس کو اس نے پسند فرما لیا ہو (غیب کی تعلیم کے لئے) تو مقرر کر دیتا ہے اس رسول کے آگے اور اس کے پیچھے محافظ ۲؎‘‘

۱؎ علم الغیب یہ ربی کی صفت ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے جو ھو ضمیر ہے۔ گویا یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان لا ادری کی علت ہے۔ غیب سے مراد وہ چیز ہے جو ابھی متحقق نہ ہو جیسے قیامت کی خبریں یا پائے جانے کے بعد معدوم ہو جائے جس طرح کائنات کے آغاز کی خبریں اور ماضی کے واقعات جن کی روایت کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ رہے اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی توقیفی صفات جن پر کوئی دلیل دلالت نہیں کرتی جو بندوں سے غائب ہیں اور جن پر کوئی دلیل اور برہان دلالت کرتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا موجود ہونا، اس کا واجب ہونا، اس کا واحد ہونا اور اس کی صفات کمال سے متصف ہونا جبکہ وہ نقص اور زوال سے پاک ہے یہ غیب میں سے نہیں بلکہ یہ شہادت میں سے ہے کیونکہ عالم اس پر گواہی دیتا ہے۔ اسی طرح عالم کے حادث ہونے کا مسئلہ یہ بھی غیب میں سے نہیں بلکہ یہ عالم شہادت میں سے ہے کیونکہ اس کے قابل تغیر ہونے کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور اس کا قابل تغیر ہونا اس کے حدوث پر دلالت کرتا ہے۔ یہ غیب کی دو قسمیں ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔ غیب کی ایک قسم وہ ہے جو بعض کے اعتبار سے غیب ہے جس طرح جنوں کے احوال اور بعض اشیاء جو دور ہیں ان کے احوال۔ یہ انسانوں کے اعتبار سے تو غیب ہیں جنوں کے اعتبار سے غیب نہیں۔ اسی وجہ سے انسانوں نے یہ گمان کیا کہ جن غیب جانتے ہیں حالانکہ وہ بھی وہی کچھ جانتے ہیں جن کا وہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسد اطہر زمین بوس ہوا تو جنوں کو معلوم ہوا اگر وہ غیب جانتے تو وہ ذلت آمیز مصیبت میں نہ رہتے۔ اسی طرح آسمان کے حالات زمین والوں کے لئے غیب ہیں آسمان والوں کے لئے غیب نہیں مشرق والوں کے احوال مغرب والوں کے لئے غیب ہیں۔ علم غیب کی اس قسم کا علم کبھی وحی اور الہام کے ذریعے

حاصل ہوتا ہے، کبھی حجاب اٹھانے کے ساتھ اور کبھی درمیانی حجابات شفاف کرنے کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں حجر میں موجود ہوں اور قریش مجھ سے سفر معراج کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کچھ چیزیں پوچھیں جو مجھے یاد نہ تھیں۔ مجھے سخت پریشانی ہوئی، اس جیسی پریشانی مجھے کبھی لاحق نہ ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے درمیان سے پردے اٹھا دیئے اور میں اسے دیکھنے لگا۔ وہ مجھ سے جس چیز کے بارے میں بھی سوال کرتے میں انہیں بتا دیتا(1)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر بھیجا جس پر ایک آدمی کو امیر بنایا جس کا نام ساریہ تھا۔ ایک روز آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو آپ بلند آواز سے پکارنے لگے یا سارية الجبل اے ساریہ پہاڑ کی طرف ہو جاؤ(2)۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت نجاشی کا وصال ہوا تو ہم آپس میں باتیں کرتے تھے کہ ان کی قبر پر ہمیشہ نور دکھائی دیتا ہے۔ جب حجابات اٹھا دیئے جائیں تو وہ علم غیب سے نہیں رہتا بلکہ وہ علم شہادت میں سے ہو جاتا ہے اگرچہ وہ معجزہ اور کرامت میں سے ہو۔(3)

من ارتضی میں ضمیر عائد محذوف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں پر علم غیب کبھی ظاہر کر دیتا ہے تاکہ وہ اس کے لئے معجزہ ہو جائے وہ اطاعت شعاروں کو بشارت دیتا ہے اور نافرمانوں کو ڈراتا ہے۔

رسول کا لفظ بشر اور فرشتوں کو عام ہے۔ نیز رسول کا لفظ انبیاء کو بھی شامل ہے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو لوگوں کی طرف احکام کی تبلیغ کے لئے بھیجا۔ رسول کے لفظ کو ایسی ذات کے ساتھ خاص کرنا جسے نئی شریعت اور کتاب دی گئی ہو یہ اصطلاح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ عموم مجاز کے طریقہ پر رسول کا لفظ اولیاء کو شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے علماء انبیاء کے وارث ہیں(4)۔ اسے امام احمد، امام ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کثیر بن قیس کی حدیث، ابن بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ علماء زمین کے چراغ اور انبیاء کے خلیفہ ہیں یا میرے اور انبیاء کے وارث ہیں۔ ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے، علماء رسولوں کے امین ہیں جب تک بادشاہوں سے میل جول نہ رکھیں اور دنیا میں نہ گھس جائیں۔

اہل سنت و جماعت نے کہا اولیاء کی کرامات ان کے نبی کا معجزہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں پیغام عطا کرنے والا جبکہ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تو اہل سنت نے علماء اور اولیاء میں سے حضور ﷺ کے متبعین کو آپ کی زبان قرار دیا تاکہ حصر درست ہو۔ لسان قومه میں اضافت کا استغراق اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ رسول کا لفظ اولیاء کو شامل ہو۔ اگر انہیں بطور کرامت علم غیب حاصل ہو تو نقص لازم نہیں آتا۔ اگر رسول کا لفظ انہیں شامل نہ ہو تو ہم یہ کہیں گے کہ یہاں علم سے مراد علم قطعی ہے اور اولیاء کو الہام اور دوسرے طریقوں سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ظنی ہوتا ہے قطعی نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے صوفیاء کہتے ہیں کہ جو علم صوفیاء کو حاصل ہوتے ہیں انہیں کتاب و سنت پر پیش کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ علوم کتاب و سنت کے مطابق ہوں تو انہیں قبول کیا جائے کیونکہ جو چیز قطعی دلیل کے مطابق ہو وہ خود قطعی ہوتی ہے، اگر اس کے مخالف ہو تو اسے رد کر دیا جائے۔ علماء نے کہا ہر حقیقت جسے شرع رد کر دے وہ زندقہ ہے۔ اگر شریعت اس بارے میں خاموش ہو تو خطا کے احتمال

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 96 (قدیمی)
2۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 318، حدیث: 5954 (الفکر)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 322 (دار الکتب العربیہ بیروت)
4۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 93 (وزارت تعلیم)

کے ساتھ اسے قبول کیا جائے گا۔ اس سے وہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے جو صاحب کشاف نے کہا جو حقیقت میں اس کے اعتزال پر مبنی ہے کہ اس آیت میں کرامات کا ابطال ہے کیونکہ جن کی طرف کرامات کو منسوب کیا جاتا ہے اگر چہ وہ مقبولان بارگاہ اولیاء ہیں مگر رسول نہیں۔ اہل ہواء کی تکذیب کے لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِیْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَ لَا تَخَافِیْ وَ لَا تَحْزَنِیْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِیًّا ۝ وَ هُزِّیْۤ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّا ۝ فَكُلِیْ وَ اشْرَبِیْ وَ قَرِّیْ عَیْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِیْۤ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں اور حواری انبیاء نہیں تھے۔

تنبیہ:۔ جو میں نے یہ ذکر کیا ہے کہ اولیاء کو حاصل ہونے والا علم ظنی ہے۔ اس سے مراد علم حصولی ہے۔ یہ علم حصولی الہام کے ذریعے ہوتا ہے۔ اس میں فرشتے کا واسطہ ہوتا ہے اور کبھی واسطہ نہیں ہوتا۔ کبھی یہ علم حصولی حجاب اٹھانے کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس طرح ہم نے حدیث عمر (یا ساریۃ الجبل) میں ذکر کیا ہے۔ جو یہ کہا گیا ہے کہ بعض اولیاء پر بعض اوقات لوح محفوظ منکشف ہوتی ہے اور وہ قضاء مبرم اور قضاء معلق کو دیکھ لیتے ہیں کبھی یہ نیند یا مراقبہ کی حالت میں عالم امثال کا مطالعہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سچی خوابیں نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں، متفق علیہ۔(1) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نبوت میں سے صرف مبشرات ہی رہ گئی ہیں۔ لوگوں نے عرض کی بشرات کیا ہیں۔ فرمایا سچی خوابیں۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔(2)

علم کی ان اقسام میں بعض اوقات غیر انبیاء کے لئے خطا ہو جاتی ہے کیونکہ جنہیں الہام کیا جا رہا ہے ان سے غلطی ہو سکتی ہے اور شیطان بھی الہام میں خلط ملط کر سکتا ہے کیونکہ بنی آدم کے دل میں دو خانے ہیں ایک میں فرشتہ ہوتا ہے اور دوسرے میں شیطان ہوتا ہے۔ کبھی کبھی فرشتے کا لمہ شیطان کے لمہ کے ساتھ خلط ملط ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ بنتی ہے کہ وہم درمیان میں حائل ہو جاتا ہے اور شیطان کشف اور عالم امثال کے مشاہدہ میں خلط ملط کر دیتا ہے۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سچی خوابیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہیں اور جھوٹی خوابیں شیطان کی جانب سے ہوتی ہیں، متفق علیہ (3)۔ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا خوابیں تین قسم کی ہیں نفس کا تخیل شیطان کی طرف سے ڈراوا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت متفق علیہ (4)۔ خوابوں کی تاویل میں غلطی ہو جاتی ہے۔ اولیاء کے علوم میں خطا کا وقوع شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کیونکہ اولیاء انبیاء کے مشابہ ہیں۔ انبیاء معصوم ہیں اور اولیاء عموماً محفوظ ہیں۔ اولیاء کو جو علم حاصل ہوتا ہے وہ علم حضوری ہوتا ہے بلکہ اس کا درجہ حضوری سے بھی بڑھ کر ہے۔ یہ وہ علم ہوتا ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے ساتھ ہوتا ہے جسے علم لدنی کہتے ہیں۔ یہ خطا کا احتمال نہیں رکھتا۔ یہ علم قطعی اور وجدانی ہے۔ اس کا مرتبہ قطعی سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ انسان کا اپنی ذات کے بارے میں علم حضوری اور وجدانی ہے کیونکہ علم حضوری میں معلوم کی ذات عالم کے پاس ہوتی ہے۔ اس میں صورت کے حاصل ہونے کا معاملہ نہیں ہوتا۔ صوفی کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں علم اس سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صوفی کے نفس سے بھی بڑھ کر صوفی کی ذات کے قریب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: نَحْنُ

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 2، صفحہ 519، حدیث: 4606 (الفکر)
2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 1035 (وزارت تعلیم)
3۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 2، صفحہ 519، حدیث: 4612 (الفکر)
4۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 1039 (وزارت تعلیم)

اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ہم تم سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ہم تم سے زیادہ اس کے قریب ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں یعنی اے عوام اسے دیکھنا تمہارے بس کی بات نہیں اللہ تعالیٰ جسے دکھائے وہ اسے دیکھ سکتا ہے اولیاء کو یہ علم انبیاء کے واسطہ سے ملتا ہے اگرچہ درمیان میں کتنے ہی واسطے کیوں نہ ہوں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ میں خطاب تمام لوگوں کو ہے۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم حضوری ہو اور اس علم سے بڑھ کر ہو جو انسان کو اپنے نفس کے بارے میں ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں بات اسی طرح ہے لیکن علم زندگی کے تابع ہے زندگی کے بغیر علم کا تصور نہیں کیا جا سکتا سورۂ ملک میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ زندگی کی چار قسمیں ہیں، ان میں سے ایک قسم وہ ہے جو معرفت کو لازم ہے۔ یہ زندگی تجلیات ذاتی اور تجلیات صفاتی سے عبارت ہے۔ اسی زندگی کو حاصل کرنے کے لئے علم کسبی اور تصوف کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے اگر یہ دوسرا علم (علم حضوری) قطعی ہے تو اس میں خطا کیوں واقع ہوتی ہے۔ صوفیاء کے اقوال کیوں مختلف ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ان سے غلطی بھی واقع ہوتی ہے جس پر ان کے اقوال کا تعارض دلالت کرتا ہے۔ یہ تعارض اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ دو متنافی چیزوں میں سے ایک غلط ہے ان میں سے بعض توحید وجودی کا قول کرتے ہیں اور بعض توحید شہودی کا قول کرتے ہیں۔ اسی طرح کے دوسرے اختلاف ہیں۔ میں کہتا ہوں اختلاف علم حضوری کے جاننے میں ہوتا ہے علم حضوری میں اختلاف نہیں ہوتا۔ بعض اوقات یہ اختلاف اس کے بیان کرنے اور تصویر کشی میں ہوتا ہے کیونکہ لغت میں ان معانی کو بیان کرنے کے لئے الفاظ وضع ہی نہیں کئے گئے۔

فارسی کا ایک شعر ہے:

گفتگوئے کفر و دین آخر بیک جائی کشد خواب یک خوابست باشد مختلف تعبیرہا

دین و کفر کی گفتگو نے آخر کار ایک ہی جامہ اپنا لیا خواب ایک ہی ہے جس کی تعبیریں مختلف ہیں

شعر میں کفر سے مراد طریقت کا ذکر ہے جسے توحید وجودی کہتے ہیں دین سے مراد شریعت ہے۔ اس مقام پر کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ خالق اور مخلوق کے درمیان ایسی نسبت ہے جو کوئی سی دو فرض کی گئی چیزوں کے درمیان نہیں کیونکہ خالق تو صرف وہی ہے۔ اس لئے یہ ممکن نہیں کہ کوئی اور نسبت اسی نسبت کے مشابہ ہو خالق کی مخلوق کے ساتھ جو نسبت ہے وہ نقاش کی نقش اور نجار (بڑھئی) کی پیالہ کے ساتھ نہیں کیونکہ پیالے کا مادہ لکڑی اور نقش کا مادہ رنگ ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ بڑھئی کے عمل کے بعد جو خاص صورت سامنے آتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے بڑھئی کا عمل بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، خواہ معتزلہ ذلیل و رسوا ہوں بڑھئی تو بعض معاملات میں کا سبب ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔

دو چیزیں جو خارج یا ذہن میں موجود ہوتی ہیں ان میں نسبت عینیت کی ہوتی ہے یا غیریت کی ہوتی ظلیت کی ہوتی ہے یا کوئی اور جس کا عقل میں ادراک کیا جاتا ہے۔ ان کا اس نسبت سے کوئی تعلق نہیں جو خالق اور مخلوق کے درمیان ہے بلکہ وہ نسبت ان نسبتوں سے ماوراء ہے۔ اس کے لئے کوئی ایسا لفظ بھی وضع نہیں کیا گیا جو اس پر دلالت کرے بعض اوقات اس نسبت کو یوں بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کا عین نہیں تو یہ قول وہم دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کا غیر ہے یا مخلوق اس کا ظل ہے۔ کبھی یوں تعبیر کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کا غیر ہے اور وہاں ظلیت کی نسبت بھی نہیں تو اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عین ہے۔ پھر بھی بطور مجاز یوں کہا جاتا ہے کہ اللہ

تعالیٰ تمام اشیاء کا عین ہے کیونکہ عینیت اور غیریت کا سلب (نفی) آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کا غیر ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ مخلوقات اس کا ظل ہیں۔ یہ اختلاف اور تعارض علم حضوری کے مراتب کی تعبیر میں ہے کیونکہ عبادات کا جامہ ان کے تعبیر کرنے میں تنگ ہے۔ اس مقام پر بہترین تعبیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ان تصورات سے مقصود علم لدنی ہے۔ وہ علوم نہیں جو ظنون میں حاصل ہوتے ہیں کیونکہ ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ ظن حق کا فائدہ نہیں دیتا، واللہ اعلم۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اولیاء کے علوم مستثنیٰ میں داخل ہیں یا مستثنیٰ منہ سے خارج ہیں کیونکہ یہ ظنی ہیں تو تمہارا کاہنوں اور نجومیوں کے علم نیز طبیب جو امراض کا علم رکھتے ہیں یا جن چیزوں میں مریضوں کے لئے شفا ہوتی ہے اور نباتات کے خواص وغیرہ کا علم رکھتے ہیں ان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے کیونکہ خبریں اور تجربات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ان کی بعض خبریں سچی ہوتی ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابی ناظور سے ایلیا کے حاکم کی حدیث نقل کی ہے جبکہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ ہرقل بیت المقدس آیا۔ ایک روز اس کی طبیعت میں سخت اضمحلال تھا۔ ایک سردار نے عرض کیا آج ہم آپ کی طبیعت عجیب دیکھتے ہیں۔ ہرقل علم نجوم کا ماہر تھا۔ جب ساتھیوں نے اس سے سوال کیا تو اس نے جواب دیا آج کی رات جب میں ستاروں کا مطالعہ کر رہا تھا تو میں نے دیکھا ختنہ کرنے والی قوم کا بادشاہ ظاہر ہو گیا ہے۔ پھر ہرقل نے اپنی رائے اپنے نجومی ساتھی کو لکھ بھیجی۔ اس کا یہ ساتھی بھی علم نجوم میں گہری نظر رکھتا تھا۔ اس کی رائے بھی ہرقل کی رائے کے موافق تھی کہ نبی کا ظہور ہو چکا ہے اور وہ نبی برحق ہے اس نے اس کا اظہار خط میں کیا تھا۔ یہ بات بھی درست ہے کہ کاہنوں اور نجومیوں نے فرعون کو بتایا تھا کہ حضرت موسیٰ ظاہر ہوں گے اور اس کی بادشاہت کا زوال بنی اسرائیل کے ایک بچے کے ذریعے ہوگا۔ اسی وجہ سے فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرا دیتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا (1)۔ ہم اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ کاہنوں کا جو علم واقع کے مطابق ہوتا ہے وہ وہ ہوتا ہے جو وہ فرشتوں سے سنتے ہیں۔ ملائکہ اللہ کے رسول ہیں لیکن کاہن اور شیاطین اپنی طرف سے ان میں جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے شرع نے ان کی تصدیق کرنے سے منع کیا ہے۔ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد جنوں کو چوری چھپے سننے سے یا تو مطلقاً منع کر دیا گیا یا عموماً منع کر دیا گیا۔ اسی طرح کہانت کا سلسلہ باطل ہو گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کاہنوں کے بارے میں پوچھا گیا اور عرض کی گئی کبھی وہ سچی باتیں کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ وہ بات ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کیطرف سے ہوتی ہے جسے جن اچک لیتا ہے پھر اپنے دوست کو مرغی کے ٹھونگے کی طرح القاء کر دیتا ہے پھر وہ لوگ اپنی طرف سے سینکڑوں باتیں اس میں ملا لیتے ہیں، متفق علیہ۔ (2)

جہاں تک علم طب اور علم نجوم کا تعلق ہے تو ان کی بنیاد تجربہ پر ہے۔ تجربہ علم شہادت سے تعلق رکھتا ہے علم غیب سے تعلق نہیں رکھتا مگر زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ دونوں علم یعنی ادویہ اور طبائع کے خواص کا علم، اسی طرح ستاروں کے خواص یعنی سعادت اور نحوست وغیرہ کا علم یہ انبیاء کے علوم سے اخذ شدہ ہیں۔ اب یہ دونوں علوم کتابوں میں باقی ہیں اور روایت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ اب لوگوں نے ان کی معرفت کے لئے تجربہ پر اکتفاء کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے بارے میں فرمایا فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ۙ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ یعنی آپ نے ستاروں میں ایک نظر کی فرمایا میں بیمار ہو جاؤں گا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ سبا کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی موجودگی میں ہر روز بیت المقدس کے محراب میں ایک درخت لگ جاتا۔ آپ اس سے پوچھتے تیرا نام کیا

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 5 (وزارت تعلیم)۔ 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 857

ہے تو وہ کہتا میرا فلاں نام ہے۔ آپ پوچھتے کس مقصد کے لئے تجھے پیدا کیا گیا؟ وہ بتاتا مجھے فلاں فلاں مقصد کے لئے پیدا کیا گیا۔ آپ اسے کاٹنے کا حکم دیتے تو وہ کٹ جاتا۔ اگر وہ بوئے جانے کے قابل ہوتا تو اسے بو دیا جاتا۔ اگر وہ دوا ہوتا تو اس کے بارے میں لکھ لیا جاتا۔ یہاں تک کہ محراب میں خروبہ اگی، آپ نے پوچھا تو کیا ہے؟ اس نے جواب دیا خروبہ ہوں۔ آپ نے پوچھا تجھے کس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے، تو اس نے جواب دیا آپ کی مسجد کو برباد کرنے کے لئے۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے **المنقذ من الضلال** میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔

ایک اور بات یہ ہے کہ علم طب اور علم نجوم یہ علم قطعی عطا کرنے والے نہیں کیونکہ ادویہ اور ستاروں میں جو تاثیرات ہیں وہ عادی امر ہیں۔ ان ادویہ کے استعمال اور ان ستاروں کے ظاہر ہونے کے بعد قدرت الٰہیہ جاری ہوتی ہے جو ان آثار کو پیدا فرماتی ہے۔ کئی دفعہ ان چیزوں کے استعمال اور ستاروں کے ظاہر ہونے کے بعد بھی آثار ظاہر نہیں ہوتے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے جو آدمی ستاروں سے کسی چیز پر استدلال کرتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ اس ستارے کے طلوع ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ ایسا کرے گا جس طرح اس کا قانون ہے تو اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ جس طرح کوئی آدمی یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوائی پینے کے بعد شفا دیتا ہے اور زہر پینے کے بعد موت دیتا ہے۔ مگر جو آدمی یہ گمان کرتا ہے کہ اس چیز کا وجود اس ستارے کی وجہ سے ہے تو اسے کافر قرار دیا جائے گا۔ جس طرح جو آدمی یہ اعتقاد رکھے کہ دوائی شفا دینے میں مؤثر حقیقی ہے۔ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر ہمیں حضور ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی جبکہ رات کے وقت آسمان پر علامات ظاہر ہوئی تھیں۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ لوگوں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا میرے بندوں میں سے ایک قوم نے صبح اس حالت میں کی کہ وہ مجھ پر ایمان رکھنے والی تھی اور کچھ کفر کرنے والی تھی۔ جن لوگوں نے یہ کہا اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے ہم پر بارش ہوئی تو وہ مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور ستاروں سے کفر کرنے والے ہیں۔ مگر جنہوں نے یہ کہا ہم پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی وہ مجھ سے کفر کرنے والے ہیں اور ستاروں پر ایمان رکھنے والے ہیں، متفق علیہ۔ (1)۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے متوخر الذکر عقیدہ کفر ہے جبکہ پہلا عقیدہ کفر نہیں مگر علوم نجوم میں مشغول ہونا مکروہ ہے کیونکہ یہ بے فائدہ کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے علم نجوم حاصل کیا اس نے جادو کا ایک حصہ حاصل کیا۔ اس نے علم میں اضافہ کیا لیکن حقیقت میں کوئی اضافہ نہیں کیا (2)۔ اسے امام احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے علم نقاط اور علم خطوط کا بھی یہی حال ہے۔ اس علم کو علم املاء کہتے ہیں۔ یہ بھی انبیاء سے اخذ کیا گیا ہے یہ ظن کا فائدہ دیتا ہے علم قطعی کا فائدہ نہیں دیتا۔ فال پکڑنا کوئی شے نہیں۔

معاویہ بن حکم سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم دور جاہلیت میں کچھ کام کیا کرتے تھے۔ ہم کاہنوں کے پاس آتے تو آپ نے فرمایا کاہنوں کے پاس نہ جایا کرو۔ میں نے عرض کی ہم فال پکڑتے تھے۔ فرمایا یہ ایسی چیز ہے جو تم اپنے نفوس میں پاتے ہو۔ یہ فال تمہیں کسی کام سے نہ روکے۔ میں نے عرض کی ہم خط لگایا کرتے تھے۔ فرمایا انبیاء میں سے ایک نبی خط لگایا کرتا

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 59 (قدیمی) 2۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 248، حدیث: 3726 (العلمیہ)

تھا۔ جس کا خط نبی کے خط کے موافق ہو گیا تو وہ اسی طرح ہو جاتا ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ اسی طرح جادو کا علم آسمان سے نازل ہوا لیکن جادو کرنا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ۔ سورۂ بقرہ میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ بعض اوقات علم غیب بھوکے رہنے والوں اور ریاضت کرنے والے کافروں کو بھی ہو جاتا ہے جو بطور استدراج ہوتا ہے۔ ہم کہتے ہیں اس علم کا منشا کشف اور عالم امثال کا مطالعہ ہے۔ کشف اور عالم امثال کے مطالعہ کی دو صورتیں ہیں:۔

(1) صوفی شریعت کی اتباع اور سنت کے نور کے ذریعے یہ حاصل کرتا ہے جب اس کے لئے ظاہری اور باطنی حواس جلا پا جاتے ہیں اسی کو فراست مومن کہتے ہیں۔

(2) بھوک، ریاضت اور نفس کی مخالفت کرنے سے بھی یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات اس کے ذریعے بعض غیوب سے یا مثالی صورتوں سے حجابات اٹھ جاتے ہیں تو وہ ان چیزوں کو عیاں دیکھتا ہے تو یہ علم شہادت سے تعلق رکھتا ہے۔

ساتھ ہی ساتھ جب وہ علم جو اولیاء کو کشف اور مثال کے ذریعے حاصل ہوتا ہے وہ ظنی ہوتا ہے، خطا کا احتمال رکھتا ہے تو کفار کو جو علوم حاصل ہوتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا کیونکہ کفار شیطانوں کے شاگرد ہوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو جھوٹی باتیں دھوکہ دینے کے لئے القاء کرتے ہیں۔ اگر تیرا رب چاہے تو ایسا نہ کر سکیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو وہ ارادہ کرتا ہے۔ جو چیزیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ یہاں ظہور غیب سے علم قطعی ہے۔ جہاں تک پہنچنے کا شیطان کو کوئی راہ نہیں وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

فانه میں فاء سببیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ رسول کے آگے اور پیچھے فرشتوں میں سے نگہبان معین کرتا ہے۔ رصد یہ راصد کی جمع ہے۔ یہ نگہبان اس چیز کی حفاظت کرتے ہیں کہ شیطان اس میں سے کوئی چیز اچک نہ لیں یا جو چیز وحی میں نہ ہو اس کو خلط ملط نہ کر دیں۔

مقاتل رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے کہا جب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو مبعوث کرتا ہے۔ ابلیس اس رسول کے پاس فرشتے کی صورت میں آتا اور اسے خبر دیتا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے آگے پیچھے فرشتے معین کر دیئے جو اس کی حفاظت کرتے اور شیطانوں کو دور بھگاتے۔ جب شیطان فرشتے کی صورت میں اس رسول کے پاس آتا تو فرشتے اس رسول کو بتاتے کہ یہ شیطان ہے اس سے بچ کر رہ۔ جب فرشتہ حاضر ہوتا تو فرشتے کہتے یہ تیرے رب کا پیغام پہنچانے والا ہے۔ اسی کی مثل یہ آیت ہے لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ۔

لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

''تاکہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں (درحقیقت پہلے ہی) اللہ ان کے حالات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اس نے شمار کر رکھا ہے ۱۔''

۱۔ لِيَعْلَمَ کا فاعل اسم جلالت ہے۔ معنی ہوگا تاکہ اس کا علم اس کے ساتھ متعلق ہو۔ یہی مفہوم اس آیت کریمہ کا بھی ہے لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ جار مجرور یسلک کے متعلق ہے اور یہ شیاطین سے محفوظ رکھنے کی علت ہے۔

ان مثقلہ سے مخفف ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے۔ ابلغوا میں ضمیر سے مراد رسول ہیں۔ معنی یہ ہوگا کہ رسولوں سے ان کے رب کے پیغام کو پہنچانے کا عمل پایا جائے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی اور اختلاط نہ پایا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا یعلم کی ضمیر رسول کی

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 232 (قدیمی)

طرف لوٹ رہی ہے۔ معنی ہوگا رسول قطعی طور پر جان لے اور اس میں کوئی شک نہ رہے کہ اس نے اور دوسرے رسولوں نے ان کے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے اور شیطان نے اس میں کوئی دخل اندازی نہیں کی۔ یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے **لیعلم** کو مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ معنی ہوگا کہ لوگ جان جائیں کہ رسولوں نے پیغام حق پہنچا دیا ہے۔ رسولوں کے پاس جو علم ہے اللہ تعالیٰ اسے احاطہ میں لئے ہوئے ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں اس نے پہاڑوں کے وزن، سمندروں کی گہرائی، بارش کے قطرات اور درختوں کے پتے رات نے جن پر تاریک ہوئی اور جن پر سورج چمکا سب کی تعداد کو شمار کیے ہوئے ہے۔ **عددا** یا تو حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی **عدّ عددا** یا تمیز کی حیثیت سے منصوب ہے۔ **اَحْصٰی عَدَدَ كُلَّ شَیْءٍ** یعنی اس نے ہر چیز کی تعداد کو شمار کر رکھا ہے، واللہ اعلم۔

Nafse Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

سورۂ مزمل

آیاتها ۲۰ ۔ سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ ۷۳ ۔ رکوعاتها ۲

سورۂ مزمل مکی ہے، اس میں 2 رکوع اور 20 آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ﴿۴﴾

"اے چادر لپیٹنے والے![1] رات کو (نماز کے لئے) قیام فرمایا کیجئے مگر تھوڑا[2] یعنی نصف رات یا کم کرلیا کریں اس سے بھی تھوڑا سا[3] یا بڑھا دیا کریں اس پر اور (حسب معمول) خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے قرآن کریم کو[4]"

[1] المزمل یہ تَزَمَّلَ بِثِيَابِهٖ سے مشتق ہے۔ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی آدمی اپنے اوپر کپڑا لپیٹ لے۔ تاء کو زاء سے بدلا اور زاء کو زاء میں ادغام کردیا۔ اسی کی مثل مدثر ہے۔ یہ تَدَثَّرَ بِثَوْبِهٖ سے مشتق ہے۔

رسالت کی تبلیغ سے پہلے وحی کے آغاز میں آپ کو اس طرح خطاب کیا گیا۔ بعد میں یاایھا النبی اور یاایھا الرسول کے الفاظ سے خطاب ہونے لگا۔ وحی کے آغاز میں وحی کی ہیبت کی وجہ سے آپ خوف زدہ ہوئے اور اپنے آپ کو کپڑے میں لپیٹ لیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے وحی کے انقطاع کے بارے میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا اسی اثناء میں کہ میں چل رہا تھا کہ میں نے آواز سنی میں نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی تو وہی فرشتہ جو غار حراء میں میرے پاس آیا تھا۔ وہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں اس کے رعب کی وجہ سے ڈر گیا۔ قریب تھا کہ میں زمین پر گر پڑتا۔ میں اپنے گھر آیا۔ میں نے کہا مجھے چادر اوڑھا دو۔ تو اللہ تعالیٰ نے یا ایھا المدثر سے لے کر فاھجر تک آیات کو نازل فرمایا۔ پھر لگاتار وحی آنے لگی، متفق علیہ۔(1)

صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک طویل حدیث مروی ہے کہ حضور ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمایا مجھے چادر اوڑھا دو۔ یہ کلمات آپ نے دو دفعہ کہے۔ گھر والوں نے آپ کو چادر اوڑھا دی۔ یہاں تک کہ آپ سے خوف جاتا رہا(2)۔ ہم ان شاء اللہ اس حدیث کو سورۂ اقرأ باسم ربک میں ذکر کریں گے۔ بزار اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قریش دار الندوہ میں جمع ہوئے۔ کہنے لگے اس آدمی کو ایسا نام دو جس کے باعث لوگ ان سے دور ہو جائیں۔ بعض نے کہا اسے کاہن کا نام دے دو۔ دوسروں نے کہا وہ کاہن تو نہیں۔ بعض نے کہا اسے مجنون کہہ دو۔ دوسروں نے کہا وہ مجنون بھی نہیں۔ بعض نے کہا اسے جادوگر کہہ دو۔ دوسرے کہنے لگے وہ جادوگر بھی تو نہیں۔ یہ بات حضور ﷺ

1۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 274، حدیث: 5843 (الفکر)
2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 739 (وزارت تعلیم)

تک پہنچی تو آپ نے اپنے اوپر کپڑا لپیٹ لیا۔ جبرئیل امین حاضر ہوئے یا ایھا المزمل اور یا ایھا المدثر سے خطاب کیا۔(1)

۲۔ نماز کو قیام سے تعبیر کیا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کل کو جزء کا نام دے دیا گیا۔ یہ آیت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ قیام نماز کا رکن ہے۔ اسی پر اجماع ہے۔ اللیل یہ ظرف زمان ہے۔ حرف جر حذف ہے اور استیعاب پر دلالت کرتا ہے۔ جس طرح صمت شھرا میں پورا مہینہ مراد ہے جبکہ صمت فی الشھر سے مراد مکمل مہینہ نہیں۔ الا قلیلا سے رات کے بعض حصے کا قیام باقی رہا جبکہ مستثنیٰ مبہم ہو تو مستثنیٰ منہ میں بھی ابہام آ جاتا ہے جس وجہ سے محکوم بہ مجمل ہو جاتا ہے جسے بیان کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کے ساتھ وضاحت فرمائی۔

۳۔ یہ اللیل سے بدل کل ہے جس سے قلیل کو مستثنیٰ کر لیا گیا ہے کیونکہ جب کسی چیز سے استثناء کی گئی ہو تو باقی ماندہ ہی منطوق کے حکم میں ہوتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی قم نصف اللیل۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ قلیل سے بدل ہے اور اس کا بیان ہے۔ مستثنیٰ کے بیان سے باقی ماندہ بھی واضح ہو گیا اور ابہام زائل ہو گیا اس صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی قم اللیل الا نصفہ۔ دونوں تقدیروں کا معنی ایک ہی ہے۔ نصف کو جو قلیل کہا گیا یہ نصف کو کل کی طرف منسوب کرنے کے اعتبار سے ہے۔ نصف رات تک سونا عموماً نیند سے کم ہی ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رات کو اس لئے پیدا فرمایا ہے تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور اس لئے بھی کہ تہجد کے لئے جب اس نے نصف رات قیام کیا تو باقی نصف رہ گیا جس میں مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ اسی طرح دوسری بشری ضروریات ہوتی ہیں جیسے کھانا پینا اور بیت الخلاء جانا۔ اس لئے نصف سے کم ہی وقت سونے کے لئے رہ گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا نصفہ یہ اللیل سے بدل ہے اور استثناء نصفہ سے ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی قم نصف اللیل الا قلیلا، اس صورت میں استثناء نصف سے ہوگی جو ذکر میں مستثنیٰ کے بعد ہے۔ اس صورت میں نصفہ، اللیل سے بدل بعض ہوگا۔ قصر میں بدل بعض کا حکم وہی ہوتا ہے جو استثناء کا ہوتا ہے۔ کلام کا مقتضیٰ یہ ہوگا کہ بدل کے ذریعے قصر پر استثناء کے ذریعے قصر کو مقدم کیا جائے۔ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ کلام بیان کے بعد مجمل ہو۔

انقص کا عطف قم اللیل پر ہے۔ منہ میں ہ ضمیر سے مراد نصف باقی ہے جو استثناء کے بعد باقی بچتا ہے۔ قلیلا یہ یا تو زمانہ کی صفت ہو کر مفعول فیہ ہے یا نقصانا کی صفت ہو کر مفعول مطلق ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قیام چوتھائی حصہ سے زیادہ ہو یا نصف سے زیادہ ہو جتنا آپ چاہیں۔ اس آیت میں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ رات کا قیام چوتھائی حصہ سے زیادہ ہو اگرچہ ایک ساعت ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں قیام کا حکم وجوب کے لئے ہے جس طرح اصل میں امر کا مقتضیٰ ہے۔ بغوی کے کلام کا مفہوم بھی یہی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسروں کے قول سے بھی یہی معنی سمجھ آتا ہے کہ اس آیت کے ذریعے حضور ﷺ اور آپ کی امت پر رات کا قیام واجب ہے۔ پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ اسی حساب سے قیام فرماتے لیکن آدمی کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ رات کا تیسرا حصہ، نصف دو ثلث کب ہوں گے۔ وہ صبح تک عبادت کرتے رہتے۔ خوف یہ ہوتا کہ جتنا حصہ قیام کرنا ضروری ہے وہ رہ نہ جائے۔ یہ ان پر بہت مشکل ہو گیا اور ان کے قدموں میں سوجن آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا ان پر تخفیف فرمائی اور اس حکم کے ساتھ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ کے ساتھ حکم منسوخ فرمایا(2)۔ اب اس طرح قیام کرنا سنت ہے۔

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 440 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 137 (التجاریہ)

حضرت سعید بن ہشام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حاضر ہوا، عرض کی آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں بتائیں۔ آپ نے فرمایا کیا تو قرآن نہیں پڑھتا؟ میں نے عرض کی میں پڑھتا ہوں۔ فرمایا نبی کریم ﷺ کے اخلاق قرآن تھے۔ میں نے عرض کی رسول اللہ ﷺ کا قیام تو مومنوں کے لئے تکلیف کا باعث ہے۔ فرمایا کیا تو سورۂ مزمل نہیں پڑھتا؟ میں نے عرض کی میں پڑھتا ہوں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورت کے آغاز میں رات کے قیام کو فرض قرار دیا تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے ایک سال تک قیام کیا یہاں تک کہ ان کے قدموں میں سوجن آگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اختتام کو ایک سال تک آسمانوں میں روکے رکھا۔ پھر اس سورت کے اختتام میں تخفیف کو نازل فرمایا۔ پھر یہ فرض نفل ہو گیا (1)۔ اسے ابوداؤد، نسائی اور بغوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح نقل کیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ سے روایت کیا ہے۔ مقاتل اور ابن کیسان رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ حکم مکہ مکرمہ میں تھا جب تک پانچ نمازیں فرض نہیں ہوئی تھیں پھر پانچ نمازوں کی فرضیت کے ساتھ یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے نماز تہجد کا وجوب حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ خاص تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اسی امر پر دلالت کرتا ہے: اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ کیونکہ من کا کلمہ بعضیہ ہے اور اس امر میں صریح ہے کہ بعض صحابہ دوسرے صحابہ سے کم قیام کرتے تھے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر تہجد کا وجوب حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ خاص تھا تو تخفیف کی یہ علت کیسے بن سکتی ہے: عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ یہ آیت تو اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس رخصت میں امت کی حالت اور کمزوری کا اعتبار کیا گیا ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے اس معاملہ میں تخفیف اس لئے کی کیونکہ آپ کی امت میں کمزوری ہے اور ان میں کئی رکاوٹیں پائی جاتی ہیں۔ حضور ﷺ جب کسی عمل پر مواظبت اختیار کرتے ہیں تو امت کے لئے وہ مسنون ہو جاتا ہے اگرچہ وہ واجب تو نہیں ہوتا لیکن امت سے اس کے بجالانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے بلکہ جو اس عمل کو ترک کرتا ہے اس پر ملامت بھی کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ۔ جو یہ بات کی گئی کہ مسنون اس امر کو کہتے ہیں جس پر حضور ﷺ نے بطور نفل مواظبت اختیار کی ہو بطور نفل کی قید صوم وصال اور اس جیسے امور سے بچنے کے لئے لگائی گئی تو یہ کوئی چیز نہیں کیونکہ جن امور پر حضور ﷺ نے مواظبت اختیار کی ہے۔ ان میں اصل ان کی پیروی کرنا ہے۔ اس امر کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جا سکتا جب تک وہ امر امت کے حق میں حرام یا ممنوع نہ ہو۔ جس طرح صوم وصال، چار سے زیادہ عورتوں سے ایک وقت میں شادی کرنا۔ اسی طرح کے دوسرے خاص کام جو حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہیں۔ اس لئے اس قید کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ کا عطف قم اللیل پر ہے۔ جو یہ بات کی گئی کہ ترتیل کا حکم مندوب (مستحب) ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے اور رتل کا عطف قم پر ہے تو یہ عطف اس بات کا بھی تقاضا کرے گا کہ قیام کا حکم بھی ندب (استحباب) کے لئے ہو گا تو یہ بھی کوئی چیز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حافظ قرآن کو کہا جائے گا پڑھتا جا اور منازل چڑھتا جا۔ اسی طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جس طرح تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا۔ تیرا ٹھکانہ وہاں ہو گا جہاں تو آخری آیت پڑھے گا۔ اسے امام احمد، امام ترمذی، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ (2)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 137 (التجاریۃ) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 115 (وزارت تعلیم)

ترتیل کا معنی یہ ہے کہ منہ سے کلمات سہولت اور درستگی کے ساتھ ادا کرنا صراح اور قاموس میں اسی طرح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی یہ مروی ہے کہ قرآن کو واضح کر کے الفاظ کو جدا جدا کر کے پڑھو۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی یہی معنی مروی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی الگ الگ الفاظ ادا کرنا ہے(1)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا، نبی کریم ﷺ کی قرأت کیسے تھی؟ فرمایا آپ کی قرأت میں طوالت تھی۔ پھر آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تلاوت کی۔ آپ نے لفظ اللہ لفظ رحمٰن اور لفظ رحیم کو کھینچ کر روایت کیا۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا ہے(2)۔ میں کہتا ہوں ان تینوں کلمات کو کھینچ کر پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ لفظ اللہ میں لام کے بعد الف اور رحمٰن میں میم کے بعد الف کو ایک حرکت کے برابر کھینچ کر پڑھتے تھے۔ رحیم میں وقف کی صورت میں مد کو دو، چار یا چھ حرکتوں کے برابر لمبا کرنا جائز ہے۔ وصل کی صورت میں ایک حرکت کے برابر لمبا کرنا جائز ہے۔ اسی پر تمام قاریوں کا اجماع ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی قرأت کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے آپ کی قرأت کی صفت بیان کرتے ہوئے ہر ہر لفظ کو الگ الگ کر کے پڑھا(3)۔ اسے امام ترمذی، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ ان دونوں سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور ﷺ جملوں کو الگ الگ کر کے پڑھتے آپ الحمد للہ رب العالمین پر وقف کرتے۔ پھر آپ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر وقف کرتے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(4)۔ میں کہتا ہوں ترتیل کا معنی قرآن کو اچھی لے کے ساتھ پڑھنا بھی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی چیز کی طرف اتنا متوجہ نہیں ہوتا جتنا اس نبی کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اچھی آواز میں قرآن پڑھتا ہے، متفق علیہ (5)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک روایت مروی ہے اللہ تعالیٰ کسی کی طرف اتنا متوجہ نہیں ہوتا جتنا اس نبی کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو بلند آواز کے ساتھ اچھی لے میں قرآن پڑھتا ہے، متفق علیہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی اچھی لے میں قرآن نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(6)۔ یہاں یتغنی سے مراد اچھی آواز سے قرآن پڑھنا ہے جس طرح دوسری روایات میں صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ اسے گانے کے انداز میں پڑھنا صحیح نہیں کیونکہ وہ حرام اور ممنوع ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عربوں کے لہجے اور ان کی آواز میں قرآن پڑھو عاشقوں اور اہل کتاب کے انداز میں قرآن نہ پڑھو۔ میرے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو گانے اور نوحہ کے انداز میں قرآن پڑھیں گے۔ قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کے دل بھی آزمائش میں ڈالے گئے اور ان کے دل بھی فتنہ میں مبتلا کئے گئے ہیں جنہیں ان قاریوں کا اس طرح پڑھنا اچھا لگتا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے شعب میں روایت کیا ہے۔(7)

فائدہ:۔ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ قرآن کے معانی اور الفاظ میں نصیحت حاصل کرنے کے لئے تدبر کیا جائے، وعید والی آیت پر اللہ سے ڈرا جائے، وعدہ والی آیت پر اللہ تعالیٰ سے امید رکھی جائے۔ اسی طرح کی دوسری روایات ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے قرآن کو ردی کھجوروں کی طرح نہ بکھیر و اور نہ شعر کی طرح اسے گاؤ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 137 (التجاریۃ)
2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 754 (وزارت تعلیم)
3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 116 (وزارت تعلیم)
4۔ ایضاً
5۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 751 (وزارت تعلیم)
6۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 600 (الفکر)
7۔ شعب الایمان: 2649 (العلمیۃ)

اس کے عجائبات پر ٹھہرو، اس کے ساتھ اپنے دلوں کو حرکت دو، سورت کا ختم کرنا تمہارا مقصود نہ ہو(1)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ آپ کوئی ایسی آیت پڑھتے جس میں جنت کا ذکر ہوتا تو ٹھہر جاتے اور جنت کا سوال کرتے اور اور کوئی ایسی آیت پڑھتے جس میں آگ کا ذکر ہوتا تو آپ ٹھہر جاتے اور جہنم سے پناہ چاہتے۔

حضرت عبیدالملیکی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ صحابی تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے قرآن کے حاملین قرآن کو تکیہ نہ بنا لو، دن رات اس کو اس طرح تلاوت کرو جس طرح تلاوت کرنے کا حق ہے۔ اسے پھیلاؤ، اچھی آواز میں اس کی تلاوت کرو، جو کچھ اس میں ہے اس میں غور و فکر کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ، اسے جلدی جلدی نہ پڑھو کیونکہ اس کے پڑھنے کا بھی ثواب ہے۔ اسے بیہقی رحمتہ اللہ علیہ نے شعب میں روایت کیا ہے۔ حضرت سعد بن عبداللہ ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسی اثناء میں کہ ہم تلاوت کر رہے تھے کہ حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ فرمایا الحمد للہ کتاب ایک ہے۔ تم میں نیک لوگ ہیں، سرخ ہیں، سیاہ ہیں اور سفید ہیں۔ ان قوموں کے آنے سے پہلے قرآن پڑھو جو قرآن کی تلاوت کریں گے۔ وہ حروف کو اس طرح درست کریں گے جس طرح تیر سیدھا کیا جاتا ہے قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ جلدی اجر کی خواہش کریں گے اور آخرت کے اجر کی خواہش نہیں رکھیں گے۔(2)

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا ۝

"بے شک ہم جلد ہی القاء کریں گے آپ پر ایک بھاری کلام 1۔ بلاشبہ رات کا قیام (نفس کو) سختی سے روندتا ہے اور بات کو درست کرتا ہے 2۔"

1۔ قول ثقیل سے مراد رات میں قیام کرنے کا حکم ہے کیونکہ یہ حکم ثقیل ہے اور نفس پر بڑا شاق گزرتا ہے۔ یہ جملہ اس تاویل کی بناء پر سابقہ جملہ کے لئے تذئیل اور تاکید ہے۔ سنلقی میں سین تاکید کے لئے ہے زمانہ مستقبل کے لئے نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے قرآن مراد ہے۔ محمد بن کعب نے کہا قرآن منافقین پر ثقیل ہے۔ میں کہتا ہوں یہ ارشاد بھی اس ارشاد کی طرح ہے كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ۔ حسن بن فضل نے کہا قرآن میزان میں ثقیل ہے(3)۔ میں کہتا ہوں اس قول کی مثل حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ متفق علیہ (4)۔ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ مقاتل رحمتہ اللہ علیہ نے کہا قرآن اس لئے ثقیل ہے کیونکہ اس میں امر، نہی اور حدود ہیں۔ قتادہ رحمتہ اللہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ ابو العالیہ نے کہا وعدہ اور وعید میں ثقیل ہے(5)۔ ان اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ثقیل اس لئے ہے کیونکہ اس میں مشکل احکامات ہیں، اس میں وعدہ اور وعید ہے، قیامت کا ذکر مکلفین پر ثقیل ہے، خصوصاً حضور ﷺ کے لئے ثقیل ہے کیونکہ حضور ﷺ پر یہ بھی لازم ہے کہ آپ اس کے احکامات کو اپنے اوپر لازم کریں اور اپنی امت پر بھی اسے لازم کریں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۂ ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ اسے طبرانی رحمتہ اللہ علیہ نے عتبہ بن عامر اور ابن ابی جحیفہ سے روایت کیا ہے، یعنی اس میں جو احکامات ہیں انہوں نے مجھے بوڑھا کر

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 138 (التجاریہ) 2۔ ایضاً۔ 3۔ ایضاً
4۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 2، صفحہ 24، حدیث: 2298 (الفکر) 5۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 138 (التجاریہ)

دیا ہے جیسے فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ یا اس میں قیامت اور سابقہ امتوں کے عذاب کا ذکر ہے۔ اسی مفہوم پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ مجھے سورۂ ھود، واقعہ، مرسلت، عم یتسالون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔(1) حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اسی کی مثل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عبداللہ بن احمد نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا مجھے ھود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے کیونکہ ان میں قیامت اور دوسری امتوں کے واقعات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ غور وفکر کرنے والے کے لئے ثقیل ہے کیونکہ غور وفکر کرنے والے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے دل کو پاک کرے اور نظر وفکر کو دوسری چیزوں سے الگ تھلگ کرے کیونکہ ان کے الفاظ باوقار اور معانی بڑے مضبوط ہیں۔ یہ تعبیر پہلی اور بعد والی آیتوں کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس میں تدبر کیا جائے اور اس کو سمجھا جائے اور نماز تہجد دل کو زبان کے زیادہ موافق کرنے والی ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ صوفی کے باطن پر زیادہ ثقیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے دل پر تجلی فرماتا ہے۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ قرآن ثقیل (بھاری) ہے ہلکا اور لچر نہیں کیونکہ یہ ہمارے رب کا کلام ہے(2)۔ ہمارے شیخ اجل یقین کے راستہ کی طرف راہنمائی کرنے والے رب العالمین کے محبوب سیف الملت والدین نے فرمایا کہ قرآن کی حقیقت کا انکشاف سالک کے باطن پر ثقیل ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا میں کہتا ہوں اس معرفت کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔ ایک قول یہ بھی کیا گیا ہے کہ قرآن کو لینا بڑا بھاری ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو یہ آپ کے لئے بڑے کرب کا باعث ہوتی اور آپ کا چہرہ زرد پڑ جاتا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ اپنا سر جھکا لیتے اور آپ کے صحابہ بھی سر جھکا لیتے جب وحی کا سلسلہ ختم ہو جاتا تو آپ اپنا سر اٹھا لیتے۔

صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ روایت مروی ہے کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ پر وحی کیسے آتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کبھی گھنٹی کی آواز کی صورت میں مجھ پر وحی آتی ہے۔ یہ صورت مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے۔ وحی ختم ہوتی ہے تو میں اسے یاد کر چکا ہوتا ہوں۔ کبھی فرشتہ انسانی شکل میں میرے پاس آتا ہے، وہ مجھ سے کلام کرتا ہے تو جو وہ کہتا ہے میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میں نے سخت سردی میں آپ پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھی، وحی کا سلسلہ ختم ہوتا تو آپ ﷺ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہوتا، متفق علیہ۔(3) اس قول کا بھی احتمال ہے کہ یہ اس بناء پر ثقیل ہے کیونکہ اس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ دعوت وتبلیغ اور ارشاد وتکمیل کے لئے مخلوق کی طرف متوجہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قُمْ فَاَنْذِرْ۔ اسی طرح فرمان ہے وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ جبکہ پہلے آپ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے اور اسی کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ آپ ﷺ غار حراء میں اکیلے ہوتے اور کئی کئی راتیں وہاں عبادت کرتے رہتے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ گھر جانا اور زاد راہ لینا یہ ثقیل تھا کیونکہ آپ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لاتے اور زاد راہ لے کر

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 162 (وزارت تعلیم) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 138 (التجاریہ) 3۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 2 (و۔ت)

پھر غار حراء میں تشریف لے جاتے۔ صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسی طرح مروی ہے۔ کسی کی راہنمائی کرنا اور دوسرے کو کمال عطا کرنا اگرچہ اپنے آپ کو کامل بنانے اور خلوت گزینی سے افضل ہے۔ لیکن بعض اوقات صوفی کے نزدیک اس کے برعکس ہوتا ہے جس وجہ سے وہ اسے اپنے اوپر بوجھ خیال کرتا ہے۔ صوفی یہ گمان کرتا ہے کہ مخلوق کی ہدایت اور انہیں مرتبہ کمال پر فائز کرنا یہ توجہ الی اللہ اور خلوت گزینی سے کم درجہ کی چیز ہے۔ اسی وجہ سے یہ قول بھی کیا جاتا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے، یعنی نبی کی ولایت نبی کی نبوت سے افضل ہے کیونکہ ایسا قول کرنے والے کا یہ گمان ہے کہ ولایت کا معنی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا ہے اور نبوت کا معنی مخلوق کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ قول حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ نبوت ولایت سے مطلقاً افضل ہے کیونکہ نبوت کا مطلب ذات باری تعالیٰ میں سیر کرنا ہے اور ولایت کا مطلب صفات میں سیر کرنا ہے۔ دونوں کے درمیان بہت زیادہ تفاوت ہے۔ اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کو عروج اور مخلوق کی طرف توجہ کرنے کو نزول کہتے ہیں۔ دونوں سیروں کے درمیان صوفی کو عروج و نزول دونوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ فرق یہ ہوتا ہے کہ مقام ولایت میں مرتبہ نزول پر فائز ہونے والا شخص اگرچہ مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے لیکن وہ مرتبہ عروج میں اپنی انتہا کو نہیں پاتا اس لئے وہ بلندیوں کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ مقصود کمال کی انتہاء کو پانا ہوتا ہے۔ مقام نبوت پر فائز ہستی مرتبہ نزول پر اسی وقت فائز ہوتی ہے۔ جب وہ مقام عروج کی انتہاء کو پا چکی ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ مخلوق کو مرتبہ کمال پر فائز کرنے کے لئے مکمل طور پر متوجہ ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے، اگرچہ یہ اس کی طبیعت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ مقام نبوت پر فائز ہونے والی ہستی افضل و اکمل ہوتی ہے۔ یہ جہاد کا سلسلہ باقی رہے گا جب تک یہ زندگی باقی ہے۔ اس زندگی سے فارغ ہونے کے بعد وہ رفیق اعلیٰ سے جا ملتا ہے۔ اس وقت وہ اپنے اجر اور جنہوں نے اس کی کاوشوں سے ہدایت پائی ان کے اجر کی وجہ سے وہ مکمل طور پر بلند درجات کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ حقیقت حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

انا سنلقی والا جملہ یا تو سابقہ جملہ کی تذئیل و تاکید ہے جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا۔ یا یہ جملہ معترضہ ہے اور رات کو قیام کرنے کی حکمت کو بیان کرتا ہے کیونکہ رات کو قیام کرنے کی وجہ سے نفس کو مشقت پر مشق ہوتی ہے اور نفس کی مخالفت کرنے پر تجربہ ہوتا ہے یا نماز حضور ﷺ کے لئے قرار کا باعث ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے (1)۔ اسے امام احمد، نسائی اور بیہقی رحہم اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا اے بلال نماز کی اقامت کہہ کر ہمیں راحت پہنچاؤ۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خزاعی صحابی سے روایت کیا ہے۔ اس طرح حضور ﷺ کو مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے جو بوجھ برداشت کرنا پڑتا تھا۔ وہ تہجد کی وجہ سے دور ہو جاتا یا رات کو حضور ﷺ کا قیام امت کے نفوس میں گہرا اثر چھوڑتا تاکہ جونہی امت کے افراد حضور ﷺ کا ارشاد سنیں تو فوراً اسے قبول کریں۔ جس طرح جب جنوں نے آپ کی زبان سے قرآن حکیم کو سنا تو فوراً اسے قبول کر لیا یا آپ ﷺ کے رات کے قیام کا آپ کے مقام شفاعت پر کھڑا ہونے میں بڑا دخل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔

ﷺ۔ ناشئة اللیل کا معنی قیام اللیل ہے۔ ناشئہ مصدر ہے جو اسم فاعل کے وزن پر آیا ہے۔ جس طرح عافیہ عفو کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ازہری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ناشئہ سے مراد سونے کے بعد رات کو قیام کرنا ہے۔ یہ تہجد کے معنی میں ہے۔ ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ رات کے آخری پہر میں قیام کرنا ہے۔ سعید

1۔ کنز العمال، جلد 7، صفحہ 287 (التراث الاسلامی)

بن جبیر اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا رات کے جس حصہ میں اس نے قیام کیا تو اس پر نشأ کا اطلاق ہوگا۔ حبشیوں کی زبان میں نشأ فلان کا معنی قام فلان ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ رات کے پہلے پہر قیام کرنا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل پڑھتے تو فرماتے یہی ناشئہ اللیل ہے (1)۔ ظاہر بات یہ ہے کہ یہ دونوں قول اس مقام کے مناسب نہیں کیونکہ حضور ﷺ کو رات کے آخری حصہ میں قیام کا حکم دیا گیا تھا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا عشاء کے بعد جو بھی نماز ہوتی ہے وہ ناشئہ ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اس سے مراد وہ نفس ہے جو اپنے بستر سے عبادت کے لئے اٹھتا ہے۔ یہ نشأ من مکانہ سے مشتق ہے جب وہ رات کی تمام ساعتوں میں اٹھا۔ رات کی ہر ساعت ناشئہ ہے کیونکہ اس ساعت کا آغاز ہوتا ہے۔ اسی سے نشأت السحابۃ کہتے ہیں۔ ہر چیز جو رات کو پیدا ہوا اور ظاہر ہوا سے ناشی کہتے ہیں۔ اس کی جمع ناشئہ ہے۔ ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے اس لفظ کے معنی کے بارے میں پوچھا تو دونوں نے فرمایا تمام رات ناشئہ ہے (3)۔ اس صورت میں ناشئۃ اللیل میں اضافت بیانیہ ہوگی۔ ابن عامر اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے وطاء پڑھا ہے جس کا معنی موافقت ہے، یعنی رات کا قیام دل کو زبان کے زیادہ موافق کرنے والا ہے کیونکہ دن کی بنسبت رات کے وقت یہ موافقت زیادہ ہوتی ہے جبکہ جمہور قراء نے اسے وَطْأً پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا دن کی نماز کے مقابلہ میں رات کی نماز زیادہ مشکل ہے کیونکہ رات نیند اور راحت کے لئے بنائی گئی۔ ہے اسی معنی میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے اے اللہ مضر پر اپنی پکڑ سخت کر دے۔ جب ایک انسان مشکل ترین عبادت کا عادی ہو جائے تو اس پر تمام اعمال کی مشقت آسان ہو جاتی ہے۔ عبادت نفس پر جتنی مشکل ہوگی اگر اس میں سنت کی رعایت کی جائے تو اس کا ثواب بھی زیادہ ہوگا۔ میزان میں وہ زیادہ وزنی ہوگی اور نفوس میں اس کا اتنا ہی زیادہ اثر ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا رات کے پہلے حصے میں ان کا نماز پڑھنا اس کے زیادہ مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قیام ان پر فرض کیا ہے اس کو ملحوظ رکھیں کیونکہ انسان جب سو جاتا ہے تو وہ یہ نہیں جانتا کہ کب بیدار ہوگا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے کہ رات کا قیام بھلائی میں زیادہ ثابت قدم کرنے والا اور قرأت کو زیادہ محفوظ کرنے والا ہے۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے رات کا قیام نماز شب کی تیاری کو پختہ کرنے والا اور دن کی نماز کی بنسبت نمازی کے لئے زیادہ آسانی کا باعث ہے کیونکہ دن کو لوگوں کے کام کاج کے لئے بنایا گیا ہے جبکہ رات خلوت اور عبادت کے لئے بنائی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ زیادہ چستی کا باعث ہے کیونکہ جو عمل نفس پر زیادہ ثقل کا باعث ہو وہ صوفی کے لئے اتنی ہی لذت کا باعث ہوتا ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دن کی بنسبت رات کا قیام زیادہ فارغ البالی کا باعث ہوتا ہے کیونکہ رات کے وقت نہ کوئی کام رکاوٹ بنتا ہے اور نہ ہی کوئی اور مانع ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا یہ بھلائی کے زیادہ مناسب اور شیطان سے زیادہ محفوظ کرنے والا ہے۔ نیز رات کا قیام ماحول اور آوازوں کے پر سکون ہونے کی وجہ سے قرأت کو زیادہ مثبت کرنے والا اور الفاظ کو درستگی عطا کرنے والا ہے۔ (4)

إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ﴿٧﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ﴿٨﴾

"یقیناً آپ کو دن میں بڑی مصروفیتیں ہیں[1] اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو[2]"

[1] سبح کا معنی جانے میں جلدی کرنا ہے۔ اسی سے پانی میں تیرنے کے لئے سباحہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ معنی یہ ہے کہ دن کے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 139 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

وقت آپ کو اہم کام سرانجام دینے ہوتے ہیں، مخلوق کی دعوت وتبلیغ کرنا ہوتی ہے، احکام کی تعلیم دینا ہوتی ہے، ساتھ ہی ساتھ مختلف امور کے بارے میں مصروفیت ہوتی ہے۔ اس لئے تہجد کو لازم پکڑو کیونکہ رات اس کے لئے زیادہ فارغ ہوتی ہے۔ یہ آیت سابقہ آیت کے لئے علت کی طرح ہے۔

رات کی نماز کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر رات ہمارا رب دنیا کے آسمان پر جلوہ فرماتا ہے۔ جب رات کا تیسرا حصہ باقی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اس کی دعا کو قبول کروں، کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اسے عطا کروں، کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے کہ میں اس کے گناہ بخش دوں، متفق علیہ (1)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے پھر وہ اپنے ہاتھ بڑھاتا ہے اور فرماتا ہے وہ کون ہے جو اس ذات کو قرض دے جو نہ مفلس ہے اور نہ ہی ظلم کرنے والی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ رات میں ایک ایسی گھڑی ہے جس میں کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ سے دنیا وآخرت کی بھلائی کا سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ بھلائی عطا فرما دیتا ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نمازوں میں سے سب سے اللہ کو محبوب حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور روزوں میں سے سب سے زیادہ اللہ کو محبوب حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں۔ آپ نصف رات سوتے رات کا تیسرا حصہ عبادت کرتے اور چھٹا حصہ سو جاتے ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے، متفق علیہ (3)۔ ابی امامہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم پر رات کا قیام لازمی ہے کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ ہے یہ تمہیں تمہارے رب کے قریب کرنے والا ہے گناہوں کو مٹانے والا اور گناہوں سے روکنے والا ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (4)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ مسکراتا ہے: (1) جب ایک آدمی رات کو نماز پڑھتا ہے، (2) قوم جب وہ نماز میں صف بندی کرتی ہے، (3) قوم جب دشمن سے جنگ کرنے میں صف بندی کرتی ہے۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنہ میں روایت کیا ہے۔ عمرو بن عبینہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اگر تم یہ طاقت رکھو کہ تو ان لوگوں میں سے ہو جائے جو اس وقت اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو ان لوگوں میں سے ہو جا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (5)۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ صحیح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے بہترین لوگ حاملین قرآن اور رات کو عبادت کرنے والے ہیں۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب میں روایت کیا ہے۔

۸۔ اذکر اسم ربک کا عطف قم اللیل پر ہے۔ اس سے مراد رات دن اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے جس میں کوئی انقطاع اور سستی نہ ہو۔ ایسا عمل زبان سے تو ممکن نہیں، زبان اور اعضاء سے تسبیح، تحمید، قرأت اور اس جیسے جو ذکر ہوتے ہیں ان میں نیت کا فتور آ ہی جاتا ہے۔ اس آیت میں ذکر سے مراد دل کا ذکر ہے۔ ذکر کی حقیقت بھی یہی ہے کیونکہ ذکر کا معنی غفلت کو دور کرنا ہے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ کے فرمان میں مقابلہ تقاضا کرتا ہے ذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ بِمَنْزِلَةِ الصَّابِرِ فِي الْغَارِمِيْنَ۔ جو نماز، تسبیح اور قرأت غافل

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 153 (وزارت تعلیم) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 258 (قدیمی) 3۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 152 (وزارت تعلیم)
4۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 194 (وزارت تعلیم) 5۔ ایضاً

دل سے کی جائے اس کا کوئی شمار نہیں ہوتا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ، ہم نے کہا ہے کہ اس سے مراد دائمی ذکر ہے کیونکہ عطف مغائرت کا تقاضا کرتا ہے۔ رات کی عبادت اور قرآن حکیم کی قرأت مطلق ذکر کو اپنے ضمن میں لئے ہوتی ہے۔ کلام کو اس معنی پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے بجائے اس کے کہ اسے تاکید پر محمول کیا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن حکیم کی تلاوت کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہو۔

مسئلہ:۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سورۂ فاتحہ اور ہر سورت کے آغاز میں بِسْمِ اللّٰهِ شریف پڑھنا سنت ہے جبکہ وہ قرأت کا آغاز اس سورت سے کر رہا ہو ماقبل کو ساتھ نہ ملا رہا ہو دو سورتوں کی قرأت کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ ابن کثیر، قالون اور عاصم رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا سورۃ انفال اور براءت کے علاوہ پورے قرآن میں دو سورتوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ شریف پڑھتے انفال اور براءت کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ نہ پڑھنے میں کوئی اختلاف نہیں۔ باقی قراء دو سورتوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ نہیں پڑھتے۔ حمزہ کے اصحاب جب ایک سورت کا اختتام کرتے تو دوسری سورت کا کچھ حصہ پڑھتے۔ ورش، ابی عمرو اور ابن عامر رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ سورت کے اختتام پر سکتہ کرتے وقف نہ کرتے سورت کے درمیان سے قرأت کرنے کی صورت میں قاری کو اختیار ہوتا کہ چاہے تو بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ لے چاہے اس کو چھوڑ دے۔ یہ تمام قراء کا مسلک ہے۔ یہ نماز کے باہر قرأت کا طریقہ ہے مگر جب وہ نماز میں قرأت کر رہا ہو تو امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ یہ سورۃ فاتحہ اور ہر سورت کا جزء ہے اس لئے سورۃ فاتحہ کے ساتھ بِسْمِ اللّٰهِ شریف پڑھنا واجب ہے۔ دوسری سورت کے ساتھ اسے پڑھنا سنت ہے۔ اس لئے وہ بلند آواز سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھے۔ تینوں ائمہ نے فرمایا یہ کسی سورت کا بھی حصہ نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ یہ قرآن کی آیت ہے جو دو سورتوں کے درمیان فاصلہ کے لئے نازل ہوئی اس وجہ سے وہ بِسْمِ اللّٰهِ شریف کی بلند آواز سے قرأت نہیں کرے گا جبکہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک نہ سورۂ فاتحہ کے آغاز میں اور نہ ہی کسی اور سورت کے آغاز میں اس کی قرأت کرے گا۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کے آغاز میں آہستہ قرأت کرنا سنت ہے جب کوئی اور سورت سورۂ فاتحہ کے ساتھ ملائے گا تو بِسْمِ اللّٰهِ کی قرأت نہیں کرے گا۔ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ ہر سورت کے ساتھ اسے مخفی انداز میں قرأت کرنا مستحب ہے۔ ہم نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں دلیل ذکر کر دی ہے کہ یہ سورۂ فاتحہ کا حصہ نہیں اور نہ ہی کسی اور سورت کا یہ حصہ ہے۔ حضور ﷺ اور خلفاء راشدین اسے نماز میں بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے احباب نے بِسْمِ اللّٰهِ شریف کو بلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں نو احادیث بیان کی ہیں جنہیں دار قطنی اور خطیب رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے، جنہیں ابن جوزی رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ ابن جوزی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا دار قطنی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا نبی کریم ﷺ سے بِسْمِ اللّٰهِ کو بلند آواز سے پڑھنے کی جتنی روایات بھی مروی ہیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں، جو صحابہ سے مروی ہیں ان میں سے کچھ صحیح ہیں اور کچھ ضعیف ہیں۔ ابوداؤد رحمتہ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ بِسْمِ اللّٰهِ شریف کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ مسیلمہ کذاب اپنے آپ کو رحمٰن یمامہ کہلواتا۔ اہل مکہ نے کہا محمد (ﷺ) یمامہ کے اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا تو آپ نے اسے آہستہ پڑھنا شروع کر دیا یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ اسے بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ بلند آواز سے نہ پڑھنے کی روایات حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان،

حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت عمار بن یاسر، حضرت عبداللہ بن مغفل، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اسی طرح کبار تابعین سے بھی ایسی روایات مروی ہیں جن میں حضرت حسن بصری، امام شعبی، سعید بن جبیر، ابراہیم، قتادہ، عمر بن عبدالعزیز، اعمش اور ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔ علماء نے حضرت معاویہ، عطاء، طاؤس اور مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ سے اس کے برعکس روایت کیا ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔

تبتیل یہ تبتل کا مفعول مطلق ہے فواصل کی رعایت کرتے ہوئے اس کو تبتل کی جگہ ذکر کیا ہے۔ نیز اس امر کی طرف اشارہ ہے عموماً تبتل کسبی امر ہے جسے حاصل کرنے کے لئے تعمق اور اجتہاد کی ضرورت ہے۔ تبتیل تبتل سے مقدم ہے۔ اسی وجہ سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں کہا کوشش کرو۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تبتل کا معنی دنیا اور مافیہا کو چھوڑنا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس کی التماس کرنا ہے(1)۔ گویا یہ فرمایا اپنے دل کو غیر اللہ سے الگ کرو اور صرف اللہ کے ہو رہو۔ تبتل کا مطلب یہ نہیں کہ لوگوں سے ملاقات ترک کر دی جائے، لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی جائے اور اللہ تعالیٰ نے جن کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا ہے ان کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ دین میں کوئی رہبانیت نہیں کیونکہ تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے، تیرے گھر والوں کا تجھ پر حق ہے، تیرے مہمان کا تجھ پر حق ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دل سے حسی اور علمی تعلق کو ختم کر دیا جائے۔ صوفیاء نے کہا ہم جس راستے کو طے کرنا چاہتے ہیں اس کو طے کرنے کی دو منزلیں ہیں۔ پہلی منزل مخلوقات سے قطع تعلق کرنا، دوسری منزل حق تک پہنچنا۔ ان میں سے ہر ایک دوسری کو لازم ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دونوں منزلوں کو واؤ عاطفہ کے ساتھ ذکر کیا ہے جو جمع کے لئے آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان واذکر اسم ربک کو تبتل سے پہلے ذکر کیا جس کا معنی حق تک پہنچنا ہے۔ تبتل (مخلوق سے قطع تعلق) کا مقصود بھی حق تک پہنچنا تھا (اس لئے مقصود پہلے ذکر کیا)۔ ہم نے یہ کہا کہ اس ذکر سے مراد حق تک پہنچنا ہے کیونکہ وہ ذکر جس میں سستی اور تساہل واقع نہیں ہوتا وہ علم حضوری ہے جس کا علم حصولی میں تصور نہیں کیا جاسکتا۔ علم حضوری سے مراد یہ ہے کہ نفس معلوم عالم کے پاس حاضر رہے اسی کو دوام حضور، وصول، اتصال، اتحاد اور ان جیسے مختلف الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ متقدمین اسی کو اخلاص سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا خالص اللہ کے لئے عمل کرو(2)۔ یہاں واذکر اسم ربک فرمایا ہے اذکر ربک نہیں فرمایا کیونکہ تبتل کو جو چیز لازم ہوتی ہے۔ اسی کو فناء کہتے ہیں۔ یہ اسماء وصفات کا علم ہے۔ یہ وہ علم نہیں جو ذات سے متعلق ہو کیونکہ وہ تو وراء الوراء ہے۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ ذکر سے مراد زبانی ذکر ہو جو دل کے موافق ہو اور دوام ذکر سے مراد دوام عرفی ہو جس کا معنی بشری طاقت کے مطابق زیادہ سے زیادہ ذکر کرنا ہے۔ یہی چیز انسان کو تبتل کی طرف لے جاتی ہے اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ ہوتی ہے۔ اس میں یہ شرط بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں منتخب کیا جائے جس طرح انبیاء اور اولیاء میں سے افراد کو چنا جاتا ہے یا شیخ کی طرف سے جذب ہو۔ اسی وجہ سے تبتل پر ذکر کو مقدم کرنا زیادہ مناسب اور موزوں ہے۔

یہ چیز بھی ذہن نشین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان واذکر اسم ربک میں اسم ذات کے تکرار کی طرف اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ میں جب لفظ رب کو مجرور پڑھا جائے تو یہ اس تصور کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 104 (التجاریۃ)
2۔ ایضاً

ممکنات کو محیط ہے۔ نفی اور اثبات کا ذکر اور اسم ذات کا تکرار ہی کمالات ولایت کے حاملین کے طریقہ کی بنیاد ہیں۔ اس تاویل کی بناء پر معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغائرت ثابت ہوتی ہے۔ میری مراد قم اللیل، رتل القرآن واذکر اسم ربک ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان چاروں امور یعنی نماز، قرآن کی تلاوت، اسم ذات کا ذکر اور نفی و اثبات ہی قرب کے مراتب اور درجات کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ فرق یہ ہے کہ پہلے دونوں ان کا ذریعہ ہیں جو کمال کی انتہاء پر فائز ہوتے ہیں اور آخری دو اہل ابتداء کے لئے ذریعہ ہیں۔ پہلے دونوں ذریعوں کو مقدم ذکر کیا جبکہ دوسرے دونوں کو مؤخر ذکر کیا کیونکہ پہلے میں مخاطب حضور ﷺ کی ذات ہے جو اہل انتہاء کی اکمل ترین ذات ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا ۝۹

''مالک ہے شرق و غرب کا اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس بنائے رکھئے اسی کو اپنا کارساز۔ل''

ل نافع، ابن کثیر، ابو عمرو اور حفص رحمہم اللہ تعالیٰ نے لفظ رب کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ هو رب المشرق و المغرب یا یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر لا اله الا هو ہے جبکہ باقی قراء نے لفظ رب کو مجرور پڑھا ہے کیونکہ یہ ربک سے بدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں صرف قسم مضمر ہے اور اس کا جواب لا اله الا هو ہے۔ فاتخذ میں فاء سببیہ ہے کیونکہ وہ تمام مخلوقات کا رب ہے۔ اس کا اکیلے اللہ ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تمام امور کو اسی کے سپرد کیا جائے۔ اس آیت میں ایک وہم کو دور کیا گیا ہے۔ وہم یہ ہے کہ مخلوق سے انقطاع ممکن ہے جو اس کی زندگی کے معاملات میں خلل کا باعث ہو کیونکہ انسان مدنی الطبع ہے۔ انسان ایک دوسرے سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ اس وہم کو اس طرح باطل کر دیا کہ اللہ تعالیٰ مشرق و مغرب کا رب ہے۔ مشرق و مغرب میں موجود انسان، شہر، افعال، منافع اور دل سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے، وہی معبود برحق ہے کسی کے لئے نفع و نقصان کا تصور اس کے اذن کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پس اسے کارساز بنائیے وہ دوسروں کے مقابلہ میں تمہارے لئے کافی ہو جائے گا اور وہ کتنا بہترین کارساز ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح رزق عطا فرمائے گا جس طرح وہ پرندوں کو رزق عطا فرماتا ہے۔ وہ صبح بھوکے روانہ ہوتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس لوٹتے ہیں۔ اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روح القدس نے میری روح میں القاء کیا ہے کہ کوئی نفس بھی اس وقت تک نہیں مرتا یہاں تک کہ وہ اپنا مکمل رزق حاصل کر لیتا ہے۔ خبردار اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی طلب میں حسن پیدا کرو۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنہ میں اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ شعب میں بیان کیا ہے۔

حضرت ابوذر نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں دنیا میں زہد یہ نہیں کہ انسان حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے اور مال ضائع کرتا رہے بلکہ دنیا میں زہد یہ ہے کہ جو کچھ تیرے قبضہ میں ہے وہ تیرے نزدیک اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے اس سے زیادہ قابل اعتماد نہ ہو اور جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو اس کے بدلہ کی اتنی امید ہو کہ تم اس مصیبت کے باقی رہنے کی تمنا کرنے لگو۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (1)۔ ہمارے شیخ اجل ہمارے امام اور ہمارے قبلہ یعقوب کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا سورت کے آغاز سے

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 57 (وزارت تعلیم)

اس آیت تک سلوک کے مقامات کی طرف اشارہ ہے کہ رات کو خلوت اختیار کی جائے، قرآن پڑھنے میں مشغول رہا جائے، رحمن کا ذکر کیا جائے، ماسوا کی نفی کی جائے، اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے پھر سلوک کے اعلیٰ مقامات کی طرف اشارہ کیا وہ دشمنوں کے ظلم پر صبر کرنا ہے۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ﴿۱۰﴾ وَذَرْنِیْ وَالْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَ
مَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَیْنَاۤ اَنْكَالًا وَّجَحِیْمًا ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۳﴾

”اور صبر کیجئے ان کی (دل آزار) باتوں پر اور ان سے الگ ہو جائیے بڑی خوبصورتی سے [1]۔ آپ چھوڑ دیں مجھے اور ان جھٹلانے والے مال داروں کو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں [2]۔ ہمارے پاس ان کے لئے بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے [3] اور غذا جو گلے میں پھنس جانے والی ہے اور دردناک عذاب ہے [4]“

1۔ کفار جو خرافات کہتے ہیں ان پر صبر کیجئے کیونکہ وہ حضور ﷺ کے بارے میں کبھی یہ کہتے کہ آپ کاہن ہیں، کبھی کہتے آپ شاعر ہیں کبھی کہتے آپ مجنون ہیں۔ آپ ان سے پہلو تہی کیجئے، ان کا مقابلہ نہ کریں، ان کے معاملے کو میرے سپرد کر دیں۔ اس آیت کا حکم آیت قتال سے منسوخ ہے۔

2۔ والمکذبین میں واؤ مع کے معنی میں ہے، اسے عاطفہ بنانا جائز نہیں۔ معنی یہ ہوگا ان کے معاملے کو میرے سپرد کر دیں۔ میں تیری طرف سے انہیں بدلہ دینے میں کافی ہوں ان کی باتیں آپ کو غمگین نہ کریں۔ اولی النعمۃ سے مراد قریش کے سردار ہیں۔ قلیلا یا تو زمانا کی صفت ہو کر مفعول فیہ ہے یا امهالا کی صفت ہو کر مفعول مطلق ہے، یعنی انہیں موت تک مہلت دو یا جہاد کا حکم آنے تک انہیں مہلت دو۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے انہیں عذاب دے گا، مومنوں کے سینوں کو شفاف کر دے گا اور ان کے دلوں کے غصہ کو ختم کر دے گا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت بدر کے مقتولوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس آیت کے نازل ہونے کے تھوڑا عرصہ بعد انہیں بدر کے مقام پر قتل کر دیا گیا۔ (1)

3۔ یہ جملہ سابقہ جملہ میں فعل امر کی علت بیان کر رہا ہے۔ نکل بھاری بیڑی کو کہتے ہیں۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انکال سے مراد آگ کی بیڑیاں ہیں۔

4۔ وہ گلے میں اٹک جائے گا، نہ نیچے اترے گا نہ باہر نکلے گا۔ ابن جریر اور ابن ابی الدنیا رحمہما اللہ تعالیٰ نے جہنم کی صفت میں حاکم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے طعاما ذا غصۃ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اس سے مراد زقوم کا درخت ہے (2)۔ عبد اللہ بن احمد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ضریع جہنم میں ایک چیز ہے جو کانٹے کے مشابہ ہوگی۔ مصبر سے کڑوی، مردار سے بدبودار اور آگ سے زیادہ گرم ہوگی۔ جب جہنمی اسے کھائے گا تو وہ پیٹ میں داخل نہیں ہوگی اور نہ ہی منہ کی طرف نکلے گی۔ وہ درمیان میں اٹکی رہے گی، نہ وہ جسم کو موٹا کرے گی اور نہ ہی بھوک سے نجات دے گی۔

ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ جہنمیوں پر جہنم کے سانپ اور بچھو گریں گے۔ اگر ان میں ایک سانپ مشرق میں پھنکارے تو اہل مغرب کو جلا دے۔ اگر ان میں سے ایک بچھو اہل دنیا کو ڈنک مارے تو سب کو جلا دے۔ یہ جہنمیوں پر گریں گے تو جہنمیوں کے گوشت اور جلدوں میں داخل ہو جائیں گے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو سعید خدری

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 140 (وزارت تعلیم) 2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 446 (العلمیہ)

رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے آسان عذاب ابوطالب کا ہوگا، انہیں دو جوتے پہنائیں جائیں گے جن سے ان کا دماغ جوش مارنے لگے گا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جہنمیوں میں سے سب سے آسان عذاب اس کا ہوگا جسے دو جوتے پہنائے جائیں گے جس کے تسمے آگ کے ہوں گے جن سے اس کا دماغ یوں جوش مارے گا جس طرح ہنڈیا جوش مارتی ہے۔ وہ یہ خیال کرے گا کہ اس کا عذاب سب سے سخت ہے حالانکہ اس کا عذاب سب سے ہلکا ہوگا(1)۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ﴿١٤﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴿١٥﴾ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا ﴿١٦﴾

"(یہ اس روز) جس دن لرزنے لگیں گے زمین اور پہاڑ اور پہاڑ ریت کے بہتے ٹیلے بن جائیں گے[1] (اے اہل مکہ!) ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف ایک (عظیم الشان) رسول تم پر گواہ بنا کر، جیسے ہم نے فرعون کی طرف (موسیٰ کو) رسول بنا کر بھیجا[2] پس نافرمانی کی فرعون نے رسول کی تو ہم نے اس کو بڑی سختی سے پکڑ لیا[3]"

[1] یہ ان لدینا انکالا میں فعل کا معنی پایا جا رہا ہے۔ یوم اس کی ظرف ہے ظاہر یہ ہے کہ زمین اور پہاڑوں میں زلزلہ نفخہ اولی سے پہلے ہوگا جبکہ کفار کو بیڑیوں اور جحیم کے ساتھ عذاب دوبارہ اٹھائے جانے کے بعد ہوگا تو اس ظرفیت کی وجہ یہ ہوگی کہ قیامت کا دن ایک طویل زمانہ ہے جو نفخہ اولی سے شروع ہو کر جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے اور جہنمیوں کے جہنم میں داخل ہونے تک پھیلا ہوا ہے۔

كانت الجبال کا عطف ترجف پر ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے كثيبا مهيلا کا معنی یہ نقل کیا ہے بہنے والی ریت۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد وہ ریت ہے کہ جب تو اس میں سے کوئی حصہ لے تو باقی ماندہ اس جگہ آ پڑے۔

[2] اليكم میں کم ضمیر سے مراد اہل مکہ ہیں۔ اس کلام میں التفات ہے کیونکہ سابقہ کلام میں خطاب حضور ﷺ کو تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان واصبر على ما يقولون میں کفار کا ذکر غائب کے صیغوں میں تھا۔ یہاں خطاب کفار کو ہے اور حضور ﷺ کا ذکر غائب کے صیغوں میں ہے۔ اس کلام انا ارسلنک میں سابقہ کلام انا سنلقى عليك قولا ثقيلا کی تاکید ہے کیونکہ دونوں آیتوں کا مضمون ایک ہے۔ یہ رسول تم پر گواہی دے گا کہ کون ہے جس نے دعوت کو قبول کیا یا وہ کون ہے جس نے دعوت کا انکار کیا۔ كما ارسلنا محذوف مصدر کی صفت ہے۔ رسولا سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

[3] فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے سختی سے پکڑ لیا۔ اسی سے طعام و بیل ہے۔ یعنی بھاری کھانا جو ہضم نہ ہوتا ہو۔ اسی سے وابل کا لفظ ہے جس کا معنی عظیم بارش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے سمندر میں غرق کیا۔ پھر اسے جہنم میں داخل کر دیا۔ اگر تم نے رسول کی نافرمانی کی تو تمہارے ساتھ بھی یہی سلوک کرے گا۔

فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ﴿١٧﴾ السَّمَاءُ مُنفَطِرٌ بِهِ ۚ كَانَ

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 115 (قدیمی)

وَعۡدُهٗ مَفۡعُوۡلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا ﴿۱۹﴾

"(ذرا سوچو) کہ تم کیسے بچو گے اگر تم کفر کرتے رہے اس روز جو بچوں کو بوڑھا بنادے گا۔[1] (اور) آسمان پھٹ جائے گا اس (کے ہول) سے اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر رہے گا[2] یقیناً یہ (قرآن) نصیحت ہے پس اب جس کا جی چاہے اختیار کر لے اپنے رب کی طرف سیدھا راستہ[3]"

[1] اے اہل مکہ اگر تم نے رسول کی نافرمانی کی تو اس دن کے عذاب سے کیسے بچو گے۔ یہاں عذاب کا لفظ یوم سے پہلے محذوف ہے اور مضاف الیہ کو مضاف کے قائم مقام رکھا گیا اور مضاف کا اعراب دیا گیا۔ ظرف تتقون کے متعلق ہے۔ معنی یہ ہوگا اس دن تم عذاب سے کیسے بچو گے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کفر تم کا مفعول ہو، یعنی اگر تم روز جزا کا انکار کرو تو تم عذاب سے کیسے بچو گے جو دن ہولنا کی کی شدت اور اپنی طوالت کی وجہ سے بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ یہ کلام بطور فرض یا بطور تمثیل ہے۔ اصل یہ ہے کہ غم قوتوں کو کمزور کر دیتے ہیں اور جلد بڑھاپا لاتے ہیں۔ شِيۡبًا یہ اَشۡيَب کی جمع ہے جس طرح بِيۡض اَبۡيَض کی جمع ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے آدم تو حضرت آدم علیہ السلام جواب دیتے ہیں لَبَّيۡكَ وَسَعۡدَيۡكَ وَالۡخَيۡرُ فِيۡ يَدَيۡكَ میں حاضر ہوں، ہر بھلائی تیرے قبضہ میں ہے۔ حکم ہوگا جہنم کا حصہ نکالو۔ حضرت آدم عرض کریں گے جہنم کا حصہ کیا ہے۔ فرمایا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ اس وقت جوان بوڑھے ہو جائیں گے اور حاملہ کا حمل گر جائے گا۔ تم لوگوں کو نشہ کی حالت میں دیکھو گے حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ اکیلا کون ہوگا؟ فرمایا تمہیں بشارت ہو ایک تمہیں میں سے ہوگا۔ ہزار یاجوج ماجوج میں سے ہوں گے۔ پھر فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں امید کرتا ہوں تم جنتیوں کا چوتھائی حصہ ہو گے تو ہم نے نعرہ تکبیر بلند کیا فرمایا تم لوگوں میں اس طرح ہو جس طرح سفید رنگ والے بیل کی جلد میں سیاہ بال یا سیاہ رنگ والی جلد میں سفید بال، متفق علیہ (1)۔ یہ جملہ یوم کی صفت ہے۔ ضمیر عائد فاعل کی ضمیر ہے اور فعل کی یوم کی طرف نسبت بطور مجاز ہے جس طرح اس جملہ میں فعل کو زمانہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ صام نهاره یا ضمیر عائد محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی يَوۡمًا يَجۡعَلُ اللّٰهُ فِيۡهِ الۡوِلۡدَانَ شِيۡبًا۔

[2] آسمان اپنی عظمت اور مضبوطی کے باوجود پھٹ جائے گا۔ خبر کو مذکر ذکر کرنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ السماء سقف کے معنی میں ہے، دوسری یہ کہ منفطر سے پہلے شیء موصوف محذوف ہے۔ بہ میں ہ ضمیر سے مراد وہ دن ہے، یعنی اس دن کی شدت کی وجہ سے آسمان بھی پھٹ جائے گا تو دوسری چیزوں کی کیا حیثیت ہے۔ یہ جملہ یوما کی دوسری صفت ہے۔ کان وعدہ مفعولا یہ یوما کی تیسری صفت ہے۔ وعد مصدر ہے جو مفعول بہ کی طرف مضاف ہے جو یوم کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یا ضمیر عائد محذوف ہے اور مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی كَانَ وَعۡدُ اللّٰهِ بِالۡعَذَابِ فِيۡهِ مَفۡعُوۡلًا۔ یہاں دو جملوں کو واؤ عاطفہ کے بغیر ذکر کیا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح ان آیات میں بغیر واؤ عاطفہ کے ذکر کیا اَلرَّحۡمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ﴿۲﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 117 (قدیمی)

WWW.NAFSEISLAM.COM

سے یہ آیات جنہیں ہم تم پر القاء کرتے ہیں یہ بندوں کو مبدأ اور معاد کو یاد دلاتی ہیں اور اس راستہ کی وضاحت کرتی ہیں جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے، یعنی اس کی سخاوت اس کے انعام، اس کی رضا اور اس کی ہدایت تک پہنچانے والا ہے۔ پس جو نصیحت حاصل کرنا چاہے اور اپنے رب تک پہنچنا چاہے وہ اس راستہ کو اپنا لے۔ اس میں فاء سببیہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں۔ صرف یہی تذکرہ ہی واسطہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے نفوس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ہمارے اور اس کے درمیان کوئی اور حجاب نہیں۔ صرف ہماری غفلت اور اس کی عظمت کبریائی کا حجاب ہے۔ انہیں حجابات کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نور و ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں۔ عظمت و کبریائی کے پردے نور کے پردے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کبریائی میری رداء ہے، عظمت میرا ازار ہے، یعنی عظمت و کبریائی میرا لباس ہے اور بندوں کی غفلت کے حجاب ظلمانی حجاب ہیں۔ اگر یہ پردے ہٹا دیئے جائیں تو اس کی ذات کے انوار حد نگاہ تک مخلوق کو جلا دیں۔ ان حجابات کو یاد دلانے اور نصیحت کے ذریعے دور کیا جا سکتا ہے کیونکہ یاد غفلت کو زائل کر دیتی ہے اور معیت کی وجہ سے محبت کو واجب کرتی ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ محبت محب کو محبوب تک پہنچاتی ہے یہاں تک کہ عظمت و کبریائی کے حجابات بھی اس سے مانع نہیں ہوتے ذات باری تعالیٰ کے انوار کا جلانا یہ فناء و بقاء سے کنایہ ہے، اگرچہ وہ مرتبہ علم میں ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی یہ ہے کہ اس پر تحیر طاری ہوگا۔ یہ دھمکی سے کنایہ ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَ اللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖؗ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

WWW.TAFSEERISLAM.COM

”بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ (نماز میں) قیام کرتے ہیں کبھی دو تہائی رات کے قریب، کبھی نصف رات اور کبھی تہائی رات اور ایک جماعت ان سے جو آپ کے ساتھ ہیں وہ بھی (یونہی قیام کرتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ ہی چھوٹا بڑا کرتا رہتا ہے رات اور دن کو وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم اس کی طاقت نہیں رکھتے تو اس نے تم پر مہربانی فرمائی پس تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ سفر کرتے ہوں گے زمین میں تلاش کر رہے ہوں گے اللہ کے فضل (رزق حلال) کو اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوں گے تو پڑھ لیا کرو قرآن سے جتنا آسان ہو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہا کرو اور جو نیکی تم آگے بھیجو گے اپنے لئے تو اسے اللہ کے پاس موجود پاؤ گے یہی بہتر ہے اور (اس کا) اجر بہت بڑا ہوگا اور مغفرت طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے[1]۔“

یا ادنی کا معنی اقرب ہے۔ ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے ثلثی کو لام کے سکون کے ساتھ جبکہ باقی قراء نے لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور کوفیوں نے نصفہ و ثلثہ کو ادنی پر عطف کرتے ہوئے منصوب پڑھا ہے، یعنی رات کے دوثلث سے کم قیام کرتے ہیں اور نصف رات قیام کرتے ہیں اور ایک ثلث قیام کرتے ہیں، جبکہ باقی قراء نے انہیں مجرور پڑھا ہے۔ اس وقت اس کا ثلثی پر عطف ہوگا۔ یہ قرأت اس پر دلالت کرتی ہے کہ قیام چوتھائی رات سے زیادہ ہوتا۔ ہم نے چوتھائی رات سے زیادہ کا قول کیا ہے کیونکہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان او انقص منہ قلیلا یہ تقاضا کرتا ہے کہ قیام چوتھائی رات سے زیادہ ہو۔

طائفۃ کا عطف تقوم فعل کے فاعل پر ہے، یعنی صحابہ کی ایک جماعت بھی آپ کی سنت کی اقتداء کرتے ہوئے قیام کرتی ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا، یعنی مومن آپ کے ساتھ قیام کرتے ہیں (1)۔ یہ تاویل بہت بعید ہے کیونکہ جو حضور ﷺ کے ساتھ تھے وہ مومن تھے۔ کافر نہیں تھے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ۔

من الذین میں من بعضیہ ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ قیام کرنے والے بعض صحابہ تھے تمام صحابہ نہ تھے۔

واللہ یقدر کا عطف ان ربک یعلم پر ہے۔ اس میں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی وھو یقدر اللیل والنھار یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مقداروں کو جانتا ہے جس طرح وہ اصل میں ہیں جبکہ تم ان کی اصلیت کو نہیں جانتے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لفظ اللہ اسم جلالت کو مبتدا کی حیثیت سے مقدم کرنا اور یقدر کو اس کی خبر بنا کر یہ اختصاص کا شعور دلاتا ہے۔ یہ عبد القاہر اور زمخشری کا مذہب ہے کسائی کا مذہب نہیں۔

علم ان میں ان مثقلہ سے مخفف ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم اوقات کا اندازہ نہیں لگا سکتے اور نہ ہی اس کی ساعتوں کو ضبط کر سکتے ہو۔ اسی وجہ سے پانچوں نمازوں کا وجوب امر ظاہر کے ساتھ ملا دیا گیا ہے جس طرح صبح کا طلوع ہونا، سورج کا طلوع ہونا، سورج کا ڈھلنا، سورج کا غروب ہونا، سایہ کی مقدار اور شفق کا غروب ہونا۔ اللہ تعالیٰ نے سختی سے نرمی کی طرف رجوع کیا ہے۔ آپ سے اس مقدار کو ساقط کر دیا تا کہ تیری امت پر اس کی پیروی مشکل نہ ہو۔

فاقرءوا میں فاء سببیہ ہے۔ اس کا معنی یہ ہے رات کے وقت جتنا نماز پڑھنا تمہارے لئے آسان ہو اسے پڑھو۔ یہاں نماز کو قرأت سے تعبیر کیا جس طرح سابقہ آیات میں اسے قیام سے تعبیر کیا گیا یہاں کل کو جزء کا نام دیا۔ یہ آیت تقاضا کرتی ہے کہ قرأت نماز کا رکن ہے جس طرح سابقہ آیت قیام کے رکن ہونے کا تقاضا کرتی تھی۔ اس پر علماء کا اجماع بھی ہے۔ آیت کے اس حصہ نے اس مقدار کے قیام کے حکم کو منسوخ کر دیا جبکہ مطلق رات کے قیام کا حکم باقی رہا۔ پھر اس حکم کو بھی پانچ نمازوں کے حکم کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا۔ فریضہ کے بعد اس کے نفلی ہونے پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مقاتل اور ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی دلالت کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابتداء میں رات کو قیام کرنے کا حکم حضور ﷺ اور آپ کی امت پر واجب تھا آپ کی امت کے حق میں اس کے منسوخ ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے۔ جہاں تک حضور ﷺ کے حق میں منسوخ ہونے کا تعلق ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے، خواہ یہ ابتداء میں حضور ﷺ پر خاص طور پر واجب تھا یا یہ حضور ﷺ اور آپ کی

1۔

امت پر عموماً واجب تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضور ﷺ کے حق میں رات کے وقت قیام کرنے کا حکم منسوخ نہیں ہوا بلکہ یہ آخری عمر تک آپ پر واجب رہا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ حکم آپ ﷺ کے لئے منسوخ کر دیا گیا۔ اب رات کا قیام آپ کے لئے بطور نفل تھا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ نافلہ کا معنی زائد ہے یعنی آپ کی ذات پر واجب ہونے اعتبار سے زائد ہے۔ آپ کی امت پر واجب نہیں۔ میرے نزدیک یہی پسندیدہ ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ۔ یہ آیت اس کے نافلہ ہونے میں صریح ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ نافلہ کا معنی زائدہ ہے، یعنی آپ پر واجب ہونے میں زائد ہے۔ آپ کی امت پر یہ واجب نہیں۔ میں کہتا ہوں اگر یہ بات اس طرح ہے تو کلام یوں ہوتی نافلة علیک کیونکہ وجوب کا صلہ علیٰ آتا ہے لام نہیں آتا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ تمام امت کے لئے نفل ہے، کسی ایک کے لئے بھی ممنوع نہیں۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ مجاہد، حسن اور ابی امامہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے لئے خاص طور پر اسے نافلہ قرار دیا کیونکہ آپ کے حق میں درجات کی بلندی کے لئے عام ہے جبکہ دوسروں کے حق میں گناہوں کو مٹانے کے لئے نفل ہے۔ حضور ﷺ کے حق میں اس کے نفل ہونے پر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ حضور ﷺ نے قیام کیا یہاں تک کہ آپ کے قدموں میں سوجن آگئی۔ آپ سے عرض کی گئی آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جبکہ آپ کے اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی گئی ہیں۔ فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ مجھ پر خاص طور پر فرض ہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں اپنی سواری پر اشاروں سے رات کی نماز پڑھتے جبکہ سواری کا منہ جدھر بھی ہوتا جبکہ فرض سواری پر نہ پڑھتے آپ وتر سواری پر پڑھ لیتے تھے، متفق علیہ۔(1)

مسئلہ:۔ اس مسئلہ میں اختلاف ذکر کیا گیا ہے کہ امت کے حق میں رات کی نماز سنت مؤکدہ ہے یا مستحب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ہمارے حق میں یہ مستحب ہے۔ یہ ان لوگوں کا قول ہے جو یہ کہتے ہیں کہ شب کی نماز حضور ﷺ کے وقتِ وصال تک فرض رہی۔ انہوں نے کہا قولی دلائل مندوب ہونے فائدہ دیتے ہیں جبکہ ہمیشہ کا عمل بطور نفل نہیں تھا۔ سنت اسے کہتے ہیں جس پر حضور ﷺ نے بطور نفل مواظبت اختیار کی ہے۔ میرے نزدیک پسندیدہ امر یہ ہے کہ یہ سنت ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ کی مواظبت بطور نفل تھی۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ حضور ﷺ نے بطور وجوب اس پر مواظبت اختیار کی۔ جب تک آپ کی طرف سے ممانعت نہ ہوگی امت کے لئے وہ مسنون رہے گا جس طرح صوم وصال سے حضور ﷺ نے منع کر دیا۔

وہ روایات جو نماز تہجد کے سنت ہونے پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ کے پاس ایک آدمی کا ذکر کیا گیا۔ عرض کی گئی وہ صبح تک سویا رہتا ہے، وہ نماز کے لئے نہیں اٹھتا۔ آپ نے فرمایا وہ ایسا آدمی ہے جس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے، متفق علیہ (2)۔ مستحب کو ترک کرنے کی وجہ سے ایک آدمی ملامت اور عتاب کا مستحق نہیں بنتا، واللہ اعلم۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ سے مراد پانچوں نمازوں میں قرآن پڑھنا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا اس سے مغرب اور عشاء کی نماز میں قرآن پڑھنا ہے۔ امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا قیس بن حازم نے کہا میں نے بصرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نے پہلی رکعت میں سورۂ حمد (فاتحہ) اور سورۂ بقرہ کی

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 136 (وزارت تعلیم) 2۔ ایضاً، صفحہ 153

پہلی آیت پڑھی۔ پھر آپ دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے آپ نے اس میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی دوسری آیت پڑھی۔ پھر آپ نے رکوع کیا پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے، فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔ یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو وہ پڑھو۔

مسئلہ:۔ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کتنی قرأت سے نماز جائز ہوتی ہے اور کتنی قرأت کرنا واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ کم از کم اتنی قرأت کرنا ضروری ہے جس پر قرآن کا اطلاق کیا جا سکے وہ لوگوں کی کلام کے مشابہ نہ ہو۔ یہ روایت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آیت سے کم بھی تلاوت کرنے سے نماز ہو جاتی ہے۔ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت یہ ہے۔ یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ مکمل آیت ہے اس سے کم تلاوت کی صورت میں نماز جائز نہیں۔ صاحب ہدایہ نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ امام اعظم کی ایک اور روایت میں ہے اور یہی صاحبین کا نقطہ نظر ہے کہ تین چھوٹی آیات کی قرأت ضروری ہے جس طرح سورۂ کوثر ہے یا ایک لمبی آیت اس جیسی تین آیات کے مساوی ہو لیکن ائمہ احناف کے نزدیک سورۂ فاتحہ شریف اور ایک سورت کی مقدار ساتھ ملانا واجب ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی چیز چھوڑ دی، اگر بھول کر چھوڑی تھی تو سجدہ سہو واجب ہوگا، اگر سجدہ نہ کیا اور جان بوجھ کر اسے چھوڑ دیا تو وہ گناہگار ہوگا اور اس پر نماز کا اعادہ واجب ہوگا اعادہ فرض نہ ہوگا۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سورۂ فاتحہ شریف کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی ان کے نزدیک ساتھ سورت کا ملانا سنت ہے مگر واجب نہیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں، متفق علیہ۔(1)۔ یہ حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اسے دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز جائز نہ ہوگی کیا اس کی سند صحیح ہے؟ ابن خزیمہ اور ابن حبان رحمہما اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ذکر ہے۔ راوی نے کہا میں نے پوچھا اگر میں امام کے پیچھے ہوں تو کہا انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اپنے دل میں اس کو پڑھ لینا۔ امام مسلم اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے۔ جس نے نماز پڑھی اور اس نے نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو وہ نماز نامکمل ہے، نامکمل ہے، نامکمل ہے۔ میں نے کہا اے ابو ہریرہ میں کبھی کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں۔ فرمایا اے فارسی اسے اپنے دل میں پڑھ لے(2)۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اشہب کے واسطہ سے ابو عتبہ سے انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ محمد بن ربیع سے، وہ حضرت عبادہ رضی اللہ سے مرفوع روایت کرتے ہیں۔ سورۂ فاتحہ تو غیر کا عوض ہے مگر کوئی اور سورت سورۂ فاتحہ کا عوض نہیں۔

ہم نے اس حدیث کے جو مختلف الفاظ ذکر کیے ہیں ان سے ان لوگوں کا دعویٰ غلط ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ کا معنی یہ ہے کہ نماز ہو تو جاتی ہے لیکن کامل نہیں ہوتی جس طرح اس ارشاد میں کمال کی نفی ہے نفس شے کی نفی نہیں لَا صَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِي الْمَسْجِدِ کیونکہ یہ تاویل ان الفاظ میں جاری نہیں ہوتی جو ہم نے ذکر کئے ہیں کیونکہ جار مجرور جب خبر بن رہے ہوں تو اس وقت وہ عام فعل کے متعلق ہوتے ہیں۔ معنی یہ ہوگا نماز ہوتی ہی نہیں کیونکہ جب شرعی اعتبار سے کوئی عمل متحقق نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ درست نہیں ہے مگر دوسری حدیث لَا صَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِي الْمَسْجِدِ میں جب دلیل پائی گئی

1۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 256، حدیث: 882 (الفکر) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 169 (قدیمی)

کہ نماز ہو جاتی ہے تو ہم نے اسے خاص فعل کے ساتھ متعلق کر دیا ہے وہ دلیل اجماع ہے۔ یہاں فعل خاص محذوف مانیں گے تو یہاں خبر حذف ہے جار مجرور خبر نہیں بن رہا۔

سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں جو چیز گزری تھی کہ نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان تقسیم ہے۔ وہاں صلوۃ سے مراد سورۂ فاتحہ ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا اور ساتھ ہی سورت کا ملانا واجب ہے کیونکہ بعض روایات میں یہ آیا ہے لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فَصَاعِدًا۔ اسے امام مسلم، ابی داؤد اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے اس آدمی کی نماز نہیں جس نے اس میں الحمد اور سورت نہ پڑھی، وہ نماز فرض ہو یا کوئی اور اس کی سند ضعیف ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے جو ہمام کے واسطہ سے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، وہ اسے ابونضرہ سے روایت کرتے ہیں، وہ ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم نماز میں سورۂ فاتحہ اور جو پڑھنا آسان ہو وہ پڑھیں اس کی سند ضعیف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں فرمایا کہ سورۂ فاتحہ نماز کا رکن ہے۔ اگر سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو نماز ہی نہیں ہوتی۔ آپ اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ صاحب ہدایہ نے کہا خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ کے حکم پر زیادتی جائز نہیں لیکن اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ اسی لئے ہم نے دونوں کو واجب قرار دیا ہے۔

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا اور ساتھ سورت کا ملانا نماز کا رکن ہے۔ نماز ان دونوں کے بغیر جائز نہیں ہوتی۔ اس آیت سے رکنیت کی نفی کرنا درست نہیں جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ قرأت کا ظاہر معنی رات کی نماز ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان فتاب علیکم فاقرء وا ماتیسر۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رات کے قیام میں تخفیف کر دی گئی ہے اب جتنی نماز پڑھنا تمہارے لئے آسان ہے وہ پڑھو۔ اس آیت میں قرأت کی مقدار اور اس کے لازم ہونے کے بارے میں کوئی دلیل نہیں۔ جو یہ تاویل کی گئی کہ اس کا معنی یہ ہے کہ پانچوں نمازوں میں جتنا تمہارے لئے آسان ہو اتنا قرآن پڑھو یہ بھی حقیقت سے بہت ہی بعید اور ضعیف تاویل ہے جب وجوب کے لئے حجت ہونے کے احتمال کا تصور نہیں کیا جا سکتا تو اس کے قطعی ہونے کا حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس پر خبر واحد سے زیادتی کرنا درست نہیں جبکہ حدیث کو امت نے قبول کیا اور اس پر عمل کرنے کے اعتبار سے علماء کا اجماع ہے۔ یہ روایت لگاتار نقل ہوتی آ رہی ہے اور یہ معنی متواتر ہے کیونکہ حضور ﷺ اور سلف و خلف میں سے کسی کے بارے میں یہ منقول نہیں کہ انہوں نے سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز پڑھی ہو اس جیسی خبر سے کتاب اللہ کے حکم پر زیادتی کرنا جائز ہے کیونکہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ نماز کا حکم مجمل ہے اور اخبار آحاد مجمل کا بیان بننے کا احتمال رکھتی ہیں اور نماز کے ارکان کی وضاحت کرتی ہیں۔

احناف نے یہ کہا ہے کہ آخری قعدہ فرض ہے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے: اِذَا قُلْتَ ھٰذَا اَوْ فَعَلْتَ ھٰذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلٰوتُکَ اِنْ شِئْتَ اَنْ تَقُوْمَ فَقُمْ وَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ۔ احناف نے کہا نماز کے مکمل ہونے کو دو امروں میں سے ایک امر کے ساتھ معلق کیا ہے تو یہ فرض ہے حالانکہ یہ حدیث آحاد میں سے ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

احناف نے سورۂ فاتحہ کے رکن نہ ہونے پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو تکبیر کہو پھر قرآن میں سے جو تمہارے لئے آسان ہو اسے پڑھو، متفق علیہ (1)۔ اس کا جواب یہ ہے یہ

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 105 (وزارت تعلیم)

حدیث مطلق قرأت کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے اور حضور ﷺ کا فرمان لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ یہ تعیین پر دلالت کرتا ہے۔ دونوں حدیثوں پر عمل کی صورت یہ ہوگی کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے تو اس وجہ سے ہم نے سورۂ فاتحہ کے رکن ہونے کا قول کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث بعض طرق سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا شِئْتَ۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے رفاعہ بن رافع سے روایت کیا ہے۔ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے رفاعہ کی حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: ثُمَّ یُکَبِّرِ اللّٰہَ وَیُثْنِیْ عَلَیْہِ ثُمَّ یَقْرَأُ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ وَمَا اُذِنَ لَہٗ فِیْہِ وَمَا تَیَسَّرَ۔

مسئلہ:۔ کیا مقتدی پر قرأت واجب ہے یا کہ نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مقتدی پر بھی سورۂ فاتحہ کی قرأت واجب ہے جس طرح امام اور اکیلے نماز پڑھنے والے پر واجب ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت معاذ رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں۔ پھر ان ائمہ میں مزید اختلاف یہ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا امام کے پیچھے مقتدی کی قرأت مکروہ ہے۔ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا صرف جہری نمازوں میں مکروہ ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا سری نمازوں میں مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔ اسی طرح جہری نمازوں میں امام کے سکتہ کے درمیان پڑھنا مستحب ہے، امام کی قرأت کے ساتھ مستحب نہیں۔ امام زہری، امام مالک اور ابن مبارک رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی یہی کہا۔ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عروہ بن زبیر اور ابوالقاسم بن محمد سے بھی یہی مروی ہے۔ مقتدی پر امام کے ساتھ قرأت واجب ہونے کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس کا امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہوتی ہے۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(1)۔ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے جابر جعفی کی سند سے روایت کیا۔ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف قرار دیا۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ثوری اور شعبہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے ثقہ قرار دیا۔ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے۔ اس سند میں لیث راوی ہے جسے ابن علیہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اسے کئی لوگوں سے روایت کیا گیا۔ یہ روایت ایک اور سند سے مروی ہے جس میں یحییٰ بن سلام ضعیف ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہم نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جس نے یحییٰ بن سلام کو ضعیف قرار دیا ہو۔ دار قطنی، بیہقی اور ابن عدی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا صحیح یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے کیونکہ حفاظ حدیث جیسے سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ابوالاحوص، شعبہ، اسرائیل، شریک ابن خالد والائی، جریر، عبدالحمید، زائدہ اور زہیر نے اسے موسیٰ بن عائشہ سے، انہوں نے عبداللہ بن شداد سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے مرسل روایت کی ہے۔ ہم کہتے ہیں ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے۔ اس روایت کو جو متصل ذکر کیا گیا ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے متصل کی تضعیف کا انکار کیا ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ شیخین کی شرطوں پر اسے نقل کیا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں ذکر کیا ہے کہ ہمیں ابوحنیفہ نے خبر دی آپ نے فرمایا ہمیں ابوالحسن موسیٰ بن ابی عائشہ نے عبداللہ بن شداد سے، انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ احمد بن منیع نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرط پر روایت کیا ہے کہ ہمیں اسحٰق ارزق نے خبر دی، انہوں نے کہا ہمیں

1۔ سنن الدار قطنی، جلد 1، صفحہ 323 (المحاسن)

سفیان اور شریک نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے روایت کیا انہوں نے عبداللہ بن شداد سے، انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اس باب میں اور بھی احادیث ہیں جو ضعیف ہیں۔ ہم نے طوالت کو ناپسند کرتے ہوئے انہیں ذکر نہیں کیا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ یہ تمام نمازیوں کے بارے میں عام ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قاعدہ کے مطابق خبر واحد سے اس کی تخصیص جائز نہیں۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں یہ عام خص عنہ البعض ہے۔ جو آدمی امام کو رکوع میں پائے وہ بالا جماع اس حکم سے خارج ہے اس کے بعد مقتدی کی تخصیص بھی جائز ہے۔ سری نمازوں میں سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کے مستحب ہونے کی دلیل حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میں بلند آواز سے قرأت کر رہا ہوں تو تم میں سے کوئی بھی سورۂ فاتحہ کے سوا قرآن کی قرأت نہ کرے۔ اسے دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور کہا اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ جہری نمازوں میں منع کی تخصیص سری نمازوں میں اس کے مستحب ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ سورۂ فاتحہ کی استثناء اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ سکتہ کے وقت اسے پڑھ لیا جائے۔ یہی احادیث کو جمع کرنے کی صورت ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا پر عمل بھی ہو جاتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

صحابہ کی ایک جماعت سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ وہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے (1)۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن ثابت اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ان سب نے فرمایا امام کے پیچھے کوئی قرأت نہ کرو۔ (2)۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کرنے کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا خاموش رہ کیونکہ نماز میں روکنے والی چیز موجود ہے اور تیرے لئے امام کافی ہے۔ (3)۔ محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے میں اسے پسند کرتا ہوں کہ اس کے منہ میں انگارہ ہو (4)۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی مثل روایت کیا ہے مگر انہوں نے یہ کہا کہ اس کے منہ میں پتھر ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے داؤد بن قیس سے انہوں نے عجلان سے روایت کیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے کاش اس کے منہ میں پتھر ہوتا (5)۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنفہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہ امام بلند آواز سے نماز میں قرأت کرے یا آہستہ آواز میں مقتدی اس کے پیچھے قرأت نہ کرے (6)۔ یہ اقوال جہری بلکہ سری نمازوں میں قرأت کے مکروہ ہونے کی دلیل ہیں کیونکہ یہ اقوال مطلق ہیں۔ جہری نمازوں میں قرأت کو ترک کرنے کا تقاضا تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا اور حضور ﷺ کا فرمان اِذَا قُرِئَ فَاَنْصِتُوْا۔ اسے ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ذکر کیا ہے۔ ہم اس آیت کی تفسیر ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

مسئلہ:۔ کیا ہر فرض اور نفل نماز کی رکعت میں قرأت کرنا فرض ہے؟ امام شافعی، امام احمد اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر رکعت میں مطلقاً یہ فرض ہے کیونکہ قرأت کا حکم رکوع اور سجود کے حکم جیسا ہے۔ تاہم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ تین

1۔ مؤطا امام مالک، جلد 1، صفحہ 86 (التراث العربی)
2۔ شرح معانی الآثار، جلد 1، صفحہ 129 (وزارت تعلیم)
3۔ مؤطا امام محمد، جلد 100 (وزارت تعلیم)
4۔ ایضاً، صفحہ 101
5۔ ایضاً، صفحہ 102
6۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 1، صفحہ 330 (دار التاج)

یا چار رکعتوں والے فرضوں میں سے ایک رکعت میں قرأت ترک کرنے کی کمی سجدہ سہو سے پوری ہو جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا وتر اور نفل کی ہر رکعت میں قرأت فرض ہے جو سجدہ سہو سے وہ کمی پوری نہیں ہوتی کیونکہ اس کی دو رکعتیں مکمل نماز ہوتی ہیں۔ جہاں تک فرضوں کا تعلق ہے اس کی دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔ تاہم قیاس کا تقاضا یہ ہوگا کہ صرف ایک رکعت میں قرأت کرنا فرض ہو کیونکہ امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ لیکن ہم نے کہا جب فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے اور باقی کو اس حکم میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ یہ کلام اس توجیہ پر موقوف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ کا حکم نماز میں قرأت کے بارے میں ہے جبکہ یہ ممنوع ہے۔

جمہور کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا، اس نے نماز پڑھی جبکہ نبی کریم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ پھر وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کو سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا۔ فرمایا واپس لوٹ جاؤ، نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے یہ عمل تین دفعہ کیا۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اس ذات پاک کی قسم ہے جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ آپ مجھے تعلیم ارشاد فرمائیں آپ ﷺ نے فرمایا جب تو نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو تکبیر کہہ، پھر جو قرآن پڑھنا تیرے لئے آسان ہو اسے پڑھ، پھر رکوع کر یہاں تک کہ اطمینان کے ساتھ رکوع کرے، پھر اپنا سر اٹھا یہاں تک اطمینان کے ساتھ قومہ کرے، پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کر، پھر سر اٹھا یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ۔ ایک روایت میں ہے پھر اٹھ یہاں تک کہ سیدھا کھڑا ہو جائے، پھر اپنی پوری نماز میں اسی طرح کر، متفق علیہ (1)۔ رفاعہ کی حدیث بھی اسی کی مثل ہے جسے امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابوقتادہ رحمتہ اللہ علیہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھاتے تو آپ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے۔ آپ ظہر اور فجر کی پہلی رکعت کو دوسری رکعت پر طویل کرتے، متفق علیہ (2)۔ یہ حدیث حضور ﷺ کے فرمان صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ کے ساتھ مل کر کتاب اللہ کے مجمل حکم کے لئے بیان ہوگی۔ اس طرح حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا ہر نماز میں قرآن ہے؟ فرمایا ہاں ایک انصاری نے کہا یہ فرض ہو گیا۔ اگر یہ سوال کیا جائے یہ احادیث اخبار آحاد ہیں ان کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں۔ اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ اس اصولی مسئلہ کو تسلیم کرنے کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت ہوگا جب کتاب کا حکم قطعی الدلالۃ ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ اس طرح نہیں بلکہ تاویل کی کئی وجوہ کا احتمال رکھتا ہے۔ نماز میں جس قرأت کا حکم دیا گیا ہے وہ مجمل ہے۔ یہ جائز ہے کہ آخبار احاد بطور بیان اس کے ساتھ لاحق ہو جائیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

علم فعل کا فاعل ھو ضمیر ہے جس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ان مثقلہ سے مخفف ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے۔ یہ جملہ علم ان لن تحصوہ سے بدل اشتمال ہے۔ فاقروا برائے تاکید مکرر ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ جملہ مستانفہ ہے جو ایک اور حکمت کو بیان کرتا ہے جو تخفیف کا تقاضا کرتی ہے۔ اسی وجہ سے حکم کو اس پر مرتب کرتے ہوئے مکرر ذکر کیا ہے۔ آخرون کا عطف یکون کے اسم پر ہے۔ یضربون فی الارض سے مراد تجارت یا حصول علم یا حج کے لئے سفر کرنا ہے۔ یبتغون یہ یضربون کی ضمیر

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 170 (قدیمی) 2۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 256 (الفکر)

سے حال ہے۔ فضل اللّٰہ سے مراد تجارت میں نفع یا علم اور ثواب ہے اور کچھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ رات کو قیام کی طاقت نہیں رکھتے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم سے، انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے جو آدمی بھی مسلمانوں کے شہروں سے کوئی چیز کسی شہر کی طرف لایا جبکہ وہ تکلیف پر صبر کرنے والا تھا اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتا تھا۔ پھر اس نے وہ چیز اس دن کے بھاؤ سے بیچ دی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا درجہ شہداء جیسا ہوگا۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کی (1)۔ قرآن سے جو تمہارے لئے آسان ہو اسے پڑھو۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ ما کا حکم عام ہے جتنا پڑھنا آسان ہو اس میں سب کو یہ حکم شامل ہے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ یہی حکم تھا۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں سیاق کلام اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ جتنی وہ قرأت کر سکتا تھا اس نے اس میں سے جو بھی حصہ تلاوت کیا تو وہ حکم پر عمل کرنے والا ہوگا۔

مسئلہ: عمل میں درمیانی راہ کو اپنانا مستحب ہے، افراط و تفریط درست نہیں۔ افراط تفریط کو چھوڑ کر درمیانی راہ پر مواظبت اختیار کرنا مستحب ہے۔ متوسط کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ پچاس سو آیات پڑھے اور اکثر یہ ہے کہ ہزار آیتیں پڑھے تا کہ قرآن حکیم کا ختم ہفتہ میں ہو جائے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ سے مراد سو آیتیں ہیں۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جس نے دن اور رات میں پچاس آیات کی تلاوت کی وہ غافلین میں شمار نہیں ہوگا، جس نے سو آیات کی تلاوت کی وہ قانتین میں شمار ہوگا، جس نے ہر روز دو سو آیات کی تلاوت کی قیامت کے روز قرآن اس سے جھگڑا نہیں کرے گا، جس نے ہر روز پانچ سو آیات کی تلاوت کی اس کے لئے اجر کا قنطار لکھا جائے گا (2)۔ دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے ایک رات میں سو آیات کی تلاوت کی قرآن اس رات میں اس سے جھگڑا نہیں کرتا، جس نے ایک رات میں دو سو آیات پڑھیں اس کے لئے اس رات کا قنوت (عبادت) لکھ دی جائے گی، جس نے پانچ سو سے ایک ہزار آیات کی تلاوت کی اس کے لئے اجر کا قنطار لکھ دیا جاتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا قنطار کسے کہتے ہیں آپ نے فرمایا بارہ ہزار درجے (3)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر ماہ میں ایک دفعہ قرآن پڑھو (مکمل کرو)۔ میں نے عرض کی میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا بیس راتوں میں پڑھو۔ میں نے عرض کی میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا سات راتوں میں پڑھو اس سے زیادہ نہ پڑھو (4)۔ صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب عمل وہ ہے جس پر دوام اختیار کیا گیا ہو اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو (5)۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اتنا عمل کرو جتنا تم طاقت رکھتے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ عطا فرمانے سے نہیں اکتاتا بلکہ تم عمل کرنے سے اکتا جاؤ گے (6)۔ انہیں میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تم میں سے ایک آدمی اس وقت تک نماز پڑھے جب تک اس میں نشاط موجود ہو جب اس میں سستی اور کاہلی آ جائے تو بیٹھ جائے (7)۔ ان دونوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز پڑھتے ہوئے اونگھ آ جائے تو وہ سو جائے یہاں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 142 (التجاریۃ) 2۔ کنز العمال: 21467 (التراث العربی) 3۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 799
4۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 612 5۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 361 (الفکر) 6۔ ایضاً 7۔ ایضاً

WWW.NAFSEISLAM.COM

تک کہ اس سے نیند جاتی رہے کیونکہ تم میں سے کوئی جب اونگھتے ہوئے نماز پڑھ رہا ہوتو اسے پتہ نہیں ہوگا کہ کیا کہہ رہا ہے، ممکن ہے وہ دعا مانگتے ہوئے اپنے آپ کو گالی دے رہا ہو۔(1)

و اقیمو الصلوٰۃ یہ جملہ اپنے معطوف کے ساتھ مل کر فاقرءوا پر معطوف ہے۔ واؤ کا کلمہ جمعیت کے لئے ہے۔ یہ عطف اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ رات کی عبادت کو نماز پنجگانہ سے منسوخ نہ مانا جائے جس طرح یہ قول کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امر ندب کے لئے ہوگا وجوب کے لئے نہیں ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ فرض زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کو قرض دو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا یہاں قرض سے مراد زکوٰۃ کے علاوہ صلہ رحمی اور مہمان نوازی کے طور پر مال خرچ کرنا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد مطلق اللہ تعالیٰ کے لئے طاعت ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ ہو مگر اس کو اچھے طریقے سے ادا کیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے کہ قرض کو مفعول مطلق کے طور پر ذکر کیا۔ یہ انبته اللّٰه نباتا کی قسم سے تعلق رکھتا ہے، یعنی فعل مزید فیہ اور مفعول مطلق مجرد ہے۔ حسنا یہ مصدر کی صفت ہے اس میں عوض کے وعدہ کی رغبت دلائی گئی ہے۔

من خیر سے مراد بدنی عبادت ہے۔ ما شرطیہ ہے اور جملہ شرط ہے۔ تجدو ہ عند اللّٰہ اس کی جزاء ہے، یعنی جو عمل اب کرتے ہو وہ اس عمل سے بہت بہتر ہے جسے تم موت کے وقت تک مؤخر کرتے ہو اور یہ دنیا کے مال و متاع سے بہتر ہے۔ خیرا تجدوہ کا مفعول ثانی ہے۔ ھو ضمیر فعل ہے۔ اعراب میں اس کا کوئی محل نہیں کیونکہ اسم تفضیل جب من کے ساتھ استعمال ہو تو وہ معرفہ کے حکم میں ہے۔ اسی وجہ سے اس صورت میں اسم تفضیل کے صیغہ پر صرف تعریف کا داخل کرنا منع ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسے اپنا مال وارث کے مال سے زیادہ پسند ہے؟ سب نے کہا ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے اپنا مال اپنے وارثوں کے مال سے زیادہ پسندیدہ نہ ہو۔ آپ نے فرمایا جو کچھ تم کہہ رہے ہو اسے خوب جان لو۔ سب نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم تو یہی جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ لوگوں نے عرض کی وہ کیسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا مال وہ ہے جو تم آگے بھیج دیتے ہو اور وارث کا مال وہ ہے جو تم پیچھے چھوڑ جاتے ہو۔ اسے امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اپنے گناہوں کی اللہ سے بخشش طلب کرو۔ و استغفر و اللّٰہ کے جملہ کا عطف اقیموا الصلوٰۃ پر ہے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان کو نیکی کے اعمال پر ہی اعتبار اور بھروسہ نہ کرنا چاہئے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسے استغفار کرنا چاہئے کیونکہ جو بھی طاعت کا عمل کرتا ہے وہ کوتاہی اور لغزش سے خالی نہیں ہوتا۔ پھر جو عمل بھی انسان سے صادر ہوتا ہے وہ کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو وہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی شایان شان نہیں ہوتا جب تک انسان کی طرف سے عجز اور کوتاہی کا اقرار شامل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کوتاہیوں کو بخشنے والا اور تھوڑے عمل پر بھی بڑا ثواب دینے والا ہے۔

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 361 (الفکر)

سورۂ مدثر

ایاتھا ۵۶ ۔ سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ ۷۴ ۔ رکوعاتھا ۲

سورۂ مدثر مکی ہے، اس میں 2 رکوع اور 52 آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

شیخین نے صحیحین میں یحییٰ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے پہلی وحی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا سب سے پہلی وحی یا ایھا المدثر ہے۔ میں نے پوچھا لوگ کہتے ہیں پہلی وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ہے۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں پوچھا تھا۔ میں نے بھی ان سے وہی بات کہی جو تو نے مجھ سے بات کہی۔ تو انہوں نے مجھے کہا میں تمہیں وہی بتا رہا ہوں جو ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں ایک ماہ تک حراء میں گوشہ نشین رہا۔ جب میں نے عرصہ پورا کر لیا تو اس سے نیچے اترا تو مجھے ندا دی گئی۔ میں نے دائیں طرف دیکھا تو میں نے کوئی چیز نہ دیکھی۔ میں نے پیچھے دیکھا تو میں نے کوئی چیز نہ دیکھی۔ میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے ایک چیز دیکھی۔ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آ گیا۔ میں نے کہا مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی بہاؤ تو یہ آیات یا ایھا المدثر سے والرجز فاھجر تک نازل ہوئیں۔ یہ حکم نماز کے فرض ہونے سے پہلے تھا۔ (1)

میں کہتا ہوں مرفوع حدیث اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ یہ سورت سورۂ اقرأ سے پہلے نازل ہوئی۔ صحیح بات یہ ہے سورۂ اقرأ اس وحی سے پہلے نازل ہوئی جس کا ذکر ہم اس صورت کے شان نزول کے بارے میں کریں گے۔ اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے شیخین نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو وحی کے انقطاع کے بارے میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا اسی اثناء میں کہ میں چل رہا تھا کہ میں نے آسمان سے ایک آواز سنی میں نے اپنی نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حراء میں آیا تھا۔ وہ آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں خوفزدہ ہو گیا یہاں تک کہ زمین پر گر پڑا میں اپنے گھر آیا۔ میں نے کہا مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا (2)۔ پھر اس کے بعد وحی لگاتار آنے لگی۔ یہ حدیث اس امر میں صریح ہے کہ سورۂ مدثر کا نزول فترۃ الوحی کے بعد ہوا جبکہ غار حراء میں فرشتہ دیکھنے کا واقعہ پہلے ہوا تھا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے قریش کے لئے کھانا تیار کیا۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو اس نے پوچھا تم اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ بعض نے کہا وہ جادوگر ہے، بعض نے کہا جادوگر نہیں، بعض نے کہا کاہن ہے، بعض نے کہا کاہن نہیں، بعض نے کہا شاعر ہے، بعض نے کہا شاعر نہیں، بعض نے کہا یہ جادو ہے جو پڑھا جا تا رہا ہے۔ تو اس کی خبر حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ غمگین ہو گئے۔ آپ نے سر اٹھایا اور اپنے اوپر چادر لے لی۔ تو

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 732 (وزارت تعلیم)

2۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 274، حدیث: 5843 (الفکر)

اللہ تعالیٰ نے ابتداء سے فاصبر تک آیات کو نازل فرمایا۔(1)

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿1﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪ۙ﴿2﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۪ۙ﴿3﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۪ۙ﴿4﴾

"اے چادر لپیٹنے والے [1] اٹھیے اور (لوگوں کو) ڈرائیے [2] اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے [3] اور اپنے لباس کو پاک رکھئے [4]"

[1] اپنے بستر سے اٹھیے یا عزم و ہمت کے ساتھ اٹھیے۔ انذر کا مفعول بہ محذوف ہے تاکہ جنہیں ڈرایا جاتا ہے اس کے عموم پر دلالت کرے، یعنی آپ تمام لوگوں کو عذاب سے ڈرائیے، یعنی عالمین میں جو بھی شرک کرے اسے عذاب سے ڈرائیے۔

[2] اس آیت میں اور مابعد آیات میں جو فاء ہے وہ شرط کا معنی دیتی ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی کچھ بھی ہو اور آپ جس حال میں بھی ہوں اپنے رب کی کبریائی بیان کیجئے۔ اس تقدیر کا احتمال بھی ہے وکبر ربک فکبرہ۔ اس تکرار کی غرض یہ ہے کہ کبریائی کے بیان میں دوام اختیار کیا جائے۔ معنی یہ ہوگا اس کے حادث ہونے سے اس کی کبریائی بیان کیجئے۔ نقص اور زوال کی علامات سے اس کی پاکی بیان کیجئے۔ واجب الوجود اور الوہیت، عبادت میں شرک کرنے، ممکنات میں سے کسی چیز کو ذات، صفات اور افعال میں اس کے ساتھ شرک سے اس کی کبریائی بیان کیجئے اور اس کے ایسے اوصاف کمالیہ بیان کیجئے جن سے کوئی اور متصف نہیں۔ انسان کے اوپر یہ سب سے پہلا واجب ہے اور تمام واجبات سے زیادہ اہم ہے۔ یہ عفو اور سقوط کا احتمال نہیں رکھتا۔ نقل سے پہلے عقل اس کا فیصلہ کرتی ہے۔ لیکن عقل اس کے ادراک کے لئے کافی نہیں جس طرح ادراک کرنا مناسب ہے۔

مسئلہ:۔ فقہاء نے اس آیت سے نماز کے لئے تکبیر تحریمہ کے فرض ہونے کا استدلال کیا ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تکبیر تحریمہ ہر اس لفظ کے ساتھ ہو جاتی ہے جس سے تعظیم ثابت ہو جیسے اَللّٰهُ اَجَلُّ، اَللّٰهُ اَعْظَمُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، الرَّحْمٰنُ اَكْبَرُ۔ اسی طرح کے دوسرے الفاظ سے بھی تکبیر کہنا درست ہے، صرف اللہ اکبر سے تکبیر تحریمہ کہنا ضروری نہیں کیونکہ تکبیر کا حکم دیا گیا جس کا معنی تعظیم ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر وہ اللہ اکبر اچھی طرح کہہ سکتا ہو تو پھر اس کے لئے یہی الفاظ جائز ہوں گے یا اللہ الاکبر کہے یا اللہ الکبیر کہے کیونکہ ثناء میں معرف بالام اسم زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں افعل اور فعیل دونوں برابر ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا صرف اللہ اکبر یا اللہ الاکبر کہنا جائز ہوگا۔ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا صرف اللہ اکبر کہنا جائز ہے(2)۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ تکبیر تحریمہ کے بارے میں نازل نہیں ہوئی جس طرح صحیحین میں ہے کہ یہ سب سے پہلی وحی ہے اور اس کا نزول نماز کے فرض ہونے سے پہلے ہوا۔ یہ جو قول کیا جاتا ہے کہ نماز کے باہر تکبیر واجب نہیں جبکہ امر وجوب کے لئے آتا ہے تو اس آیت سے نماز میں تکبیر کا واجب ہونا ثابت ہوگا۔ یہ قول قابل قبول نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تکبیر یعنی توحید انسان پر سب سے پہلے واجب ہے۔ یہ سقوط کا احتمال نہیں رکھتی تکبیر تحریمہ کے باب میں حقیقت یہ ہے کہ نماز مجمل ہے حضور ﷺ کا عمل اس کے ساتھ بطور بیان شامل ہو جائے گا۔ تکبیر تحریمہ کے لئے اللہ اکبر کے الفاظ تواتر سے ثابت ہیں۔ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ اجمعین سے اس کے علاوہ کسی لفظ سے نماز کا شروع کرنا ثابت نہیں۔ اگر اس کے علاوہ کسی اور لفظ سے نماز کو شروع کرنا جائز ہوتا تو بطور جواز ایسا ضرور کرتے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر تحریمہ میں انہیں الفاظ کا ادا کرنا فرض ہے کوئی اور لفظ

1۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 3، صفحہ 568 (دار ابن حزم)   2۔ الہدایۃ، جلد 1، صفحہ 101-100 (شرکت علمیہ)

کہنا فرض نہیں۔ رفاعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو وہ حضور ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ بعض اسناد سے یوں بھی مروی ہے اللہ تعالیٰ کسی آدمی کی نماز اس وقت تک قبول نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ اچھی طرح وضو کرے پھر وہ قبلہ رو ہو اور کہے اللہ اکبر۔

سے قتادہ اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کر و نفس کو کپڑے سے کنایۃ ذکر کیا۔ یہی ابراہیم، ضحاک، شعبی اور زہری رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا نہ تم معصیت پر لباس پہنو اور نہ ہی گندگی پر لباس پہنو۔ پھر کہا میں نے غیلان بن سلمہ ثقفی کا قول سنا:

وَاِنِّیْ بِحَمْدِ اللّٰہِ لَا ثَوْبَ فَاجِرٍ لَبِسْتُ وَلَا مِنْ غَدْرَۃٍ اَتَقَنَّعُ

الحمد اللہ میں نے فاجر کا لباس نہیں پہنا اور نہ ہی آلودہ حالت میں چادر اوڑھی

ابی بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے کہ آیت کا معنی ہے اپنے عمل کو درست کر۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب کوئی آدمی صالح ہو تو اسے کہا جاتا ہے انہ طاھر الثیاب۔ جب وہ فاجر ہو تو اسے کہا جاتا ہے انہ خبیث الثیاب۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اپنے دل اور گھر کو پاک رکھو۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اپنے خلق کو اچھا بناؤ۔ ابن سیرین اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ان نجاستوں سے اپنے کپڑے پاک رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جن کی وجہ سے نماز جائز نہیں ہوتی اس حکم کی وجہ یہ تھی کہ مشرک اپنے کپڑوں کو پاک رکھنے کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر رکھو۔ گویا کپڑوں کا سمیٹ کر رکھنا ہی ان کی پاکیزگی کا باعث ہوتی ہے(1)۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ یہاں کپڑے پاک رکھنے کا حکم ہے۔ عبارت النص سے جو چیز واجب ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کپڑوں کو پاک رکھا جائے۔ دلالت النص سے بدن کا پاک رکھنا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے، جب وہ کپڑے پر نجاست کو پسند نہیں کرتا تو جسم پر ناپاکی کو کیسے پسند کرے گا جبکہ بدن کا مرتبہ زیادہ ہے اور انسان کی ذات کے وہ کپڑے سے زیادہ قریب ہے۔ اسی طرح وہ نفس اور قلب کی نجاست کو کیسے قبول کرے گا کیونکہ وہ تو بدن سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ تو توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

مسئلہ:۔ اس آیت سے فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے کپڑے، بدن اور مکان کا نجاست حقیقیہ سے پاک ہونا ضروری ہے۔

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ صرف نماز کے لئے ان تینوں طہارتوں کا ہونا شرط نہیں بلکہ ان تینوں طہارتوں سے تمام احوال میں پاک رہنا واجب ہے لیکن نماز کے لئے اس کے شرط ہونے پر اجماع ہے۔ اس اجماع کی دلیل یہ ہے کہ نص قطعی سے ثابت ہے کہ نجاست حکمیہ (حدث) سے پاکیزگی ضروری ہے تو نجاست حقیقیہ (خبث) سے پاکیزگی بطریق اولیٰ ضروری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں فرمایا مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَھِّرَکُمْ۔ ایک اور جگہ فرمان ہے: طَھِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَ الْعٰکِفِیْنَ وَ الرُّکَّعِ السُّجُوْدِ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے فرمایا انہیں عذاب دیا جا رہا ہے مگر انہیں کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا۔ ان میں سے ایک تو چھوٹے پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے وہ چھوٹے پیشاب سے بچتا نہیں تھا دوسرا چغل خوری کرتا تھا، متفق علیہ۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 144 (التجاریہ)

WWW.NAFSEISLAM.COM

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝۵ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝۶ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝۷

''اور بتوں سے (حسب سابق) دور رہئے [1] اور کسی پر احسان نہ کیجئے زیادہ لینے کی نیت سے [2] اور اپنے رب (کی رضا) کے لئے صبر کیجئے [3]''

[1] ابوجعفر اور حفص رحمہما اللہ تعالیٰ نے عاصم اور یعقوب رحمہما اللہ تعالیٰ سے رجز کو راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں اور ان کا معنی ایک ہے۔ مجاہد، عکرمہ، قتادہ، زہری، ابن زید اور ابوسلمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا رجز سے مراد بت ہیں۔ معنی یہ ہوگا بتوں کو چھوڑ دو ان کے قریب نہ جاؤ (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس کا معنی ہے گناہ کو چھوڑ دو۔ ابوالعالیہ اور ربیع رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا جب راء مضموم ہو تو اس کا معنی بت ہے۔ جب راء مکسور ہو تو اس کا معنی نجاست اور نافرمانی ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی شرک ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی عذاب ہے، یعنی ایسے عقائد اور اعمال کو چھوڑ دو جو عذاب کو واجب کر دے۔ (2)

[2] زیادہ کی خواہش میں کسی کو مال نہ دو یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دنیا کی جزاء کے لالچ میں کوئی چیز نہ دو بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کسی کو کوئی چیز دو (3)۔ تستکثر والا جملہ لا تمنن کے فاعل سے حال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ نہی تنزیہی ہے۔ ضحاک اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ حکم صرف حضور ﷺ کے لئے تھا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہاں دو قسم کے مال بلا عوض ہیں، حلال اور حرام حلال تو ہدایا ہیں اور حرام سود ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اس کا معنی ہے کہ اپنے عمل کو کثیر جانتے ہوئے اللہ پر احسان نہ جتاؤ۔ یہ بھی فرمایا اپنے اعمال کو اپنے ہاں کثیر نہ جانو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلہ میں وہ قلیل ہیں۔ خصیف نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ زیادہ خیر کے حصول میں کمزوری نہ دکھاؤ۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا معنی ہے آپ پیغام پہنچانے کا لوگوں پر احسان نہ جتلائیں کہ اس عمل پر لوگوں سے دنیا میں عوض اور اجر طلب کرتے رہیں (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا جب تم نے کسی فقیر کو کوئی چیز دی ہو تو اسے آپ کثیر جانتے ہوئے اس پر احسان نہ جتلائیں۔

[3] اس کی تقدیر کلام یہ ہے اَمَّا لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ عَلٰى طَاعَاتِهٖ وَاَوَامِرِهٖ الخ اپنے رب کے لئے اس کی طاعات، اوامر، نواہی اور مصائب پر صبر کیجئے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا ثواب پاؤ اور اس کی رضا چاہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اپنے رب کے لئے صبر کیجئے۔ پس صبر کیجئے۔ تاکید کے لئے فعل کو مکرر ذکر کیا یا صبر کی اقسام کی وجہ سے فعل کو مکرر ذکر کیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جو آپ کو اذیت دی گئی۔ اس پر آپ صبر کیجئے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے عرب و عجم سے جنگ کرنے کی عظیم ذمہ داری آپ کو دی گئی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے اس پر صبر کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر قضا پر صبر کیجئے (5)۔

فَاِذَا نُقِرَ فِى النَّاقُوْرِ ۝۸ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝۹ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝۱۰

''پھر جب صور پھونکا جائے گا [1] تو وہ دن بڑا سخت دن ہوگا [2] کفار پر آسان نہ ہوگا [3]''

[1] جب صور میں پھونکا جائے گا۔ یہ نقر سے فاعول کے وزن پر ہے جس کا معنی آواز پیدا کرنا ہے۔ اصل اس کا معنی یہ ہے کہ کسی شے کو اتنا کھٹکھٹانا جو اس میں سوراخ تک جا پہنچے۔ اسی سے ایک لفظ منقار ہے جو پرندہ کی چونچ کو کہتے ہیں۔ صحاح میں اسی طرح ہے۔ ابوالشیخ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 144 (التجاریہ) 2۔ ایضاً۔ 3۔ ایضاً، صفحہ 145 4۔ ایضاً۔ 5۔ ایضاً

WWW.NAFSEISLAM.COM

بن حیان نے کتاب **العظمة** میں وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سفید موتی سے صور کو پیدا کیا جو موتی شیشہ جتنا شفاف ہے۔ پھر عرش سے فرمایا صور کو پکڑ لو۔ تو صور عرش سے لٹک گیا۔ پھر فرمایا کن۔ تو اسرافیل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسرافیل کو صور پکڑنے کا حکم دے دیا۔ حضرت اسرافیل نے صور پکڑ لیا اللہ تعالیٰ نے جتنی روحیں پیدا کی ہیں۔ ان کی تعداد کے برابر اس میں سوراخ ہیں۔ ایک سوراخ سے دو روحیں نہیں نکلیں گی۔ صور کے درمیان آسمان اور زمین کے دائرے کے برابر درمیان میں ایک سوراخ ہے۔ حضرت اسرافیل اپنا منہ اس سوراخ پر رکھے ہوئے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرافیل کو فرمایا میں نے نفخہ اور صیحہ تیرے سپرد کر دیا ہے۔ وہ عرش کے اگلے حصہ میں داخل ہو گیا۔ اس نے دایاں قدم عرش کے نیچے داخل کیا ہوا ہے اور بائیں قدم کو آگے بڑھایا ہوا ہے۔ جب سے اسے پیدا کیا گیا اس نے پلک نہیں جھپکی۔ وہ انتظار میں ہے کہ کب اسے حکم دیا جائے۔ اسے امام احمد، ترمذی اور طبرانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں کیسے آرام پاؤں جبکہ صور پھونکنے والے نے اپنا منہ صور پر رکھا ہوا ہے۔ پیشانی جھکائی ہوئی ہے اور کان لگایا ہوا ہے کہ کب اسے حکم دے دیا جائے۔ یہ خبر صحابہ پر بڑی شاق گزری تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ پڑھا کرو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل (1)۔ امام احمد اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل روایت کیا ہے اور ان کلمات کا اضافہ کیا ہے عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا۔ **فَاِذَا نُقِرَ** میں فاء سببیہ ہے۔ گویا یوں ارشاد فرمایا ان کی اذیتوں پر صبر کیجئے۔ ان کے آگے مشکل زمانہ ہے۔ جس میں آپ اپنے صبر کا انجام پائیں گے۔ اذا اس فعل کی ظرف ہے جس پر مابعد جملہ دلالت کرتا ہے۔

ے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس روز کافروں پر معاملہ سخت ہو گا کیونکہ اذا اپنے اندر شرط کا معنی لئے ہوئے ہے اس لئے **ذلک** پر فاء داخل ہوا۔ **ذلک** سے کھنکھنانے کے وقت کی طرف اشارہ ہے اور اسم اشارہ مبتدا ہے۔ اس کی خبر **یوم عسیر** ہے۔ **یومئذ** اس سے بدل ہے۔ یہ محل رفع میں ہے۔ مبنی اسم کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے یہ بھی مبنی ہے۔ **غیر یسیر** یہ **عسیر** کی تاکید ہے۔ یہ اس بات کے مانع ہے کہ وہ کسی وجہ سے مشکل ہو اور کسی وجہ سے آسان ہو۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دن مومنین کے لئے آسان ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے **حم تنزیل الکتب من اللہ العزیز الحکیم .... الیہ المصیر** تک آیات کو نازل فرمایا تو نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ شریف میں نماز ادا فرمائی جبکہ ولید بن مغیرہ آپ کے قریب ہی تھا اور آپ کی قرأت کو سن رہا تھا۔ جب حضور ﷺ نے محسوس کیا کہ وہ آپ کی قرأت کو سن رہا ہے تو آپ نے ان آیات کو دوبارہ پڑھا تو ولید چلا گیا اور اپنی قوم بنی مخزوم کی مجلس میں آیا۔ کہا میں نے ابھی ابھی محمد ﷺ سے کلام کو سنا ہے وہ نہ انسانوں کا کلام ہے اور نہ ہی جنوں کا کلام ہے۔ اس کلام میں مٹھاس ہے اس کا ظاہر خوبصورت ہے۔ اس کا اوپر والا حصہ پھلدار ہے اور اس کا نیچے والا حصہ انتہائی گہرا ہے۔ وہ خود بلند ہے اس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا پھر وہ اپنے گھر چلا گیا۔ قریش نے کہا اللہ کی قسم ولید بے دین ہو گیا اللہ کی قسم تمام قریش بے دین ہو جائیں گے۔ ولید کو ریحانہ قریش کہا جاتا تھا۔ ابوجہل نے کہا میں تمہاری طرف سے اسے کافی ہوں۔ وہ ولید کے پاس گیا۔ پریشان حال اس کے پاس بیٹھ گیا۔ ولید نے کہا اے بھتیجے کیا وجہ ہے، میں تجھے کچھ پریشان دیکھتا ہوں۔ ابوجہل نے کہا میں غمگین کیوں نہ ہوں، یہ قریش کے لوگ تیرے لئے مال جمع کر رہے ہیں جو تیرے بڑھاپے میں تیری مدد کرنا چاہتے ہیں۔ وہ گمان

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 65 (وزارت تعلیم)

کرتے ہیں کہ تو نے محمد ﷺ کی کلام کی اچھائی بیان کی پھر تو ابن کثیر اور ابن ابی قحافہ کے پاس گیا تا کہ ان کا بچا ہوا کھانا کھالے ولید غصے ہو گیا اور کہا کیا قریش نہیں جانتے کہ مال اور اولاد کے اعتبار سے کون زیادہ طاقت رکھتا ہے کیا محمد اور ان کے ساتھی اتنے سیر ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس کوئی کھانا بچ بھی جاتا ہے۔ پھر وہ ابوجہل کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا یہاں تک کہ اپنی قوم کی مجلس میں آیا اور کہا کیا تم گمان کرتے ہو کہ محمد مجنون ہیں۔ کیا تم نے کبھی انہیں دیکھا کہ وہ مجنون والی باتیں کرتے ہوں۔ سب نے کہا اللہ کی قسم ایسا نہیں ہے۔ ولید نے کہا تم گمان کرتے ہو کہ وہ کاہن ہے کیا تم نے کبھی اسے دیکھا ہے کہ وہ کہانت کرتا ہے۔ سب نے کہا اللہ کی قسم ایسا نہیں ولید نے کہا تم گمان کرتے ہو کہ وہ شاعر ہے، کیا تم نے اسے شعر کہتے ہوئے دیکھا ہے۔ سب نے کہا اللہ کی قسم نہیں دیکھا۔ ولید نے کہا تم گمان کرتے ہو کہ وہ جھوٹا ہے، کیا تمہیں کبھی تجربہ ہوا کہ اس نے جھوٹ بولا ہو۔ سب نے کہا اللہ کی قسم نہیں دیکھا جبکہ حضور ﷺ کو تو نبوت سے پہلے آپ کی صداقت کی وجہ سے امین کہا جاتا تھا۔ قریش نے ولید سے کہا تو پھر آپ کیا ہیں اس نے تھوڑا وقت سوچ و بچار کیا پھر غور وفکر کیا۔ چہرے پر ناگواری کے آثار لایا اور کہا وہ صرف جادوگر ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اس نے بد واور اس کی بیوی، اس کے بچوں اور غلاموں میں جدائی کردی ہے۔ پس وہ ساحر ہے(1)۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور سند سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ﴿١١﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿١٢﴾ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ﴿١٣﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿١٤﴾

”آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا ہے [1] اور دے دیا ہے اس کو مال کثیر [2] اور بیٹے دیئے ہیں جو پاس رہنے والے ہیں [3] اور مہیا کر دیا ہے اسے ہر قسم کا سامان [4]“

[1] ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اور سندوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسی روایت نقل کی ہے۔ وَمَنْ میں واؤ مع کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں واؤ مع کے معنی میں ہے ذرنی و المکذبین۔ ترکیب کلام میں وحیدا ذرنی کے مفعول سے حال ہے، یعنی آپ غم نہ کھائیں مجھے اس کے ساتھ تنہا چھوڑ دیں۔ بے شک میں تیری طرف سے اسے کافی ہوں۔ یا یہ خلقت کے فاعل سے حال ہے، یعنی میں نے اسے اکیلے پیدا کیا ہے، اس کو پیدا کرنے میں میرے ساتھ کوئی اور شریک نہیں۔ یا یہ ضمیر عائد محذوف سے حال ہے، یعنی خَلَقْتُهٗ وَحِيْدًا فَرِيْدًا لَا مَالَ لَهٗ وَلَا وَلَدَ۔ معنی یہ ہوگا میں نے اسے شرارت میں یگانہ پیدا کیا۔ یا اس کا معنی ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرف منسوب نہیں تھا کیونکہ وہ بداصل تھا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ اپنی قوم میں وحید کے نام سے معروف تھا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے بطور استہزاء اس نام سے یاد کیا یا کیونکہ وہ اپنے آپ کو یہی نام دیتا تھا۔

[2] ممدود کا معنی پھیلا ہوا اور کثیر یعنی وہ نمو پانے کی وجہ سے پھیل گیا جیسے اس کا مال، باغات، جانور اور مال تجارت کی صورت میں تھا۔ مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا مال ممدود سے مراد ہزار دینار ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد چار ہزار دینار ہیں۔ سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد دس لاکھ دینار ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس سے مراد نو ہزار مثقال چاندی ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا طائف میں ایک باغ تھا جس کا پھل موسم سرما اور موسم گرما میں ختم نہیں ہوتا تھا۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 146 (التجاریہ)

عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس کے مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان اونٹ، گھوڑے اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ تھے اس کے پاس کثیر سونا چاندی، غلام اور لونڈیاں تھیں۔(1)

سے اس کے بیٹے مکہ مکہ میں ہی رہتے جن کی ملاقات سے وہ لطف اندوز ہوتا روزی کی تلاش میں انہیں سفر پر جانے کی ضرورت نہ ہوتی یہ کل دس تھے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کے ساتھ بیٹے تھے وہ ولید بن ولید، خالد، عمارہ، ہشام، عاص، قیس اور عبد شمس ان میں سے تین مسلمان ہوئے وہ یہ تھے خالد، ہشام اور عمارہ۔(2)

ہے میں نے اس کے لئے ریاست اور عظیم شان وشوکت پھیلا دی یہاں تک کہ اسے ریحانہ قریش کہا جاتا وہ قوم کے آگے ہونے اور سرداری کے مستحق ہونے میں اکیلا تھا کوئی (دوسرا اس کا مقابل نہ تھا) یا معنی یہ ہے کہ میں نے اسے طویل عمر عطا فرمائی۔

ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿١٦﴾ۭ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿١٧﴾ۭ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ۙ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ۙ

"پھر طمع کرتا ہے کہ میں اسے مزید عطا کروں لے ہرگز نہیں وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے ہے میں اسے مجبور کروں گا کہ وہ کٹھن چڑھائی چڑھے سے اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی ہے اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی ہے"

لے وہ امید رکھتا ہے کہ میں اس کے مال اولاد اور جاہ و مرتبہ میں اضافہ کروں گا۔

ہے کلا جھڑکنے کے لئے ہے یعنی میں اس کی ناشکری کی وجہ سے ایسا نہیں کروں گا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ولید کے مال اور اولاد میں کمی ہونے لگی یہاں تک کہ وہ خود بھی ہلاک ہو گیا۔

عنیدا یعنی وہ دشمنی کرنے والا تھا چونکہ اس نے ان آیات کا انکار کیا اور اس نے آیات کے بارے میں یہ کہا **سحر یوثر**۔ یہ آیت ودع کی علت ہے کیونکہ ناشکری کرنا اور منعم کی آیات سے دشمنی نعمت کے زوال کا سبب ہوتی ہے اور زیادتی کو روک دیتی ہے۔

سے میں اس پر سخت عذاب مسلط کر دوں گا جو اس معذب پر غالب آجائے گا اور ہر عذاب پر بھی غالب آجائے گا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ **صعود** جہنم میں ایک آگ کا پہاڑ ہے جہنمی کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس پہاڑ پر چڑھے جب وہ اس پہاڑ پر اپنا ہاتھ رکھے گا تو اس کا ہاتھ پگھل جائے گا۔ جب وہ اس پہاڑ سے ہاتھ اٹھائے گا تو ہاتھ درست ہو جائے گا جب وہ اپنا پاؤں اس پر رکھے گا تو وہ پگھل جائے گا جب وہ اسے اٹھائے گا تو وہ پھر درست ہو جائے گا۔(3)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید خدری اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے اسے روایت کیا ہے۔ امام احمد، امام ترمذی، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جہنم میں ایک پہاڑ ہے جس پر وہ ستر سال تک چڑھتا رہے گا پھر وہ اس سے نیچے اترے گا(4)۔ وہ ہمیشہ اسی طرح عمل کرتا رہے گا۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا **صعود** جہنم میں ملائم چٹان ہے جہنمی کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس پر چڑھے کسی کو اس پر چڑھنے میں چھوٹ نہ ہوگی۔ وہ لوہے کی زنجیریں کھینچ رہا ہوگا پیچھے سے اسے لوہے کے ہتھوڑوں سے مارا جائے گا۔ وہ چالیس سال تک اس پر چڑھتا رہے گا۔ جب وہ اس کی چوٹی پر پہنچے گا تو اسے پستی کی طرف گرا دیا جائے گا۔ پھر اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس پر چڑھے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 145 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، صفحہ 146 4۔ ایضاً

WWW.NAFSEISLAM.COM

سامنے سے اسے کھینچا جائے گا اور پیچھے سے اسے مارا جائے گا یہی طریقہ ہمیشہ جاری رہے گا۔(1)

۴ اس نے قرآن میں طعن کرنے کے لئے سوچا اور اس کے بارے میں جو کہنا چاہتا تھا اس کا اندازہ لگایا یہ جملہ ان کے عناد کا بیان ہے اور جس وجہ سے وہ عذاب کا مستحق ہے اس کی علت بیان کی جا رہی ہے۔

۵ اس پر لعنت ہو۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس پر عذاب ہو اس جملہ استفہامیہ میں استہزاء کرتے ہوئے ان کے اندازہ لگانے پر تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اس میں انکار اور توبیخ ہے۔ کیف، قدر کے فاعل سے حال ہے اور یہ جملہ قتل کے قول کی علت ہے۔ فقتل جملہ معترضہ دعائیہ ہے۔ فاء اعتراض کے لئے ہے۔

ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾

"اس پر پھر پھٹکار کیسی بری بات اس نے طے کی ۱ پھر دیکھا ۲ پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا ۳ پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا ۴ پھر بولا یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے ۵"

۱ اس جملہ کو تاکید کے لئے مکرر ذکر کیا۔ ثم کا کلمہ اس بات پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ دوسرا جملہ پہلے جملے سے زیادہ بلیغ ہے۔

۲ اس جملے کا عطف فکر و قدر پر ہے، یعنی اس نے سوچ و بچار کی اندازہ لگایا۔ پھر قرآن حکیم میں یکے بعد دیگرے غور و فکر کیا۔

۳ جب قرآن حکیم میں کوئی طعن نہ پایا تو چہرے پر ناگواری کے آثار لایا اور یہ نہ سمجھ سکا کہ قرآن کے بارے میں کیا کہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ حضور ﷺ کی طرف دیکھا اور دشمنی کی وجہ سے اپنے چہرے پر درشتگی کے آثار ظاہر کئے۔ بسر یہ عبس اور قهو کے معنی میں ہے۔ یہ ماقبل کی تاکید ہے۔

۴ پھر حق اور اس پر ایمان لانے سے روگردانی کی یا رسول اللہ ﷺ سے روگردانی کی اور حق کی اتباع سے تکبر کیا۔

۵ فاء اس امر پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔ جب یہ بات اس کے دل میں کھٹکی تو اس نے سوچے سمجھے بغیر منہ سے یہ کہہ دیا کہ یہ قرآن جادو ہے جو کسی اور سے بیان کیا جاتا ہے۔

إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾

"یہ نہیں مگر انسان کا کلام ۱ عنقریب میں اسے جہنم میں جھونکوں گا ۲ اور تو کیا سمجھے کہ جہنم کیا ہے؟ ۳ نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے ۴ جھلسا دینے والی آدمی کی کھال کو ۵ اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں ۶"

۱ یہ جملہ ماقبل جملہ کی تاکید ہے۔ اس لئے اس کا ماقبل جملہ پر عطف نہیں کیا گیا۔

۲ یہ جملہ سارهقه صعودا سے بدل ہے۔ سقر جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

۳ جہنم کی عظمت شان بیان کرنے کے لئے استفہامیہ انداز میں کلام لائی گئی ہے۔ ما سقر والا جملہ تاویل مفرد میں ہے اور ادرک کا مفعول ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 146 (التجاریہ)

ہے جو چیز اس جہنم میں پھینکی جاتی ہے اس کو باقی نہیں چھوڑتی یہاں تک کہ اسے ہلاک کر دیتی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جہنم اسے زندہ نہیں چھوڑتی اور نہ ہی اسے مردہ چھوڑتی ہے۔ جب بھی وہ آگ میں جلتے ہیں تو پھر انہیں تازہ کر دیا جاتا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہر چیز اکتا جاتی ہے اور ایک مقام پر پہنچ کر تیزی سے ختم ہو جاتی ہے مگر سقر (جہنم) ایسے نہیں ہے(1)۔ یہ جملہ اور بعد والے دونوں جملے مستانفہ ہیں اور سقر کی عظمت شان کو بیان کرنے کے لئے ذکر کئے گئے ہیں۔ یا یہ سقر سے حال ہیں۔

ھ یہ جلد کو سفیدی سے سیاہی کی طرف بدلنے والی ہے۔ بشر بشرۃ کی جمع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور زید بن اسلم رضی اللہ عنہ نے کہا یہ جلد کو جلانے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ یہ لوگوں کے لئے ظاہر ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اور ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ان کے لئے ظاہر ہوگی اور لوگ جہنم کو عیاں دیکھیں گے۔ اسی کی مثل وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ہے۔(2)

ے جہنم پر انیس فرشتے معین ہیں۔ یہ جہنم کے داروغے ہیں۔ ایک کا نام مالک ہے اور اٹھارہ دوسرے ہیں۔ ابن مبارک اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ میں سے ایک نے ابی العوام کا قول نقل کیا ہے کہ وہ انیس فرشتے ہیں ان کے کندھوں کے درمیان اتنا اتنا فاصلہ ہے۔

ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان میں ایک کے کندھوں کے درمیان کا فاصلہ ایک سال کا ہوگا۔ ان سے رحمت نکال لی گئی ہے۔ ان میں سے ایک فرشتہ ستر ہزار جہنمیوں کو ایک ہی دفعہ اٹھالے گا اور جہنم میں جہاں چاہے گا پھینک دے گا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ بیہقی نے ابن اسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابو جہل نے قریش سے کہا تمہاری مائیں تم پر روئیں میں سنتا ہوں کہ ابن ابی کبشہ (حضور ﷺ) خبر دیتا ہے کہ جہنم کے کل انیس داروغے ہیں جبکہ تم بڑے طاقتور کثیر اور بہادر ہو کیا تم میں سے دس بھی مل کر ایک داروغے کو نہ پکڑ سکیں گے۔ ابو الاشد بن کلدہ نے کہا میں تمہاری طرف سے سترہ کو تو کافی ہوں دس میری پشت پر ہوں گے۔ سات پیٹ پر تم صرف دو کا ذمہ لے لو(3)۔ بیہقی نے سدی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے جب **علیہا تسعة عشر** والی آیت نازل ہوئی تو ایک قریشی نے کہا جس کو اشد بن کلدہ کہا جاتا اے قریش تمہیں انیس خوف زدہ نہ کریں میں اپنے دائیں کندھے سے دس کو تم سے دور کر دوں گا اور بائیں کندھے سے نو کو دور کر دوں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝31

"اور ہم نے نہیں مقرر کئے آگ کے داروغے مگر فرشتے اور نہیں بنایا ہم نے ان کی تعداد کو مگر آزمائش ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کیا تاکہ یقین کرلیں اہل کتاب اور بڑھ جائے اہل ایمان کا ایمان اور نہ شک میں مبتلا ہوں اہل کتاب اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 147 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

مومن اور تا کہ کہنے لگیں جن کے دلوں میں روگ ہے اور کفار کیا ارادہ کیا ہے اللہ نے اس بیان سے یونہی اللہ تعالیٰ (ایک ہی بات سے) گمراہ کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے اور کوئی نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں کو بغیر اس کے اور نہیں ہے یہ بیان مگر نصیحت لوگوں کے لئے 1۔ ''

1۔ اصحاب نار سے مراد جہنم کے داروغے ہیں۔ فرشتوں کو داروغے بنایا انسانوں کو داروغے نہیں بنایا تا کہ جہنمی ان سے اپنا دفاع نہ کر سکیں۔ ان کی تعداد انیس رکھنا یہ آزمائش کے لئے ہے۔ یہاں مسبب (فتنہ) کو سبب (انیس کا عدد) کی جگہ رکھا ہے، یعنی اس قلیل عدد نے ان کے کفر اور گمراہی کا تقاضا کیا کیونکہ کفار اس تعداد کو تھوڑا جانتے اس کی وجہ سے استہزاء کرتے اور اس کو بعید جانتے کہ اتنی تھوڑی تعداد تمام کفار کو عذاب دے سکتی ہے۔ لیستیقن یہ جار مجرور محذوف فعل کے متعلق ہے جس پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوسکتی ہے نبتنا بعددھم لیستیقن۔ جب اہل کتاب اس تعداد کو تورات اور انجیل میں دیکھتے ہیں تو انہیں حضور ﷺ کی نبوت اور قرآن حکیم کی صداقت پر یقین ہو جاتا ہے اور اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اس آیت پر ایمان لا کر ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جب اہل کتاب ان کی تصدیق کرتے ہیں تو مومنوں کے ایمان کو قوت نصیب ہوتی ہے۔ ایمانا مفعول مطلق ہے یا نسبت سے تمیز ہے۔ اہل کتاب اور مومنوں کو ان کی تعداد میں کوئی شک نہیں ہوتا۔ یہ جملہ استیقان اور ایمان کی زیادتی والے جملہ کی تاکید ہے اور لا یرتاب کا عطف عطف تفسیری ہے۔

ابن ابی حاتم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بعث میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے ایک صحابی سے جہنم کے داروغوں کے بارے میں پوچھا پھر وہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو اسی وجہ سے عدد والی آیات نازل ہوئیں (1)۔ تو یہ اہل کتاب کے ایقان اور مومنوں کے ایمان کی زیادتی کا سبب بن گئی۔ و لیقول کا عطف لیستیقن پر ہے۔ مرض سے مراد شک اور نفاق ہے۔ مکہ مکرمہ میں ان منافقوں کو خبر دی جا رہی ہے جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ظاہر ہونے والے تھے جبکہ مکہ مکرمہ میں کوئی منافق نہیں تھا۔

مثلا سے مراد عجیب و غریب مثال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا جب کفار نے اس امر کو حقیقت سے بعید جانا اور یہ گمان کیا کہ یہ ضرب المثل ہے تو یہ کہا مثلا کا کلمہ یا تو ھذا سے حال ہے۔ اس میں عامل اشارہ کا معنی ہے یا تنبیہ ہے یا تمیز ہے ھذا مقدر تنوین کے ساتھ اسم تام ہے۔

کذلک مابعد فعل کے متعلق ہے۔ معنی یہ ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ نے داروغوں کی تعداد ذکر کر کے ایک قوم کو ہدایت دی اور ایک قوم کو گمراہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے لئے گمراہی مقدر کر دیتا ہے اور جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے۔ اس کے حق میں ہدایت مقدر کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لشکروں کی حقیقت اور قوت کی کیفیت کو کوئی بھی نہیں جانتا جہاں تک ان کی تعداد کا معاملہ ہے وہ تو ذکر ہو چکا ہے کہ وہ انیس ہیں وہ کمی اور زیادتی کا احتمال نہیں رکھتا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ابوجہل کے اس قول کا جواب ہے جس میں اس نے کہا تھا کہ محمد (ﷺ) کے کل انیس مددگار ہیں۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو عذاب دینے کے لئے پیدا کئے ہیں ان کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، یعنی جہنم کے داروغے تو انیس ہیں تاہم ان کے مددگاروں اور لشکروں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا (2)۔ ہناد نے کعب رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 456 (العلمیہ)   2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 148 (التجاریہ)

کے بارے میں جہنم کا حکم ہوگا تو ایک ہزار فرشتے اس حکم کی تعمیل میں جلدی کریں گے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سردار انیس ہوں گے (1)۔ تمام خازنوں کی تعداد تو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

وماھی میں ھی ضمیر سے مراد یا تو سقر ہے یا جہنم کے داروغوں کی تعداد ہے یا اس سے مراد سورت ہے، یعنی یہ انسان کے لئے سراپا نصیحت ہے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾

''ہاں ہاں! چاند کی قسم 1 اور رات کی قسم جب وہ پیٹھ پھیرنے لگے 2 اور صبح کی جب روشن ہو جائے 3 یقیناً دوزخ بڑی آفتوں میں سے ایک آفت ہے 4 ڈراوا ہے لوگوں کے لئے 5 ان کے لئے جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں یا پیچھے رہنا چاہتے ہیں 6''

1۔ یا تو کلا کا لفظ ان لوگوں کو جھڑکنے کے لئے ہے جو اس کے نصیحت ہونے کا انکار کرتے ہیں یا اس بات کا انکار کرنے کے لئے ہے کہ وہ اس سے نصیحت حاصل کرے گا اگرچہ وہ فی نفسہ سراپا نصیحت ہے۔

نافع، حفص، حمزہ اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے اِذْ اَدْبَرَ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے اِذَا دَبَرَ پڑھا ہے۔ دَبَرَ اور اَدْبَرَ کا معنی ایک ہے جس طرح قَبِلَ اور اَقْبَلَ کا معنی ایک ہے، جس طرح دبر اللیل و ادبر اس وقت کہتے ہیں جب وہ پلٹنے لگے۔ ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ قریش کی لغت کے مطابق ہے۔ قطرب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دَبر کا معنی اقبل ہے۔ عرب کہتے ہیں دبرنی فلان یعنی وہ میرے پیچھے آیا یعنی رات دن کے پیچھے آتی ہے۔ (2)

2۔ اسفر یعنی جب وہ روشن ہو۔

3۔ انھا میں ھا ضمیر سے مراد سقر ہے، یعنی جہنم بڑی مصیبتوں میں سے ایک بڑی مصیبت ہے اور الکبری سے پہلے البلایا کا لفظ محذوف ہے۔ بڑی مصیبتوں میں سے جھنم، لظی، حطمه، سعیر، جحیم اور ھاویه ہے۔ کبری کی جمع کبر ہے۔ فعلی کو فعلة کے ساتھ لاحق کیا، یعنی الف مقصورہ کو تاء تانیث کی جگہ رکھا جس طرح قاصعاء کو قاصعة کے ساتھ لاحق کر دیا۔ پھر اس کی جمع قواصع بنا دی۔ یہ جملہ جواب قسم ہے یا یہ کلا کی تعلیل ہے اور قسم جملہ معترضہ ہے اور تاکید کے لئے ذکر کی گئی۔

4۔ نذیرا یہ احدی الکبر سے تمیز ہے یا یہ جملہ جس فعل پر دلالت کرتا ہے اس کے فاعل سے حال ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی کبرت منذرۃ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا جہنم سے بڑھ کر کوئی خوفناک چیز نہ ہوگی۔ خلیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نذیر نکیر کی طرح مصدر ہے (3)۔ یہ مذکر ہے مگر اس کے ساتھ مونث کی صفت لائی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا نذیرا یہ وما جعلنا اصحاب النار الا ملئکة کے فاعل سے حال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ اے چادر اوڑھنے والے انسانوں کو خبردار کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔

5۔ لمن شاء یہ للبشر سے بدل ہے، یعنی یہ دونوں جماعتوں کے لئے ڈرانے والا ہے۔ اس صورت میں ان یتقدم او یتاخر شاء

1۔ تفسیر قرطبی، جلد 19، صفحہ 80 (المصریہ) 2۔ ایضاً، صفحہ 84 3۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 149 (التجاریہ)

کا مفعول ہوگا، یعنی جو چاہے خیر اور طاعت میں آگے بڑھے اور جو چاہے شر اور نافرمانی میں پیچھے رہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ان یتقدم او یتاخر مبتدا، ہو اور لمن شاء منکم خبر مقدم ہو۔ معنی ہو گا تم میں سے جو چاہے آگے بڑھے اور تم میں سے جو چاہے پیچھے رہے۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ اس میں مقصود شرمندہ کرنا اور انہیں خبردار کرنا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ فِیْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾

''ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے۔ سوائے اصحاب یمین کے۔ جو جنتوں میں ہوں گے اہل جنت پوچھیں گے مجرموں سے۔ کہ کس جرم نے تم کو دوزخ میں داخل کیا''

۱۔ ما کسبت سے مراد برائیاں ہیں۔ رهينة یہ شتيمة کی طرح مصدر ہے۔ رهن کے معنی میں ہے۔ یہ موهون کے معنی میں نہیں۔ اگر یہ صفت کا صیغہ ہوتا تو رهين ہوتا کیونکہ فعيل جو اسم مفعول کے معنی میں ہو اس میں مونث اور مذکر برابر ہوتے ہیں۔ معنی یہ ہو گا جس نے کفر جیسے گناہ کیے وہ اس کے بدلے میں ہمیشہ جہنم میں قید ہوگا۔

۲۔ جنہیں ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے بنی اسد کے ایک آدمی سے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب سے فرمایا آخرت کے بارے میں کوئی بات کرو۔ انہوں نے عرض کی ہاں اے امیر المومنین جب قیامت کا روز ہوگا تو لوح محفوظ رکھی جائے گی تو مخلوق میں سے ہر کوئی اپنے عمل کو دیکھے گا۔ پھر انہیں وہ صحائف دیئے جائیں گے جن میں بندوں کے اعمال لکھے ہوں گے۔ عرش کے اردگرد سے انہیں بکھیر دیا جائے گا۔ پھر مومن کو بلایا جائے گا تو اسے کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی تو وہ اس میں دیکھے گا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد وہ جنتی ہیں جو یوم میثاق کو حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں طرف تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ جنت کے لئے ہیں اور مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں۔(1)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد مبارک لوگ ہیں(2)۔ ان تمام اقوال کا نتیجہ ایک ہی ہے، یعنی مومن ہمیشہ کے لئے جہنم میں محبوس نہیں ہوتے بلکہ وہ نجات پا جائیں گے یا تو گناہوں کے برابر عذاب پانے کے بعد بخشش کی صورت میں یا شفاعت کی وجہ سے بغیر عذاب کے یا محض فضل کی وجہ سے نجات پا جائیں گے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد مخلص مومن ہیں۔ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ نے کہا ہر نفس نے جو بھی اچھا یا برا عمل کیا ہوگا اس کے بدلے میں ماخوذ ہوگا مگر جو اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد کرے وہ اس حکم میں داخل نہیں جو بھی آدمی اپنے عمل پر بھروسہ کرتا ہے وہ اپنے عمل کے بدلے میں محبوس ہوتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کرتا ہے وہ ماخوذ نہیں ہوتا(3)۔ ان دونوں قولوں کی بناء پر آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ہر نفس اپنے اعمال کے بدلے میں ماخوذ ہوتا ہے مگر جو کامل مسلمان ہوتے ہیں وہ مطلق ماخوذ نہیں ہوتے۔ لیکن اصحاب یمین کے لفظ کی ان مخلصین پر اطلاق کی کوئی دلیل نہیں۔ سعد بن منصور، ابن ابی حاتم اور حکیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے نوادر الاصول میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے کہ اصحاب یمین سے مراد مسلمانوں کے بچے ہیں۔ حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی زیادہ کیا ہے۔ انہوں نے کوئی عمل کیا ہی نہیں کہ انہیں ان

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 149 (التجاریہ) 2۔ تفسیر خازن، جلد 7، صفحہ 149 (التجاریہ) 3۔ ایضاً

WWW.NAFSEISLAM.COM

سے تمام سے بدلے میں محبوس کیا جاتا (1)۔ ابوظبیان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ... فرشتے ہیں (2)۔ جب تک یہ اثر صحیح نہ ہو اس وقت تک اصحاب یمین سے فرشتے مراد لینا ممکن نہ ہوگا۔

... فی یہ جار مجرور مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے ہم بھی جنات ... یہ جملہ استثناء کی علت بیان کر رہا ہے۔ ... یہ ... سے حال ہو یا یتساءلون میں جو جمع کی ضمیر ہے اس سے حال ہو ... سوال ... دوسری صورت میں باب تفاعل لانے کی یہ وجہ ہوگی کہ وہ سوال ... میں ایک ... ... وہ ... مجرموں کے حال کے بارے میں پوچھیں گے یعنی مجرمین سے پہلے حال کا لفظ مضاف محذوف ہے۔

... یہ استفہام اور جواب اس سوال و جواب کی حکایت ہے جو مسئولین اور مجرمین کے درمیان ہوا ... اس کلام میں اختصار ... حذف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے یتساءلون عن المجرمین فیقولون ما سلککم فی سقر۔ ایک قول یہ ... ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی یتساءلون المجرمین بقولهم ما سلککم فی سقر۔

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٤٦﴾ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿٤٧﴾

"وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے[1] اور مسکین کو کھانا بھی نہیں کھلایا کرتے تھے[2] اور ہم بیہودہ باتوں ... کے ساتھ بیہودہ سرائی میں لگے رہتے[3] اور ہم جھٹلایا کرتے تھے روز جزا کو[4] یہاں تک کہ ہمیں موت نے آلیا[5]"

[1] مجرمین نے جواب میں کہا ہم فرض نماز نہیں پڑھتے تھے۔ لم نک میں نون جزم کی وجہ سے ساقط ہوگئی ... کثرت استعمال ... نون بھی حرف علت کے مشابہ ہے کیونکہ نون ناک کے بانسے میں غنہ ہوتا ہے جس طرح حرف علت حلق میں ... ہو جاتا ہے۔

[2] جو مال پر فرض ہوتا ہے وہ ہم نہیں دیتے تھے۔ اس آیت میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ آخرت میں مواخذہ ... فروع ... مخاطب ہیں ... دنیا میں ان سے خطاب اس لئے ساقط ہے کیونکہ ان میں ایمان کی شرط مفقود ہے لیکن مکلف ... ان ... دلیل موجود نہیں کیونکہ کفر تو سختی کا تقاضا کرتا ہے۔ تخفیف کا تقاضا نہیں کرتا لیکن اسلام لانے کے ساتھ سابقہ حقوق اللہ اور عقوبات سب ساقط ہو جاتے ہیں۔ اس لئے حالت کفر میں ان سے جو امور رہ گئے تھے۔ اسلام لانے کے بعد ان سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اسلام پہلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

[3] اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع کیا تھا ہم دوسرے لوگوں کے ساتھ ان میں شریک ہو جاتے تھے۔

[4] یوم دین کے جھٹلانے کے عمل کو موخر کیا ہے تاکہ اس کی عظمت کا بیان ہو۔ معنی یہ ہے ان تمام چیزوں کے بعد ہم روز جزا کو جھٹلاتے تھے۔

[5] یقین سے مراد موت ہے۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿٤٨﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٩﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾

"پس نہیں کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی شفاعت کرنے والوں کی شفاعت۔ پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس نصیحت سے

1۔ تفسیر قرطبی، جلد 19، صفحہ 87 (المصریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 149 (التجاریہ)

روگرداں ہیں۔ گویا وہ بھڑکے ہوئے جنگلی گدھے ہیں جو بھاگے جا رہے ہیں شیر سے۔"

1 اگر وہ سب لوگ بھی شفاعت کریں تب بھی انہیں شفاعت کوئی نفع نہ دے گی۔ یہ جملہ یا تو کل نفس رھینۃ کے ساتھ متصل ہے یا لم نک من المصلین کے ساتھ متصل ہے۔ اس آیت کا مفہوم تقاضا کرتا ہے کہ مومن اگر فاسق بھی ہوں گے تو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں نفع دے گی۔

اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ام حبیبہ یا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کمرہ میں تھیں تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ فرمایا جس مسلمان کے تین بچے بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو گئے تو ان بچوں کو لایا جائے گا اور جنت کے دروازے پر کھڑا کیا جائے گا۔ انہیں کہا جائے گا جنت میں داخل ہو جاؤ تو وہ عرض کریں گے اگر ہمارے والدین جنت میں داخل ہوں گے تو ہم بھی داخل ہوں گے۔ انہیں دوسری یا تیسری دفعہ کہا جائے گا تم اور تمہارے والدین جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی معنی اور مفہوم ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا فرشتے، انبیاء، شہداء، صلحاء، اور تمام مومن شفاعت کریں گے۔ پھر جہنم میں صرف چار قسم کے افراد رہ جائیں گے۔ پھر ان آیات کی تلاوت کی لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ...... بِيَوْمِ الدِّينِ۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان لوگوں کے علاوہ شفاعت نفع دے گی(1)۔

حضرت ابن مسعود اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم کا قول اس بات کا شعور دلاتا ہے کہ شفاعت نماز کے تارک، زکوٰۃ نہ دینے والے اور لہو ولعب میں داخل ہونے والوں کو فائدہ نہ دے گی، اگرچہ وہ مومن ہی کیوں نہ ہوان کے قول کی بنیاد یہ آیت ہے کیونکہ شفاعت والی آیت کو فاء سببیہ کے بعد لایا گیا ہے۔ اسے ان چار مذکورہ امور پر مرتب کرنا یہ دلالت کرتا ہے کہ یہ شفاعت نہ پانے کا سبب ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ شفاعت والی آیت کو ان چار امور کے بعد ذکر کیا گیا جن میں روز جزاء کو جھٹلانے کا معاملہ بھی ہے۔ شفاعت کے فائدہ مند نہ ہونے کا تعلق صرف اکیلے دوایک کے ساتھ نہیں بلکہ بحیثیت مجموعہ ہے مومنوں کے لئے شفاعت کے جائز ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ مومنوں میں سے کچھ تو ایسے ہوں گے جو جہنم کے مستحق ہوں گے مگر شفاعت کی وجہ سے جہنم میں داخل ہی نہ ہوں گے اور بعض جہنم میں داخل تو ہوں گے مگر شفاعت کی وجہ سے جہنم سے نکال لئے جائیں گے۔ معتزلہ، خارجی اور دوسرے اہل ہواء نے شفاعت کا انکار کیا ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو ذلیل ورسوا کرے اس مسئلہ میں معنی کے اعتبار سے احادیث متواتر ہیں۔ اگر ہم سب احادیث کا ذکر کریں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ ہم ان میں سے کچھ کا ذکر کرتے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آواز دے گا اے محمد ﷺ کیا تم راضی ہو گئے ہو؟ میں عرض کروں گا اے میرے رب میں راضی ہو گیا۔ اسے بزار، طبرانی اور ابو نعیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔(2)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لئے ہے۔ اسے امام ترمذی، ابن حبان، حاکم، ابوداؤد رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا(3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے جسے امام ترمذی، ابن حبان، حاکم اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے جسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ابن عمر اور کعب بن عجرہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح مروی ہے جسے

1۔ تفسیر خازن، جلد 7، صفحہ 149 (التجاریہ) 2۔ مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 684 (الفکر) 3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 66 (و۔ت)

نصیب رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ عالم اور عابد کو لایا جائے گا۔ عابد سے کہا جائے گا جنت میں داخل ہو جا اور عالم سے کہا جائے گا ٹھہر جا تا کہ تو شفاعت کرے۔ اسے اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں میری امت کے گناہگار جب ہلاک ہو گئے ہیں۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ وہ کیسے فرمایا میری امت کے گناہگاروں کو اللہ تعالیٰ میری شفاعت کی وجہ سے جنت میں داخل کرے گا مگر ان میں سے جو نیک لوگ ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اپنے اعمال سے جنت میں داخل کرے گا۔ اسے طبرانی اور ابو نعیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے موقوف روایت مروی ہے عالم سے کہا جائے گا اپنے تلامذہ کے بارے میں شفاعت کرو اگرچہ ان کی تعداد آسمان کے ستاروں کے برابر ہو جائے۔ اسے دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت مروی ہے کہ شہید اپنے ستر رشتہ داروں کی شفاعت کرے گا۔ اسے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے روز لوگوں کو صفوں میں کھڑا کیا جائے گا پھر ایک جنتی دوزخی کے پاس سے گزرے گا دوزخی جنتی سے کہے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ فلاں دن تو نے مجھ سے پانی طلب کیا تھا تو میں نے تجھے پانی پلایا تھا تو وہ جنتی اس دوزخی کی شفاعت کرے گا پھر جنتی ایک دوزخی کے پاس سے گزرے گا تو دوزخی جنتی سے کہے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ میں نے تجھے وضو کے لئے پانی دیا تھا تو جنتی اس دوزخی کی شفاعت کرے گا جنتی ایک اور دوزخی کے پاس سے گزرے گا۔ تو جہنمی کہے گا اے فلاں کیا تجھے یاد نہیں تم فلاں کام کے لئے جا رہے تھے تو میں نے وہ کام کر دیا تھا تو وہ جنتی اس کی شفاعت کرے گا۔(4)

مسئلہ:۔ شفاعت کا کون کون مستحق نہ ہوگا؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے شفاعت کو جھٹلایا تو اس کے لئے شفاعت نہیں جس نے حوض کو جھٹلایا اس کے لئے حوض میں سے حصہ نہیں۔ اسے سعید بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ [illegible] رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر سے اور صحابہ سے حضور ﷺ کا یہ قول مروی ہے قیامت کے روز میری شفاعت حق ہے جو میری شفاعت پر ایمان نہ رکھے وہ شفاعت کا مستحق نہیں ہوگا۔ اسے ابن منیع رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(5)۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا یہ قول مروی ہے میری شفاعت مباح ہے مگر جو میرے صحابہ کو گالی دے۔ اسے ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیہ میں روایت کیا ہے(6)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز میری امت کے دو قسم کے لوگوں کو میری شفاعت نصیب نہ ہوگی ایک مرجئہ اور دوسرے قدریہ(7) اسے ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

مسئلہ:۔ بعض گناہوں کے بارے میں بھی روایت ہے کہ وہ شفاعت کے مانع ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے عربوں سے دھوکہ کیا اسے میری شفاعت نہیں ملے گی(8)۔ اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے

1۔ معجم کبیر، جلد 8، صفحہ 97، حدیث: 7483 (العلوم والحکم)
2۔ مسند دیلمی، جلد 5، صفحہ 485 (العلمیہ)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 322 (وزارت تعلیم)
4۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 225 (العلمیہ)
5۔ کنز العمال، جلد 4، صفحہ 399 (التراث الاسلامی)
6۔ ایضاً
7۔ مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 206 (قدسی)
8۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 72 (صادر)

سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز دو قسم کے لوگوں کو میری طرف سے شفاعت نہیں ملے گی۔ زیادہ ظلم کرنے والا اور لوگوں کے حقوق غصب کرنے والا دوسرا دنیا میں غلو کرنے والا (1) اور دین سے اعراض کرنے والا۔ اسے بیہقی اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم جھگڑنا چھوڑ دو کیونکہ جھگڑنے والے کی میں قیامت کے روز شفاعت نہیں کروں گا (2)۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

۲۔ تذکرہ سے مراد قرآن ہے یا جو چیز بھی نصیحت کا باعث بنے۔ فما میں فاء سببیہ ہے اور ماء استفہامیہ مبتداء ہے اور لھم اس کی خبر ہے۔ عن التذکرۃ یہ مابعد شبہ فعل کے متعلق ہے جو ھم ضمیر سے حال ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے، یعنی انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ دنیا میں ایسی حالت میں ہیں جو آخرت میں انہیں عذاب تک پہنچانے والا ہے کیونکہ آخرت کا عذاب اس انکار کی وجہ سے ہی ہے۔

۳۔ نافع اور ابن عامر رحمہما اللہ تعالیٰ نے مستنفرۃ کو اسم مفعول کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے اسم فاعل کا صیغہ پڑھا ہے جس نے اسے اسم فاعل کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس وقت یہ نفرہ کے معنی میں ہوگا بھاگنے والا جس طرح نفر اور استنفر ہم معنی ہیں جیسے عجب اور استعجب ہم معنی ہیں جس نے اسے اسم مفعول کا صیغہ پڑھا ہے۔ معنی ہوگا بدکے ہوئے خوف زدہ۔

۴۔ یہ جملہ حُمُرٌ کی صفت ہے۔ بعد میں کانھم والا جملہ حال ہے۔ لھم اور کانھم کی ضمیر نے واؤ حالیہ سے مستغنی کر دیا ہے۔ ذکر سننے سے ان کے اعراض اور بھاگنے میں انہیں بدکے ہوئے گدھوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو شیروں سے بھاگتے ہیں۔ یہ قسر سے فعولۃ کے وزن پر ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسورہ سے مراد شیر ہیں۔ عطاء اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا قسورہ سے مراد تیر پھینکنے والے ہیں۔ اس کا لفظوں میں واحد نہیں ہوتا۔ یہی عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے جسے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں۔ زید بن اسلم نے کہا عرب ہر قوی اور مضبوط جسم والے کو قسورہ کہتے ہیں۔ ابوالمتوکل سے مروی ہے کہ قوم کے شور و غل کو قسورہ کہتے ہیں۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قسورہ یہ شکاریوں کی رسیاں ہیں۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی شکاری ہے۔ (3)

ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے کہا اگر محمد ﷺ سچے ہیں تو پھر صبح کے وقت ہم میں سے ہر ایک آدمی کے سرہانے کے نیچے ایک خط ہو جس میں یہ لکھا ہو کہ اسے جہنم سے برأت اور امن ہے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا ۖ بَلْ لَّا يَخَافُونَ الْاٰخِرَةَ ﴿٥٣﴾ كَلَّآ إِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿٥٥﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّآ أَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۚ هُوَ أَهْلُ التَّقْوٰى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾

"بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ ان کو کھلے صحیفے دیئے جائیں ۱۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا دراصل وہ آخرت سے ڈرتے ہی نہیں ۲۔ ہاں ہاں! یہ قرآن تو نصیحت ہے ۳۔ پس جس کا جی چاہے نصیحت حاصل کرے ۴۔ اور وہ نصیحت قبول نہیں کریں گے بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ چاہے وہی اس قابل ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی بخشنے کے لائق ہے ۵۔"

1۔ مجمع الزوائد، جلد 5، صفحہ 235 (قدسی قاہرہ)　2۔ ایضاً　3۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 150 (التجاریہ)

کے یہاں بَلْ ابتدائیہ ہے۔ یہ توبیخ سے اعراض کے لئے نہیں بلکہ یہ ایک چیز سے دوسری اہم چیز کی طرف منتقل ہونا ہے۔

مفسرین نے کہا کہ قریش کے کفار نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ صبح کے وقت ہم میں سے ہر ایک کے سرہانے کھلا ہوا خط ہو جو آپ اللہ کی طرف سے ہو جس میں آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہو۔ منشرۃ یہ منشورہ کی جمع ہے۔

یعنی معاملہ واضح ہونے کے بعد آیات میں بے سروپا باتیں کرنے سے جھڑک دیا گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ یوم آخرت سے نہیں ڈرتے اس وجہ سے وہ نصیحت سے اعراض کرتے ہیں اور آیات کے بارے میں بے سروپا باتیں کرتے ہیں۔ کلا یہ قول بھی جیسے کہ پہلے ذکر ہوا پہلے کی طرح ابتدائیہ ہے۔ یہاں جھڑکنے سے اعراض نہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ بل اضراب کے لئے ہو جس پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی لَوْ اُوْتُوْا صُحُفًا مُّنَشَّرَةً لَا یُؤْمِنُوْنَ کیونکہ ان کا یہ مطالبہ معاملہ واضح کرنے کے لئے نہیں بلکہ امر تو ان کے نزدیک واضح ہے۔ یہ فضول باتیں محض اس لئے کرتے ہیں کیونکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے، معاملہ واضح ہونا یہ خوف کو مستلزم نہیں بلکہ خوف وخشیت وہبی امر ہے۔

یہ کلا کا لفظ خوف نہ ہونے پر جھڑکنے کے لئے ہے۔ یہ ما بعد ردع کی تاکید ہے۔ یہ حقا کے معنی میں ہے۔ انہ میں ضمیر سے مراد قرآن حکیم ہے۔ قرآن میں ذکر ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات جمالیہ، صفت جلالیہ، اس کی رحمت اور اس کے عذاب کا ذکر ہے۔ شاء کا مفعول محذوف ہے۔ اس میں فاء سببیہ ہے۔ ذکر کو مشیت کے ساتھ معلق کیا گیا۔ لفظوں میں تو انسان کو اختیار دیا گیا ہے تاہم معنی شدید ڈانٹ ہے۔

امام نافع رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرون پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یشاء کا مفعول به مشیتهم الا ذکرهم ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ بندے کے افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ تقوی اختیار کرکے اس کے عتاب سے بچا جائے اور اس کی یہ شان بھی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو بخش دے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اس شان کے لائق ہوں کہ میرا شریک بنانے سے بچا جائے کوئی میرا شریک نہ بنایا جائے اور میری یہ شان ہے کہ جو تقوی اختیار کرے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے میں اسے بخش دوں۔ اسے امام احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

سورة القيامة

آیاتہا ۴۰ | سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ ۷۵ | رکوعاتہا ۲

سورۃ القیٰمۃ مکی ہے، اس میں دو رکوع اور چالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝۱ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝۲

"میں قسم کھاتا ہوں روز قیامت کی ۱؎ اور میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی (کہ حشر ضرور ہوگا) ۲؎"

۱؎ قنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسے لَاُقْسِمُ پڑھا ہے، یعنی اقسم پر لام تاکید پڑھا ہے۔ نقاش رحمۃ اللہ علیہ نے ابی ربیعہ سے، انہوں نے بزی رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ جبکہ باقی قراء نے لام کے بعد الف پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں لا زائدہ ہے جس طرح مابعد آیت میں ہے۔

۲؎ دونوں کا جواب قسم محذوف ہے جس پر مابعد کلام دلالت کرتی ہے۔ جواب قسم یہ ہوسکتا ہے لَتُبْعَثُنَّ، لَتُحَاسَبُنَّ وَلَتُجْزَيُنَّ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ اِنْ خَيْرٌ فَخَيْرٌ وَاِنْ شَرٌّ فَشَرٌّ۔ ابوبکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لا یہ قسم کی تاکید کے لئے ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تاکید کے لئے فعل قسم پر لا نافیہ کا دخول کلام عرب میں عام ہے۔

میں کہتا ہوں اس میں اس بات کا شعور دلایا گیا ہے کہ یہ امر ظاہر ہے اور قسم کے ساتھ تاکید لگانے سے مستغنی ہے کیونکہ جو عقل وفہم رکھتا ہے وہ اگر لوگوں کے ان معاملات میں غور وفکر کرے جن کا وہ مشاہدہ کرتا ہے جیسے وہ منعم کا انکار کرتا ہے مخلوق پر ظلم کرتا ہے قطع رحمی کرتا ہے اور جن امور کا قبیح ہونا یقینی ہے ان کا ارتکاب کرتا ہے جبکہ وہ عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے مخلوق اس سے خوش ہوتی ہے، وہ مشقت اور مصیبت میں مبتلا ہے، وہ لازماً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس دار کے علاوہ بھی جزاء کا ایک دار ہے بصورت دیگر یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ بری چیز کو اچھی چیز پر ترجیح دیتا ہے۔ اس طرح تو صانع کی طرف سے انصاف محال ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے سے ماوراء ہے۔

نفس لوامہ سے مراد یا تو جنس ہے۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نفس خواہ نیک ہو یا برا آخرت میں وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہا ہوگا۔ اگر اس نے اچھائیاں کی ہوں گی تو وہ کہے گا میں نے زیادہ اچھے اعمال کیوں نہ کئے۔ اگر اس نے برے اعمال کئے ہوں گے تو وہ کہے گا کاش میں نے برا عمل نہ کیا ہوتا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اس سے مراد نفس مومنہ ہے اللہ کی قسم تو کسی مومن کو نہیں

رہے گا مگر وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہا ہوگا، یعنی وہ دنیا میں اپنی گفتگو اور اپنے کھانے کے بارے میں محاسبہ کرتا ہے جبکہ فاجر نفس کا محاسبہ کرتا ہے اور نہ ہی اپنے نفس کو عتاب کرتا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے نفس کافرہ مراد ہے۔ وہ آخرت میں اپنے آپ کو ان چیزوں میں ملامت کرے گا جن میں اس نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے بارے میں کوتاہی کی تھی (1)۔ ایک قول یہ بھی کیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ نفس ہے جو کہتا ہے کاش میں ایسا کرتا اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہو جاتا وہ قضاء پر راضی نہیں ہوتا۔ وہ یہ نہیں کہتا ما شاء اللہ و یقدر اللہ۔ صوفیاء نے کہا نفس برائی کا حکم دینے والا ہے۔ پھر جب وہ ذکر میں کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جذب نصیب ہو تو اس کے لئے اپنے نفس کی قباحتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور وہ اپنے نفس کو دیکھتا ہے کہ وہ غیر اللہ میں مشغول ہے جبکہ وہ اس سے بچنے پر قادر نہیں۔ اس وقت وہ اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے تو اسے نفس لوامہ کہتے ہیں۔ پھر جب اسے فناء اور بقاء حاصل ہو جاتی ہے اور وہ غیر اللہ سے مطلقاً تعلق منقطع کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن ہو جاتا ہے اس وقت اسے نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ ۝ بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ ۝
بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ۝

"کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم ہرگز جمع نہ کریں گے اس کی ہڈیوں کو۔ کیوں نہیں ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ ہم اس کی انگلیوں کو پور پور درست کر دیں۔ بلکہ انسان کی خواہش تو یہ ہے کہ آئندہ بھی بدکاریاں کرتا رہے۔"

یہ ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے۔ الانسان سے مراد جنس انسان ہے کیونکہ ایسا گمان رکھنے والے لوگ انہیں میں سے تھے یا الانسان سے مراد وہ آدمی ہے جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس میں الف لام عہدی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت عدی بن ربیعہ کے حق میں نازل ہوئی جو بنی زہرہ کا حلیف تھا اور اخنس بن شریق ثقفی کا داماد تھا۔ حضور ﷺ یہ دعا کرتے تھے اللھم اکفنی جاری السوء اے اللہ مجھے برے پڑوسیوں (عدی اور اخنس) سے محفوظ رکھ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عدی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی یا محمد مجھے قیامت کے بارے میں کچھ بتاؤ کہ کب واقع ہوگی۔ اس کی حقیقت اور حال کیا ہو گا۔ نبی کریم ﷺ نے اسے بتایا تو اس نے کہا اگر میں اس دن کو اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لوں تو میں تمہاری تصدیق نہ کروں گا اور نہ ہی اس بارے میں ایمان لاؤں گا کہ اللہ تعالیٰ ہڈیوں کو جمع فرمائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہڈیوں کے بکھر جانے اور بوسیدہ ہونے کے بعد ہم انہیں جمع نہیں کریں گے (2)۔ اس نے ہڈیوں کے دوبارہ جمع کرنے کا انکار کیا اس سے غرض دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار ہے کیونکہ ہڈیاں روح کا قالب ہیں اور روح کا لوٹنا ہڈیوں کے جمع کرنے کے بعد ہوگا۔ ان مخففہ ہے یا مصدریہ ہے یہ اپنے معمول سے مل کر یحسب کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

کیوں نہیں ہم ان ہڈیوں کو جمع کریں گے اور انسان کو زندہ کریں گے قادرین یہ مقدر فعل کے فاعل سے حال ہے۔ انہوں نے جو نفی کیا تھا اس میں مزید قدرت کے اظہار کے لئے اس کلام کو ذکر کیا۔ جس طرح یہ کہا جاتا ہے وہ گمان کرتا ہے کہ ہم تجھ پر قادر نہیں ہیں۔ کیوں نہیں ہم تجھ پر قادر ہیں اس حال میں کہ تم میں سے زیادہ قوی پر بھی قادر ہیں۔ معنی یہ ہوگا بلکہ ہم ہڈیوں کو جمع کریں گے اور ہم ان کے پورے جمع کرنے پر بھی قادر ہیں۔ بنان سے مراد پورے ہیں یا ہاتھ پاؤں کی اطراف ہیں۔ یا اس کا معنی ہے کہ ہم اس کی چھوٹی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 151 (التجاریہ) 2۔ ایضاً، صفحہ 52-151

انگلیوں کی ہڈیاں جمع کریں گے اور ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ملائیں گے جبکہ وہ بہت چھوٹی اور انتہائی باریک ہوں گی تو بڑی ہڈیوں کو جمع کرنا کیسے مشکل ہوگا۔

۳؎ یرید کا عطف یحسب پر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ کلام استفہامیہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ استفہامیہ نہ ہو بلکہ ایجابیہ (مثبت) ہو کیونکہ یہ جائز ہے کہ اضراب مستفہم سے ہو یا استفہام سے ہو (اگر مستفہم سے اضراب ہوگا تو کلام استفہامیہ ہوگا اگر استفہام سے اضراب ہوگا تو پھر یہ ایجابیہ ہوگی)۔

لیفجر یہ ان مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور لام زائدہ ہے۔ مجاہد، حسن، عکرمہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ابن آدم اس چیز سے جاہل نہیں کہ اس کا رب ہڈیاں جمع کرنے پر قادر ہے لیکن وہ یہ ارادہ رکھتا ہے کہ وہ آنے والی زندگی میں کفر کرے، اسی کفر پر دوام اختیار کرے، نہ اس سے الگ ہو اور نہ ہی اس سے توبہ کرے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ گناہ کو مقدم رکھتا ہے اور توبہ کو مؤخر رکھتا ہے اور کہتا ہے عبادت کرلوں گا عمل کرلوں گا یہاں تک موت اسے انتہائی برے حال میں آ پہنچتی ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد امید ہے۔ وہ کہتا ہے میں زندہ رہوں گا اور دنیا سے فلاں فلاں چیز حاصل کروں گا اور موت کو ذکر نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس اور ابن زید رضی اللہ عنہما نے کہا وہ آنے والے وقتوں میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات قیامت، بعث اور حساب کا انکار کرتا ہے۔ فجور کا معنی ایک طرف جھک جانا ہے۔ اسے فاجر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حق سے بھٹکا ہوا ہوتا ہے۔(1)

يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ وَ خَسَفَ الْقَمَرُ ۝ وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۝ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝

"(ازراہ تمسخر) وہ پوچھتا ہے قیامت کب آئے گی ۱؎ پھر جب آنکھ خیرہ ہو جائے گی ۲؎ اور چاند بے نور ہو جائے گا ۳؎ اور (بے نوری میں) سورج اور چاند یکساں ہو جائیں گے ۴؎ (اس روز) انسان کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے ۵؎"

۱؎ یہ جملہ یفجر کے فاعل سے حال ہے۔ اس کا سوال کرنا استبعاد اور استہزاء کے لئے ہے وہ پوچھتا ہے قیامت کب واقع ہوگی؟ اس کے سوال کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ قیامت برپا نہ ہوگی۔

۲؎ نافع رحمۃ اللہ علیہ نے برق کو راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ قاموس میں بَرِقَ جیسے فَرِحَ اور نَصَرَ اس کا مصدر برقا اور بروقا آتا ہے۔ اس کا معنی متحیر ہونا اور دیکھ نہ سکنا ہے یا دہشت زدہ ہو جانا اور نہ دیکھ سکنا۔ فراء اور خلیل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا جب برق کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی حیران ہونا اور گھبرا جانا ہے۔ دنیا میں وہ جن عجائبات کی تکذیب کیا کرتا تھا انہیں نہیں دیکھ سکے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ موت کے وقت ہوگا جبکہ صحیح یہ ہے کہ یہ قیامت کے روز ہوگا کیونکہ قرینہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ خسف سے مراد تاریک ہونا اور روشنی کا چلے جانا ہے۔

۳؎ سورج اور چاند سیاہ اور بے نور ہو جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ دونوں مغرب سے قیامت تک نشانی کے طور پر طلوع ہوں گے خسوف محاق سے مستعار ہے۔ عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قیامت کے روز انہیں جمع کیا جائے گا پھر سمندر میں پھینک دیا جائے گا جس کے باعث بہت بڑی آگ بن جائے گی۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 152 (التجاریہ)

ایک قول یہ کیا گیا ان دونوں کو روشنی کے سلب کرنے میں جمع کیا جائے گا۔ جملہ میں ہے برق البصر یہ موت کے وقت ہوگا اور خسوف سے مراد آنکھ کی روشنی کا چلا جانا ہے اور جمع سے مراد یہ ہے کہ روح کے ساتھ ہی قوت حاسہ نکل جائے گی یہاں تک کہ جہاں (مکان قدس تک) پہنچ جائے گی جہاں سے وہ نور عقل حاصل کرتی تھی فعل کو مذکر اس لئے ذکر کیا کیونکہ فاعل اصلی مؤنث نہیں۔ یہ معطوف منصوب کیا گیا ہے اذا ظرف یہ برق خسف اور جمع فعل کی طرف مضاف ہے اور یہ مابعد فعل یقول کی ظرف ہے۔

کہ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے فرمان بلی قادرین کے مضمون پر معطوف ہے یعنی کیوں نہیں ہم ہڈیوں کو جمع کریں گے تاکہ انسان سے کہ کہاں بھاگ کر جاؤں۔ یہ بات وہ اس وقت کرے گا جب آنکھ پتھرا جائے گی۔ یومئذ این المفر یہ اذا برق سے بدل ہے۔ این المفر یہ یقول فعل کا مقولہ ہے۔

كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿١١﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ﴿١٢﴾ يُنَبَّأُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ﴿١٣﴾ بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴿١٤﴾ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ﴿١٥﴾

"ہرگز نہیں وہاں کوئی پناہ گاہ نہیں۔ صرف آپ کے رب کے پاس ہی اس روز ٹھکانہ ہوگا۔ آگاہ کر دیا جائے گا انسان کو اس روز جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا۔ بلکہ انسان خود بھی اپنے نفس کے احوال پر نظر رکھتا ہے خواہ وہ (زبان سے ہزار) بہانے بناتا رہے"

کہ یہ کافر جو فرار چاہتا تھا اس پر اسے جھڑکا جا رہا ہے۔ لاوزر اس کا بیان ہے یعنی کوئی پناہ گاہ نہیں اور نہ ہی کوئی قلعہ ہے۔ یہ جبل سے مستعار ہے کیونکہ وہ لوگ پہاڑوں میں ہی پناہ لیتے تھے۔ یہ وزر سے مشتق ہے جس کا معنی بوجھ ہے۔

کہ مستقر کا معنی لوٹنے کی جگہ ہے یعنی ان کے قرار کی جگہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کا حکم ہے۔

کہ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ما قدم کی تعبیر یہ کی کہ موت سے پہلے اس نے نیک عمل کئے اور ما اخر سے مراد اچھی یا بری سنت ہے جس پر بعد میں عمل کیا جاتا رہا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ماقدم سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور ما اخر سے مراد اس اطاعت کو ضائع کرنا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ماقدم سے مراد اس کا پہلا عمل اور ما اخر سے مراد وہ مال ہے جو اس نے وارثوں کے لئے ترکہ چھوڑا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے ماقدم و اخر سے مراد یہ ہے کہ اس نے آخرت کے امور پر دنیا کے امور کو ترجیح دی یا اس کے برعکس مراد ہے۔

کہ یہ معنی ہیں اس نے جو عمل کئے ہوں گے انہیں یاد دلانے کے ساتھ ہی وہ انہیں دیکھے گا اسے خبر دینے کی ضرورت نہ ہوگی اس لئے خبر میں ھاء مبالغہ کے لئے ہے۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا۔ ابو العالیہ اور عطاء رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

سے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے (2)۔ یہ بھی احتمال ہے کہ بصیرۃ موصوف محذوف کی صفت ہو۔ تقدیر کلام یہ ہو بَلِ الْإِنسَانُ عَيْنٌ بَصِيرَةٌ عَلَىٰ نَفْسِهِ۔ دونوں تقدیروں کی صورت میں علی نفسہ بصیرۃ سے متعلق ہے جو الانسان کی خبر ہے یا بصیرۃ حجت کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے قَدْ جَاءَكُم بَصَائِرُ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 153 (التجاریہ)
2۔ ایضاً

مِنۡ وَّرَآئِہٖمۡ میں بصائر حجت کے معنی میں ہے، یعنی انسان اپنی ذات پر واضح حجت ہے اور اس پر گواہ ہے۔ اس صورت میں علی نفسہ ظرف مستقر ہے اور اس کی خبر بصیرۃ ہے اور جملہ الانسان کی خبر ہے۔ بصیرۃ سے مراد ملک موکل (وہ فرشتہ جسے اس کے امور سونپے گئے ہیں) مراد لینے کا احتمال بھی ہے۔ مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ انسان کے نفس پر کچھ رقیب ہیں جو اس کے اعمال کے بارے میں گواہی دیں گے۔ وہ رقیب اس کی قوت سماعت، قوت بصارت اور اس کے اعضاء ہیں اس صورت میں بصیرت کے اوپر ھاء قیاسی ہوگی کیونکہ یہاں انسان سے مراد اس کے اعضاء ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حرف جار محذوف ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے وَاِنۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ تَسۡتَرۡضِعُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ اصل کلام یوں تھی لِاَوۡلَادِكُمۡ۔(1)

ھ ضحاک اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی یہ ہے اگرچہ وہ پردے لٹکا دے اور گناہ کے ارتکاب کے وقت دروازے بند کر دے۔ وہ یہ اس لئے کرتا ہے تاکہ اس کا عمل مخفی رہے مگر اس کا یہ عمل اسے کوئی نفع نہ دے گا کیونکہ اس کی ذات بذات خود اس کے خلاف گواہ ہے۔ اسی طرح موکل فرشتہ بھی اس کے خلاف گواہ ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ بھی اس کے خلاف گواہ ہے۔

اہل یمن ستر (پردے) کو معذار کہتے اس کی جمع معاذر ہے(2)۔ مجاہد، قتادہ اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ اعضاء اور فرشتے اس کے خلاف گواہ ہوں گے اگرچہ وہ خود معذرت کرے اور اپنے بارے میں جھگڑا کرے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا يَنۡفَعُ الظّٰلِمِيۡنَ مَعۡذِرَتُهُمۡ۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اگر اس نے معذرت پیش کی تو اس کے اندر سے اس کے خلاف گواہ ہوں گے یہاں القاء کا معنی قول ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَلۡقَوۡا اِلَيۡهِمُ الۡقَوۡلَ اِنَّكُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ(3)۔ اس صورت میں معذار کی جمع معاذیر ہوگی۔ اور معذار عذر کے معنی میں ہوگا یا یہ معذرۃ کی خلاف قیاس جمع ہے۔ جس طرح منکر کی جمع مناکیر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ اسم جمع ہے اس کی جمع معاذر آتی ہے۔ جس طرح مناکیر ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ شیخین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت جبرئیل امین وحی لاتے تو حضور ﷺ اپنی زبان اور ہونٹوں کو حرکت دیتے تو یہ معاملہ ان پر سخت ہو جاتا جبکہ یہ بات معروف و مشہور تھی کہ آپ اس طرح اس لئے کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو وحی آپ پر نازل کی ہے اس کو یاد کر لیں تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیت کو نازل فرمایا۔(4)

لَا تُحَرِّكۡ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعۡجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيۡنَا جَمۡعَهٗ وَقُرۡاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاۡنٰهُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾

WWW.NAFSEISLAM.COM

''(اے حبیب!) آپ حرکت نہ دیں اپنی زبان کو اس کے ساتھ تاکہ آپ جلدی یاد کر لیں اس کو۔ ہمارے ذمہ ہے اس کو (سینہ مبارک میں) جمع کرنا اور اس کو پڑھانا۔ پس جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اتباع کریں اسی پڑھنے کا۔ پھر ہمارے ذمہ ہے اس کو کھول کر بیان کر دینا۔''

ل خطاب حضور ﷺ کو ہے بہ میں ضمیر سے مراد قرآن ہے، یعنی وحی مکمل ہونے سے پہلے آپ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں آپ اس طرح اس لئے کرتے ہیں تاکہ آپ جلدی سے قرآن حکیم لے لیں۔ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ وحی کے نازل ہونے کے وقت اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے تاکہ وحی میں سے کوئی چیز رہ نہ جائے۔(5)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 153 (التجاریہ)　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً
4۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 734 (وزارت تعلیم)　　5۔ ایضاً صفحہ 733

کہ آپ کے سینہ میں اسے جمع کرنا اور اس کی قرأت کو آپ کی زبان پر ثبت کرنا یہ ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔ یہ جملہ سابقہ نہی کی علت ہے۔
کہ جب ہم جبرئیل امین کی زبان سے اسے پڑھیں تو آپ اس کے پیچھے پیچھے قرأت کریں۔ حضرت جبرئیل امین کی قرأت کو اپنی طرف منسوب کیا۔ یہ بطور مجاز ہے کیونکہ جبرئیل امین اللہ تعالیٰ کے حکم سے وحی لاتے اور اللہ کا پیغام ہی آپ تک پہنچاتے۔ یعنی جب جبرئیل امین پڑھیں تو تب آپ قرأت کریں تا کہ آپ کے ذہن میں راسخ ہو جائے۔ اسی طرح طالب علم پر لازم ہے کہ وہ شیخ کی قرأت کے بعد قرأت کرے اور شیخ کے ساتھ ساتھ قرأت نہ کرے تا کہ مزاحمت اور قرأت وحفظ میں تشویش واقع نہ ہو۔

کہ جب اس کے معانی میں سے کوئی مشکل پیش آئے تو اس کی مراد کو ظاہر کرنا ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔

میں کہتا ہوں قرآن کی آیات محکم ہوں یا متشابہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کے لئے اس کا بیان ضروری ہوگا۔ یہ جائز نہیں کہ حضور ﷺ کے لئے کوئی چیز واضح نہ ہو ورنہ خطاب فائدہ سے خالی ہوگا اور وعدہ خلافی بھی ہوگی۔ جس طرح ہم نے اس مسئلہ کو آیت و لا یعلم تاویله الا الله میں ذکر کیا ہے۔ ثم کا کلمہ اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ بیان کا خطاب سے ضرورت کے وقت تک مؤخر ہونا جائز ہے لا تحرک به لسانک والا جملہ جملہ معترضہ ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کوئی گفتگو کر رہا ہوتا ہے مخاطب بات شروع کرے تو متکلم بات روک دے اور کہے خاموش ہو جاؤ اور قطع کلامی نہ کرو۔ آپ کو گفتگو کا حق اس وقت ہوگا جب میں بات مکمل طور پر کر لوں پھر اسی جگہ سے اپنی گفتگو شروع کرے جہاں سے اس نے بات ختم کی تھی۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٢١﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾

"ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم محبت کرتے ہو جلدی ملنے والی (نعمت) سے اور چھوڑ رکھا ہے تم نے آخرت کو۔ کئی چہرے اس روز تر و تازہ ہوں گے اور اپنے رب کے (انوار جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔"

یعنی جس نے دوبارہ اٹھائے جانے کا جو انکار کیا اس پر انہیں جھڑکا جا رہا ہے یا آئندہ زمانے میں غور کرنے سے جھڑکا جا رہا ہے یعنی مقدر تمہیں پیش کرنے سے انہیں جھڑکا جا رہا ہے۔ تحبون میں جمع کی ضمیر مذکورہ انسان کی طرف لوٹ رہی ہے اور جمع کی ضمیر معنی کے اعتبار سے ہے کیونکہ اس سے مراد جنس ہے یا ضمیر اس طرف لوٹ رہی ہے جس میں کلام ہو رہی ہے اور جو لوگ اس معنی میں ہیں۔
عاجلة سے مراد دنیا اور اس کی شہوتیں ہیں۔

تذرون کی ضمیر بھی سابقہ طریقہ پر انسان کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یہ ابن کثیر، ابو عمرو اور ابن عامر رحمہم اللہ تعالیٰ کی قرأت کے مطابق ہے جنہوں نے دونوں صیغوں کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ کوفیوں اور نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ مناسب ہے جیسے تاء اور غائب کے صیغوں سے خطاب کے صیغوں کی طرف التفات ہے، یعنی وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے اور ان کی حسرتیں انہیں کوئی نفع نہ دے گی بلکہ وہ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور دنیاوی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ شہوات نے ان کی آنکھوں کو اندھا اور دلوں کو بے بصیرت کر دیا ہے۔ انہوں نے آخرت کو مطلق چھوڑ دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آخرت کے احوال کو ذکر فرمایا۔

وجوه مبتدا ہے یا تو اس کا مضاف الیہ مقدر ہے۔ تقدیر کلام یوں تھی وجوه المومنين یا یہ مقدر صفت کا موصوف ہے جیسے وجوه کثير یا وجوه منهم، یعنی اسی انسان کی جنس میں سے کچھ چہرے تر و تازہ ہوں گے۔ یومئذ مابعد شبہ فعل کی ظرف ہے۔ ناضرة ہے۔

وجوہ کی خبر ہے جس کا معنی تروتازہ حسین اور چمکتے ہوئے۔

3۔ الی ربھا یہ جار مجرور مابعد شبہ فعل ناظرۃ کے متعلق ہے۔ یہ وجوہ کی دوسری خبر ہے۔ آنکھ کے ساتھ دیدار الٰہی ہوگا مگر کسی کیفیت، جہت اور مسافت کے بغیر ہوگا اور نہ ہی غائب کو حاضر پر قیاس کیا جائے گا۔ آجری اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کتاب الرویۃ میں دو سندوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ناضرۃ کا معنی حسین ہے اور الی ربھا ناظرۃ سے مراد اپنے خالق کو دیکھنا ہے (1)۔ انہوں نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ سب سے کم مرتبے والا جنتی وہ ہوگا جو اپنی جنتوں، بیویوں، نعمتوں، خادموں کی طرف دیکھے گا جبکہ اس کی چارپائی ایک ہزار سال کی مسافت پر ہوگی اور جنتیوں میں سے سب سے معزز وہ لوگ ہوں گے جو صبح و شام اپنے رب کا دیدار کریں گے پھر حضور ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (2)۔ اسے امام احمد، ترمذی، دارقطنی، لالکائی اور آجری رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ آجری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یوں ہیں سب سے کم مرتبے والا جنتی وہ ہوگا جو اپنی ملکیتی جنت میں دو ہزار سالوں کی مسافت دیکھے گا وہ انتہائی دور جگہ کو اسی طرح دیکھے گا جس طرح انتہائی قریبی جگہ کو دیکھتا ہے۔ اس بات میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے جسے بزار، طبرانی، بیہقی اور ابویعلی رحمہم اللہ تعالیٰ نے طوالت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ جمعہ کے روز مزید یہ کہ دیدار الٰہی ہوگا، یعنی باقی نعمتوں کے علاوہ یہ نعمت بھی ہوگی جمعہ کو یوم مزید بھی کہتے ہیں۔ اسے بزار اور اصفہانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی آپ سے روایت کیا ہے۔

آجری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ جنتی ہر جمعہ کو اپنے رب کا دیدار کریں گے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے ایک مرسل روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنتی ہر جمعہ اپنے رب کا دیدار کریں گے (3)۔ اسے یحییٰ بن اسلام نے نقل کیا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جب کسی کی (دنیا میں) دو آنکھیں لے لوں گا اس کی جزاء یہ ہوگی کہ وہ میرے گھر (جنت) میں اترے گا اور میرا دیدار کرے گا۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے لوگوں نے روایت کیا ہے۔ حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہا ہم حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور ﷺ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا فرمایا تم اپنے رب کا دیدار اس طرح کرو گے جس طرح تم چودھویں رات کو چاند دیکھتے ہو تمہیں اس کے دیدار میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی جتنا ہو سکے سورج کے طلوع اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے والی نمازوں میں تم مغلوب نہ ہونا یعنی انہیں نہ چھوڑنا، متفق علیہ (4)۔ لالکائی اور حذیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے اے اللہ میں تجھ سے موت کے بعد زندگی کی ٹھنڈک، تیرے دیدار اور تیری ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں نہ اس میں تکلیف دہ دکھ ہو اور نہ ہی گمراہ کن فتنہ (5)۔ اسے لالکائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب تک تمہیں موت نہیں آئے گی تم اپنے رب کا دیدار نہ کرو گے۔ اسے دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ لالکائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 154 (التجاریہ)　2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 78 (وزارت تعلیم)
3۔ تفسیر قرطبی، جلد 17، صفحہ 22 (المصریہ)　4۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 78 (د۔ت)　5۔ معجم کبیر، جلد 18، صفحہ 219 (الزہراء، الحدیثیہ)

کیا ہے۔ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ مجھے کوئی نہیں دیکھے گا مگر جب وہ مرے گا نہ خشک مگر وہ ... سب ... ہو ریزہ ریزہ ہو جائے (یعنی کوئی بھی چیز اپنا انجام پائے بغیر اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کرے گی)۔ مجھے جنتی لوگ ہی دیکھیں گے ... ان کی آنکھیں مریں گی اور نہ ہی ان کی آنکھیں بوسیدہ ہوں گی۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو آدمی اپنے رب کی ملاقات کا خواہش مند ہو تو وہ عمل صالح کرے جو اپنے رب کا دیدار کرنا چاہے تو وہ بھی عمل صالح کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے ... سے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اس آیت، اللہ تعالیٰ کے فرمان لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَةٌ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان وَلَدَیْنَا مَزِیْدٌ اور اس جیسی دوسری آیت کی تفسیر دیدار الٰہی سے کرنا درست ہے اور یہ تفسیر حضور ﷺ سے ... اور تابعین کی طرف منسوب ہے اور اہل حدیث کے نزدیک یہ تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور ... علماء ... کیا ہے۔ یہاں ہم جو کچھ ذکر کر چکے ہیں وہ کافی ہے جو آیات اس موضوع کے متعلق ہیں ان کے بارے میں بھی ہم ... کیا ہے۔

اہل سنت کا اس امر پر اجماع ہے کہ رؤیت باری تعالیٰ برحق ہے جبکہ معتزلہ، خارجیوں اور ان جیسے لوگوں ... کا نظریہ ہے اور ان کا خیال یہ ہے کہ یہ ممتنع ہے۔ ان کا گمان یہ ہے کہ رؤیت اس امر پر موقوف ہے کہ جس کو دیکھا جاتا ہے اس کا جسم اور کثیف ہونا ... اور ان کے درمیان میں کوئی حجاب بھی نہیں ہونا چاہئے دیکھنے والے اور جس کو دیکھا جاتا ہے ان کے درمیان مسافت بھی درمیانی ہونی چاہئے نہ ہی بہت قریب ہو اور نہ ہی بہت دور ہو دیکھنے والے کی آنکھ سے شعاع کا نکلنا اور دکھائی دینے والے تک اس کا پہنچنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہت ثابت ہو۔ نیز انہوں نے ان دلائل نقلیہ سے بھی رؤیت کی نفی کو ثابت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ اور اس آیت کی تاویل وہ یہ کرتے ہیں کہ یہاں ناظرة منتظرة کے معنی میں ہے یعنی وہ ... کے حکم اور اس کے انعام کے منتظر ہوں گے جبکہ اہل عرب ان کی اس تعبیر کو رد کرتے ہیں کیونکہ انتظار کا صلہ لام آتا ہے۔ ... آنکھ سے دیکھنے کا صلہ الیٰ آتا ہے۔ اہل سنت کا نقطہ نظر یہ ہے کہ رؤیت صرف اس پر موقوف ہے کہ جس کو دیکھا جاتا ہے وہ موجود ہو ... جس نے دیکھنا ہے اس کے لئے وجود، زندگی، علم اور دیکھنے کی صلاحیت ہونی چاہئے اس کے علاوہ ... رؤیت کا موقوف ہونا خاص مادہ میں ایک عادی امر ہے۔ اس لئے غائب کو شاہد پر قیاس کرنا درست نہیں اس میں کوئی شک نہیں۔ اللہ تعالیٰ ... مادی اور مجرد مخلوق کو بغیر مسافت کے دیکھتا ہے اس میں بصارت کی شعاع نہیں نکلتی وہ سمیع بصیر ہے تو اللہ تعالیٰ کے احوال ... انکار کیا جا سکتا ہے جبکہ اس ذات نے ہمیں اس بارے میں بتایا جو بشیر و نذیر ہے۔ جہاں تک وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ والی آیت کا تعلق ہے یہ ادراک کی نفی کرتی ہے جو احاطہ اور حقیقت کے علم حاصل ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ محال ہے جہاں تک کنہ ... حقیقت ... عدم حصول کا تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ معلوم کی کنہ عالم کے سامنے رہے یہ محال نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات ... ادراک سے ماوراء ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ:۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے دیدار الٰہی کرتے رہیں گے ان کا دیدار ختم نہ ہوگا جس طرح یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے تروتازہ ہوں گے کیونکہ جملہ اسمیہ دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ اس آیت اور ان احادیث

میں کوئی تضاد نہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ وہ ہوں گے جو ہر جمعہ کو دیدار الٰہی کریں گے یا ہر ہفتہ میں دو دفعہ دیدار الٰہی کریں گے۔ ابن ابی الدنیا نے ابی امامہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح روایت کیا ہے جنتیوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہوں گے جو سال میں دو دفعہ دیدار الٰہی کریں گے۔ یحییٰ بن سلام نے ابوبکر بن عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے اور جنتیوں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو دن میں دو دفعہ یعنی صبح و شام دیدار الٰہی کریں گے جس طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے۔ منافات نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جن کے لئے دائمی دیدار کا ثبوت ہے ان کا ذکر جمع نکرہ کی صورت میں کیا گیا ہے جو عموم پر دلالت نہیں کرتا یا یہاں ایسا لفظ مقدر ہوگا جو مومنوں سے اخص ہے۔ اس وجہ سے مقربین کو خاص کیا جائے گا۔ پھر تقدیر کلام یہ ہو گی وُجُوْهُ الْمُقَرَّبِيْنَ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ دَائِمًا اَبَدًا اس روز مقربین کے چہرے تر و تازہ ہوں گے وہ اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں گے اور ان کا یہ وصف ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہوگا۔

ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ابی یزید بسطامی سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ خاص بندے ایسے ہیں۔ اگر انہیں ایک لمحہ کے لئے بھی دیدار الٰہی سے محروم کیا جائے گا تو وہ یوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں استغاثہ کریں گے جس طرح جہنمی جہنم سے نکلنے کے لئے بارگاہ اقدس میں استغاثہ کرتے ہیں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دیدار الٰہی میں لوگوں کے مختلف درجات ہیں جنہیں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ احادیث کا مقصود یہ نہیں کہ تمام درجات کو شمار کیا جائے۔ حضور ﷺ کا جو یہ فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے معزز وہ ہے جو صبح و شام اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا۔ یہ تقاضا نہیں کرتا کہ اس سے زیادہ کوئی معزز نہیں۔ جب یہ بات واضح ہوگئی تو جان لو جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے وہ انبیاء اور بندوں میں سے مقرب ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کا وصل نصیب ہوا جو دنیا میں ہر تعلق سے الگ تھلگ رہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں ان کا حصہ ذات سے دائمی تجلی رہا نہ کہ ان کا حصہ کوندنے والی بجلی تھا ان کا دنیا میں حصہ دائمی تجلی رہا لیکن دنیا میں دیدار نصیب نہ ہو سکا کیونکہ اس زندگی میں اسے دیدار کی صلاحیت ہی نہیں دی گئی جس طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے جسے ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیہ میں ذکر کیا ہے۔ جب رکاوٹ ختم ہوگئی (دنیا کا نظام ختم ہوگیا) تو وہ آدمی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا رہے گا۔ بصورت دیگر امر معکوس ہو جائے گا اور رجعت قہقری واقع ہو جائے گی مگر جس کے لئے دنیا میں دائمی تجلی اور حضوری نہ ہوگی تو ان کے لئے درجات کے فرق کے لحاظ سے دیدار ہوگا جس کا حصہ برقی تجلی ہوگا وہ ہر دن میں دو دفعہ یا اس سے زیادہ دفعہ دیدار کرے گا اور جو اس طرح نہ ہوگا وہ ہر جمعہ، ہر مہینہ یا ہر سال میں ایک دفعہ دیدار کرے گا جس طرح اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

فائدہ:۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تیسری جلد کے مکتوب نمبر سو (100) میں فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا دل حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں مشغول تھا جبکہ خواص کے دل غیر اللہ کی محبت سے خالی ہوتے ہیں۔ فرمایا ہر آدمی کی جنت کا مطلب اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم کا ظہور ہے جو اس آدمی کے تعین کا مبداء ہے وہ اسم درختوں، دریاؤں، محلات اور حور و غلمان کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ مفہوم حضور ﷺ کے اس ارشاد سے مستحکم ہو جاتا ہے بے شک جنت پاکیزہ مٹی والی اور میٹھی ہے یعنی اس کی نہروں کا پانی میٹھا ہے اور اس کے درخت یہ کلمات ہیں سبحان اللّٰہ، الحمد اللّٰہ اور لا الہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ درخت اور نہریں بعض اوقات شیشے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں تو اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا وسیلہ بن جاتے ہیں۔ پھر وہ اپنی حالت کی طرف لوٹ جاتے ہیں تو مومن ان چیزوں سے دل بہلانے لگتا ہے۔ یہ

سلسلہ ہمیشہ اسی طرح جاری وساری رہے گا۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ صوفی کے لئے دنیا میں تجلی ذاتی بھی ہمیشہ صفات کے حجابات کے پیچھے سے ہوتی تھی اور بعض اوقات وہ حجابات بھی اٹھ جاتے تو اس کے لئے تجلی ذاتی کوندنے والی بجلی کی طرح حاصل ہوتی آخرت میں بھی یہ صورتحال اسی طرح ظاہر ہوگی۔ ہر انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے جس نام کے اعتبار سے ہے جو اس کی جنت کا مبداء ہے جو اسم اس کی جنت کی صورت میں ظاہر ہوگا اس کے لئے دیدار لیکن مختلف وقت میں کوندنے والی بجلی کی طرح ہوگا پھر وہ دیدار ختم ہو جائے گا اور اس کا نور اور برکت جنت اور اس کے درختوں کے پردوں میں باقی رہتی ہے۔

میں یہ کہتا ہوں یہ عام جنتیوں کا دیدار ہے مگر جو خاص جنتی ہیں۔ جب دنیا میں ان کے لئے تجلی دائمی ہے تو ان کے لئے دیدار بھی دائمی ہوگا۔ اگر یہ سوال کیا جائے مفسرین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان الٰہی ربھا ناظرہ میں جار مجرور مقدم ہے جو حصر کا تقاضا کرتا ہے اور اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ جب ان کا رب ارادہ کرے گا تو جنتی اس کے دیدار میں مستغرق رہیں گے وہ اس وقت کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔ اس کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب جنتیوں پر نور چمکے گا تو وہ اپنا سر اوپر اٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر اوپر سے جھانکے گا ارشاد فرمائے گا اے جنتیو تمہیں سلام ہو اللہ تعالیٰ کے فرمان سَلٰمٌ ۟ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ کا یہی معنی ہے فرمایا اللہ تعالیٰ جنتیوں کو دیکھے گا اور جنتی اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے جب تک وہ اس کا دیدار کر رہے ہوں گے اس وقت تک وہ کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ حجاب میں چلا جائے گا تو اس کا نور اور برکت ان کی جنت میں باقی رہے گا (1)۔ اسے ابن ماجہ، ابن ابی الدنیا اور دار قطنی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ جس وقت بعض لوگوں کے لئے دیدار دائمی ہے تو اس حصر کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے اور ہمیشہ کے لئے دوسری نعمتوں سے عدم توجہی کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں یہاں حصر حاصل نہیں ہوتا بلکہ حصر ممنوع ہے اور جار مجرور کو صرف اس لئے مقدم کیا گیا ہے تاکہ فواصل (آیات کے سرے) کی رعایت کی جائے۔ شاید بعض لوگوں کے حق میں نعمتوں کی طرف التفات رویت کے منافی نہ ہو بلکہ اس کے حق میں جنت کی نعمتیں شیشے کے جسم کی طرح ہوں جو دیدار میں رکاوٹ نہ ہوں بلکہ اس کے مددگار ہوں جیسے صوفی کے لئے دیدار جمع ہو جاتے ہیں۔ ایک پردہ ہٹانے کی صورت میں دیدار دوسرا نعمتوں کے واسطہ کی صورت میں دیدار۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ نعمتوں کو دیکھتا بھی ہے اور اس سے لذت بھی حاصل کرتا ہے جس کی یہ شان ہے اسے ایک کام دوسرے کام سے رکاوٹ نہیں بنتا۔ اس کے علاوہ جو جنتی ہیں ان کی جنت کی نعمتوں کی طرف توجہ دیدار سے رکاوٹ بنتی ہے۔ اسی طرح دیدار دوسری نعمتوں سے لطف اندوز ہونے سے مانع ہوتا ہے کیونکہ ان میں استعداد کی کمی ہے۔ یا ہم یہ کہیں گے کہ حصر کا معنی ان لوگوں کے حق میں ہے جن کے لئے یہ ثابت ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو کچھ مروی ہے اس میں عام جنتیوں کی حالت کا بیان ہے۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ نعمتوں کی طرف التفات انہیں دیدار سے نہیں روکتا لیکن یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ جب انہیں دیدار کا شرف حاصل ہو تو وہ پھر کسی اور نعمت کی طرف متوجہ ہوں۔ یہ اعتراض اس لئے درست نہیں کیونکہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ جنت کی نعمتیں اللہ تعالیٰ کے اسماء کا مظہر ہیں اس لئے دیدار کے ہوتے ہوئے ان کی طرف توجہ ممنوع نہیں۔

فائدہ: بعض ائمہ کے کلام میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ دیدار الٰہی صرف انسانوں میں سے مومنوں کے لئے ہے ملائکہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کریں گے۔

1۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 116 (العلمیہ)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مخالفت کی ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنی مختلف عبادتوں کے لئے پیدا فرمایا ہے ان میں سے کچھ فرشتے تو ایسے ہیں جو صفیں بنائے کھڑے ہیں۔ ان کا یہ عمل پیدائش سے قیامت تک جاری رہے گا۔ جب قیامت کا روز ہوگا تو اللہ تعالیٰ کا ظہور ہوگا وہ اس کا دیدار کریں گے اور عرض کریں گے ہم نے تیری اس طرح عبادت نہیں کی جس طرح عبادت کرنے کا حق تھا۔ اسی کی مثل ایک اور سند سے عدی بن ارطاف سے اس نے ایک صحابی سے ذکر کیا ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ ہر آدمی کے لئے دیدار اس کے تعین کے مبداء کے حساب سے ہوگا تو اس سے انسانوں میں سے عام مومنوں پر فرشتوں کی فضیلت ظاہر ہو جاتی ہے کیونکہ فرشتوں کے تعین کے مبادی انسانوں کے تعین کے مبادی سے فضیلت رکھتے ہیں جس طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اور جو ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ خاص انسانوں کا دیدار دائمی ہوگا ختم نہیں ہوگا تو اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ خاص بشر خاص ملائکہ پر فضیلت رکھتے ہیں جس طرح عقائد کی کتابوں میں موجود ہے۔

وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿٢٤﴾ تَظُنُّ أَن يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿٢٥﴾ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿٢٦﴾
وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿٢٧﴾ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾

"اور کئی چہرے اس دن اداس ہوں گے [1] خیال کرتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک ہوگا [2] ہاں ہاں جب جان پہنچے گی ہنسلی تک [3] اور کہا جائے گا ہے کوئی، جھاڑ پھونک کرنے والا اور (مرنے والا) سمجھ لیتا ہے کہ جدائی کی گھڑی آ پہنچی [4] اور لپٹ جاتی ہے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے [5]"

[1] وجوہ سے مراد کافروں کے چہرے ہیں یا کثیر چہرے ہیں باسرۃ یعنی ترش رو اور درشت۔

[2] انہیں یقین ہوگا کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک کیا جائے گا۔ فاقرۃ سے مراد عظیم مصیبت ہے جو کمر توڑ دے گی۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد جہنم میں داخل ہونا ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے روک دیا جائے گا۔

[3] دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے سے جھڑکا جا رہا ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ اس سے باز آ جاؤ اور اس موت کو یاد کرو جہاں دنیا ختم ہو جائے گی اور ہمیشہ رہنے والی آخرت کا سامنا ہوگا۔ نفس کا پہلے صراحۃً ذکر نہیں مگر کنایۃً ذکر ہے کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتی ہے۔ اذا شرطیہ ہے اس کی جزاء الی ربک یومئذ المساق ہے۔ یہ ظرف ہے، اس کا تعلق اس فعل کے ساتھ ہے جس پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے جب روح ہنسلی کی ہڈی تک پہنچ جائے گی تو انہیں تمہارے رب کی طرف ہانکا جائے گا۔ تراقی سے مراد وہ ہڈیاں ہیں جو دائیں اور بائیں جانب سے گلے کے گڑھے میں ملتی ہیں ہنسلی کی ہڈی تک نفس کے پہنچنے سے مراد موت کے قریب پہنچنا ہے۔

[4] قریب الموت آدمی یہ گمان کرے گا کہ یہ مصیبت دنیا اور محبوب چیزوں سے فراق کا سبب ہے۔

[5] ایک پنڈلی دوسری پنڈلی کے ساتھ لپٹ جائے گی وہ انہیں حرکت دینے پر قادر نہیں ہوگا۔ امام شعبی اور حضرت حسن بصری رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس کا معنی ہے دنیا کا معاملہ آخرت کے معاملہ کے ساتھ مل جائے گا۔ یہ دنیا کا آخری دن اور آخرت کا پہلا دن ہوگا تو اس طرح دنیا کے فراق کی شدت قیامت کے آنے کی شدت کے ساتھ مل جائے گی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ لوگ اس کے جسم کی تیاری میں لگے ہوں گے اور فرشتے اس کی روح کی تیاری میں لگے ہوں گے۔(1)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 156 (التجاریہ)

إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّىٰ ﴿٣١﴾ وَلَٰكِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿٣٢﴾
ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّىٰ ﴿٣٣﴾ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ﴿٣٤﴾ ثُمَّ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ﴿٣٥﴾

"اس دن آپ کے رب کی طرف کوچ ہوتا ہے (اتنی فہمائش کے باوجود) نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی تھی بلکہ اس نے (حق کو) جھٹلایا اور اس سے منہ پھیر لیا تھا پھر گیا گھر کی طرف نخرے کرتا ہوا۔ تیری خرابی آگئی ہے تیری خرابی پھر تیری خرابی آگئی اب آگئی ہے"

لہ اس روز تیرے رب کی طرف ہی انہیں لے جایا جائے گا اور وہ جس طرح چاہے گا حکم دے گا۔

لہ اس نے رسول اور قرآن کی تصدیق نہیں کی یا اس نے اپنے مال کی زکوۃ نہیں دی اور اس پر جو نماز فرض کی گئی تھی اس نے ادا نہیں کی فلا صدق کا عطف ایحسب الانسان کے مضمون پر ہے کیونکہ زجر و توبیخ اس چیز کو مستلزم ہوتی ہے جو واقع ہو چکی ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی کیا انسان یہ گمان کرتا تھا کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہیں کریں گے اور نہ ہی ہم انہیں اٹھائیں گے۔ پس اس نے نہ تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی ان دونوں میں ضمیر انسان کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یہ سیاق تقاضا کرتا ہے کہ یہ عدی بن ربیعہ کی حکایت ہو۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد ابوجہل ہے اگر انسان سے مراد جنس لی جائے تو یہ ان دونوں کو شامل ہوگی۔

لہ اس نے نبی کریم ﷺ کو جھٹلایا اور ایمان لانے سے اعراض کیا پھر چلنے میں جلدی کی۔ قاموس میں ہے مطی کا معنی ہے اس نے چلنے میں کوشش کی اور جلدی کی صحاح میں ہے اس نے اپنی پشت کو ٹیڑھا کیا یعنی مطا کا معنی پشت ہے۔ اسی سے یہ جملہ بولا جاتا ہے لا یرکب ظهره مطية کالبعیر وہ اس کی پشت پر سوار نہیں ہوتا کیونکہ اس کی پشت اس طرح ٹیڑھی ہے جس طرح اونٹ کی پشت ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یتمطی اصل میں یتمطط تھا کیونکہ تین طاء اکٹھے ہو گئے تھے اس لئے یہ حرف بدل دیا جبکہ مطا کا معنی کھینچنا ہے۔ حاصل معنی یہ ہے کہ وہ تکبر کرتا ہے کیونکہ متکبر اپنی گردن کھینچتا ہے اور لمبے لمبے قدم رکھتا ہے۔

لہ یہ بددعا ہے یہ ویل لک کے معنی میں ہے یا اس میں دھمکی اور وعید ہے۔ اس میں غائب کے صیغہ سے مخاطب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔

لہ تاکید کے لئے اسے مکرر ذکر کیا۔ اس سے یہ مراد بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے لئے دنیا میں قتل، لعنت، بدر کے دن اور عذاب کی صورت میں ہلاکت ہو اور موت کے روز تیرے لئے ہلاکت ہو اور جس دن تجھے اٹھایا جائے اس روز تیرے لئے ہلاکت ہو جب تو جہنم میں داخل ہو اس روز تیرے لئے ہلاکت ہو۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ کہا گیا۔ اس کی یہ نقیض ہے کیونکہ ان میں ہے جس روز وہ پیدا ہوئے جس روز انہیں موت آئے گی اور جس روز انہیں زندہ اٹھایا جائے گا اس روز ان پر سلامتی ہو۔ یہ قرب سے بنا ہے افعل کے وزن پر ہے جس طرح دون سے ادنیٰ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اصل میں یہ کلام اس طرح ہے اولاک الله ماتکرهه. لک میں لام زائدہ ہے جس طرح ردف لکم میں لام زائدہ ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا اصل میں یہ اولی لک الھلاک تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ آل یؤول سے افعل کے وزن پر ہے یعنی تیرا معاملہ شر تک پہنچنے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ اصل میں اسم فعل ہے جو ولیک ما تکرهه کے معنی میں ہے۔ قاموس میں ہے اولی لک۔ یہ وعید ہے یعنی تیری ہلاکت کا وقت قریب آگیا ہے۔ اس وقت یہ ولی سے مشتق ہے جس کا معنی قریب ہے۔ قول دوسرا

اللہ علیہ نے کہا ہمارے سامنے ذکر کیا گیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے ابو جہل کو پکڑ کر فرمایا اولی لک فاولی ثم اولی لک فاولی۔ تو ابو جہل کہنے لگا اے محمد کیا تم مجھے دھمکی دیتے ہو؟ اللہ کی قسم تم اور تمہارا رب طاقت نہیں رکھتے کہ میرا کچھ بگاڑ سکو۔ بے شک میں اس پہاڑ کے درمیان سب سے معزز ہوں جب بدر کا دن آیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے سختی کے ساتھ پچھاڑا اور انتہائی برے طریقے سے قتل کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہر امت کا ایک فرعون ہوتا ہے اس امت کا فرعون ابو جہل ہے (1)۔ ابن جریر نے عوفی رحمہما اللہ تعالیٰ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ تو ابو جہل نے قریش سے کہا تمہاری مائیں تم پر روئیں تمہیں ابن ابی کبشہ یہ خبر دیتے ہیں کہ جہنم کے داروغے انیس ہیں جبکہ تمہاری بہت بڑی جمعیت ہے کیا تم میں سے دس آدمی بھی جہنم کے ایک داروغے کو نہیں پکڑ سکتے (2)۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی طرف وحی کی کہ آپ ﷺ ابو جہل کے پاس جائیں اور اس سے یوں کہیں اولی لک فاولی ثم اولی لک فاولی۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں پوچھا کہ حضور ﷺ نے ابو جہل کو یہ اپنی طرف سے کہا تھا یا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضور ﷺ نے یہ اپنی طرف سے کہا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا تھا۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یُّحْیِﰯ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾

"کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے مہمل چھوڑ دیا جائے گا ۱۔ کیا وہ (ابتداء میں) منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا جاتا ہے ۲۔ پھر اس سے وہ لوتھڑا بنا پھر اللہ نے اسے بنایا اور اعضاء درست کیے ۳۔ پھر اس سے دو قسمیں بنائیں مرد اور عورت ۴۔ کیا وہ (اتنی قدرت والا) اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو پھر زندہ کر دے ۵۔"

۱۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے سدی کا معنی مهملا کیا ہے، یعنی اسے نہ حکم دیا جائے گا نہ روکا جائے گا نہ اسے دوبارہ اٹھایا جائے گا اور نہ ہی اسے جزاء دی جائے گی کیونکہ وہ دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتا ہے کیونکہ دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار ہی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ مہمل ہو حالانکہ اس کی تخلیق کی حکمت یہ ہے کہ اسے مکلف بنایا جائے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ اور ایک اور جگہ ارشاد فرمایا قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ انسان دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کیسے کر سکتا ہے اور اسے کیسے محال جانتا ہے جبکہ اس کی حالت یہ ہے۔

۲۔ یمنی کا معنی یصب ہے یعنی جسے رحم میں انڈیلا جاتا ہے۔ حفص رحمۃ اللہ علیہ نے اسے یاء کے ساتھ مذکر کا صیغہ پڑھا اور ضمیر منی کی طرف لوٹ رہی ہے جبکہ باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور ضمیر نطفہ کی طرف لوٹائی ہے۔

۳۔ پھر انسان نطفہ کے چالیس روز بعد جمے ہوئے خون کی صورت میں ہو گیا۔ پھر اسی طرح گوشت کا لوتھڑا ہو گیا۔ پھر اسے ہڈیاں بنایا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 156 (التجاریہ) 2۔ تفسیر قرطبی، جلد 19، صفحہ 80 (المصریہ)

کیا پھر اس پر گوشت چڑھا دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو اور ہمیں اس میں اپنی روح پھونک کر پیدا کیا اور بغیر کسی نمونے کے اس کو تخلیق بخشی کیا۔

کہ اللہ تعالیٰ نے وہی منی جسے پہلے علقہ، پھر مضغہ، پھر ہڈیاں اور گوشت بنایا تھا اس سے دو صنفیں پیدا کیں۔ کبھی یہ دونوں رحم میں جمع ہو جاتی ہیں اور کبھی ایک دوسرے سے الگ ہوتی ہیں۔

نہیں وہ اللہ جو اس طرح کرتا ہے اور سابق وجود کے بغیر انہیں ایجاد کرتا ہے کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں جب وہ اتنی چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں جو دوبارہ اٹھانے سے بھی زیادہ تعجب کا باعث ہے (یعنی پہلی دفعہ بغیر مثال کے پیدا کرنا)۔ اس کے باوجود وہ دوبارہ اٹھائے جانے کے جائز ہونے کا انکار کرنا یا ان کے عدد جیسے موقوف ہونے اور ان کی حد در جہ دشمنی کا تقاضا کرتے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے سورۃ التین پڑھی اور الیس اللہ باحکم الحاکمین تک پڑھا تو وہ کہے بلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ لِمِنَ الشّٰھِدِیْنَ اور جو لا اقسم بیوم القیمۃ پڑھے اور الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی تک پہنچے تو اس وقت بھی وہ پڑھے بلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ لِمِنَ الشّٰھِدِیْنَ اور جو سورۃ المرسلت پڑھے اور فبای حدیث بعدہ یؤمنون تک پہنچے تو کہے اٰمنا باللہ(1)۔ موسیٰ بن عائشہ سے مروی ہے ایک آدمی اپنے گھر کی چھت پر نماز پڑھتا تھا جب وہ کہتا الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی تو وہ کہتا سبحٰنک بلٰی تو لوگوں نے اس سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سنا ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں حدیثوں کو روایت کیا ہے۔(2)

نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 57-156 (التجاریہ) 2۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 330 (العلمیہ)

سورۃ الدہر

آیاتہا ۳۱ | سورۃ الدھر مدنیۃ ۷۶ | رکوعاتہا ۲

سورۃ الدھر مدنی ہے، اس میں دو رکوع اور اکتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۝۱

"بے شک گزرا ہے انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت جب کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا[1]"

[1] یہاں هل استفہامیہ تقریر کے معنی میں ہے معنی یہ ہو گا یقیناً انسان پر ایسا وقت گزرا ہے۔ الانسان سے مراد جنس ہے یا اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حین سے مراد زمانے کا ایک محدود طائفہ ہے(1)۔ قاموس میں ہے حین سے مراد ایک مبہم وقت ہے، جس کا اطلاق تمام زمانوں پر ہو سکتا ہے وہ طویل ہو یا مختصر ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا حین یہ چالیس سال کے ساتھ خاص ہے یا ایک ماہ یا دو ماہ کے ساتھ مختص ہے۔

الدھر سے مراد ایسا طویل زمانہ ہے جو غیر محدود ہو۔ قاموس میں ہے الدھر سے مراد طویل زمانہ یا ہزار سال ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کی مدت ہے۔ صحاح میں ہے دھر کا اصل معنی یہ ہے کہ کائنات کے آغاز سے لے کر اس کے ختم ہونے تک کی مدت کو الدھر کہتے ہیں۔ هل اتی علی الانسان حین من الدھر کا بھی یہی معنی ہے۔ پھر ہر طویل مدت کو دھر سے تعبیر کیا جانے لگا دھر فلان سے مراد اس کی زندگی کی موت ہے۔

لم یکن شیٔ مذکورا یہ جملہ الانسان سے حال ہے، یعنی اس حال میں کہ نہ اس کا ذکر کیا جاتا تھا اور نہ ہی اس کی پہچان تھی اور نہ ہی کسی کو یہ معلوم تھا کہ اس کا نام کیا ہے اور نہ ہی اس سے جو مراد ہے اس کا کسی کو علم تھا۔ یا یہ جملہ حین کی صفت ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہو گی لم یکن فیہ شیئا مذکورا۔ یہ کلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ چیز تو تھا ورنہ اس کے بارے میں یہ ذکر نہ کیا جاتا قد اتی علیہ۔ نیز اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اس کا ذکر نہ ہوتا تھا بلکہ اسے بالکل بھلا دیا گیا تھا۔ مفسرین نے کہا اگر انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی ذات ہے تو پھر اس حین سے مراد وہ وقت ہے جب اللہ تعالیٰ نے اسے مٹی سے بنایا تو روح پھونکنے سے پہلے وہ طائف اور مکہ کے درمیان چالیس سال تک پڑے رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک سو بیس سال بعد پیدا کیا(2)۔ اگر انسان سے مراد جنس لی جائے تو پھر اس حین سے مراد چار ماہ ہیں جب وہ نطفہ، علقہ اور مضغہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ یہ مدت روح پھونکنے تک ہے۔ چھ ماہ کم سے کم مدت حمل ہے اور دو سال زیادہ سے زیادہ مدت حمل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت سات سال ہے۔ دونوں تقدیروں کی صورت میں کلام تسامح سے خالی نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 774 (فراس) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 157 (التجاریہ)

WWW.NAFSEISLAM.COM

وقت انسان پر نہیں گزرا بلکہ اس مٹی پر گزرا ہے جس سے تصویر بنائی گئی تھی۔ یا نطفہ اور دوسرے مراحل سے وہ [illegible] رہا تھا۔ بعد ظاہر یہ ہے کہ کلام اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ انسان ہو کیونکہ وضع کا عقد (ا) حمل کے عقد (ب) سے پہلے ہو۔ زیادہ مناسب یہ ہے [illegible] عین یا اعیان ثابتہ کے مرتبہ پر محمول کیا جائے جس کی طرف صوفیاء نے رہنمائی پائی ہے۔ اس تاویل پر حین کی تنوین [illegible] سے ہوگی۔ یہ تعبیر ت کے معنی پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے ایک آدمی کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا تو کہا کاش یہ امر [illegible] ہو جاتا ان کی مراد یہ تھی کاش جس طرح وہ پہلے قابل ذکر نہ تھا اسی طرح وہ بعد میں بھی قابل ذکر چیز نہ ہوتا (1)۔ یہ قول دوسرے [illegible] سے زیادہ قریب ہے۔ سابقہ قول کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا۔

صوفیاء کی یہاں ایک تاویل اور بھی ہے کہ صوفی پر ایک ایسا وقت گزرا ہے جس میں وہ قابل ذکر چیز نہ تھا جبکہ پہلے [illegible] اسے اور دوسری صفات کے ساتھ ذکر کیا جاتا تھا۔ یہ وقت وہ تھا جب اس نے خود اپنے آپ کو ہلاک کر دیا اور کامل فنا کے درجہ پر جا پہنچا اس وقت وہ اپنے علم میں کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہاں اے میرے رب انسان پر واقعی ایسا وقت گزرا ہے جب وہ قابل ذکر چیز نہ تھا نہ عین تھا نہ اثر نہ شہود تھا نہ وجود۔ پھر اس کے بعد اگر تو چاہے تو تیری زندگی سے وہ زندہ [illegible] تیری بقاء سے وہ باقی اور تیرے اخلاق سے وہ متصف ہوگا بلکہ تیری ذات اور فضل سے وہ فنا میں بھی باقی ہو جاتا ہے اور عین بقاء میں [illegible] تجھ سے جدا نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ثم یصیر بعد ذلک۔ گویا یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان حین من الدھر کی تفسیر ہے۔ اس میں من ابتدائیہ ہے۔ دھر اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابن آدم زمانہ کو برا کہہ کر مجھے اذیت دیتا ہے، میں زمانہ ہوں، میرے ہاتھ میں امر ہے، میں ہی دن اور رات کو پھیرتا ہوں (2)۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝

"بلاشبہ ہم ہی نے انسان کو پیدا فرمایا ایک مخلوط نطفہ سے تاکہ ہم اس کو آزمائیں پس (اس غرض سے) ہم نے بنا دیا ہے اس کو سننے والا دیکھنے والا۔ ہم نے اسے دکھایا ہے (اپنا) راستہ اب چاہے شکر گزار بنے چاہے احسان فراموش بنے"

یہاں انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں اگر پہلے انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہوں۔ بصورت دیگر دونوں جگہ جنس مراد ہوگی۔

امشاج یہ مشج یا مشیج کی جمع ہے۔ یہ مشجت الشئ سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب تو کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا دے۔ یہاں نطفہ کی صفت جمع کے صیغہ کے ساتھ ذکر کی گئی کیونکہ نطفہ سے مراد مرد اور عورت کا نطفہ ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے وقت میں توام ہیں اور خواص میں مختلف اجزاء اور مختلف صفات ہوتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ امشاج [illegible]

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 157 (التجاریہ)
2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 237 (قدیمی)

(ا) کسی شے پر اس کے موجود ہونے اور متحقق ہونے کا جو حکم لگایا جاتا ہے۔
(ب) کسی شے پر کسی دوسری شے یا وصف کا حکم لگایا جاتا ہے۔

جس کا معنی مختلط ہے، یعنی اس میں مرد اور عورت کی منی ملی ہوتی ہے۔ اس وقت یہ اعشار کے وزن پر ہوگا۔ ایک لفظ بولا جاتا ہے برمة اعشار یعنی ایسی دیگ جسے دس آدمی اٹھاتے ہیں۔ ہر دو دن جو آپس میں مل جائیں تو وہ بھی امشاج ہوتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی اطوار ہے اس سے پہلے مضاف محذوف ہوگا کیونکہ نطفہ علقہ بنے گا۔ وہی مضغہ ہوگا اور پھر اس کی تخلیق مکمل ہوگی۔

نبتلیه یہ الانسان سے حال ہے۔ یہاں ابتلاء کا ذکر کیا۔ اس سے مراد مجازاً ایک حال سے دوسری حال کی طرف نقل کرنا ہے۔ یا یہ حال مقدرہ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی مُقَدِّرِيْنَ ابْتِلَاءَهُ۔ سمیع و بصیر اس لئے بنایا تاکہ اس کے لئے دلائل کا سننا اور آیات کا مشاہدہ ممکن ہو۔ اس صورت میں یہ کلام ابتلاء سے مسبب ہوگی۔ اسی وجہ سے اس جملہ کا عطف ایسی کلام پر کیا جسے نبتلیه کے ساتھ مقید کیا۔

یعنی ہم نے اس انسان کے لئے اللہ تعالیٰ، اس کی رضا اور اس کی جنت کی طرف دلائل معین کر کے، رسول مبعوث فرما کر اور کتابیں نازل کر کے راستہ کو واضح کیا۔ یہاں ہدایت سے مراد اراءة الطریق ہے ایصال الی المطلوب نہیں۔ جبکہ اهدنا الصراط المستقیم میں ہدایت سے مراد ایصال الی المطلوب (منزل مقصود پر پہنچانا) ہے۔

شاكرا اور كفورا یہ هديناه کی هاء سے حال ہیں، یعنی ہم نے اس کے لئے راستہ کو واضح کیا اس کے لئے دو امروں میں سے ایک امر کو مقدر کرتے ہوئے یا تو وہ ہدایت پا کر اللہ تعالیٰ کا شکر کرے گا یا اس سے اعراض کر کے ناشکری کرے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا یہ دونوں السبیل سے حال ہیں، یعنی ہم نے اس کے لئے راستہ کو واضح کیا اس حال میں کہ وہ راستہ شکر بجا لانے والا ہے یا ناشکری کرنے والا ہے۔ یہاں سبیل کی شکر اور کفر سے جو صفت ذکر کی گئی ہے۔ یہ بطور مجاز ہے اور حرف تردید یہ راستہ کی دو حالتوں کے اعتبار سے ہے راستہ دکھانے کے اعتبار سے نہیں، یعنی راستے کی دو حالتیں ہیں ایک شکر کی اور دوسری کفر کی یہ مراد نہیں کہ شکر کا راستہ بھی بتایا اور ناشکری کا راستہ بھی بتایا۔ اسی وجہ سے یہ اعتراض کرنا جائز نہ ہوگا کہ یہ تاویل مستحسن نہیں کیونکہ حق کا راستہ دکھانا مستحسن ہے اور باطل کا راستہ دکھانا باطل ہے جو ایک دوسرے کو لازم ملزوم ہیں۔ اسی وجہ سے یہاں حرف تردید کا تصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حرف تردید تقاضا کرتا ہے کہ اس کا یہ معنی کیا جائے کہ ہم نے اسے دو راستوں میں سے ایک راستہ دکھایا، یعنی ہم نے اسے حق کا راستہ دکھایا یا باطل کا راستہ دکھایا تو وہ اس طریقہ پر چلا۔ اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ باطل راستہ پر چلنا ہی انسان کی قدرت میں تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ کلام شرط اور جزاء کی صورت میں ہے کہ اما ان شرطیہ اور ما زائدہ سے مرکب ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہے اگر وہ شکر گزار ہو یا ناشکرا ہم نے اسے راستہ بتا دیا اور ہم نے اس کے لئے کوئی عذر نہیں چھوڑا۔ یہاں كفورا فرمایا کافر ذکر نہیں کیا جبکہ كافرا کا لفظ اپنے قسیم کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ كفور ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے تاکہ فواصل کی رعایت ہو جائے۔ دوسری وجہ یہ کہ شکر گزار بندے سے بھی کبھی کبھی ناشکری ہو جاتی ہے تو اس لئے حقیقت میں اس کا قسیم وہی ہوگا جو ناشکری میں مبالغہ کرنے والا ہو۔ انا هديناه السبيل والا جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ اس مقدر سوال کا جواب ہے کہ جب انسان کو پیدا کر دیا گیا اور اس کے لئے سمع اور بصر بنا دیئے گئے تو اس انسان کے ساتھ بعد میں کیا کیا گیا اور اس انسان نے کیا کیا تھا۔

إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَأَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝ إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝

"بے شک ہم نے بالکل تیار کر رکھی ہیں کفار کے لئے زنجیریں، طوق اور بھڑکتی آگ۔ بے شک نیک لوگ پئیں گے

WWW.NAFSEISLAM.COM

"(شراب کے) ایسے جام جن میں آب کافور کی آمیزش ہوگی۔"

نافع، کسائی، ابوبکر اور ہشام رحمہما اللہ تعالیٰ نے وصل کی صورت میں سلاسلاً تنوین کے ساتھ پڑھا ہے تاکہ مابعد کے ساتھ موافقت ہو جائے اور تنوین کے عوض میں الف پر وقف کیا ہے جبکہ باقی قراء نے وصل کی صورت میں تنوین کے بغیر پڑھا ہے۔ حمزہ، قنبل اور خلف رحمہم اللہ تعالیٰ نے الف کے بغیر اس پر وقف کیا ہے۔ بزی اور ابن ذکوان رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی اسی طرح مروی ہے جبکہ باقی قراء نے الف پر وقف کیا ہے۔ ان کے ہاتھوں میں بیڑیاں ہوں گی اور انہیں گردن کے ساتھ جکڑا گیا ہوگا اور جنت آگے ہوگی۔ یہ جملہ اور جملہ انا جملہ مستانفہ ہیں۔ گویا یہ دونوں مقدر سوال کا جواب ہیں ما نصیب الشاکرین وما نصیب الکافرین یعنی شکر کرنے والوں کا کیا حصہ ہے اور کافروں کا کیا حصہ ہے۔ کافروں کے لئے وعید کو پہلے ذکر کیا جبکہ پہلے ان کا ذکر مؤخر تھا کیونکہ انہیں ڈرانا زیادہ اہم ہے اور دوسری بات یہ کہ کلام کا آغاز اور اختتام مومنوں سے کرنا زیادہ اچھا ہے۔

ابرار بر کی جمع ہے جس طرح رب کی جمع ارباب آتی ہے یا بار کی جمع ہے جس طرح شاہد کی جمع اشہاد آتی ہے۔ ابرار سے مراد ایسے مومن ہیں جو اپنے ایمان میں سچے ہیں اور اپنے رب کی اطاعت کرنے والے ہیں اس کا مصدر بر آتا ہے جس کا معنی صلہ رحمی، بھلائی کرنا، احسان میں زیادتی کرنا، سچائی اپنانا اور طاعت کرنا وغیرہ۔ قاموس میں بھی اسی طرح ہے۔ یہ سب مومنوں کی صفات ہیں۔

صحاح میں ہے کاس ایسے برتن کو کہتے ہیں جس میں شراب ہو ان میں سے (پیالہ، شراب) ہر ایک کو بھی کاس کہتے ہیں کہ یہ کہا جاتا ہے کاس حال اسی طرح کہا جاتا ہے ضربت کاسا و کاسا ضیۃ۔ قاموس میں ہے کاس ایسے برتن کو کہتے ہیں جس میں پیا جاتا ہے یا ایسے برتن کو کہتے ہیں جب تک اس میں مشروب ہو شراب، دودھ، شہد اور پانی کی کوئی تخصیص نہیں۔ یہاں یہ احتمال ہے کہ کاس سے مراد برتن ہو اور من ابتدائیہ معنی یہ ہوگا وہ پیالے سے شراب، دودھ، پانی اور شہد پیتے ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا معنی مشروب ہو خواہ حقیقۃ ہو یا مجازا مجاز کی صورت میں حال کو محل کا نام دیا ہے جس طرح جری النھر میں نہر سے مراد پانی ہے جو نہر میں ہوتا ہے اس صورت میں من زائدہ ہوگا یا بعضیہ ہوگا یا بیانیہ ہوگا۔ یہ بھی احتمال ہو کہ اس سے برتن کے ساتھ جو کچھ اس میں ہے وہ مراد ہے۔

مزاجھا میں ھا ضمیر کاس کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اگر کاس سے مراد مشروب ہو تو اس میں کافور کی آمیزش حقیقت میں ہوگی۔ اگر اس سے مراد برتن ہو تو مجازا اس کے ساتھ آمیزش ہوگی کیونکہ حقیقت میں آمیزش تو اس چیز میں ہوگی جو اس برتن میں ہوتی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس میں کافور کی آمیزش ہوگی اور اس پر کستوری کی مہر ہوگی۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہاں مزاجھا سے مراد اس کا ذائقہ ہے یعنی اس کا ذائقہ کافور کا ہوگا، یعنی وہ ذائقے دار خوشبو میں کافور جیسی ہوگی یہاں اداۃ تشبیہ محذوف ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا۔ یہاں بھی نار سے پہلے کاف اداۃ تشبیہ محذوف ہے۔ عطا اور کلبی نے کہا ہے کافور جنت میں پانی کے ایک چشمے کا نام ہے۔(1)

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَ يَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝

"(کافور) ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے (وہ) خاص بندے پئیں گے اور جہاں چاہیں گے اسے بہا کر لے جائیں گے"

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 158 (التجاریہ)

گے 1۔ جو پوری کرتے ہیں اپنی منتیں اور ڈرتے ہیں اس دن سے جس کا شر ہر سو پھیلا ہوگا 2۔"

1۔ اگر کافور کو چشمہ کا نام تسلیم کیا جائے تو عینا کافور سے بدل ہوگا۔ یا یہ من کاس کے محل سے بدل ہوگا۔ اس صورت میں عینا سے پہلے مضاف محذوف ہوگا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی ماء عین یا اختصاص یا مدح یا اضمار علی شرط تفسیر کی بناء پر محل نصب میں ہے۔

یشرب بھا میں باء زائدہ ہے یا التذاذ کے معنی کو اپنے ضمن میں لینے کی وجہ سے باء، یشرب کا صلہ ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ لذت حاصل کرتے ہوئے پیتے ہیں یا جو چیز اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے اسے پیتے ہیں یا باء من ابتدائیہ کے معنی میں ہے۔

عباد اللہ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی وہ ان چشموں کے پانی کو اپنے گھروں اور محلات تک جہاں لے جانا چاہئیں گے لے جائیں گے۔ عبداللہ بن احمد نے ابن شوذب سے زہد میں روایت کیا ہے کہ جنتیوں کے پاس سونے کی ٹہنیاں ہوں گی وہ انہیں جہاں لے جانا چاہئیں گے لے جائیں گے۔ (1)

2۔ یہ جملہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا وجہ ہے انہیں ایسا بدلہ دیا جائے گا یا یہ اس سوال اَلْاَبْرَارُ مَاھُمْ کا جواب ہے یہ ابرار کی تعریف ہے، یعنی وہ فرائض ادا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ناپسندہ چیزوں سے اجتناب کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر رحم کرتے ہیں۔ وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اچھائیاں کرتے ہیں۔ یہ ابرار کی شان ہے یہ مراتب نفس کے فناء اور رزائل کے زائل ہونے کے بعد حاصل ہوتے ہیں جہاں تک مقربین کا تعلق ہے تو ان کی شان ان سے بہت بلند ہے یا یہ جملہ سابقہ جملہ کی علت ہے، یعنی ابرار اس سے پیتے ہیں کیونکہ وہ دنیا میں نذر پوری کرتے ہیں۔

لغت میں نذر سے مراد یہ ہے کہ تو اپنے اوپر ایسی چیز واجب کرے جو تجھ پر واجب نہ ہو صحاح میں اس طرح ہے جو چیز ان پر واجب نہ تھی بلکہ انہوں نے خود اسے واجب کیا تھا تو اس کو پورا کرنے کا عمل اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائدہ کردہ فرائض کو بدرجہ اولیٰ پورا کرتے ہوں گے جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، عمرہ، جہاد وغیرہ۔ امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ کہا ہے شاید وہ مراد ہو کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو نماز، زکوٰۃ، حج اور عمرہ وغیرہ جو لازم کئے ہیں وہ ان کو پورا کرتے ہیں۔

فصل:۔ جب نذر سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر وہ چیز واجب کرے جو اس پر واجب نہ تھی تو اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نذر کے منعقد ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ طاعت ہو کیونکہ جو چیز طاعت نہ ہو اس کو واجب کرنا صحیح نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نذر وہ ہے جس کے ساتھ انسان اپنے رب کی رضا چاہے۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے (2)۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی جانب سے واجب نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس چیز کی نذر مانی جارہی ہے وہ عبادت مقصودہ ہو اور اس میں یہ بھی لازم ہے کہ اس کی جنس میں سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب کرنے کی وجہ سے واجب ہو۔ جبکہ جمہور کے نزدیک یہ دونوں چیزیں نذر میں شرط نہیں۔ نذر کے ساتھ اعتکاف کے واجب ہونے پر اجماع اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ نذر کے لئے یہ دونوں شرطیں نہیں کیونکہ یہ نماز کے لئے انتظار کی وجہ سے عبادت ہے بالذات عبادت نہیں۔ ساتھ ہی اس کی جنس سے کوئی چیز واجب نہیں۔ اسی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نذر کے ساتھ ہر عبادت واجب ہو جاتی ہے جو پہلے واجب نہ تھی جس طرح مریض کی عیادت کرنا، نماز جنازہ میں شامل ہونا، سلام کرنا۔ اس کے عام

1۔ الدرالمنثور، جلد 6، صفحہ 483 (العلمیہ)	2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 183 (صادر)

WWW.NAFSEISLAM.COM

ہونے پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے پس اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہئے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اضافہ کیا ہے اس صورت میں اسے قسم کا کفارہ دینا چاہئے۔ ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے اضافہ کے مرفوع ہونے میں شک ہے۔

مسئلہ:۔ جس نے کسی اچھے کام کی نذر مانی پھر اس کے ساتھ کچھ قیود ذکر کیں قیود لغو ہوں گی اور اچھے کام پر نذر لازم ہو جائے گی جس طرح کوئی یہ نذر مانتا ہے کہ وہ کسی معین جگہ نماز پڑھے گا یا کھڑے کھڑے روزہ رکھے گا یا اسی طرح کی نذر مانتا ہے تو روزہ اور نماز اس پر واجب ہو جائیں گے وہ جس جگہ اور جیسے ادا کرے جائز ہے۔ اس پر علماء کا اجماع ہے۔ تاہم امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا نقطہ نظر یہ ہے انہوں نے یہ فرمایا اگر کسی نے مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے سے نذر پوری نہ ہوگی۔ اگر اس نے مسجد اقصیٰ یا مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اس کے لئے مسجد حرام میں نماز پڑھنا جائز ہوگا مگر ایسی مسجد میں نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا جو مسجد مرتبہ میں اس سے کم ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تمام صورتوں میں تمام مساجد میں اس عمل کی ادائیگی جائز ہوگی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ یوم فتح کو ایک آدمی نے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ پر آپ کو فتح عطا فرمائی تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہاں ہی پڑھ لو اس نے اپنی بات تین دفعہ نبی کریم ﷺ پر دہرائی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تو پھر جو تیرا ارادہ ہو۔ اسے ابو داؤد اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے (2)۔ اسی حدیث کی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد اقصیٰ کی قید کو لغو قرار دیا ہے۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا نماز کو ان تین مساجد مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے ساتھ مختص کرنا یہ ثواب کی زیادتی اور طاعت کے لئے ہے۔ اس لئے یہ شرط لغو نہ ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دوسری مساجد سے ایک ہزار درجہ فضیلت رکھتی ہے، متفق علیہ (3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گھر کی بنسبت قبیلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے پچیس نمازوں کا اجر ملتا ہے، جامع مسجد میں نماز پڑھنے سے پانچ سو نمازوں کا ثواب ملتا ہے، مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے سے ایک ہزار نماز کا ثواب ملتا ہے، میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ اسے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (4)۔ یہ ثواب فرض نمازوں کے بارے میں ہے نفلی نمازوں کے بارے میں نہیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کا اپنے گھر نماز پڑھنا میری اس مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے مگر فرض نماز کا یہ حکم نہیں۔ اسے ابو داؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا (5)۔ وہ روایت جو اطاعت کی نذر کے لغو ہونے پر دلالت کرتی ہیں ان میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو اسی دوران ایک آدمی کو کھڑے دیکھا۔ آپ نے اس کے بارے میں پوچھا۔ ابو اسرائیل نے بتایا اس نے نذر مانی ہے کہ وہ کھڑا

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 991 (وزارت تعلیم)　2۔ سنن ابی داؤد، جلد 3، صفحہ 233 (صادر)
3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 447 (قدیمی)　4۔ سنن ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 190 (العلمیہ)　5۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 403

رہے گا مگر نہ بیٹھے گا نہ سایہ حاصل کرے گا، نہ بات کرے گا، روزہ رکھے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسے کہو کہ وہ بات چیت کرے سایہ حاصل کرے اور بیٹھے ساتھ ہی اپنا روزہ مکمل کرے (1)۔ اسے ابوداؤد، ابن ماجہ اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے مگر اس میں دھوپ میں کھڑے ہونے کا ذکر نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں اسے مرسل روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ تم اسے اس عمل کرنے کا حکم دو جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اسے چھوڑنے کا حکم دو۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے ایسی کوئی بات نہیں پہنچی کہ حضور ﷺ نے اسے کفارہ کی ادائیگی کا حکم دیا ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ اس کے آخر میں ہے کہ حضور ﷺ نے اسے کفارہ کا حکم نہیں دیا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن کریب کی حدیث سے، انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس میں کفارہ ادا کرنے کا حکم بھی ہے جبکہ محمد بن کریب ضعیف ہے۔

مسئلہ:۔ نذر کی وجہ سے جو چیز اس پر واجب ہوئی ہوا گر وہ فوت ہو جائے تو اس کے مثل حقیقی یا حکمی سے قضا واجب ہوگی وہ نماز کی نماز کے ساتھ، روزے کی روزے کے ساتھ قضا کرے گا انتہائی بوڑھا آدمی ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے گا جس نے پیدل چل کر حج کرنے کی نذر مانی عذر کی وجہ سے سواری کی تو وہ ایک ھدی دے دے۔ جمہور نے یہی کہا ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو صحیح مذہب منقول ہے وہ یہی ہے۔ اصل کی روایت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے جس آدمی نے پیدل چل کر حج کرنے کی نذر مانی تھی تو اس پر پیدل حج کرنا واجب نہیں اس پر سوار ہونے کی صورت میں ھدی بھی واجب نہ ہوگی کیونکہ عقبہ بن عامر جہنی کی حدیث ہے کہ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر پیدل حج کرے گی۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے پوچھا اس نے کیا حال بنا رکھا ہے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس نے نذر مانی تھی کہ وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر پیدل حج کرے گی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ سوار ہو جائے اور سر پر کپڑا لے، متفق علیہ۔ (2)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کے درمیان سہارے سے جا رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں پوچھا تو ایک آدمی نے عرض کی اس نے نذر مانی ہے کہ وہ پیدل حج کرے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دینے سے غنی ہے اور اسے حکم دیا کہ وہ سواری پر سوار ہو جائے، متفق علیہ (3)۔ ہم نے کہا جہاں تک عقبہ بن عامر کی حدیث ہے۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ پیدل چل کر بیت اللہ شریف جائے گی۔ حضور ﷺ نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ سوار ہو جائے اور قربانی کرے۔ داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ عقبہ بن عامر کی بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ پیدل چل کر حج کرے گی جبکہ وہ اس کی طاقت بھی نہیں رکھتی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ تیری بہن کے چلنے سے غنی ہے اسے چاہئے کہ وہ سواری پر سوار ہو اور اونٹ ذبح کرے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے عقبہ بن عامر کی حدیث اسی طرح عمدہ سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ صحیحین میں روایت مختصر ہے ہم نے جو روایات بیان کی ہیں وہ اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ ھدی سے مراد بدنہ ہے۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جو آدمی یہ نذر

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 3، صفحہ 228 (صادر) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 45 (قدیمی) 3۔ ایضاً

...نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی تو فرمایا وہ پیدل ہی حج کرے، اگر تھک جائے تو سوار ہو جائے اور اونٹ ذبح کرے۔ اسی طرح کی روایت حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، قتادہ اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

مسئلہ: جو نافرمانی کی نذر مانے یا ایسے مباح امر کی نذر مانے جو طاعت کے مناسب نہ تھا تو اس کا پورا کرنا واجب نہ ہوگا اور یہ نذر منعقد ہونے پر اجماع ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ نذر لغو ہوگی جبکہ جمہور علماء کے نزدیک نذر قسم ہو جائے گی تو یمین منعقدہ ہو جائے گی۔ نذر کا صیغہ مؤکد ہوتا ہے وہ لفظ قسم بننے کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر مشتمل ہوتی ہے اور معنی کے اعتبار سے بھی قسم بننے کی صلاحیت رکھتی ہے کیونکہ اس میں منذور کی ضد کو حرام کیا جاتا ہے۔ تاہم علماء کے نزدیک یہ واجب ہے کہ وہ قسم توڑ دے اور معصیت کی صورت میں کفارہ ادا کرے۔ اگر مباح امر کی قسم اٹھائی تھی تو پھر اسے اختیار ہوگا کہ وہ اس پر عمل کرے یا کفارہ ادا کرے۔ ان کے دلائل میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے(1)۔ اور حضرت عمران بن حصین کی مرفوع حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کوئی نذر نہیں اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے(2)۔ اسے امام نسائی، حاکم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اس روایت کا دارومدار محمد بن زبیر حنظلی پر ہے جو قوی نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کی کئی اور سندیں بھی ہیں۔ اس کی اسناد صحیح ہے مگر معلول ہے۔ اسے امام احمد، اصحاب سنن اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے ابوسلمہ سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ سند منقطع ہے کیونکہ ابوسلمہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔ اسے اصحاب سنن نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اس سند میں سلیمان بن ارقم متروک ہے۔ اسے دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دوسرے طریقہ پر نقل کیا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اپنے اوپر نذر لازم کی تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہوگا۔ اس میں غالب بن عبید اللہ متروک ہے(3)۔ ابوداؤد نے کریب رحمہما اللہ تعالیٰ کی حدیث سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند حسن ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا لا نذر في معصية الله فكفارته كفارة يمين۔ یہ روایت محدثین کے اتفاق سے ضعیف ہے۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اسے امام طحاوی اور ابوعلی سکن رحمہما اللہ تعالیٰ نے صحیح کہا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے نذر مانی مگر اس کی تعیین نہ کی تو اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہوگا اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانی تو اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہوگا جس نے ایسی نذر مانی جس کی وہ طاقت نہ رکھتا تھا تو اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہوگا جس نے ایسی نذر مانی جس کی وہ طاقت رکھتا تھا تو وہ اسے پورا کرے۔ اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے(4)۔ اس میں ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک آدمی نے نذر مانی کہ وہ فلاں جگہ اونٹ ذبح کرے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا بوانہ کے مقام پر اونٹ ذبح کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا وہاں کوئی بت تھا جس کی دور جاہلیت میں عبادت کی جاتی تھی۔ لوگوں نے عرض کی ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا وہاں دور جاہلیت میں کوئی عید منائی جاتی تھی۔ لوگوں نے عرض کی ایسی بھی کوئی بات نہ تھی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 45 (قدیمی)

2۔ سنن نسائی، جلد 7، صفحہ 28 (دار الحدیث)

3۔ تلخیص الحبیر، جلد 4، صفحہ 130 (المحاسن)

4۔ سنن ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 563 (العلمیہ)

اپنی نذر پوری کرو۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اس کی سند صحیح ہے (1)۔ نیز عمرو بن شعیب کی حدیث روایت کی جسے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے دادا سے روایت کیا۔ اس کی مثل ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایسی نذر جو نہ طاعت ہو اور نہ ہی معصیت اس کو پورا کرنا جائز ہے۔ اسی طرح عمرو بن شعیب کی حدیث ہے جو انہوں نے اپنے والد اور انہوں نے دادا سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے نذر مانی تھی کہ آپ ﷺ کے تشریف لانے پر میں دف بجاؤں گی تو حضور ﷺ نے فرمایا اپنی نذر کو پورا کرو۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (2)۔ شائد یہ دف بجانے کی حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

ایسی نذر جسے کسی شرط کے ساتھ معلق کیا گیا ہو اس کا حکم وہی ہوگا جو غیر مشروط نذر کا ہوتا ہے۔ ظاہر روایت کے مطابق یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے مگر ایک صورت میں آپ نے یہ کہا اگر اس نے تمام مال صدقہ کرنے کی نذر مانی تھی تو صرف تیسرا حصہ صدقہ کرے باقی صورتوں میں جو چیز اس نے اپنے اوپر واجب کی تھی وہ لازم ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا آپ نے فرمایا کہ مشروط نذر کی صورت میں قسم کا کفارہ کافی ہے۔ اگر اس نے نذر پوری کر دی تو ذمہ داری سے فارغ ہو جائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ صاحب ہدایہ اور علماء حنیفہ میں سے محققین نے یہ پسند کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفارہ اس شرط کے قائم مقام ہو سکتا ہے جس شرط کے وجود کا نذر ماننے والا ارادہ نہ کرے جس طرح وہ یہ کہے اگر میں گھر داخل ہوں یا فلاں سے کلام کروں یا فلاں کام کروں تو مجھ پر حج اور سال کے روزے ہیں، اس نذر کو نذر حاج کہتے ہیں۔ رہی وہ شرط جس کے وجود کا وہ ارادہ کرے جیسے وہ کہے اگر میں سیر ہو جاؤں یا میرا غائب رشتہ دار آ جائے یا میرا دشمن مر جائے یا میری بیوی بیٹا جنے تو مجھ پر یہ چیز لازم ہے تو علماء نے کہا اس پر وفاء واجب ہے کوئی اور چیز واجب نہیں ہوگی اس نذر کو نذر تبرء کہتے ہیں۔ ایسا ہی قول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اظہر روایت بھی یہی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تیسری روایت یہ ہے کہ نذر حاج میں صرف کفارہ لازم آئے گا کوئی اور چیز لازم نہ ہوگی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت مروی ہے جسے وہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ دو انصاری بھائیوں کے درمیان مشترک وارثت تھی ان میں سے ایک نے تقسیم کا مطالبہ کیا تو دوسرے نے کہا اگر تو نے اس میں تقسیم جاری کی تو میرا تمام مال کعبہ مکرمہ کے لئے ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کعبہ مکرمہ تیرے مال سے غنی ہے، اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو اور اپنے بھائی سے بات چیت کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نہ تجھ پر قسم لازم ہوگی اور نہ ہی نذر لازم ہوگی اسی طرح قطع رحمی کی نذر ماننے میں نذر لازم نہ ہوگی۔ اسی طرح جس چیز کا وہ مالک نہیں اس میں نذر ماننے میں نذر لازم نہ ہوگی۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ (3)

مسئلہ:۔ جس نے ایسی عبادت کی نذر مانی جس کو بجالانے کی وہ طاقت نہ رکھتا تھا تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہوگا۔ عقبہ کی بہن کے قصہ میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو تیری بہن کے پیدل چلنے میں کوئی فائدہ نہیں اسے چاہئے کہ وہ سوار ہو جائے وہ سوار ہو کر حج کرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (4)۔ عبداللہ بن مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے وہ

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 3 صفحہ 235 (صادر) 2۔ ایضاً، صفحہ 236 3۔ ایضاً، صفحہ 243 4۔ ایضاً، صفحہ 232

عقبہ بن عامر سے روایت کرتے ہیں کہ میری بہن نے نذر مانی کہ ننگے سر اور پیدل اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر حج کرے گی۔ میں نے اس کا ذکر حضور ﷺ سے کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا اپنی بہن سے کہو کہ وہ سر پر اوڑھنی لے سواری پر سوار ہو اور تین روزے رکھے (1)۔ اس روایت کو ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی مثل روایت بیان کی ہے۔ تطبیق کی صورت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے شروع سے کفارہ کا حکم اس وقت دیا جب اسے اس کے عجز کا علم ہو چکا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شر کا معنی مکروہ ہے صحاح میں ہے شر سے مراد ایسی چیز ہے جس سے اعراض کیا جائے۔ مستطیر کا معنی منتشر ہے۔ یہ استطار الحریق و الفجر سے مشتق ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا شر آسمانوں میں بھی پھیلا ہوا ہے جس وجہ سے آسمان پھٹ جائے گا اور اس کے ستارے ٹوٹ کر گریں گے۔ سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے۔ فرشتوں پر خوف طاری ہوگا۔ اسی طرح اس کا شر زمین میں بھی پھیلا ہوگا۔ پہاڑوں کو اڑا دیا جائے گا پانی زمین میں بہت دور چلا جائے گا۔ زمین پر جو بھی چیز ہوگی اسے توڑ دیا جائے گا۔ پہاڑ ہو یا مکانات (2)۔ اس میں اس بات کا بھی شعور دلایا گیا ہے کہ وہ اچھے عقیدے کے مالک تھے اور وہ گناہوں سے بچنے والے تھے۔ جس طرح یوفون بالنذر میں اس بات پر دلالت ہے کہ وہ اپنے فرائض بجالاتے تھے۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴿٨﴾ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ﴿٩﴾

"اور جو کھانا کھلاتے اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو۔ (اور کہتے ہیں) ہم تمہیں کھلاتے ہیں اللہ کی رضا کے لئے نہ ہم تم سے کسی اجر کے خواہاں ہیں اور نہ شکریہ کے"

یہ ترکیب اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر رحیم ہیں اور وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نفلی صدقات کرتے ہیں۔ حبہ میں ضمیر سے مراد یا تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یا اطعام ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی محبت یا کھانا کھلانے کی محبت کی وجہ سے کھانا کھلاتے ہیں۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ مسلمانوں کو قید نہیں کرتے تھے۔ یہ آیت مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی مسلمان انہیں گرفتار کرتے تھے۔ حضور ﷺ ان پر احسان کرنے کا حکم ارشاد فرماتے تھے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یا اہل قبلہ میں سے قیدی ہے جبکہ پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے۔ یہ بھی کہا گیا یہاں اسیر سے مراد غلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں اسیر سے مراد عورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ایک غلام اور دوسری عورت اسے ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ابی عمر سے روایت کیا ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے نماز کے بارے میں اور غلاموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اسے خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ادب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ اپنے غلاموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ وہ تمہارے ہاں قیدی ہیں۔ علماء نے اس آیت کے شان نزول کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت ایک انصاری کے بارے میں نازل ہوئی اس نے ایک روز میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلایا تھا۔ مجاہد اور عطاء رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 3، صفحہ 231 (صادر)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 159 (التجاریہ)

روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ واقعہ یوں ہوا کہ آپ نے یہودی کا کچھ جو کے بدلے میں کام کیا۔ آپ نے جو لے لئے۔ ان کے تیسرے حصہ کو پیسا۔ اس کا کھانا پکایا تا کہ کھائیں۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو ایک مسکین آ گیا۔ اس نے سوال کیا تو گھر والوں نے کھانا اسے پیش کر دیا۔ پھر دوسرا ثلث پیسا۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو ایک یتیم آ گیا۔ اس نے سوال کیا تو گھر والوں نے سب کھانا اسے دے دیا۔ پھر باقی ماندہ تیسرے حصہ کو پیسا۔ جب وہ پک گیا تو ایک مشرک قیدی آ گیا۔ اس نے کھانے کا سوال کیا۔ گھر والوں نے کھانا اسے دے دیا اور خود بھوکے ہی لیٹ گئے۔ (1)

ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم دونوں بیمار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی عیادت کی اور فرمایا اے ابوالحسن کاش آپ اپنے بیٹوں کے لئے نذر مانتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور فضہ لونڈی نے نذر مان لی کہ اگر بچے درست ہو گئے تو وہ تین دن روزہ رکھیں گے۔ جبکہ ان کے پاس کھانا بھی نہ تھا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے شمعون خیبری سے تین صاع جو قرض لئے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک صاع پیسا اور پانچ روٹیاں پکائیں۔ انہوں نے کھانا سامنے رکھا ہی تھا تو ایک مسکین ان کے دروازے پر آ کھڑا ہو گیا تو گھر والوں نے مسکین کی ضرورت کو ترجیح دی اور پانی کے بغیر کوئی چیز نہ چکھی۔ اگلی صبح پھر روزہ رکھ لیا جب شام ہوئی اور انہوں نے کھانا اپنے سامنے رکھا تو ایک قیدی دروازے پر آ گیا تو گھر والوں نے پہلے دنوں کی طرح کیا۔ تو جبرئیل امین یہ سورت لائے، عرض کی اے محمد ﷺ اسے لو، اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے اہل بیت کے بارے میں مبارکباد دیتا ہے (2)۔ حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ مفصل حدیث ہے۔ یہ احمق اور جاہلوں کی زبانوں پر عام ہو گئی۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے اور کہا اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ سورت مکی ہے جبکہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی شادی ہجرت کے دوسرے سال ہوئی۔ یہ اعتراض مقاتل، مجاہد اور عطاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے قول پر بھی لاحق ہوتا ہے کیونکہ اگر یہ آیت ایک انصاری کے بارے میں نازل ہوئی تب بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ آیت مدنی ہے۔ اسی طرح حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا یہودی کے لئے جو پر مزدوری کرنا۔ یہ بھی مدینہ طیبہ میں ہو سکتا ہے کیونکہ یہودی مدینہ طیبہ میں تھے، وہ مکہ مکرمہ میں نہ تھے بلکہ آیت بذات خود بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آیت مدنی ہو کیونکہ قیدی تو مدینہ طیبہ میں ہی تھے مکہ مکرمہ میں نہ جہاد تھا اور نہ کوئی قیدی تھا۔ تو ظاہر یہی ہے کہ اس صورت کا بعض حصہ مدنی ہو اگر چہ بعض حصہ مکی ہو۔ گر یہ سب مکی ہو تو آیت میں مسلمانوں کے بعض احوال کی خبر دی جا رہی ہے جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ظہور پذیر ہونے والے تھے۔

؎ اس جملہ سے پہلے قول مقدر ہے اور قول مقولہ یطعمون کے فاعل سے حال ہو گا۔ یہ قول زبان قال سے ہو گا یا زبان حال سے ہو گا۔ مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا انہوں نے زبان سے تو کچھ نہ کہا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی کیفیت کو جان لیا تھا۔ اس لئے ان کی تعریف کی (3)۔ وجہ اللہ میں وجہ کا لفظ زائد ہے، یعنی اللہ کی رضا کے لئے ہم کھانا کھلاتے ہیں اور اس کی رضا کے طالب ہیں۔ ہم دنیاوی عوض یا مال کی طلب نہیں رکھتے۔ شکور مصدر ہے جس طرح دخول جروح اور قبول مصدر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ کسی گھر میں صدقہ بھیجتیں۔ پھر بھیجے جانے والے سے پوچھتیں کہ گھر والوں نے کیا کہا تھا، اگر وہ دعا کا ذکر

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 159 (التجاریۃ) 2۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 775 (فراس) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 159 (التجاریۃ)

WWW.NAFSEISLAM.COM

کرتا تو اس گھر والوں کے لئے ایسی ہی دعا کرتیں تا کہ صدقہ کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے خالص رہے۔(1)

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا ۝ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْیَوْمِ وَ لَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا ۝ وَ جَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِیْرًا ۝ مُّتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ ۚ لَا یَرَوْنَ فِیْهَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْهَرِیْرًا ۝

"ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے اس دن کے لئے جو بڑا ترش (اور) سخت ہے لہٰذا بچا لے گا انہیں اللہ تعالیٰ اس دن کے شر سے اور بخش دے گا انہیں چہروں کی تازگی اور دلوں کا سرور۔ اور مرحمت فرمائے گا انہیں صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس۔ وہاں پلنگوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے نہ نظر آئے گی انہیں وہاں سورج کی تپش اور نہ ٹھنڈک"۔

یہ مسکین کو کھانا کھلانے کی علت کے بعد علت ہے گویا اس کا عطف لوجہ اللہ پر ہے اور حرف عطف اور حرف جر حذف ہے یعنی ہم تمہیں کھانا اس لئے کھلاتے ہیں کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ سے خوف اور امید رکھتے ہیں۔ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا ثواب ہے اور اس لئے بھی کھانا کھلاتے ہیں کیونکہ اس کے غضب اور عذاب کا ہمیں خوف ہوتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ رب کے غصہ کو ختم کرتا ہے اور صدقہ کرنے والے سے گناہ کو دور کرتا ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔(2)

یوما یہ ظرف ہے اور اس کا مضاف مقدر ہے جو عذاب ہے عبوس اسے کہتے ہیں جو تنگی کی وجہ سے آنکھوں کے درمیان اور چہرہ کو جمع کر لیتا ہے۔ یوم کی عبوس کے ساتھ جو صفت ذکر کی گئی ہے یہ بطور مجاز ہے جیسے نھارہ صائم۔ قمطریر سخت ترش ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی معنی کیا ہے۔ اخفش رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قمطریر ایسے دن کو کہتے ہیں جو بہت شدید ہو اور مصیبت میں بہت طویل ہو(3)۔ قاموس میں ہے قمطریر کا معنی شدید ہے۔ اقمطر کا معنی اشتد جو ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کے لئے ہے۔

2۔ ماضی کے لفظ کے ساتھ مستقبل کا ذکر ہے یہ شعور دلانے کے لئے کہ اس کا وقوع یقینی ہے۔ اس میں فاء سببیہ ہے۔ یعنی وہ عذاب سے ڈرتے تھے اور جو چیزیں عذاب کا سبب ہیں ان سے اجتناب کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دن کی سختی سے بچا لیا اور انہیں چہرے کی ترشی کی بجائے چہرے کی خوبصورتی اور دل کی خوشی عطا فرمائی۔

3۔ انہوں نے معصیت سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طاعت، مسکین کو کھانا کھلانے کی صورت میں بھوک، جہاد میں شہادت اور صدقہ کرتے وقت نفس کی نافرمانی پر صبر کیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت میں داخل ہونے اور پہننے کے لئے ریشم عطا فرمایا۔ یہ جزا عطا فرمائی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان خوش نصیبوں نے کسی اور سے جزا کا مطالبہ بھی نہ کیا تھا۔

4۔ متکئین یہ جزاھم کی ضمیر منصوب سے حال ہے یا ادخلوا فعل میں ضمیر فاعل سے حال ہے جو فعل مقدر ہے۔ فیھا ضمیر سے مراد جنت ہے۔ ارائک سے مراد خیموں میں پلنگ ہیں۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے ارائک کا لفظ اس وقت تک استعمال نہیں کیا جاتا جب تک خیمہ میں پلنگ نہ ہو۔ اگر خیمہ کے بغیر چارپائی ہو تو اسے ارائک نہیں کہتے۔ اگر چارپائی کے بغیر خیمہ ہو تب بھی اسے ارائک نہیں کہتے۔ جب یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں تو اسے ارائک کہتے ہیں۔

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 774 (فراس) 2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 84 (وزارت تعلیم) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 160 (التجاریہ)

لا یرون یہ متکئین کے فاعل سے حال ہے یا اس کے ذوالحال سے حال ہے۔ قاموس میں ہے زمہریر سے مراد چاند کی سخت ٹھنڈک ہے ازمہرت الکواکب سے مراد ہے کہ ستارے چمکے زمہریر سے مراد سخت سردی ہے اور شمس سے مراد اس کالازم یعنی سخت گرمی ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا جنت میں نہ سخت گرمی ہوگی اور نہ ہی سخت سردی ہوگی، اس میں معتدل ہوا ہوگی۔ ابن مبارک اور عبداللہ بن احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی زوائد میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا جنت راحت بخش ہے، نہ اس میں سخت گرمی ہوگی اور نہ ہی ٹھنڈک ہوگی۔ یہاں زمہریر سے مراد چاند ہے یا ستاروں کا چمکنا ہے۔ اس کا معنی ہوگا کہ جنت بذات خود روشن ہے اور اپنے رب کے نور سے چمک رہی ہے۔ اسے نہ سورج کی ضرورت ہوگی نہ چاند کی ضرورت ہوگی۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعیب بن جیجان سے نقل کیا ہے کہ میں اور ابوعالیہ ریاحی سورج کے طلوع ہونے سے پہلے نکلے اور کہا یہ کہا جاتا ہے کہ جنت اس طرح ہوگی۔ پھر یہ آیت تلاوت کی وظل ممدود۔ میں کہتا ہوں ابوالعالیہ کے قول الجنة هكذا کا مطلب یہ نہیں کہ وہ جنت کو صبح کے نور کے ساتھ تشبیہ دے رہے تھے کیونکہ صبح کی روشنی کمزور ہوتی ہے اور تاریکی کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔ بلکہ ان کا مقصود یہ تھا کہ جنت کا نور اس طرح پھیلے گا جس طرح صبح کا نور پھیلا ہوا ہے۔

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾

"اور قریب ہوں گے ان سے اس کے درختوں کے سائے اور میووں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے اور گردش میں ہوں گے [1] ان کے سامنے چاندی کے ظروف اور شیشہ کے چمکدار گلاس [2] (اور) شیشے بھی وہ جو چاندی کی قسم کے ہوں گے ساقیوں نے انہیں پورے اندازہ سے بھرا ہوگا [3]"

[1] دانیة کا معنی قریب ہے۔ اس کا عطف متکئین پر ہے یا لا یرون کے محل پر اس کا عطف ہے یا اس کا عطف جنة پر ہے جبکہ اس سے پہلے موصوف محذوف ہوگا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی وَجَنَّةً اُخْرٰی دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مثل ہوگا وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ۔ لیکن اس تاویل میں کمزوری ہے کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ پہلی جنت کے سائے قریب نہ ہوں گے کیونکہ تقسیم شرکت کے منافی ہے۔ ظللها یہ دانیة کا فاعل ہے۔ ظللت یہ ظلالها سے حال ہے۔ اس سے پہلے قد مضمر ہوگا یا اس کا دانیة پر عطف ہوگا۔ جس طرح فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا کا عطف ہے۔ یا دانیة کے ذوالحال سے یہ حال ہے جبکہ ضمیر عائد محذوف ہے۔ قطوف کا معنی پھل ہے۔ تذلیلا یعنی ان کا حاصل کرنا آسان ہے۔ جنتی جیسی حالت میں بھی ہوں گے ان کا توڑنا مشکل نہ ہوگا۔ سعید بن منصور اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جنتی جنت کے پھلوں میں سے کھڑے، بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے ہر حالت میں کھائیں گے۔

[2] اکواب ایسے برتن جن کے دستے نہ ہوں گے۔ ہناد نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ کانت قواریرا یہ جملہ اکواب کی صفت ہے۔ کان کو تامہ مانا جائے تو قواریرا یہ کانت کے اسم سے حال ہوگا، یعنی وہ برتن ایسے ہوں گے جیسے شیشے۔ اگر کان کو ناقصہ مانا جائے تو قواریر اس کی خبر ہوگی، یعنی وہ صفائی میں شیشے کی طرح ہوں گے۔ (1)

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 478 (العلمیہ)

سعید بن منصور اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اگر تو دنیا کی چاندی سے مچھر کے پر جتنی لے اور اسے یہاں تک کہ تو اسے مکھی کے پر کی طرح باریک بنا دے۔ اس کے باوجود تو اس کے پیچھے سے پانی نہیں دیکھ سکتا لیکن جنت کے برتنوں کی حالت یہ ہے کہ وہ چاندی جیسی سفیدی اور شیشے جیسی صفائی کے حامل ہوں گے۔(1)

قواریر من فضة یہ پہلے قواریر سے بدل ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جنت میں کوئی نعمت ایسی نہیں مگر دنیا میں بھی اس جیسی نعمتیں عطا کی گئیں۔ جنت کے چاندی کے قواریر کے مشابہ دنیا کے قواریر تھا(2)۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے قواریر اسی زمین کی مٹی سے بنائے ہیں۔ جنت کی زمین کیونکہ چاندی کی ہے اس لئے اس کے بلوری برتن چاندی کے ہوں گے جن میں جنتی پئیں گے(3)۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے قواریر کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے تا کہ آیات کے سرے مناسب ہو جائیں اور دوسرے کو تنوین کے بغیر پڑھا ہے کیونکہ وہ غیر منصرف ہے۔ نافع، کسائی اور ابو بکر رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ جس نے دوسرے کو بھی الف کے ساتھ پڑھا ہے وہ تنوین کا عوض ہے اور جس نے تنوین نہیں پڑھی اس نے قیاس کے مطابق الف پر وقف کیا ہے مگر ہشام نے الف کے ساتھ وقف کیا ہے تا کہ فتحہ کے ساتھ تعلق قائم ہو جائے۔

قدروها تقديرا یہ اکواب کی دوسری صفت ہے یا قدر کی تقدیر کے ساتھ یہ حال ہے۔ معنی یہ ہوگا ساقیوں اور خادموں نے ان کی طلب کے مطابق اندازہ لگایا ہے نہ کم اور نہ ہی زیادہ۔ فریابی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ شیخ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا شائد یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پیالوں کے اندازے معرفت الٰہیہ میں روحوں کی استعداد کے مطابق ہوں گے(4)۔ ہناد نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے ان کی تقدیر کا مطلب یہ ہوگا نہ وہ اتنے بھرے ہوں گے کہ وہ چھلک جائیں نہ ہی کناروں سے کم ہوں گے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ جنتی اپنے دلوں میں اندازہ لگائیں گے اور تمنا کریں گے تو وہ اسی اندازے اور شکل میں موجود آ جائیں گے یا وہ اپنے اعمال کے مطابق ان کا اندازہ لگائیں گے تو وہ اسی حساب سے آ جائیں گے۔

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ۞ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّى سَلْسَبِيلًا ۞

”اور انہیں پلائے جائیں گے وہاں (ایسی شراب کے) جام جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی (یہ زنجبیل) جنت میں ایک چشمہ ہے جس کو سلسبیل کہا جاتا ہے“[1]

اس جملہ کا عطف یطاف علیهم پر ہے۔ یہاں کاس سے مراد مشروب ہے۔ یا تو اس کا اطلاق حقیقت کے اعتبار سے ہے یا مجاز کے اعتبار سے جیسے یہ جملہ بولتے ہیں جرى النهر۔

كان مزاجها زنجبيلا یہ کاس کی صفت ہے۔ عرب اس شراب سے لطف اندوز ہوتے جس میں زنجبیل (سونٹھ) کی آمیزش ہوتی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے اسی چیز کا وعدہ کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جنت کی جن چیزوں کا ذکر کیا ہے اور ان کا نام لیا ہے دنیا میں اس کی مثال نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ جنت میں ایک چشمہ ہے جس میں زنجبیل کا

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 487 (العلمیۃ)　2۔ ایضاً　3۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 160 (التجاریۃ)
4۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 487 (العلمیۃ)

ذائقہ ہوگا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے صرف مقرب پئیں گے۔ باقی جنتیوں کو اس میں سے کچھ ملا کر پلایا جائے گا(1)۔ یہ پینے والوں کی رغبت کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ جس کی طبیعت میں گرمی ہو اسے ٹھنڈی چیز پسند ہوتی ہے تو وہ ایسے جام کو پسند کرتا ہے جس میں کافور کی آمیزش ہو، جسے سردی لگی ہو اسے ایسی چیز خوشگوار محسوس ہوتی ہے جو گرمائش عطا کرے۔ ہر ایک کے لئے وہ کچھ ہوگا جس میں وہ رغبت رکھتا ہے۔

عینا یہ زنجبیلا سے بدل ہے۔ یہ تعبیر اس وقت درست ہوگی جب زنجبیل چشمے کا نام ہو، ورنہ یہ کاس سے بدل ہوگا جبکہ عین سے پہلے مضاف محذوف ہوگا۔ سعید بن منصور، ہناد اور بیہقی نے مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے سلسبیل نیزے کے نرم لوہے کو کہتے ہیں(2) جو شراب حلق سے آسانی کے ساتھ اتر جائے اسے کہتے ہیں سلسل سلسالا و سلسبیلا۔ ایک قول یہ کیا گیا اس میں باء زائدہ ہے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اسے یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ یہ ان کے مطیع ہوگا وہ جہاں چاہیں گے اسے لے جائیں گے۔ مقاتل اور ابو العالیہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اسے یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ وہ راستے اور ان کے گھروں میں بہے گا۔ یہ چشمہ عرش کے نیچے سے نکلے گا اور جنتیوں کی طرف بہے گا۔ جنت کی شراب میں کافور کی ٹھنڈک، زنجبیل کا ذائقہ اور کستوری کی خوشبو ہوگی۔(3)

وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾
وَ اِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا ﴿۲۰﴾

''اور چکر لگاتے رہیں گے ان کی خدمت میں ایسے بچے جو ایک ہی حالت پر رہیں گے جب تو انہیں دیکھے تو یوں سمجھے گویا یہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں[1] اور جدھر بھی تم وہاں دیکھو گے تمہیں نعمتیں ہی نعمتیں اور وسیع مملکت نظر آئے گی[2]''

[1] اس کا عطف سابقہ جملہ پر ہے۔ والدان سے مراد وہ بچے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ مومنوں کی خدمت کے لئے پیدا فرمائے گا یا اس سے مراد کافروں کے بچے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ جنتیوں کا خادم بنا دے گا۔ وہ بچے نہ مریں گے اور نہ ہی بوڑھے ہوں گے۔ جب تو انہیں خدمت کے لئے بکھرا ہوا دیکھے گا تو تو خیال کرے گا کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ اگر وہ صف میں ہوں تو انہیں پروئے ہوئے ہار کے ساتھ تشبیہ دینا درست ہوگا۔ یہ جملہ شرطیہ ولدان کی دوسری صفت ہے۔ ابن مبارک، ہناد اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ سب سے کم درجے والا جنتی وہ ہوگا جس پر ایک ہزار خادم دوڑ رہے ہوں گے۔ ہر ایک کے پاس ایسی چیز ہوگی جو دوسرے کے پاس نہیں ہوگی(4) پھر یہ آیت تلاوت کی۔ ابن ابی الدنیا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے کم درجے والا جنتی وہ ہوگا جس کے سر پر دس ہزار خادم کھڑے ہوں گے(5)۔ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سب سے کم درجے والا وہ جنتی ہوگا جس پر پانچ ہزار خادم آجا رہے ہوں گے۔ ہر ایک خادم کے پاس وہ چیز ہوگی جو دوسرے کے پاس نہیں ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم(6)۔

ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ آپ چھال کی چٹائی پر سوئے ہوئے تھے جس کے نشانات آپ کے پہلو پر لگے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 160 (التجاریۃ)
2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 488 (العلمیۃ)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 161 (التجاریۃ)
4۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 488 (العلمیۃ)
5۔ مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 741 (الفکر)
6۔ الترغیب والترہیب، جلد 4، صفحہ 509 (الفکر)

رونے لگے۔ حضور ﷺ نے پوچھا تم کیوں روتے ہو؟ عرض کی مجھے کسریٰ اور اس کا ملک، ہرمز اور اس کا ملک یاد آگیا اور ... آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور چھال کی چٹائی پر آرام فرما رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت (1) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

رأیت فعل کا مفعول بہ حذف کر دیا گیا اور اسے لازم کے قائم مقام بنا دیا گیا۔ ثم یہ رأیت کی ظرف ہے۔ یہ جملہ شرطیہ ہے جس کا جواب ... ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کم درجے کا جنتی وہ ہو گا جو اپنی جنتوں، بیویوں، خادموں اور پلنگوں کو ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھے گا۔ ایک روایت میں ہے دو ہزار سال کی مسافت سے دیکھے گا۔ وہ انتہائی دور حصہ کو بھی اسی طرح دیکھے گا جس طرح قریب کو دیکھتا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ نعمت زائل نہ ہوں گی۔ فرشتے انہیں سلام کریں گے۔ ان کے پاس آنے سے پہلے اجازت طلب کریں گے۔ ان کے لئے جنت میں دو چیزیں ہوں گی جو وہ دیکھیں گے اور وہ رب جلیل کا دیدار کریں گے۔

عٰلِیَهُمْ ثِیَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ٘ وَّ حُلُّوْۤا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ٘ وَ سَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (21)

"ان کے اوپر لباس ہو گا باریک سبز ریشم کا (بنا ہوا) اور اطلس کا اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور پلائے گا انہیں ان کا پروردگار نہایت پاکیزہ شراب۔"

نافع اور حمزہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے عٰلیھم میں یاء کو ساکن پڑھا ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے اور مابعد اس کی خبر ہے۔ یہ جملہ معطوف علیہم کی ھم ضمیر سے حال ہے یا حسبتھم کی ھم ضمیر سے حال ہے یا ملکا کبیرا سے حال ہے۔ اس سے پہلے اھل کا لفظ مضاف محذوف ہے۔ باقی قراء نے یاء پر نصب پڑھی ہے کیونکہ یہ ظرف مستقر ہے جو فوقھم کے معنی میں ہے۔ یہ مابعد کی خبر ہے یا مذکورہ ضمیر سے حال ہے اور مابعد اسم مرفوع اس ظرف کا فاعل ہے۔

ثیاب سندس مضاف الیہ مبتدا اور خبر ہے یا قبل ظرف کا فاعل ہے۔ سندس معرب لفظ ہے۔ باریک ریشم کو سندس کہتے ہیں۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔ خضر کا معنی سبز ہے۔ نافع، حفص، ابو عمرو اور ابن عامر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ ثیاب کی صفت ہے۔ باقی نے اسے مجرور پڑھا ہے کیونکہ یہ سندس کی صفت ہے۔

استبرق یہ موٹے ریشم کو کہتے ہیں۔ یہ استروہ سے معرب ہے یا ایسا ریشم ہے جو سونے سے بنایا جاتا ہے یا دیباج یا ریشم کے موٹے کپڑے کو کہتے ہیں۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔

نافع، ابن کثیر اور عاصم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے ثیاب پر معطوف کرتے ہوئے اسے مرفوع پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مجرور پڑھا ہے کیونکہ یہ سندس پر معطوف ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمیں جنت کے کپڑوں کے بارے میں بتائیے، کیا وہ پیدا کئے جائیں گے یا بنے جائیں گے؟ ... حضور ﷺ نے فرمایا بلکہ یہ جنت کے پھل سے نکلیں گے۔ یہ جنت کا پھل ہے۔ اسے امام نسائی، بزار اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جنت میں ایک درخت ہے جو سندس اگائے گا۔ جنتیوں کے کپڑے اسی سے ہوں گے۔

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 489 (العلمیہ)
2۔ الترغیب والترہیب، جلد 4، صفحہ 507 (الحلبی)

گے۔ اسے بزار، طبرانی اور ابویعلی رحمہم اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم پہنا اللہ تعالیٰ آخرت میں اسے ریشم نہیں پہنائے گا، متفق علیہ (1)۔ امام نسائی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ زائد ہیں جس نے دنیا میں شراب پیا وہ آخرت میں شراب نہیں پیئے گا، جو دنیا میں سونے اور چاندی کے برتن میں شراب پیئے گا وہ آخرت میں ان دونوں سے شراب نہیں پیئے گا۔ صحیحین میں حضرت انس اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی حدیث مروی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی حدیث مروی ہے، اس میں یہ الفاظ زائد ہیں اگر وہ جنت میں داخل ہوا تو ریشم زیب تن نہیں کرے گا۔ طیالسی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ نیز نسائی، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔

وحلوا کا عطف ویطوف علیهم پر ہے یا عالیهم میں هم ضمیر سے یہ حال ہے اور اس سے پہلے قد محذوف ہے۔ اساور سے پہلے حرف جار محذوف ہے جس کی وجہ سے یہ منصوب ہے۔ من فضة میں من بیانیہ ہے۔ یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اساور من ذهب کے مخالف نہیں کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں قسم کے کنگن انہیں پہنائے جائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یکے بعد دیگرے انہیں یہ کنگن پہنائے جائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں اور بعض کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں۔ اگر اس جملہ کو خدم کی ضمیر سے حال بنایا جائے تو پھر یہ ممکن ہے کہ چاندی کے کنگن خادموں کے ہوں اور جنتیوں کے کنگن سونے کے ہوں۔ ایک کنگن چاندی کا ہو اور ایک کنگن موتیوں کا ہو۔ ابوالشیخ نے عظمت میں کعب الاحبار سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو ابتدائے آفرینش سے جنتیوں کے لئے زیور بنا رہا ہے اور قیامت کے آنے تک یہ سلسلہ جاری رکھے گا۔ اگر جنتیوں کے زیور میں سے کوئی زیور دنیا میں ظاہر ہو جائے تو وہ سورج کی روشنی کو بھی مٹا دے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مومن کے زیور وہاں تک پہنچیں گے جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے (2)۔ امام نسائی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے عقبہ بن عامر سے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے اگر تم جنت کا زیور اور ریشم پسند کرتے ہو تو دنیا میں انہیں نہ پہنو۔ (3)

وسقهم الخ اس جملے کا عطف بھی سابقہ جملہ پر ہے۔ شراب طهور سے مراد یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی گندگی سے پاک ہوگا۔ اسے ہاتھوں نے نہیں چھوا ہوگا جس طرح دنیا کا شراب ہوتا ہے جس میں آلودگی بھی ہوتی ہے اور لوگ اسے بناتے ہیں۔ ابوقلابہ اور ابراہیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا کہ وہ شراب ناپاک پیشاب کی شکل میں تبدیل نہیں ہوگا بلکہ وہ ان کے بدن سے پسینے کی صورت میں نکل جائے گا اور اس کی خوشبو کستوری جیسی ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ انہیں کھانا دیا جائے گا۔ جب وہ کھانا ختم کرنے والے ہوں گے تو انہیں یہ مشروب دیا جائے گا۔ وہ اسے پئیں گے۔ اس کے ساتھ ان کے پیٹ پاک ہو جائیں گے۔ انہوں نے جو کچھ کھایا ہوگا وہ پسینہ بن جائے گا جو ان کی جلد سے نکل جائے گا، جو کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوگا۔ اسی کے ساتھ ان کی خواہش لوٹ آئے گی۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا شراب طهور سے مراد جنت کے دروازے پر پانی کا چشمہ ہے۔ اس سے جو بھی پئے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل سے کینہ اور حسد نکال دے گا (4)۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 867 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 127 (قدیمی)
3۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 145 (صادر)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 161 (التجاریہ)

WWW.NAFSEISLAM.COM

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور کیا خوب کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے ایک اور قسم کی شراب مراد لی ہے جو پہلی دونوں قسموں سے اعلیٰ ہے۔ اسی وجہ سے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف کی ہے اور اس کی صفت طہوریت سے لگائی یعنی یہ پینے والے کو ہر قسم کی لذتوں اور غیر کی طرف مائل ہونے سے پاک کر دیتی ہے۔ پس اسے پینے والا اللہ تعالیٰ کے جمال کے مشاہدہ اور اس کی ملاقات سے لذت حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو الگ تھلگ کر لیتا ہے۔ یہ صدیقین کے درجہ کی انتہا ہے (یہی وہ پینا ہے جس کی علامات کا ذکر ہوا ہے)۔ ابرار کا ثواب اور ان کے ثواب کی انتہا تھی جبکہ صدیقین کے ثواب کا آغاز اور انتہائی مرتبہ تھا۔ اس میں سے ایک قول یہ کیا گیا کہ ملائکہ صدیقین پر شراب پیش کریں گے تو وہ فرشتوں سے قبول کرنے سے انکار کر دیں گے اور ... کے صدقے ... ہاتھوں کے ذریعے ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے تو غیب سے بغیر ہاتھوں کے جام ان کے منہ تک پہنچیں گے۔ اس قول کی تائید وہ قول بھی کرتا ہے جسے ابن ابی الدنیا نے عمدہ سند کے ساتھ ابو ... رحمۃ اللہ علیہ سے ... کہا ایک جنتی جب شراب کی خواہش کرے گا تو وہ شراب اس کے ہاتھ میں آ جائے گی۔ وہ اسے پیئے گا پھر وہ برتن اپنی جگہ واپس چلا جائے گا۔ شیخ ابن یعقوب کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ سابقین مقربین کو عرش کے نیچے سے بغیر واسطے کے جام دیئے جائیں گے۔ ابرار کو فرشتے جام پیش کریں گے اور وہ جنتی جو مغفرت یا عذاب پانے کے بعد جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں بچے جام پیش کیا کریں گے۔ میں کہتا ہوں یہ آیات ابرار کی شان کو بیان کرتی ہیں۔ شاید کبھی انہیں شراب بچوں کے ذریعے کبھی فرشتوں کے ذریعے اور کبھی واسطوں کے بغیر جام دیئے جائیں گے۔ جہاں تک مقربین کا تعلق ہے انہیں شاید عموماً بغیر واسطے کے جام دیئے جاتے ہیں گے۔

إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا ﴿٢٢﴾ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنزِيلًا ﴿٢٣﴾

"(انہیں کہا جائے گا) یہ تمہارا صلہ ہے اور (مبارک ہو) تمہاری کوششیں مقبول ہوئیں۔ بے شک ہم نے ہی (اے حبیب!) آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے کلام نازل کیا ہے۔"

مشکورا کا معنی پسندیدہ اور مقبول ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنتیوں کے لئے کلام ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کا شکریہ ادا کیا یعنی ان کی کوشش کو قبول فرمایا کیونکہ انہوں نے مسکین اور یتیم کی رضا کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں کو ان کے اعمال کی جزا بطور فضل و احسان بنایا ہے۔ ورنہ انسان کا کونسا عمل ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کی ایسی جزا ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تنزیلا کا معنی یہ کیا ہے کہ آیت کے بعد آیت متفرق طور پر نازل کی ہے، ایک ہی بار نازل نہیں فرمایا(2)۔ یہاں پہلے مسند الیہ کو لانا، ابتداء میں إنّ تاکید ذکر کرنا اور ضمیر کو مکرر لانا اس بات کا شعور دلانے کے لئے ہے کہ ... حکمت و صواب اسی قسم میں منحصر ہے۔ گویا اس فعل کی نسبت کو اپنی طرف مکرر ذکر کیا اور اپنی ذات کے ساتھ اسے مختص کیا اور حکیم حکمت سے بعید کوئی کام نہیں کرتا۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُورًا ﴿٢٤﴾

"اور اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے اور نہ کہنا مانئے ان میں سے کسی بدکار یا احسان فراموش کا۔"

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 776 (فراس)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 162 (التجاریہ)

WWW.NAFSEISLAM.COM

لے اس میں فاء جزائیہ ہے۔ مطلب یہ ہے جب آپ نیکوں اور بروں کی حالت اور آخرت کے احوال جان چکے ہیں تو کفار کی اذیتوں پر صبر کیجئے۔ آپ ان کی سزا میں جلدی نہ کریں اور ان کے خلاف آپ کے غلبہ میں جو دیر ہو رہی ہے اس پر جلدی نہ مچائیں اور جب آپ کو یہ علم ہو چکا ہے کہ قرآن کو نازل کرنے کا عمل اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے تو جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جس سے منع کیا گیا ہے اس پر صبر کریں۔ کامیابی میں تاخیر پر تنگ ہونے کی وجہ سے آپ گناہگار کی اطاعت نہ کریں جو آپ کو گناہ کی طرف دعوت دے رہا ہے اگرچہ وہ گناہ کفر نہ ہو اور نہ ہی کافر کی اطاعت کریں جو آپ کو کفر کی طرف بلا رہا ہے۔

او کی وجہ سے یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ گناہگار کی اطاعت کرنا منع ہے یا ناشکرے کی اطاعت کرنا منع ہے مگر یہ شبہ درست نہیں کیونکہ یہاں نکرہ (اثم اور کفور) نفی کے تحت داخل ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے۔ معنی یہ ہوگا آپ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کریں جو آپ کو گناہ کی طرف بلاتا ہو یا کفر کی طرف بلاتا ہو یا ان دونوں کی طرف بلاتا ہو کیونکہ وہ تو گناہ اور کفر دونوں کی طرف بلانے والا ہے۔ اگر یہاں او کی جگہ واؤ ہوتی تو پھر معنی یہ ہوتا جو آپ کو کفر اور گناہ دونوں کی طرف دعوت دے اس کی اطاعت نہ کرو۔ اس سے یہ معنی سمجھ نہیں آتا کہ جو صرف گناہ کی طرف دعوت دیتا ہے اس کی اطاعت بھی نہ کرو۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کافر کی ایسی بات میں اطاعت کرنے میں کوئی حرج نہیں جو گناہ اور کفر نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں او واؤ کے معنی میں ہے۔

اثم اور کفورا دونوں سے مراد ابوجہل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہے۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ جب نماز فرض ہوئی تو ابوجہل نے حضور ﷺ کو نماز سے منع کیا تھا اور کہا اگر میں نے محمد (ﷺ) کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو میں ان کی گردن روند ڈالوں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ عبدالرزاق، ابن منذر اور ابن جریر نے قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اثم سے مراد عتبہ بن ربیعہ اور کفورا سے مراد ولید بن مغیرہ تھا۔ دونوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا جو کچھ تم نے کیا اگر عورتوں اور مال کے لئے کیا تو اس معاملہ کو چھوڑ دو۔ عتبہ نے کہا میں اپنی بیٹی کی شادی تم سے کرتا ہوں اور بغیر مہر تیرے پاس بھیج دیتا ہوں۔ ولید نے کہا میں تجھے اتنا مال دے دوں گا جس سے تو راضی ہو جائے گا۔ اس لئے اس امر سے لوٹ آ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(1)

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٢٥﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿٢٦﴾

"اور یاد کرتے رہا کرو اپنے رب کے نام کو صبح بھی اور شام بھی لے اور رات (کی تنہائیوں میں) بھی اس کو سجدہ کیا کیجئے اور رات کا فی وقت اس کی تسبیح کیا کیجئے ۲۔"

لے اذکر کا معنی ہے تم نماز پڑھو۔ نماز کو ذکر سے تعبیر کرنا ایسے ہی ہے جیسے جزء بول کر کل مراد لیا جائے کیونکہ تکبیر تحریمہ نماز کا ایک رکن ہے یا کہا جاتا ہے کہ نماز کے اقوال اور افعال سب اللہ تعالیٰ کے ذکر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز لوگوں کی کلام نہیں بلکہ یہ تسبیح، تکبیر اور قرآن کی تلاوت ہے(2)۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے معاویہ بن حکم سے روایت کیا ہے۔ بکرۃ کا لغوی معنی دن کا پہلا حصہ ہے لیکن یہاں اس سے مراد صبح کی نماز ہے۔ یہ مفعول فیہ ہونے کے اعتبار سے منصوب ہے۔ اسی طرح اصیل سے مراد دن کا آخری حصہ ہے۔ یہاں اس سے مراد ظہر اور عصر کی نماز ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 162 (التجاریہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 203 (قدیمی)

ہے۔ یہاں نماز کو سجود سے تعبیر کیا ہے۔ یہاں اس سے مراد ظہر اور عصر کی نماز ہے۔ جب رات کی نماز میں زیادہ مشقت ہوتی ہے تو اس ظرف کو مقدم کرنے اور فاء کو زائد لانے کے ساتھ مؤکد کیا۔ گویا یہاں اما مقدر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی واما من اللیل فاسجد۔ یہاں نماز کو تسبیح سے تعبیر کیا۔ اس سے مراد رات کا قیام ہے۔ طویلا یہ محذوف مصدر کی صفت ہے یعنی تسبیحا طویلا۔ اس سے مراد نصف رات، اس سے کم یا اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿٢٧﴾ نَّحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ ۖ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا ﴿٢٨﴾

"بے شک یہ لوگ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور پس پشت ڈال رکھا ہے انہوں نے بڑے سخت دن کو۔ ہم نے ہی ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جوڑ بند مضبوط کئے ہیں اور جب ہم چاہیں تو ان کی شکلوں کو بدل کر رکھ دیں گے"

ہؤلاء سے مراد کفار مکہ ہیں۔ وہ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور قیامت کو انہوں نے پس پشت ڈال رکھا ہے۔ یوما ثقیلا ... سے بطور مجاز استعمال ہوا جو مشقت میں اپنی انتہا کو پہنچا ہو۔ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے فرمان لا تطع منهم کی علت ہے۔ معنی یہ ہوگا دنیا میں جو کچھ کرتے رہے ہیں اس میں گنہگار ہیں اور آخرت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اس لئے ان کی اطاعت نہ کیجئے۔

ہم نے ان کی بناوٹ کو اور جوڑوں کو مضبوط کیا اور جب چاہیں گے ان کی جگہ دوسرے لے آئیں گے یا ان سے مضبوط ... تبدیلا یہ مفعول مطلق ہے اور تاکید کے لئے ذکر کیا ہے۔ جملہ شرطیہ کا عطف شددنا پر ہے۔ نحن خلقنهم ... اس کا معطوف کفار کے کفر پر طعن کرنے کے لئے ذکر کیا کیونکہ انہوں نے نعمت کے مقابلہ میں کفر کیا ... اس نعمت کو خاص طور پر ذکر کیا کیونکہ یہ تمام نعمتوں کی اصل ہے۔ اذا شئنا کے جملہ میں حضور ﷺ کے لئے ... نے کفار سے تکالیف برداشت کی ہیں اور آپ سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا کہ وہ انہیں ہلاک کر دے گا اور انہیں ایسی قوم سے بدل دے گا جو اطاعت شعار ہوگی جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بدر کے روز ہلاک کر دیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اذا یہاں ان کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو بدل دے مگر اس نے ابھی تک نہیں چاہا۔

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٣٠﴾ يُدْخِلُ مَن يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ ۚ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٣١﴾

"بے شک یہ ایک نصیحت ہے پس جس کا جی چاہے اختیار کر لے اپنے رب کے قرب کا راستہ اور (اے لوگو) تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے بجز اس کے کہ اللہ خود چاہے بے شک اللہ تعالیٰ علیم ہے حکیم ہے۔ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کے لئے تو اس نے تیار کر رکھا ہے دردناک عذاب"

هذه اسم اشارہ سے مراد سورت یا آیات ہیں۔ تذکرہ سے مراد نصیحت ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی رضا کی طرف جانے والے راستے کو واضح کرتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا تقرب اور اس راستے پر چلنا چاہے وہ طاعت، دائمی ذکر، اخلاص اور حضور ﷺ کی اتباع ...

اپنے اوپر لازم کرے۔

۲۔ نافع رحمۃ اللہ علیہ اور کوفہ کے قراء نے تاء کے ساتھ مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے یعنی اے لوگو تمہاری یا کفار کی اللہ تعالیٰ کے راستہ کو اپنانے یا کسی اور چیز کو اپنانے کی مشیت اس وقت تک نہیں پائی جاسکتی جب تک اللہ تعالیٰ کی بھی وہی مشیت نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام بنی آدم کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان اس طرح ہیں جس طرح ایک دل ہوتا ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے اسے پھیر دیتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ، اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (۱)۔ جب مومنین کی ہدایت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت پائی جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ کو اپنا لیتا ہے اور جب کفار کی ہدایت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت نہیں ہوتی تو وہ اس راستہ کو نہیں اپناتا۔ جو کوئی جس کا اہل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے واقف ہوتا ہے۔ ایک انسان وہی کچھ کرتا ہے جس کا وہ اہل ہوتا ہے۔ یہ امر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان میں خیر اور شر کی استعداد پہلے سے موجود ہوتی ہے کیونکہ مومنین کے تعینات کا مبدأ اللہ تعالیٰ کا اسم ہادی ہے اور کفار کے تعینات کا مبدأ اللہ تعالیٰ کا نام مضل ہے اور وہ وہی چاہتا ہے جو اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسے جنت میں داخل کر دیتا ہے کیونکہ جنت رحمت کا محل ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان اور تصدیق اس کے دل میں ڈالتا ہے اور اپنی محبت اس کے سر میں ڈالتا ہے، اسے طاعت اور اس پر دوام اختیار کرنے کی توفیق دیتا ہے اور کفر و نافرمانی سے نفرت دلاتا ہے۔

الظلمین یہ فعل محذوف کے ساتھ منصوب ہے۔ جس کی تفسیر مابعد فعل کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی یُعَذِّبُ الظّٰلِمِیْنَ۔ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا والے جملے اور الظلمین والے جملے کا عطف یدخل والے جملہ پر ہے۔ یہ دونوں جملے ما یشاء ون الا ان یشاء اللہ کے مضمون کی وضاحت کرتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 335 (قدیمی)

سورة المرسلت

ایاتہا ۵۰ | سورۃ المرسلت مکیۃ ۷۷ | رکوعاتہا ۲

سورۃ المرسلت مکی ہے اس میں دو رکوع اور پچاس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ﴿۶﴾

"(ان ہواؤں کی) قسم جو پے در پے بھیجی جاتی ہیں پھر ان کی (قسم) جو تند و تیز ہیں اور ان کی قسم جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں پھر ان کی جو بادلوں کو پارہ پارہ کرنے والی ہیں پھر ان کی قسم جو (دلوں میں) ذکر الٰہی القاء کرنے والی ہیں حجت تمام کرنے کیلئے یا ڈرانے کیلئے ہے۔"

ابن کثیر، ابو عمرو اور خلف رحمہما اللہ تعالیٰ نے فالملقیت ذکرا میں تاء کو ذال میں ادغام کیا ہے جبکہ جمہور نے اظہار کے ساتھ پڑھا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مرسلت عرفا سے مراد وہ فرشتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے امر اور نہی کے ساتھ بھیجا ہے۔ یہ وہ روایت ہے جسے انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (1)۔ اس صورت میں عرفا مفعول لہ ہوگا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ عرفا حال ہو جو تتابعت کے معنی میں ہو۔ یہ عرف الفرس سے مشتق ہے یعنی ان فرشتوں کی قسم جو ایک دوسرے کے پیچھے بھیجے گئے۔ جب انہیں بھیجا گیا تو انہوں نے حکم بجا لانے میں جلدی کی۔ یہ عصف الریاح سے مشتق ہے اور انہوں نے شریعت کو زمین میں پھیلا دیا۔ انہوں نے کتابوں کو زمین میں پھیلایا اور انہیں نازل کرنے کی صورت میں ہے۔ یا اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو جو علم عطا فرمایا تھا اس کے ذریعے جہالت کی وجہ سے مردہ دلوں کو زندہ کیا اور ان فرشتوں نے حق اور باطل میں فرق کیا اور انبیاء کی طرف وحی یا مومنین کے دلوں میں یقین القاء کیا۔

مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس (مرسلات) سے مراد ہوائیں ہیں جنہیں پے در پے بھیجا گیا (2)۔ ان کلمات کا معنی یہ ہے قسم ہے ان ہواؤں کی جو تیزی سے چلتی ہیں، بادلوں کو فضا میں پھیلاتی ہیں اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہیں، اس کے بعد انہیں بکھیر دیتی ہیں اور ذکر کے القاء کا سبب بنتی ہیں کیونکہ دانشمند آدمی جب ہواؤں کے چلنے اور ان کے آثار کو دیکھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی کمال قدرت کو یاد کرتا ہے جبکہ وہ مایوس ہو چکے تھے۔ اس کے بعد وہ بارش کی نعمت پر شکر بجا لاتے ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ان کلمات سے مراد قرآن کی آیات ہوں جنہیں بھلائی کے ساتھ حضور ﷺ کی طرف بھیجا گیا۔ انہوں نے سابقہ ادیان کو منسوخ کر کے مٹا دیا، مشرق و مغرب میں ہدایت کے آثار اور احکام کو پھیلا دیا، حق اور باطل میں جدائی کر دی اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 163 (التجاریہ)

2۔ ایضاً

میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو القاء کیا۔ یا ان سے مراد ان انبیاء کے نفوس ہیں جنہیں لوگوں کی ہدایت، راہنمائی اور احکام کی تبلیغ کے لئے بھیجا گیا۔ انہوں نے احکام کی بجا آوری اور منہیات سے روکنے میں جلدی کی، ہدایت کو پھیلایا، حق اور باطل میں جدائی کی اور امت کے دلوں اور زبانوں پر اللہ تعالیٰ کے ذکر کو القاء کیا۔

۲۔ قاری ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، انہوں نے عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ عذرا کے ذال پر ضمہ ہے۔ یہی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی قرأت ہے جبکہ باقی قراء نے ذال کو ساکن پڑھا ہے۔

نافع، ابن کثیر اور ابن عامر اور ابوبکر رحمہم اللہ تعالیٰ نے نذرا کو ذال کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔ جب یہ دونوں لفظ ذال کے سکون کے ساتھ ہوں تو یہ مصدر ہوں گے عذر کا معنی گناہ کو مٹانا اور نذر کا معنی ڈرانا ہے۔ جب ذال مضموم ہو تو عذر عذیر کی جمع ہوگی جس کا معنی مٹانا ہے اور نذر نذیر کی جمع ہوگی جس کا معنی ڈرانا ہے۔ دونوں کا معنی پھر یہ ہوگا معذرت کرنے والا اور ڈرانے والا پہلی دو صورتوں (ا) میں یہ مفعول لہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہیں۔ مفہوم یہ ہوگا یہ پانچوں فعل اس لئے ہیں تاکہ مومن اپنے گناہوں کو مٹانے کے لئے معذرت کریں اور کافروں کو ڈرانے کے لئے انہیں خوفزدہ کیا جائے۔ یہ ہوائیں کفار کے لئے عذاب کی وعید کا سبب ہیں جب وہ بارش کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ یا یہ دونوں اسماء ذکراً سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں کیونکہ ذکر سے مراد وحی ہے اور تیسری صورت (ب) میں یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہیں۔

اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ ﴿٧﴾ فَاِذَا النُّجُوۡمُ طُمِسَتۡ ﴿٨﴾ وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتۡ ﴿٩﴾ وَ اِذَا الۡجِبَالُ نُسِفَتۡ ﴿١٠﴾ وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتۡ ﴿١١﴾ لِاَیِّ یَوۡمٍ اُجِّلَتۡ ﴿١٢﴾ لِیَوۡمِ الۡفَصۡلِ ﴿١٣﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا یَوۡمُ الۡفَصۡلِ ﴿١٤﴾

''بے شک جس بات کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گی ۱۔ پس اس وقت جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے ۲۔ اور جب آسمانوں میں شگاف پڑ جائیں گے ۳۔ اور جب پہاڑ (خاک بنا کر) اڑا دیئے جائیں گے ۴۔ اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر اکٹھا کیا جائے گا ۵۔ (تمہیں علم ہے) کس دن کے لئے یہ ملتوی کیا گیا ہے ۶۔ فیصلہ کے دن کے لئے ہے ۷۔ (اے مخاطب) تجھے کیا علم کہ فیصلے کا دن کیسا ہے؟ ۸''

۱۔ قیامت اور جزاء کا جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور واقع ہو کر رہیں گی۔ یہ جملہ جواب قسم ہے۔

۲۔ یعنی جب ستارے بے نور ہو جائیں گے اور ان کا نور ختم ہو جائے گا۔ اذا کا جواب محذوف ہے، وہی اذا میں عامل ہے۔ جواب یَفْصِلُ بَیْنَ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَهْلِ النَّارِ ہے۔

۳۔ فرجت کا معنی پھاڑ دینا ہے جس کی وجہ سے اس میں سوراخ ہو جائیں۔

۴۔ نسفت کا معنی اپنی جگہوں سے پہاڑوں کو اکھیڑ دیا جائے گا اور انہیں الٹ دیا جائے گا۔

۵۔ ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ نے اقتت کو وقتت پڑھا ہے۔ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ سے واؤ کے ساتھ مروی ہے جبکہ جمہور کے نزدیک ہمزہ کے ساتھ مروی ہے جو واؤ سے ہی بدلا ہوا ہے، یعنی امتوں کے خلاف شہادت کے لئے رسولوں کو لایا جائے گا۔

(ا) جب قسم میں مذکورہ اسماء سے مراد فرشتے اور ہوائیں لی جائیں۔ (ب) جب اس سے مراد آیات لی جائیں۔

؎ لای یوم یہ مابعد فعل کے متعلق ہے۔ جار مجرور کو مقدم اس لئے ذکر کیا گیا کیونکہ اسی کلام کے شروع میں آپ و تقاب آرہے ہے۔
جنت کا معنی احوت ہے، یعنی کیوں اس وقت کو موخر کیا گیا۔ یہاں استفہام تعجب اور ہولناکی بیان کرنے کے لئے ہے۔

؎ یہ لای یوم سے لئے بدل ہے اور اس کا بیان ہے۔ لای یوم والا جملہ جملہ معترضہ ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ افعل کا معمول ہو کیونکہ یہ اعلمت کے معنی کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔

؎ اس جملہ میں بھی استفہام تعجب اور تعظیم کے اظہار کے لئے ہے، یعنی وہ بہت ہی عظیم شے ہے تو اس کی حقیقت کو نہیں جانتا اور نہ ہی تو نے اس کی مثل کو دیکھا ہے۔

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝ اَلَمۡ نُهۡلِكِ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝ ثُمَّ نُتۡبِعُهُمُ الۡاٰخِرِيۡنَ ۝

"تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔ کیا ہم نے ہلاک نہیں کر دیا جو ان سے پہلے تھے۔ پھر ہم ان کے پیچھے پیچھے بھیج دیں گے بعد میں آنے والوں کو"

؎ ویل اصل میں مصدر ہے۔ اس کا معنی شر اور ہلاکت کا نازل ہونا ہے۔ یہ اصل میں مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہوتا ہے۔ اس کا فعل مضمر ہوتا ہے۔ اسے مبتدا بنا کر مرفوع ذکر کر دیا جاتا ہے تاکہ یہ ہلاکت اور شر کے ثابت ہونے پر دلالت کرے۔ یہ مدعا علیہ کے بعد بولا جاتا ہے۔

امام احمد، امام ترمذی، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام بیہقی، ابن ابی الدنیا اور ہناد رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کی ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی ہے، کافر اس کی تہہ میں پہنچنے سے پہلے چالیس سال تک اس میں گرتا رہے گا(1)۔ امام بیہقی اور ابن منذر رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ویل جہنم میں ایک وادی ہے جس میں جہنمیوں کی پیپ بہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وادی جھٹلانے والوں کے لئے پیدا کی ہے(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ امام بیہقی، ابن جریر اور ابن مبارک نے عطاء بن یسار رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی ہے جس میں پیپ ہوگی اگر پہاڑوں کو اس میں چلا یا جائے تو اس کی گرمی سے وہ پگھل جائیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ویل جہنم کا ایک پہاڑ ہے(3)۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ جہنم میں ایک پتھر ہے جسے ویل کہتے ہیں جس پر اہل عرافت (1) چڑھتے رہیں گے اور اترتے رہیں گے۔

یومئذ سے مراد قیامت کا دن ہے جس دن ستارے بے نور ہو جائیں گے۔ مکذبین کا مفعول بہ یوم الفصل ہے۔ للمکذبین یہ ظرف مستقر ہے اور ویل کی خبر ہے۔ یومئذ اسی شبہ فعل کی ظرف ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یومئذ ویل کی صفت کی ظرف مستقر ہے۔

؎ کیا ہم نے ان پہلوں کو ہلاک نہیں کیا جو اس عذاب کو جھٹلاتے تھے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم، قوم عاد اور قوم ثمود ہوئے۔

1۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 1، صفحہ 306 (ابن حزم) 2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 493 (العلمیۃ) 3۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 1، صفحہ 307

(1) اہل عرافت جو غیب دانی کا دعویٰ کرتے تھے یہ بھی کاہنوں کی ایک قسم تھی (مترجم)۔

تھے۔ یہ استفہام تقریری ہے۔

۳؎ آخرین سے مراد کفار مکہ ہیں جو اپنے پیش روؤں کے اسی طریقہ پر رواں دواں ہیں جس طرح وہ رسولوں کو جھٹلاتے تھے۔ یہ بھی حضور ﷺ کو جھٹلا رہے ہیں۔ اس کا عطف الم نهلک کے مضمون پر ہے، یعنی ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا پھر اس کے بعد میں آنے والے لوگوں کو ہلاک کریں گے۔

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٨﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٩﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿٢٠﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿٢١﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢٢﴾

"گناہگاروں کے ساتھ ہم ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں ۱؎ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ۲؎ کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں فرمایا ۳؎ پھر ہم نے رکھ دیا اسے ایک محفوظ جگہ (رحم مادر) میں ۴؎ ایک معین مدت تک ۵؎"

۱؎ کذلک مصدر محذوف کی صفت ہے، یعنی ہم مجرموں کے ساتھ اس طرح سلوک کرتے ہیں۔

۲؎ جس طرح ہم نے وعدہ کیا ہے اسی طرح اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہوگی۔

۳؎ یہاں استفہام تقریری ہے، یعنی یقیناً ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا کیا ہے اور وہ نطفہ ہے۔

۴؎ ہ ضمیر سے مراد پانی ہے اور قرار مکین سے مراد رحم ہے۔ فی قرار مکین ظرف مستقر جعلنه کا مفعول ثانی ہے۔ یہ اس صورت میں ہوگا جب جعل فعل صیّر کے معنی میں ہو۔ بصورت دیگر یہ ظرف لغو ہوگی اور جعلنا کے متعلق ہوگی اور جعلناه والا جملہ الم نخلقکم کے مضمون پر معطوف ہوگا۔ اس میں فاء تفسیر کے لئے ہے تعقیب کے لئے نہیں۔ یا یہ ترکیب میں قلب پر محمول ہوگا۔

۵؎ اگر فی قرار مکین ظرف مستقر ہو تو یہ اس کے متعلق ہوگا ورنہ یہ فعل محذوف کے ساتھ متعلق ہوگا۔ عرف میں اس کی کم سے کم مدت چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دو سال ہوگی یا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی مدت معلوم ہے۔

فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٤﴾

"پھر ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا پس ہم کتنے بہتر اندازہ ٹھہرانے والے ہیں ۱؎ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ۲؎"

WWW.NAFSEISLAM.COM

۱؎ نافع اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے قدرنا کو مشدد پڑھا ہے۔ یہ تقدیر سے مشتق ہے، یعنی ہم نے اس کے لئے ماں کے پیٹ میں ٹھہرنے، ولادت، عمل اور موت کے وقت کو مقدر کر دیا ہے۔ نیز اس کے لئے رزق کو مقدر کر دیا ہے اور یہ بھی فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ بد بخت ہے یا نیک بخت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ صادق ومصدوق نے ہمیں بیان کیا ہے کہ تمہاری پیدائش ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک نطفہ پھر اتنے ہی دن جمے ہوئے خون پھر اتنے ہی دن گوشت کے لوتھڑا کی صورت میں ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ چار چیزوں کے ساتھ ایک فرشتہ بھیجتا ہے۔ وہ فرشتہ اس کا عمل، موت کا وقت، اس کا رزق اور اس کا بد بخت یا سعادت مند ہونا لکھ لیتا ہے۔ پھر اس میں روح پھونکتا ہے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم میں سے ایک جنتیوں والا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو تقدیر اس پر غالب آجاتی ہے تو وہ

جہنمیوں والا کام کرتا ہے تو جہنم میں داخل ہو جاتا ہے یہ حدیث متفق علیہ ہے۔(1)

نافع اور کسائی نے قدرنا کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ قدرت سے مشتق ہے یعنی ہم اس کو پیدا کرنے پر قادر تھے اور ہم

بہترین قادر ہیں۔ ہم ہر چیز پر قادر ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ قادر مقدر کے معنی میں ہو جس طرح نافع رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت ہے۔

یہاں مکذبین کا مفعول بہ قدرنا ہے یعنی جو ہماری قدرت کا انکار کرتے ہیں وہ کفار ہیں یا ہماری تقدیر کا انکار کرتے ہیں وہ

قدریہ ہیں جو ہماری امت کے مجوسی ہیں۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿٢٥﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿٢٦﴾

”کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو سمیٹنے والی (تمہارے) زندوں اور مردوں کی۔“

اس میں استفہام تقریر کے لئے ہے۔ کفاتا اس چیز کو کہتے ہیں جس میں کسی چیز کو جمع کیا جائے۔ اس میں تاء یا تو مبالغہ کے لئے ہے یا

مبالغہ کے اظہار کے لئے اس کے ساتھ صفت ذکر کی گئی ہے۔ یا یہ کافت کی جمع ہے جس طرح صائم کی جمع صیام آتی ہے۔ یا یہ

کفت کی جمع ہے جس کا معنی پورا کرنا ہے۔ اس صورت میں زمین کے لئے جمع کا صیغہ اس لئے ذکر کیا کیونکہ زمین کے کئی حصے ہیں۔

یہ دونوں اسماء کفاتا کے مفعول بہ محذوف سے حال ہیں۔ یہ تعبیر اس صورت میں ہوگی جب کفاتا کو مشتق مانا جائے گا یا

فعل محذوف ہوگا جس پر کفاتا دلالت کرتا ہے۔ پھر معنی یہ ہے گا ہم لوگوں کو زندہ حالت میں زمین کی پشت پر ان کو جمع کرتے

ہیں اور مردہ حالت میں زمین کے اندر جمع کرتے ہیں۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے اس کا مفعول بہ اس لئے

حذف کیا گیا کیونکہ وہ ہر کسی کو معلوم ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دونوں اسماء اس فعل محذوف کے مفعول بہ ہوں انہیں نکرہ اس لئے ذکر کیا

گیا تا کہ ان کی عظمت شان کا اظہار ہو یا اس لئے نکرہ ذکر کیا کیونکہ لوگوں میں سے زندہ اور مردہ زندوں اور مردوں کا بعض حصہ ہیں

کیونکہ بے شمار دوسری چیزیں بھی ہیں جن پر موت و حیات جاری ہوتی ہے)۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نجعل کا مفعول ثانی ہو اور

کفاتا ان دونوں سے حال ہو۔ اسے ذو الحال سے مقدم اس لئے ذکر کیا کیونکہ ذو الحال نکرہ ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نجعل

کے مفعول الارض سے حال ہو۔ اس صورت میں احیاء سے مراد وہ چیزیں ہوں گی جو زمین سے اگتی ہیں اور اموات سے مراد

وہ چیزیں ہوں گی جو زمین سے نہیں اگتی۔

وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿٢٧﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٨﴾
اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿٣٠﴾ لَّا
ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿٣١﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿٣٢﴾

”اور ہم نے ہی بنا دیئے اس میں خوب جمے ہوئے اونچے اونچے پہاڑ اور ہم نے ہی تمہیں میٹھا پانی پلایا۔ تباہی ہوگی

اس دن جھٹلانے والوں کے لئے۔ (انہیں حکم ملے گا) چلو اس (آگ) کی طرف جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ چلو

سایہ کی طرف جو تین شاخوں والا ہے نہ وہ سایہ دار ہے اور نہ وہ بچاتا ہے آگ کی لپیٹ سے۔ وہ جہنم پھینکے گی

بڑے بڑے انگارے جیسے محل ہے۔“

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 67 (القدر)

1۔ اس جملے کا عطف لم نجعل کے مضمون پر ہے۔ فیھا میں ضمیر سے مراد زمین ہے۔ رواسی کا معنی پہاڑ ہے۔ شامخات کا معنی بلند ہے، یعنی پہاڑ زمین سے اٹھے ہوئے ہیں۔ نکرہ اس لئے ذکر کیا تاکہ پہاڑوں کی عظمت کا بیان ہو۔

2۔ جو اس قسم کی نعمتوں کو جھٹلائے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ تمام مذکورہ باتیں دوبارہ اٹھائے جانے سے زیادہ عجیب ہیں۔

3۔ یہ جملہ مستانفہ ہے جو ایک مقدر سوال کا جواب ہے کہ اس دن کو جھٹلانے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی انہیں اس دن کہا جائے گا چلو اسی عذاب کی طرف جس کو تم دنیا میں جھٹلاتے تھے۔

4۔ یہ امر کا صیغہ پہلے انطلقوا سے بدل ہے اور تاکید کا فائدہ دے رہا ہے جس طرف وہ جاتے ہیں اس کا بیان ہے۔ مفسرین نے اس سے جہنم کا دھواں مراد لیا ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے فرمایا جب بڑا دھواں اوپر کو اٹھتا ہے تو مختلف حصوں میں بکھر جاتا ہے جہنم کے دھوئیں کے تین حصوں میں منقسم ہونے کی امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ (1) اور دوسرے مفسرین نے کئی وجوہات ذکر کی ہیں جو پسندیدہ نہیں۔

میرے نزدیک اس دھوئیں کے تین حصوں میں منقسم ہونے کی وجوہات یہ ہیں کہ جہنم میں داخل ہونے کے تین سبب ہیں: (1)۔ اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا، واضح طور پر رسولوں کا انکار کرنا جس طرح کفار کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا ہے۔

(2)۔ خواہشات کی پیروی کرنا، رسل اور آیات کا کنایۃ کے طریقہ پر انکار کرنا۔ جس طرح مجسمہ، قدریہ، رافضیوں، خارجیوں اور مرجئہ کا نقطہ نظر ہے جو اجماع کے خلاف، نصوص قطعیہ کی ظاہر کے خلاف فاسد تاویلیں کرتے ہیں۔ جس طرح مجسمہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو جھٹلاتے ہیں وجوہ یومئذ ناظرۃ۔ اسی طرح ان آیات کو جھٹلاتے ہیں جن میں اعمال کے وزن، پل صراط اور اس جیسی باتوں کا ذکر ہے۔ خارجی اور رافضی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم کی شان کے متعلق جو باتیں تواتر معنوی سے ثابت ہیں ان کا انکار کرتے ہیں۔

(3)۔ گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور واجبات کو ترک کرنے میں خواہشات نفسانیہ کی اتباع کرتے ہیں۔ یہی تین امور ہیں جو جہنم کے دھوئیں کو تین حصوں میں منقسم ہونے کا باعث ہوتے ہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جہنم میں سے ایک دھوئیں کا حصہ نکلے گا۔ پھر وہ تین حصوں میں منقسم ہو جائے گا۔ ایک نور ہوگا جو مومنین کے سروں پر ٹھہر جائے گا۔ ایک دھواں جو منافقین کے سروں پر کھڑا ہو جائے گا۔ ایک شعلوں والی آگ ہوگی جو کافروں کے سروں پر جا کر ٹھہر جائے گی (2)۔ میں کہتا ہوں یہ ضرور مرفوع روایت ہوگی کیونکہ یہ ایسی چیز نہیں جو عقل سے معلوم کی جا سکتی ہو جہنم کے دھوئیں میں سے ایک حصہ کو جو نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ یہ دھواں دوسرے دو قسم کے دھوؤں سے کم سیاہ ہوگا ورنہ جہنم میں نور کا کیا مطلب ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم کی آگ ایک ہزار سال تک جلائی جائے گی تب وہ سرخ ہوگی۔ پھر اسے ایک ہزار سال تک جلایا جائے گا تو وہ سیاہ ہوگی۔ اس وقت وہ سخت تاریک ہوگی (3)۔ اسے امام ترمذی اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے یہ حصہ جو کم تاریک ہوگا مومن جہنمیوں کے سروں پر کھڑا ہو جائے گا۔ دوسرا حصہ جس میں آگ کے زیادہ اجزاء ہوں گے اور زیادہ تاریک ہوگا۔ وہ منافقوں کے سروں پر ٹھہر جائے گا۔ یہاں منافقین سے مراد بدعتی اور

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 778 (فراس) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 164 (التجاریۃ) 3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 83 (وزارت تعلیم)

تیسری قسم ان غلاموں کی ہے جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور انہیں کفر یعنی رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانا لازم ہو گا۔ یہاں منافقین سے مراد وہ لوگ نہیں جو اپنی زبانوں سے اعلانیہ تو ایمان کا دعویٰ کریں لیکن ان کے دلوں میں ایمان نہ ہو کیونکہ یہ تو اعلانیہ کفار سے بھی بدتر ہیں۔ یہی جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ ہم نے سورۂ بقرہ میں اہل ہوا اور بعض خارجی اور ملحدین کے لئے کی توجیہ اور اللہ تعالیٰ نے منافقین کی جو مثال بیان کی تھی اس کی وضاحت کی تھی۔ تیسرا حصہ خالص شعلے کا ہو گا اس میں بہت زیادہ پیچ ہوں گے اور اس میں شعلے بھی زیادہ ہوں گے۔ یہ حصہ کافروں کے سروں پر ٹھہر جائے گا۔

میں کہتا ہوں یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ یہاں ظل (سایہ) سے مراد بذات خود جہنم ہو اس کی تاریکی اور سیاہی کی وجہ سے ظل سے تعبیر کیا کیونکہ ظل تاریکی سے خالی نہیں ہوتا۔ اس میں کفار کے ساتھ استہزاء ہے جس طرح ان ارشادات ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ اور فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ میں ان سے مذاق کیا گیا۔ اس آیت کا معنی یہ ہو گا چلو جہنم کی طرف جس تک پہنچنے کے تین راستے ہیں ان تینوں سے ایک رسولوں کا صراحۃً انکار کرنا، دوسرا کنایۃً انکار کرنا، تیسرا گناہوں کا ارتکاب کرنا، جس طرح ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اس ظل (سایہ) میں کوئی ٹھنڈک نہ ہو گی جس طرح عرش اور جنت کے سایہ میں ہو گی جو مومنین کو نصیب ہو گا۔ اسی طرح یہ جہنم کی گرمی کو دور نہیں کر سکے گا۔ یہ بھی محذوف موصوف کی صفت ہے یعنی یہ سایہ ایسا نہیں ہو گا جو جہنم کی **لپٹوں** سے فائدہ دے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا عطف ظلیل پر ہے جس طرح فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ کا عطف ہے۔ اس لحاظ سے یہ ظل کی تیسری صفت ہو گی۔ ان دونوں صفتوں میں کفار کے ساتھ استہزاء ہے۔ ظل کے لفظ نے یہ وہم پیدا کیا تھا کہ وہ گرمی اور جہنم کے شعلوں سے بچائے گا تو اس آیت سے اس وہم کا ازالہ ہو گیا۔

غیرھا۔ ضمیر ظل کی طرف لوٹ رہی ہے۔ معنی کے اعتبار سے ضمیر کو مونث ذکر کیا ہے۔ اگر ظل سے مراد جہنم کی جب جس طرح ہم نے کہا ہے تو یہ ضمیر محذوف جہنم کی طرف لوٹے گی جس پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے۔ تبھی اس کے فائدہ مند نہ ہونے کی علت بیان کی ہے۔ شرر یہ شررۃ کی جمع ہے۔ جو چیز آگ سے اڑتی ہے اسے شررۃ کہتے ہیں۔ اس کا ہر انگارا اتنا بڑا ہو گا جیسے محل ہوتا ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔ یہ مفرد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ قصرۃ کی جمع ہے جس کا معنی کھجور کا تنا یا موٹی لکڑی ہے۔

كَأَنَّهُ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿٣٣﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٤﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٧﴾

گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔ بڑی تباہی ہو گی اس دن جھٹلانے والوں کے لئے۔ یہ وہ دن ہو گا جس میں نہ وہ بول سکیں گے اور نہ ہی انہیں اجازت ملے گی کہ وہ کچھ عذر پیش کریں۔ تباہی ہو گی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔

کانہ ضمیر سے مراد قصر ہے۔ لفظ کو دیکھتے ہوئے مفرد ضمیر ذکر کی۔ جمالات گویا یہ شرر کی دوسری صفت ہے۔ حفص، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے جمالۃ الف کے بغیر پڑھا ہے جو جمل کی جمع ہے۔ جبکہ باقی قراء نے جمالات پڑھا ہے جو جمال کی جمع ہے اور جمال جمل کی جمع ہے۔ گویا یہ جمع الجمع ہوئی۔

صفر یہ اصفر کی جمع ہے۔ انگارے میں کیونکہ آگ ہوتی ہے اس لئے وہ زرد ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کا معنی سیاہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ جہنم کی آگ کے انگارے تارکول کی طرح سیاہ ہوں گے۔ عرب سیاہ اونٹوں کو زرد کہتے کیونکہ وہ زردی مائل ہوتے

تھے۔ پہلی تشبیہ میں ان کی عظمت کا بیان تھا اور اس تشبیہ میں رنگت، کثرت پے در پے آنے، ملے ہوئے ہونے اور تیز حرکت کرنے کا بیان ہے۔

۲۔ جو آگ اور عذاب کو جھٹلاتے تھے اس روز ان کے لئے ہلاکت ہے۔

۳۔ اس روز کفار ایسی بات نہ کریں گے جو انہیں فائدہ دے یا دہشت اور حیرت کی زیادتی کی وجہ سے وہ کچھ بھی نہ بولیں گے۔ بعض مواقع پر ایسے ہوگا اور بعض مواقع پر وہ کلام کریں گے۔

۴۔ **لا یوذن لھم** کا عطف **لا ینطقون** پر ہے۔ یعنی انہیں معذرت پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ **فیعتذرون** کا عطف لایوذن پر ہے۔ یہ کلام اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انہیں نہ کلام کرنے کی اجازت ہوگی اور نہ ہی وہ معذرت کرسکیں گے۔ شائد یعتذرون کو نفی کا جواب اس لئے نہیں بنایا تاکہ یہ اس امر پر دلالت نہ ہو کہ انہوں نے معذرت اس لئے نہ کی کہ انہیں کلام کی اجازت ہی نہ تھی جبکہ یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ ان کا عذر تو تھا تو اس لئے فرمایا جو اپنے احسان کرنے والے سے اعراض کرے اور اس کی نعمتوں کا انکار کرے اس کے لئے کیا عذر ہوسکتا ہے۔

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾

"(اے کافرو) یہ فیصلے کا دن ہے (جس میں) ہم نے تمہیں اور اگلوں کو جمع کر دیا ہے۔۱ پس اگر تمہارے پاس کوئی چال ہے تو میرے خلاف استعمال کرو۲ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۳ بے شک پرہیزگار (اللہ کی رحمت کے) سایوں میں اور چشموں میں ہوں گے۴ اور (ان) پھلوں میں ہوں گے جن کو وہ پسند کریں گے۵"

۱۔ اسے **یوم الفصل** اس لئے کہا کیونکہ یہ جنتیوں اور جہنمیوں میں فرق کرتا ہے۔ **جمعنکم** یہ **ھذا** کی دوسری خبر ہے یا یہ **یوم الفصل** سے حال ہے۔ اس میں عامل اشارہ کا معنی ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے۔ معنی ہوگا ہم اس دن میں تمہیں اور پہلوؤں کو جمع کریں گے۔ نیز یہ جملہ علت بھی بیان کرتا ہے۔ **ھذا یوم الفصل** یہ فیصلہ کا دن ہے کیونکہ ہم نے مومن اور جھٹلانے والے کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے تمہیں جمع کیا ہے یا یہ فصل کا بیان ہے۔

۲۔ کید سے مراد حیلہ ہے، یعنی جس طرح تم دنیا میں مومنوں کے ساتھ مکر و فریب کرتے تھے۔ اگر عذاب سے بچنے کے لئے تمہارے پاس حیلہ ہے تو آزماؤ جس طرح تم کہتے تھے۔ کیا تم میں سے دس آدمی عاجز ہیں کہ انیس داروغوں میں سے ایک کو پکڑ سکیں۔ **فکیدون** میں یائے متکلم محذوف ہے، یعنی تم اب خفیہ تدبیر کرو اس میں انہیں شرمندہ کیا جارہا ہے اور ان کے عجز کا اظہار ہے۔ یہ جملہ شرطیہ قول محذوف کا مقولہ ہوکر **جمعنا کم** پر معطوف ہے۔

۳۔ جو آدمی عذاب کو جھٹلاتا ہے اس کے لئے آج ہلاکت ہے کیونکہ ان کے لئے آج عذاب سے چھٹکارہ پانے کے لئے کوئی حیلہ نہیں۔

۴۔ جو شرک اور معاصی سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں وہ درجات کے مختلف ہونے کے اعتبار سے گھنے درختوں کے سائے میں ہوں گے۔ **فی ظلل** یہ گھنے درختوں سے کنایہ ہے۔ جس طرح لمبے قد کے لئے کہا جاتا ہے **فلان طویل النجاد** اگرچہ اس کے جسم پر کوئی پٹہ نہ ہو کیونکہ اس وقت کوئی سورج نہیں ہوگا کہ سایہ کا تصور کیا جائے اور مومن ایسے چشموں کے پاس ہوں گے جن کا پانی جاری ہوگا جو

نہریں ہوں گی خراب نہ ہوگا اور ان سے دودھ جاری ہوگا جس کا ذائقہ نہیں بدلے گا اور ایسی شراب جاری ہوگی جو پینے والوں کے لئے لذت ہو اور صاف ستھرا شہد جاری ہوگا۔

یہ اور بیت چشموں میں ہوں گے جو لذت بخش ہوں گے۔ اس میں اس امر کا شعور دلایا گیا ہے کہ جنت میں کھانے پینے کی چیزیں خواہش کے مطابق ہوں گی جبکہ دنیا کا معاملہ مختلف ہے۔ اس میں سب لوگوں کے لئے مزا ایک جیسا ہے۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٥﴾

(انہیں کہا جائے گا) مزے سے کھاؤ اور پیو ان اعمال کے صلہ میں جو تم کیا کرتے تھے۔ ہم یونہی صلہ دیا کرتے ہیں نیکوکاروں کو۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔

فی ظلال جار مجرور شبہ فعل کے متعلق ہے۔ اس کی ضمیر مرفوع سے یہ دونوں فعل حال ہیں جبکہ ان سے پہلے قول محذوف ہو یعنی یقال ہو۔ مقدر ماننے کے ساتھ یہ جملہ معترضہ ہے۔

هنيئا مصدر محذوف کی صفت ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اکلا هنیئا یا مهنئین کے معنی میں ہو کر یہ حال ہے۔ هنا اسے کہتے ہیں جس میں مشقت لاحق نہ ہو اور آخر میں بدہضمی نہ ہو۔ یہ جزا اس لئے ہے کہ تمہارا دل پختہ اعتقاد رکھتا تھا اور تم نے طاعات بجا لانے میں اپنی صلاحیتیں صرف کیں۔ ان المتقین والا جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سائل جب جھٹلانے والوں کے انجام سے حال کو سن لیتا ہے تو جو جھٹلاتے نہیں ان کے حال کے بارے میں سوال کرتا ہے۔

کذلک مابعد فعل کا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے جملہ فعلیہ ان کی خبر ہے اور جملہ اسمیہ سابقہ جملہ کی تاکید ہے۔ محسنین سے مراد متقین ہیں ان سے خاص نہیں ورنہ اعلیٰ کو ادنیٰ کے ساتھ تشبیہ دینا لازم آئے گا اس میں لوگوں کو احسان پر برانگیختہ کیا ہے اے لوگو! احسان سے کام لو اللہ تعالیٰ تمہیں جزاء دے گا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ احسان کا خاص معنی یہ ہے کہ تو اپنے رب کی یوں عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر تو اسے نہ دیکھ سکے وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جبریل امین کے سوال کے جواب میں یہی ارشاد فرمایا تھا۔ اسے شیخین نے اپنی صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

یعنی جو جنت کا انکار کرتے تھے انہیں جنت کی نعمتوں سے محروم رکھا جائے گا۔ یہی ان کی ہلاکت ہوگی۔

كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٧﴾

(اے منکرو) اب کھالو اور عیش کرلو تھوڑا سا وقت بے شک تم مجرم ہو۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔

یہ جملہ مستانفہ ہے۔ دنیا میں جھٹلانے والوں کو بطور دھمکی خطاب ہے۔ قلیلا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یا ظرف ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اکلا قلیلا یا زمانا قلیلا۔ یعنی جب تک دنیا میں ہو اس وقت تک مدت تھوڑی ہے پھر یہ نعمتیں تم سے منقطع ہو جائیں گی۔ انکم مجرمون یہ جملہ دھمکی دینے کی علت بیان کر رہا ہے۔

یعنی انہوں نے تھوڑے سے لطف کے عوض اپنے آپ کو عذاب پر پیش کیا تو اس وجہ سے ان کے لئے ہلاکت ہے۔

ابن منذر نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ثقیف کے وفد کو ایمان اور نماز کا حکم دیا تو انہوں نے جواب دیا ہم تجبیہ نہیں کریں گے کیونکہ یہ گالی ہے۔ قاموس میں تجبیہ کا معنی یہ ہے کہ گھٹنوں اور زمین پر ہاتھ رکھنا یا منہ کے بل زمین پر گرنا کیونکہ یہ عمل ذلت وشرمندگی کا سبب ہے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

''اور (آج) جب ان سے کہا جاتا ہے اپنے رب کے سامنے جھکو تو نہیں جھکتے ۱؎ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ۲؎ آخر کس بات پر وہ اس کتاب کے بعد ایمان لائیں گے ۳؎''

۱؎ یہ جملہ معترضہ کفار کی مذمت کے لئے ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ التفات کے طریقہ پر مجرموں پر معطوف ہو۔ التفات خطاب کے صیغہ سے غائب کے صیغہ کی طرف ہو، یعنی تم مجرم ہو اور جب انہیں نماز کی دعوت دی جائے تو وہ نماز نہیں پڑھتے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا عطف مکذبین کے مضمون پر ہے، یعنی ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے، جنہوں نے جھٹلایا اور جب انہیں نماز کے لئے بلایا گیا تو انہوں نے نماز نہ پڑھی۔

۲؎ جو امر اور نہی کا انکار کرتے تھے ان کے لئے ہلاکت ہے۔

۳؎ قرآن کے بعد کس پر ایمان لاؤ گے۔ یہ استفہام انکاری ہے، یعنی جب وہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے تو وہ کسی دلیل پر ایمان نہیں لائیں گے۔ قرآن نظم و معنی کے اعتبار سے اعجاز کی کئی وجوہ پر مشتمل ہے۔ نیز اس میں واضح اور روشن دلائل پائے جاتے ہیں۔ جب اس سورت کا سیاق عموماً ڈرانے پر دلالت کرتا ہے، جس طرح سورۂ انسان کا سیاق لطف و مہربانی پر دلالت کرتا ہے تاکہ وہ عموماً اطاعت کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۂ ھود، واقعہ، مرسلت، عم یتساء لون اور اذا الشمس کورت نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ اسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے اور ابن مردویہ رحمۃ اللہ نے سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

سورۃ النبأ

آیاتہا ۴۰ ｜ سُوْرَۃُ النَّبَاِ مَکِّیَّۃٌ ۸۰ ｜ رکوعاتہا ۲

سورۃ النبأ مکی ہے، اس میں دو رکوع اور چالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝

"وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں ۱ کیا وہ اس بڑی اور اہم خبر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں ۲ جس میں وہ اختلاف کرتے رہتے ہیں ۳"

عمّ اصل میں عن ما تھا۔ ما استفہامیہ جب حرف جار کے بعد آتا ہے تو اس کے الف کو حذف کر جاتا گیا ہے جیسے لم، فیم، مم اور بم۔ ایسا اس لئے کرتے ہیں تاکہ تخفیف حاصل ہو کیونکہ اس کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔ نیز ما استفہامیہ اور ما موصولہ میں فرق کرنا مقصود ہوتا ہے۔ لکھائی میں میم کو عن کے ساتھ اس لئے ملایا گیا ہے کیونکہ الف کے حذف کے بعد میم کی تکرار ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں یہاں استفہام اس شے کی عظمت شان اور ہولناکی بیان کرنے کے لئے ہے جس کے بارے میں استفہام واقع ہوا ہے کیونکہ زمین و آسمان میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ پر مخفی ہو۔

یتساءلون میں و ضمیر اہل مکہ کے لئے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے انہیں توحید کی طرف بلایا اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کے بارے میں خبر دی اور ان پر قرآن حکیم کی تلاوت کی تو وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے (حضرت محمد ﷺ) ان کے پاس کیا لائے ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے (1)۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی اسی طرح ذکر کیا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ استہزاء سے حضور رسول اللہ ﷺ اور مومنوں سے سوال کرتے تھے۔ جس طرح یتداعون لهم یدعون لهم کے معنی میں ہے۔

عن النبا العظیم یہ جار مجرور مذکورہ یتساءلون کے متعلق ہے۔ اس صورت میں عم ایسے فعل کے متعلق ہے جس کی تفسیر مابعد سے ہو رہی ہے یا یہ یتساءلون مضمر کے متعلق ہے۔ یہ جملہ لفظوں کے اعتبار سے سوال کا جواب ہے اور معنی کے لحاظ سے اس شے کو بیان کرتا ہے جس کی عظمت شان بیان کی جا رہی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ عم کا بیان ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ جملہ استفہامیہ ہو اور حرف استفہام مقدر ہو۔ تو پھر یہ سابقہ جملہ کی تاکید ہوگا اور تفخیم کے بعد تفخیم ہوگی۔ تقدیر کلام یہ ہوگی عم یتساءلون ایتساءلون عن النبا العظیم۔ یہ بھی احتمال ہے کہ دوسرا استفہام انکار کے لئے ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ قیامت کے بارے میں سوال مناسب نہیں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 166 (التجاریہ)

WWW.NAFSEISLAM.COM

بلکہ اس پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ وہ واضح ہے اس کی شان عظیم ہے اور وہ بہت واضح ہے، اس کے بارے میں سوال کی ضرورت نہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر مفسرین کی رائے میں النبأ العظیم سے مراد قرآن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے هو نبأ عظیم۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد حضور ﷺ کی بعثت کی خبر ہو(1)۔

۳۔ اسم موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر النبأ کی صفت ہے۔ هم ضمیر اسی اسم کی طرف راجع ہے جس طرف يتساء لون کی ضمیر فاعل راجع ہے۔ وہ کفار مکہ ہیں کیونکہ وہ سوال استہزاء اور انکار کے طور پر کرتے تھے۔ تو پھر معنی یہ ہوگا ان میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو قیامت کا قطعی طور پر انکار کرتے ہیں کچھ شک کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ يتساء لون کی ضمیر اہل مکہ کی طرف لوٹ رہی ہو وہ مؤمن ہوں یا کافر۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جو قیامت کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کے بارے میں اس لئے سوال کرتا ہے تاکہ حقیقت حال واضح ہو اور یقین میں اضافہ ہو اور ان میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو قیامت کا انکار کرتے ہیں اور استہزاء اور انکار کے طور پر اس کے بارے میں پوچھتے ہیں۔

كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿٤﴾ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿٥﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ﴿٦﴾ وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا ﴿٧﴾ وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ﴿٨﴾ وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿٩﴾

"یقیناً وہ اسے جان لیں گے ۱۔ پھر یقیناً وہ اسے جان لیں گے (کہ قیامت برحق ہے) ۲۔ کیا ہم نے نہیں بنا دیا زمین کو بچھونا ۳۔ اور پہاڑوں کو میخیں ۴۔ اور ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں جوڑا جوڑا ۵۔ اور ہم نے بنا دیا ہے تمہاری نیند کو باعث آرام ۶۔"

۱۔ کلا جھڑکنے کے لئے ہے۔ انہیں اس اختلاف سے جھڑکا جا رہا ہے جو تمام یا بعض کے انکار پر مبنی ہے۔ عنقریب کافر جان لیں گے کہ یہ حق ہے۔ یہ دنیا میں ہی معلوم ہو جائے گا یا جب وہ قبر میں جائیں گے۔

۲۔ یا پھر قیامت کے روز انہیں معلوم ہو جائے گا۔ یہاں تکرار مبالغہ کے لئے ہے اور اس امر پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ انہیں وعید دو دفعہ لاحق ہوگی۔ ان میں سے ایک قبر میں ہوگی اور دوسری قیامت برپا ہونے کے بعد ہوگی۔ ثم کا کلمہ اس بات کا شعور دلانے کے لئے ہے کہ دوسری وعید پہلی سے زیادہ بلیغ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ایسی صنعتوں کا ذکر کیا جن سے اللہ تعالیٰ کی توحید، موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر قدرت اور نعمتوں پر شکر بجالانے کے واجب ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ شکر بجالانے کی صورت یہ ہے کہ جو انسان توحید اور عبادت کی طرف بلاتا ہے اس کی اتباع کی جائے۔

۳۔ مهادا سے مراد بستر ہے۔ اس میں استفہام تقریری ہے، یعنی مخاطب کو اقرار اور عبادت پر برانگیختہ کیا گیا ہے یا پھر یہ استفہام انکاری ہوگا تو نفی کے انکار کا مطلب بھی اثبات ہوتا ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا ہم نے زمین کو بچھونا بنایا۔

۴۔ پہاڑوں کو میخیں بنایا تاکہ وہ ایک طرف جھک نہ جائے۔

۵۔ ہم نے تمہیں مذکر اور مونث صنفوں میں پیدا کیا۔

۶۔ نیند کو تمہارے اعمال کو ختم کرنے والا بنایا تاکہ تمہارے بدن راحت پائیں۔ سبت کا معنی قطع کرنا ہے۔

وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ﴿١٠﴾ وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿١١﴾ وَّ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 166 (التجاریہ)

شِدَادًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۙ﴿۱۳﴾

"نیز ہم نے بنا دیا رات کو پردہ پوش۱ اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لئے بنایا۲ اور ہم نے بنائے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان)۳ اور ہم نے ہی ایک نہایت روشن چراغ بنایا۴"

۱ جعلنا کا عطف خلقنا پر ہے۔ رات کو لباس اس لئے فرمایا کیونکہ رات ہر چیز کو تاریکی کا لباس پہنا دیتی ہے۔ آنکھوں سے چھپا دیتی ہے اور آوازوں کو سکون عطا کرتی ہے جس میں سونے والا آرام حاصل کرتا ہے۔

۲ دن کو روزی کا سبب بنایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو حصہ معین فرمایا ہے تاکہ اس کو حاصل کرو۔ سو دن میں تم اپنی ضرورتوں کے لئے آتے جاتے ہو۔

۳ سبعا شدادا اس سے مراد سات مضبوط آسمان ہیں جن پر زمانے کے گزرنے سے کچھ اثر نہیں ہوتا۔

۴ جعلنا یہ خلقنا کے معنی میں ہے، یعنی ہم نے پیدا کئے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ فعل کا پہلا مفعول محذوف ہو جو الشمس ہے۔ یعنی ہم نے سورج کو چمکتا ہوا اور دھکتا ہوا بنایا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے ہم نے اس میں نور اور حرارت دونوں جمع کر دیئے۔ وھاج میں دونوں کو جمع ہوتی ہے۔(1)

وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۙ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ۙ﴿۱۷﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۙ﴿۱۸﴾

"اور ہم نے برسایا بادلوں سے موسلا دھار پانی۱ تاکہ ہم اگائیں اس کے ذریعہ اناج اور سبزی۲ اور گھنے باغات۳ بے شک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے۴ جس روز صور پھونکا جائے گا تو تم چلے آؤ گے فوج در فوج۵"

۱ مجاہد، مقاتل اور کلبی رحمہم اللہ تعالیٰ نے معصرات سے مراد وہ ہوائیں لی ہیں جو بادلوں کو نچوڑتی ہیں۔ یہی عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے(2)۔ اس تعبیر کی بنا پر من نسبت کے لئے ہوگا۔

ابوالعالیہ اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا معصرات سے مراد بادل ہیں۔ یہ والی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا معصرات سے مراد وہ بادل ہیں جو بارش سے بھرے ہوتے ہیں لیکن ابھی برسے نہیں۔ جس طرح ایک عورت جو حیض کی عمر کو پہنچ چکی ہو لیکن ابھی اسے حیض نہ آیا ہو اس کے لئے اعصرت الجاریۃ کہا جاتا ہے۔ ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد برسنے والے بادل ہیں۔ یہ لفظ تعصرون سے مشتق ہے۔ حضرت حسن، سعید بن جبیر، زید بن اسلم اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا معصرات سے مراد آسمان ہیں(3)۔ ان تاویلات کی صورت میں من ابتدائیہ ہوگا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے ماء ثجاجا کا معنی بہت زیادہ بہنے والا کیا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی پے در پے برسنے والا کیا ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی زیادہ کیا ہے(4)۔ تمام کا مفہوم ایک ہی ہے۔

۲ تاکہ ہم اس پانی کے ذریعے دانے نکالیں جسے لوگ کھاتے ہیں جس طرح گندم اور جو اور نباتات اگائیں جسے چوپائے چرتے ہیں۔

۳ اور گھنے باغات اگائیں جن کے درخت ایک دوسرے میں الجھے ہوئے ہوں۔ الفافا لف کی جمع ہے جس طرح ...

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 166 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 166 (التجاریہ) 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

اجزاع آتی ہے یا لفیف کی جمع ہے جس طرح شریف کی جمع اشراف آتی ہے یا اس کی واحد نہیں جس طرح اوضاع کی واحد نہیں ہے یا یہ جمع الجمع ہے۔ لفافہ کی جمع لف اور لف کی جمع الفاف ہے۔ لفافہ گھنے درخت کو کہتے ہیں۔ جنة لفاف جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ ذات اس بات پر بھی قادر ہے کہ انہیں دوبارہ پیدا کرے اور ان بڑے بڑے امور کا تصور ایک حکیم فاعل سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس کا عبث ہونا یا حکمت کے منافی ہونے کا تصور نہیں کیا جا سکتا سامع کیونکہ قیامت کے دن کی صفات کو جاننے کا محتاج ہوتا ہے اس لئے نئے جملہ سے کلام کو شروع کیا۔

ے حق و باطل میں امتیاز کرنے والا دن اللہ تعالیٰ کے علم اور حکم میں معین ہے۔ یہی ثواب اور سزا کا وقت معین ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے یہ دنیا کی حد ہے جہاں آ کر دنیا ختم ہو جائے گی۔ یا یہ دن مخلوقات کی حد ہے یہاں آ کر مخلوقات ختم ہو جائے گی۔

یوم ینفخ یہ یوم الفصل سے بدل ہے یا اس کا عطف بیان ہے یا یہ میقاتا سے بدل ہے یا کان کی دوسری خبر ہے۔ مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صور سینگ کی شکل کا ہوگا جس میں پھونکا جائے گا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ سورۂ حاقہ میں بھی یہ بات گزر چکی ہے۔ حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ سفید موتی کا ہوگا، شیشے جیسا صاف اور شفاف ہوگا۔ اس میں ارواح کی مقدار کے برابر سوراخ ہوں گے۔ سورۂ مدثر میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

فتاتون کا عطف ینفخ پر ہے۔ افواجا یہ تاتون کے فاعل سے حال ہے، یعنی تم اپنی قبروں سے مختلف جماعتوں کی صورت میں حساب کی جگہ کی طرف آؤ گے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں صادق مصدوق ﷺ نے خبر دی کہ قیامت کے روز لوگوں کو تین جماعتوں کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔ ایک جماعت ایسی ہوگی جو سیر ہوگی، لباس زیب تن کئے ہوگی۔ اور سوار ہوگی دوسری جماعت پیدل ہوگی اور ایک جماعت منہ کے بل گھسیٹی جا رہی ہوگی(1)۔ اسے امام نسائی، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا کی تلاوت کی، فرمایا میری امت دس جماعتوں کی صورت میں اٹھائی جائے گی، ایک جماعت بندروں کی صورت میں اٹھائی جائے گی۔ وہ قدریہ (ا) ہیں، ایک جماعت خنزیروں کی صورت میں اٹھائی جائے گی۔ وہ مرجئہ (ب) ہیں، ایک جماعت بندروں اور کتوں کی صورت میں اٹھائی جائے گی۔ وہ حروریہ (ج) ہیں، ایک جماعت گدھوں کی صورت میں ہوگی۔ وہ رافضی (د) ہیں، ایک جماعت چھوٹی چیونٹیوں کی شکل میں ہوگی وہ متکبر ہیں، ایک جماعت چوپاؤں کی شکل میں ہوگی وہ سود خور ہیں، ایک جماعت درندوں کی شکل میں ہوگی وہ زنادق ہیں، ایک جماعت کو منہ کے بل گھسیٹا جا رہا ہوگا وہ تصویریں بنانے والے، عیب جوئی کرنے والے اور طعنہ زنی

1۔ مستدرک حاکم: 8685، جلد 4، صفحہ 608 (العلمیة)

(ا) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے افعال کے بارے میں خالق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کوئی عمل دخل نہیں مانتے۔

(ب) یہ تصدیق قلبی کو کافی سمجھتے ہیں، اعمال صالحہ کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتے۔

(ج) یہ وہ جماعت ہے جنہوں نے حرورہ کے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی۔ یہ لوگ حضرت عثمان غنی، حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کو ایماندار نہیں جانتے۔

(د) یہ وہ جماعت ہے جو صرف چند صحابہ کو مومن سمجھتی ہے، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور دوسرے صحابہ کو مومن نہیں مانتی اور ان پر طعن و تشنیع کرتی ہے۔

کرنے والے ہیں، ایک جماعت ناز و ادا سے چل رہی ہوگی۔ وہ مقربین ہیں، ایک جماعت حالت سیر میں ہوگی۔ وہ دائیں ہاتھ والے ہیں۔ اسے ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا فرمایا یہ حدیث منکر ہے، اس کی سند میں مجہول لوگ ہیں۔

خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے میری امت دس جماعتوں میں اٹھائی جائے گی۔ ان میں سے کچھ بندروں کی صورت میں ہوں گے۔ وہ چغل خور ہیں، بعض خنزیر کی شکلوں میں ہوں گے۔ وہ حرام خور ہیں بعض کی ٹانگیں اوپر سر نیچے ہوں گے۔ انہیں منہ کے بل گھسیٹا جا رہا ہوگا۔ وہ سود خور ہیں، ان میں سے بعض اندھے ہوں گے، ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو فیصلوں میں ظلم کرتے تھے۔ بعض ان میں سے بہرے گونگے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال پر فخر کرتے تھے، ان میں سے بعض اپنی زبانیں چبا رہے ہوں گے جبکہ ان کی زبانیں ان کے سینوں پر لٹک رہی ہوں گی، ان کے منہ سے پیپ بہہ رہی ہوگی۔ تمام لوگ ان سے نفرت کریں گے۔ یہ وہ علماء اور قصہ گو ہیں جن کے اعمال ان کے اقوال کے مخالف ہوں گے۔ بعض کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پڑوسیوں کو تکلیفیں دیتے تھے بعض کو آگ کی سولیوں پر لٹکایا گیا ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو بادشاہ کے پاس لے جاتے تھے (تاکہ وہ لوگوں پر ظلم کرے) بعض مرداروں سے بھی زیادہ بدبودار ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو شہوات اور لذات سے لطف اندوز ہوتے تھے اور اپنے مالوں میں اللہ تعالیٰ کے حق کو روکتے تھے، بعض کو ایسے جبے پہنائے جائیں گے جن سے تارکول بہہ رہی ہوگی۔ وہ متکبر اور فخر و غرور کرنے والے ہیں۔ امام ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء بن عازب سے، انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۙ﴿۱۹﴾ وَّ سُیِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾

"اور کھول دیا جائے گا آسمان [1] تو وہ دروازے ہی دروازے بن کر رہ جائے گا [2] اور حرکت دی جائے گی پہاڑوں کو تو وہ سراب بن جائیں گے [3] درحقیقت جہنم ایک گھات ہے [4]"

[1] فتحت کا معنی پھاڑ دیا گیا۔ اہل کوفہ نے اسے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ مبالغہ اور کثرت کو بیان کرنے کے لئے ہے۔ اس جملے کا عطف فتاتون پر ہے جبکہ یہ جملہ استقبال کے معنی میں ہے۔ یا یہ جملہ قد کے مقدر ماننے کے ساتھ حال ہوگا مابعد صورت کا بھی یہی معاملہ ہوگا۔

[2] آسمان دروازوں والا ہو جائے گا یا مبالغہ پر اسے محمول کیا جائے گا۔ مراد یہ ہوگا کہ زیادہ سوراخ ہونے کی وجہ سے یوں محسوس ہوگا کہ وہ آسمان سارے کا سارا دروازہ ہے۔

[3] پہاڑوں کو زمین سے ہوا میں ذرات کی طرح چلایا جائے گا تو پہاڑ ایک سراب ہو جائے گا۔ صحاح میں اسی طرح ہے جو چیز کھلے میدان میں پانی کی طرح چمکے اسے سراب کہتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ پہاڑ ایک ایسی چیز ہو جائیں گے جن کی کوئی حقیقت نہ ہوگی کیونکہ ان کے اجزاء بکھر چکے ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کے حساب کے لئے آنے کا ذکر فتاتون افواجا کے ساتھ کیا تو سامع کے ذہن میں یہ اشتیاق پیدا ہوا کہ ان کے حالات کی تفصیل جانے۔ سرکشوں کا پہلے ذکر کیا کیونکہ لوگوں کے حال خوشخبری کی نسبت زیادہ اہم ہوتا ہے۔

؎ مرصاد کا معنی گھات لگانے کی تیاری کرنا یا ایسی جگہ جس میں لوگ گھات لگا کر بیٹھتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عذاب کے فرشتے اور رحمت کے فرشتے جہنم کے پل پر لوگوں کی تاڑ میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ عذاب کے فرشتے تو کفار کی تاڑ میں ہوتے ہیں تا کہ انہیں پکڑ لیں اور جہنم میں پھینک دیں اور انہیں عذاب دیں۔ جہاں تک رحمت کے فرشتوں کا تعلق ہے وہ مومنوں کی تاڑ میں ہوتے ہیں تا کہ جہنم پر سے گزرتے ہوئے اس کی آگ اور صراط کے آنکڑوں (۱) سے مومنوں کو محفوظ رکھیں۔ اگر یہ تاویل کی جائے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہنم ایک راستہ ہے جس پر سے تمام لوگ گزریں گے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا۔

تو مرصاد کا حقیقی معنی گھات کا راستہ ہوگا یا التزامی معنی راستہ مراد ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ جہنم کفار کے لئے تیار کی گئی۔ کہتے ہیں ارصدت الشیء۔ یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اس چیز کو تیار کرے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مرصاد مبالغہ کا صیغہ ہو یعنی جہنم کفار کو بڑی سختی سے تاڑے گی تا کہ ان میں سے کوئی بھی بھاگ نہ جائے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا آپ فرماتے پل صراط اس طرح تیز ہوگی جس طرح تلوار کی دھار ہوتی ہے۔ فرشتے مومن مردوں اور مومن عورتوں کی حفاظت کر رہے ہوں گے۔ جبرئیل امین میری کمر کو پکڑے ہوں گے اور میں کہہ رہا ہوں گا اے میرے رب (میری امت کو) محفوظ رکھ جبکہ پھسلنے والے مرد اور عورتیں کثیر ہوں گی۔ ابن مبارک، بیہقی اور ابن ابی الدنیا رحمہم اللہ تعالیٰ نے عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ پل صراط جہنم پر اس طرح ہوگی جس طرح تلوار کی دھار ہوتی ہے۔ اس کی دونوں طرف آنکڑے اور کانٹے ہوں گے جو لوگوں کو اچک لیں گے۔ مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس کے آنکڑے کے ساتھ ربیعہ اور مضر قبائل سے زیادہ لوگوں کو پکڑ لیا جائے گا۔ فرشتے اس کی ایک طرف ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے اے رب انہیں محفوظ رکھنا، اے رب انہیں محفوظ رکھنا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔ پل صراط تلوار کی طرح تیز اور پھسلنے کی جگہ ہوگی۔ فرشتے اور انبیاء کھڑے ہوں گے کہہ رہے ہوں گے اے ہمارے رب سلامتی عطا فرما، سلامتی عطا فرما، جبکہ فرشتے آنکڑوں کے ساتھ اچک رہے ہوں گے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مقسم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جہنم کی پل پر انسان کو سات دفعہ روکا جائے گا پہلی منزل پر اس سے لا الہ الا اللہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر وہ اس کے بارے میں مکمل شہادت دے تو وہ اگلی منزل کی طرف بڑھ جائے گا۔ وہاں اس سے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر وہ اس کے بارے میں مکمل جواب دے دے تو تیسری منزل کی طرف بڑھ جائے گا۔ تو اس سے زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر اس نے یہ بھی عمل کیا ہوگا تو وہ چوتھی منزل کی طرف بڑھ جائے گا۔ وہاں اس سے روزوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اگر اس نے روزے بھی مکمل ادا کئے ہوں گے تو وہ پانچویں مرحلے کی طرف بڑھ جائے گا۔ وہاں اس سے حج کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر اس نے اسے بھی مکمل کیا ہوگا تو وہ چھٹے مرحلے کی طرف بڑھ جائے گا تو وہاں اس سے عمرہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر اس نے اسے بھی ادا کیا ہوگا تو وہ ساتویں منزل کی طرف بڑھ جائے گا۔ تو اس سے مظالم کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر وہ اس سے بھی بچ گیا تو بہتر ورنہ اسے کہا جائے گا انتظار کرو۔ اگر اس کے نوافل ہوئے تو اس کے اعمال مکمل کر دیئے جائیں گے۔ جب وہ اس سوال و جواب سے فارغ ہوگا تو جنت میں جائے گا۔

لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾

---

(۱) لوہے کی سلاخیں جن کے سرے مڑے ہوئے ہوں۔

اِلَّا حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا ﴿٢٥﴾

"(یہ) سرکشوں کا ٹھکانا ہے پڑے رہیں گے اس میں عرصہ دراز۔ وہ نہیں چکھیں گے اس میں کوئی ٹھنڈی چیز اور نہ پانی بجز کھولتے پانی اور گرم پیپ کے۔"

للطغین یہ سابقہ آیت میں موجود کانت کی یا تو خبر ثانی ہوگی یا مرصاد کی صفت ہوگی یا مابا سے حال ہوگی یا یہ صرف مرصاد کی یا مابا کی ظرف ہوگی۔ طاغی اسے کہتے ہیں جو نافرمانی میں حد سے تجاوز کرے۔ یہ اس وقت تک متحقق نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس بارے میں کفر اور تکذیب کا قطعی حکم نہ لگایا جائے اگر یہ چیزیں صراحۃً اس میں پائی جائیں تو اسے کافر کہتے ہیں۔ اگر اقتضاءً پائی جائیں تو اسے رافضی یا قدری یا مرجئہ اور اسی طرح کے اہل ہواء کہتے ہیں۔

مابا یہ کانت کی ایک اور خبر ہے۔ حمزہ اور یعقوب نے الف کے بغیر لبثین پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے الف کے ساتھ اسم فاعل کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ طاغین کی ضمیر سے حال ہے۔ فیھا میں ھا ضمیر سے مراد جہنم ہے۔ احقاب حقب کی جمع ہے۔ حقب اس سال سے عرصہ کو کہتے ہیں ہر سال بارہ مہینوں کا ہوگا۔ ہر مہینہ تیس دنوں کا ہوگا۔ ہر دن ہزار سال کا ہوگا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ہناد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا احقاب تینتالیس حقب کو کہتے ہیں۔ ہر حقب ستر خریف کا ہوتا ہے ہر خریف سات سو سال کا ہوتا ہے۔ ہر سال تین سو ساٹھ دنوں کا ہوتا ہے۔ ہر دن ہزار سال کا ہوتا ہے(1)۔ مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایک حقب ستر ہزار سال کا ہوتا ہے(2)۔ محکم آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ کفار آگ اور عذاب میں ہمیشہ رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ مدت تو محدود اور ختم ہو جانے والی ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے مرہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اگر جہنمی یہ جان لیں کہ وہ جہنم میں دنیا کے اعداد کے برابر رہیں گے تو وہ خوش ہو جائیں گے۔ اگر جنتی یہ جان لیں کہ وہ جنت میں دنیا کے اعداد کے برابر رہیں گے تو وہ غمگین ہو جائیں گے۔ جب یہ مذکورہ مدت متناہی ہے تو مفسرین ان آیات کی تاویل کی طرف گئے ہیں اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا سے منسوخ ہے۔ علماء نے کہا عدد اٹھ چکا ہے جبکہ خلود (دوام) حاصل ہو چکا۔

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ خبر ہے اور خبر نسخ کا تقاضا نہیں کرتی۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے اس کی تاویل میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کے لئے کوئی مدت معین نہیں کی بلکہ فرمایا لٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا۔ اللہ کی قسم ایک حقب ختم نہیں ہوگا کہ دوسرا حقب شروع ہو جائے گا۔ پھر تیسرا شروع ہو جائے گا۔ یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری رہے گا تو احقاب سے مراد کوئی مخصوص مدت نہیں بلکہ ابد ہے(3)۔ اسی وجہ سے امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس سے پے در پے زمانے مراد ہیں۔ اس میں ایسی کوئی دلالت نہیں جو ان کے جہنم سے نکلنے پر دلالت کرے۔ اگر ایسا ہوتا بھی تو یہ مفہوم کے قبیلہ سے ہوتا جو اس صریح کلام کے مقابل نہیں آ سکتا جو کفار کے جہنم میں ہمیشہ رہنے پر دلالت کرتا ہے(4)۔ ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ صریح کلام کا مقابل، کلام کا مفہوم نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے ہم کفار کے جہنم میں ہمیشہ رہنے کا قول کرتے ہیں۔ اسی پر علماء کا اجماع ہے اور اس کی تاویل کرنا واجب ہے۔ تاہم اس کی تاویل غیر متناہی زمانے پے در پے زمانے سے کرنا بھی ضعیف ہے کیونکہ اس صورت میں اس لفظ کے ساتھ اس کی قید لگانے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ مقصود تو یہ تھا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 167 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 780 (فراس)

خلاف مقصود وہم کا ازالہ ہو کیونکہ جب احقاب کی غیر متناہی زمانہ کی طرف نسبت کی جائے (غیر متناہی زمانہ مراد لیا جائے) تو یہ اسی طرح ہے جس طرح ایام کی اس کی طرف نسبت کر دی جائے تاہم اس میں کوئی شک نہیں۔ اگر یہ کلام کی جاتی لابثین فیھا ایاما تو ذہن اس طرف متوجہ نہ ہوتا کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے بلکہ ذہن اس طرف جاتا کہ وہ اس جہنم سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے تو یہاں بھی صورتحال یہی ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ احقاب حقب کی جمع ہے جو حقب الرجل سے مشتق ہے جس کا معنی آدمی محتاج ہوا ہے۔ اسی طرح حقب العام اس وقت بولتے ہیں جس سال میں بارش اور فصلیں کم ہوں تو اس صورت میں احقابا لابثین کی ضمیر سے حال ہوگا، یعنی انہیں رزق نہیں دیا جائے گا۔ اس صورت میں بعد والی آیت اس کی تفسیر ہوگی۔ میں کہتا ہوں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اور دوسرے احباب سے مروی آثار اس تاویل کا انکار کرتے ہیں کیونکہ وہ آثار مرفوع کے حکم میں ہیں کیونکہ ان میں رائے اور اجتہاد کا کچھ عمل دخل نہیں۔

یہ جملہ لا بثین میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہے یا یہ جملہ احقابا کی صفت ہے یا احقابا لایذوقون کی ظرف ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ وہ کئی زمانے اس حالت میں رہیں گے کہ کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کے سوا کوئی چیز میسر نہ ہوگی۔ احقاب پھر ایسا زمانہ ہوا جس میں وہ کوئی چیز نہ چکھیں گے۔ اس سے مطلق ٹھہرنا مراد نہیں۔ شائد اس زمانہ کے بعد انہیں کوئی کسی اور سخت عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ حال مرادف ہے۔ میرے نزدیک اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ الطاغین عام نہیں۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ اسی وجہ سے تم طاغین سے مراد کفار لیتے ہو۔ اس سے اھل ھواء مراد نہیں لیتے جس کی بناء پر تمہیں یہ تکلفات کرنے پڑھ رہے ہیں تاکہ اس آیت اور دوسری آیات کے درمیان معارضہ باقی نہ رہے۔ جبکہ ہم اسے یہاں اھل ھواء پر محمول کرتے ہیں کفار پر محمول نہیں کرتے تو اس وجہ سے جو تکلفات آپ لوگوں کو درپیش ہوں گے وہ ہمیں درپیش نہیں۔ جو کچھ میں نے کہا ہے کہ اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جسے بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا اللہ کی قسم کوئی بھی جہنم سے نہیں نکلے گا یہاں تک کہ وہ اس میں کئی احقاب رہے گا۔ حقب اسی سال سے اوپر عرصہ کو کہتے ہیں۔ ہر سال تین سو ساٹھ دنوں کا ہوتا ہے جس طرح تم سال کو شمار کرتے ہو (1)۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس مدت کے بعد وہ جہنم سے نکلیں گے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حمزہ، کسائی اور حفص رحمہم اللہ تعالیٰ نے غساقا مشدد پڑھا ہے جس طرح خباز ہوتا ہے جبکہ باقی قراء نے تخفیف کی صورت میں پڑھا ہے جس طرح عذاب ہے۔ حمیم سے مراد سخت گرم پانی ہے۔ حدیث میں ہے سخت گرم پانی ان کی طرف لوہے کی سلاخوں کے ساتھ بلند کیا جائے گا۔ جب وہ پانی ان کے قریب ہوگا تو ان کے چہروں کو بھون دے گا جب وہ پانی ان کے پیٹ میں داخل ہوگا تو ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہوگا سب کو کاٹ دے گا۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ جہاں تک غساق کا تعلق ہے۔ ہناد نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ اس کی شدید ٹھنڈک کی وجہ سے وہ اسے چکھنے کی طاقت نہ رکھیں گے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس طرح آگ اپنی گرمائش سے جلاتی ہے۔ اسی طرح وہ اپنی ٹھنڈک کے ساتھ جلائے گا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ وہ چیز ہوگی جس کی ٹھنڈک اپنی انتہا کو پہنچی ہو گی۔ ہناد نے ابو العالیہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں شراب سے حمیم اور برد سے غساق کی استثناء کی۔ امام

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 502 (العلمیۃ)

بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا غساق کو مؤخر اس لئے ذکر کیا تاکہ آیات کے سرے موافق ہو جائیں۔ ہناد نے عطیہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ غساق اس پیپ کو کہتے ہیں جو جہنمیوں کے جسموں سے بہہ رہی ہوگی۔ ابراہیم اور ابو رزین رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی اس کی مثل روایت کی ہے۔ یہ عربوں کے اس قول سے مشتق ہے۔ غسقت یعنی بہہ گیا اور غساق کا معنی انصباب (بہنا) ہے۔

ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے کعب رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ غساق جہنم میں ایک چشمہ ہے جس میں ہر زہریلے جانور جیسے سانپ، بچھو وغیرہ کا زہر بہہ کر جمع ہوگا آدمی کو اس چشمہ کے پاس لایا جائے گا تو اس میں اسے ایک غوطہ دیا جائے گا پھر اسے باہر نکالا جائے گا جبکہ اس کی جلد ہڈیوں سے الگ ہو چکی ہوگی۔ اس کی جلد اور گوشت اس کے ٹخنوں کے ساتھ چمٹا ہوگا تو وہ اپنا گوشت اس طرح کھینچے گا جس طرح ایک آدمی اپنا کپڑا کھینچتا ہے۔ ان اقوال کی بناء پر اگر غساق سے مراد ٹھنڈی چیز ہو تو پھر یہ غساق برد سے مشتق ہوگا ورنہ یہ اور حمیم دونوں شراب سے مستثنیٰ ہوں گے۔ اس صورت میں برد سے مراد جہنم کی ٹھنڈک ہے اور آگ کی گرمی سے یہ ٹھنڈی چیز ہوگی یا برد سے مراد نیند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ استثناء منقطع ہے اور شراب سے مراد وہ چیز ہے جو ان کی پیاس کو ختم کر دے۔

جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾

"(ان کے گناہوں کی) پوری سزا۔ یہ لوگ (روز) حساب کی توقع ہی نہیں رکھتے تھے۲ اور انہوں نے ہماری آیتوں کو سختی سے جھٹلایا۳"

۱۔ جزاء مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اس کا فعل محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی یجزون جزاء وفاقا۔ وفاقا یا تو یہ وافق کے معنی میں ہے یا موافق کے معنی میں ہے یا روز جزاء کی صفت ہے یا یہ اپنے فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی یوافق وفاقا، یعنی یہ جزاء ان کے باطل اعمال کے موافق ہوگی۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عذاب گناہ کے موافق ہوگا شرک سے بڑھ کر ان کا کوئی گناہ نہیں ہوگا(1)۔ یہ اس تفسیر کی بناء پر ہے کہ طاغین سے مراد کفار ہیں۔ اس صورت میں جزاء مصدر ہے جو اس جملہ کے بعد واقع ہوا جس سے غیر معنی کا احتمال نہیں بلکہ یہی مفہوم مراد ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح یہ کلام ہے لہ علی الف درهم اعترافا (۱) کیونکہ ان جهنم كانت مرصادا سے مراد ان کی جزاء ہی ہے۔ پس یہ تاکید لنفسہ ہے۔ مگر وہ صورت جس میں میں نے یہ ذکر کیا کہ طاغین سے مراد اهل هواء ہیں تو پھر معنی یہ ہوگا جس عذاب کا ذکر کیا گیا ہے اس کی جنس سے انہیں عذاب دیا جائے گا۔ عقائد میں جتنا وہ حق سے دور ہوں گے اسی کے موافق انہیں عذاب سے حصہ دیا جائے گا۔ اس وجہ سے بعض جہنمی بعض جہنمیوں سے زیادہ عرصہ جہنم میں رہیں گے اور بعض کا عذاب بعض سے زیادہ سخت ہوگا مگر ان کا جہنم میں ٹھہرنا یا اس عذاب میں ٹھہرنا حقب یا احقاب تک طویل ہوگا۔ اس تاویل کی بناء پر یہ مصدر تاکید لنفسہ نہیں ہوگا بلکہ تاکید لغیرہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں سابقہ جملہ اس مفہوم کا احتمال نہیں رکھتا جو احقاب کا مفہوم ہے۔ اسے تاکید لغیرہ بنانا تاکید لنفسہ بنانے سے بہتر ہے کیونکہ لفظ سے نیا معنی لینا سابقہ لفظ کے معنی لینے سے بہتر ہے۔

۲۔ وہ حساب سے ڈرتے نہیں تھے اور حساب کا اعتقاد بھی نہیں رکھتے تھے۔ یہ جملہ سابقہ جملے کی علت بیان کر رہا ہے کیونکہ کافر بعث، حساب اور جزاء کا مطلق اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ جہاں تک اهل هواء (خارجی رافضی وغیرہ) کا تعلق ہے یہ صفت ان میں سے بعض

۱۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 168 (التجاریہ)

(۱) جس کا مطلب بھی قرض کا اعتراف ہے اور اعترافا اسی معنی کی تاکید ہے۔ مترجم

WWW.NAFSEISLAM.COM

میں موجود ہے کیونکہ جو مرجیہ ہیں وہ حساب اور جزاء کا اعتقاد نہیں رکھتے اسی طرح رافضی کہتے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا حمایتی اور اس سے محبت کرنے والا اسے کسی گناہ کی وجہ سے بھی عذاب نہیں دیا جائے گا وہ گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ ہو۔

سے اس جملے کا عطف کانوا پر ہے۔ یہ صفت تمام اھل ھواء میں پائی جاتی ہے جس طرح ہم سورۂ مرسلات میں ذکر کر آئے ہیں کیا تم رافضیوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ تمام صحابہ کے مناقب کا انکار کرتے ہیں ان کے مرتد اور منافق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ صرف تین صحابہ کے مومن ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفاء کو جب اللہ تعالیٰ نے زمین میں اقتدار عطا فرمایا تو انہوں نے زمین میں فساد برپا کیا اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ صحابہ تمام امتوں سے برے اور تمام زمانے کے لوگوں سے برے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اور اس کا فرمان ہے الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ اس کے علاوہ اور آیات بھی ہیں۔

کذابا یہ مصدر ہے تکذیب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا یہ استعمال عام ہے یا یہ مکاذبہ کے معنی ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کے نزدیک جھوٹے تھے اور مسلمان ان کے نزدیک جھوٹے تھے یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ جھوٹ بولنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں جس طرح غلبہ پانے والے مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ دونوں معنوں کی صورت میں اسے حال بنانا جائز ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ محذوف مصدر کی صفت ہو یعنی انہوں نے ایسا جھٹلایا کہ اس میں جھوٹ بولنے میں وہ حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔

مسئلہ:۔ میں نے جو تاویل ذکر کی ہے اس بناء پر یہ آیت اھل ھواء (خارجی، رافضی وغیرہ) کے عذاب پر دلالت کرتی ہے۔ رہے مومنوں میں سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے تو ان کی جہنم میں رہنے کی طویل ترین مدت دنیا کے عرصہ کے برابر ہوگی یعنی سات ہزار سال۔ انہیں **حمیم** نہیں پلایا جائے گا اور نہ ہی اسی جیسے دوسرے سخت عذاب ہوں گے۔

ابن ابی حاتم اور ابن شاہین رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا توحید پر ایمان رکھنے والی تمام امتوں میں سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے جو توبہ کے بغیر مر گئے۔ ان میں سے جو جہنم میں داخل ہوں گے ان کی آنکھیں نیلی نہ ہوں گی ان کے چہرے سیاہ نہ ہوں گے انہیں شیاطین کے ساتھ نہیں جکڑا جائے گا انہیں بیڑیاں نہیں پہنائی جائیں گی انہیں **حمیم** (کھولتا ہوا پانی) نہیں پلایا جائے گا انہیں تارکول کا لباس نہیں پہنایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسموں اور صورتوں کو سجدہ کی وجہ سے دائمی عذاب کے لئے حرام کر دیا ہے۔ ان میں سے کسی کو جہنم کا عذاب ان کے قدموں تک پہنچے گا بعض کو عذاب ایڑیوں تک پہنچے گا۔ بعض کو عذاب سینے تک پہنچے گا۔ بعض کو عذاب گردن تک پہنچے گا جس طرح ان کے گناہ اور اعمال ہوں گے ان میں سے کوئی ایک سال تک جہنم میں رہے گا۔ پھر اس سے نکال لیا جائے گا اور زیادہ عرصہ وہ رہے گا جسے دنیا کی پیدائش سے لے کر اس کے فنا ہونے تک جہنم کا عذاب دیا جائے گا۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے **نوادر الاصول** میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کی روایت کی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ انہیں ہتھوڑوں کے ساتھ نہیں مارا جائے گا انہیں جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں نہیں پھینکا جائے گا ان میں سے کوئی ایک ساعت کے لئے ٹھہرے گا۔ ان میں سے کوئی ایک دن کے لئے ٹھہرے گا ان میں سے کوئی ایک سال تک ٹھہرے گا سب سے طویل عرصہ اس کا ہوگا جو دنیا کی پیدائش سے لے کر دنیا کے فنا ہونے تک کے عرصہ میں جہنم

WWW.NAFSEISLAM.COM

میں رہنے کا۔ وہ سات ہزار سال ہیں۔

میں کہتا ہوں یہاں اس سال سے مراد دنیا کے سال ہیں تا کہ دنیا کے ساتھ اس کی مساوات ثابت ہو جائے۔ بعض روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت مروی ہے کچھ لوگوں کو جہنم کا عذاب پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ انہیں جہنم میں موت عطا کرے گا جب شفاعت کا اذن ہوگا تو وہ زندہ ہو جائیں گے کفار کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ جہنم میں نہ مریں گے اور نہ ہی جئیں گے۔

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ﴿٢٩﴾ فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَكَأْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾

"حالانکہ ہر چیز کو ہم نے گن گن کر لکھ لیا تھا۔ پس اب مزہ چکھو (اپنے کئے کا) مزا چکھو اب ہم نہیں زیادہ کریں گے تمہارے لئے مگر عذاب ۔ بلاشبہ پرہیزگاروں کے لئے کامیابی ہی کامیابی ہے۔ (ان کے لئے) باغات اور انگور ہیں (اور ان کے لئے) نوجوان ہم عمر لڑکیاں اور چھلکتا ہوا جام ہے۔"

وَكُلَّ شَيْءٍ اضمار علی شرط تفسیر کے طور پر فعل مضمر سے منصوب ہے، یعنی ہم نے سرکش لوگوں کے تمام اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔ کتابا تمیز کی حیثیت سے یا حال کی حیثیت سے منصوب ہے۔ حال کی صورت میں یہ مکتوب کے معنی میں ہوگا یا مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح یہ کلام ہے ضربتهم سوطا یا کتبا کو فعل محذوف نے نصب دی ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی احصیناه کتبناه کتابا فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ یعنی ہم نے اسے لوح محفوظ میں یا کراما کاتبین کے صحیفوں میں شمار کر دیا ہے۔ یہ قول بیان کیا گیا ہے یہ جملہ معترضہ ہے۔ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ وفاقا کی علت ہے جس طرح انهم كانوا لا يرجون اللہ تعالیٰ کے فرمان جزاء کی علت ہے، یعنی ہم نے انہیں یہ جزاء اس لئے دی کیونکہ وہ حساب کا انکار کرتے تھے اور آیات کو جھٹلاتے تھے جزاء ان کے اعمال کے مطابق ہوگی کیونکہ ہم نے ان کے اعمال کو لکھ لیا ہے ان کے اعمال میں سے کوئی چیز بھی نہیں رہی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں اعمال کے مطابق جزاء عطا فرمائے گا۔

فذوقوا میں فاء سببیہ ہے۔ معنی یہ ہوگا تم عذاب چکھو کیونکہ تمہارے اعمال کو شمار کر دیا گیا ہے یہاں التفات کے طریقہ پر مشرکوں سے خطاب ہے التفات کا طریقہ مبالغہ کے اظہار کے لئے ہے۔

اے سرکشو جب تم جہنم میں ہو تو ہم تمہارے عذاب میں اضافہ ہی کریں گے۔ ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابن ابی جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے مرفوع روایت کی ہے قرآن میں یہ آیت جہنمیوں کے لئے سب سے زیادہ سخت ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بعث میں اسے موقوف روایت کیا ہے واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔ جب اللہ تعالیٰ نے سرکشوں کا ذکر فرمایا تو ساتھ ہی متقین کا ذکر کیا۔

مفازا مصدر میمی ہے یہ کامیابی اور جہنم سے نجات کے معنی میں ہے یا یہ اسم ظرف ہے۔

حدائق یہ مفازا سے بدل بعض ہے۔ اگر مفازا اسم ظرف ہو بصورت دیگر وہ بدل اشتمال ہوگا۔ اعنابا یہ اور مابعد مفازا سے بدل اشتمال ہے۔ اس کا عطف بدل بعض پر بھی کرنا صحیح ہے جس طرح یہ کہا جاتا ہے أَعْجَبَنِي زَيْدٌ وَجْهُهُ وَعِلْمُهُ۔

کواعب سے مراد ایسی نوجوان عورتیں ہیں جن کے پستان اٹھے ہوئے ہوں۔ یہ کاعب کی جمع ہے۔ اترابا کا معنی ہم عمر ہے۔

۱؎ حضرت ابن عباس، حضرت حسن اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا دھاقا سے مراد بھرا ہوا ہوتا ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی لگاتار کیا ہے جبکہ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی صاف کیا ہے۔(1)

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّ لَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾

''نہ سنیں گے وہ وہاں کوئی بیہودہ بات اور نہ جھوٹ ۱؎ یہ بدلہ ہے آپ کے رب کی طرف سے بڑا کافی انعام ۲؎''

۱؎ یہ جملہ متقین میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہے۔ فیھا کی ھا ضمیر مفازا کی طرف لوٹے گی جس کا معنی حدائق اور جنات ہے یا یہ جملہ کاس کی صفت ہے۔ اس صورت میں ھاء ضمیر کاس کی طرف لوٹے گی۔ یعنی وہ یہ جام پیتے وقت لغو کلام اور جھوٹ نہ سنیں گے جو وہ دنیا کے پیالے پیتے وقت سنتے تھے۔ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کذابا کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ مصدر ہے، جس کا معنی جھوٹ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مخفف بھی معنی میں مشدد کی طرح ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مشدد پڑھا ہے جو تکذیب کے معنی میں ہے، یعنی وہ جنت میں ایک دوسرے کو نہیں جھٹلائیں گے اور نہ ہی جنت میں جھوٹ پایا جائے گا۔

۲؎ جزاء یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اور سابقہ جملہ کی تاکید کا فائدہ دیتا ہے جس طرح ہم نے جزاء وفاقا میں ذکر کیا ہے۔ عطاء بھی جزاء کی طرح مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی یُجْزَوْنَ جَزَاءً اَوْ یُعْطَوْنَ عَطَاءً۔

حسابا یہ عطاء کی صفت ہے جس کا معنی کافی ہے۔ یہ احسبت فلانا سے مشتق ہے جس کا معنی ہے میں نے اسے وہ عطا کیا جو اس کے لئے کافی ہے یہاں تک کہ اس نے کہا حسبی یعنی یہ میرے لئے کافی ہے۔ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء حسابا کا معنی کثیر عطاء کیا ہے۔ اس صورت میں یہ تاکید لنفسہ ہوگا۔ جس طرح یہ جملہ ہے اللہ اکبر دعوۃ الحق اور لہ علی الف اعترافا۔ ایک قول یہ کیا گیا حسابا کا معنی ہے۔ اعمال کے حساب اور اندازے کے مطابق انہیں جزاء دی جائے گی۔ قاموس میں ہے ھذا بحسبہ یعنی یہ اس کی تعداد کے مطابق ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے یہ سابقہ کلام جزاء وفاقا کے مقابلہ میں ہے، یعنی سرکشوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزاء دی جائے گی اور متقین کو ان کے اپنے اعمال کے حساب سے جزاء دی جائے گی۔

میں کہتا ہوں بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور فضل کے مطابق جزاء دی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَ اللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ اسی طرح عمل کرنے والوں کے اخلاص اور قرب کے مراتب کے اعتبار سے بدلہ دیا جائے گا کیونکہ مقربین کو تھوڑے عمل پر اتنا اجر دیا جاتا ہے جو ابرار کو کثیر عمل پر اجر نہیں دیا جاتا۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کرے تو صحابہ کے ایک مد (سیر) یا اس کے نصف کے صدقہ کے برابر بھی نہیں پہنچتا(2)۔ یہ تفاوت مقربین میں قرب کے درجات میں تفاوت کی وجہ سے ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تمام صحابہ کرام کمالات نبوت کی وجہ سے دائمی تجلیات ذاتیہ میں مستغرق رہتے تھے۔ اکثر تابعین کا بھی یہی حال تھا اور تبع تابعین میں سے تھوڑے اس مقام پر فائز تھے۔ یہی لوگ مقرب ہیں تین قرون کے بعد جن کے بارے میں خیر کی گواہی دی گئی ہے۔ اس عظیم دولت کے انوار بجھ گئے اور ان کے آثار مٹ گئے پھر ہجرت سے لے کر ایک ہزار سال گزر گیا تو اللہ تعالیٰ نے بعض کریم لوگوں کو پیدا کیا اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 168 (التجاریہ)
2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 310 (قدیمی)

نہیں پہلے لوگوں جیسے کمالات عطا فرمائے جس طرح حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا میری امت کی مثال بارش جیسی ہے یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا آغاز بہتر ہے یا اس کا آخر بہتر ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے اس امت کے آخری حصہ کو امت کے پہلے حصہ کے ساتھ تشبیہ دی اس طرح کہ یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں سے کون دوسرے سے بہتر ہے۔ جعفر بن محمد اپنے باپ سے وہ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا تمہیں مبارک ہو، تمہیں مبارک ہو بے شک میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے۔ یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا آغاز بہترین ہے یا آخری حصہ بہترین ہے۔ یا اس کی مثال ایک باغ کی مانند ہے۔ اس میں سے ایک جماعت ایک سال کھاتی ہے اور دوسری جماعت دوسرے سال کھاتی ہے۔ شاید دوسری جماعت پہلی جماعت سے زیادہ وسیع عریض اور نیکیوں میں اچھی ہو اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اسے رزین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ایک صحابی سے مروی ہے کہ اس نے حضور علیہ السلام کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اس امت کے آخر میں ایک قوم ہوگی ان کا اجر امت کے پہلے لوگوں کے اجر جیسا ہوگا۔ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل نبوت میں روایت کیا ہے۔ اس تاویل کی بناء پر اللہ تعالیٰ کا فرمان جزاء من ربک عطاء حسابا۔ یہ تاکید نفیر دہ ہوگا جس طرح میں نے جزاء وفاقا میں ذکر کیا ہے۔

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾

"جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے حد مہربان انہیں طاقت نہ ہوگی کہ (بغیر اجازت) اس سے بات بھی کر سکیں [1]"

کوفیوں نے لفظ رب کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اس پر ضمہ پڑھا ہے۔ لفظ الرحمن کو عاصم اور ابن عامر رحمہما اللہ تعالیٰ نے مجرور پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ عاصم رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت میں دونوں لفظ مجرور ہیں۔ یہ دونوں اسماء ربک کی صفت ہیں یا اس سے بدل ہیں۔ اہل حجاز اور اہل بصرہ کی قرأت کے مطابق دونوں الفاظ مرفوع ہیں۔ رب السموات مبتداء موصوف ہوگا الرحمن اس کی صفت ہوگی اور مابعد جملہ اس کی خبر ہوگا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رب السموات مبتداء محذوف کی خبر ہو جو ھو ضمیر لفظ الرحمن خبر کی صفت ہو یا دوسری خبر ہوگا اور مابعد جملہ تیسری خبر ہوگی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ الرحمن مبتداء اور مابعد اس کی خبر ہو حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ کی قرأت کے مطابق پہلا لفظ رب مجرور اور دوسرا لفظ رب مرفوع ہے جو مبتداء محذوف کی خبر ہو تو یہ جملہ معترضہ ہوگا اور لفظ الرحمن مجرور ہے اور ربک سے بدل ہے اور مابعد جملہ مستانفہ ہے۔

لا یملکون کی ضمیر سے مراد زمین و آسمان کے مکین ہیں۔ منه میں ہ ضمیر سے مراد الرحمن ہے یعنی وہ ایک دوسرے سے گفتگو کرنے پر قادر نہ ہوں گے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شفاعت کے مالک نہ ہوں گے۔ اس معنی کا احتمال بھی ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ بعض کو بعض پر جو زیادہ اجر عطا کرے گا اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا کیونکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں رکھتا۔ اس کی طرف سے اجر محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اس وجہ سے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 169 (التجاریہ)

بے شک تمہارا عرصہ سابقہ قوموں کے عرصہ کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے جیسے عصر کا وقت ہوتا ہے تمہاری، یہودیوں اور نصرانیوں کی مثال ایسی ہی ہے کہ ایک آدمی کام کرانا چاہتا ہے اور کہتا ہے کون آدمی نصف دن سے عصر تک ایک قیراط پر عمل کرے گا۔ نصرانیوں نے نصف النہار سے عصر تک ایک ایک قیراط پر عمل کیا پھر فرمایا تم میں سے کون ہے جو عصر سے شام تک دو دو قیراط پر میرے لئے عمل کرے گا خبردار تم ہی وہ لوگ ہو جو عصر سے لے کر شام تک کام کرنے والے ہو خبردار تمہارے لئے دوگنا اجر ہے۔ یہودی اور نصرانی غضبناک ہو گئے۔ انہوں نے کہا ہم نے عمل زیادہ کیا اور ہمیں بدلہ کم عطا کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تمہارے حق میں کوئی کمی کی ہے۔ انہوں نے عرض کی کمی تو نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ اجر تو میرا فضل ہے، جسے چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ میں کہتا ہوں حضور ﷺ کے مذکورہ فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کی عمریں تھوڑی ہوں گی اور ان کے اعمال کم ہوں گے جبکہ دو قیراطوں سے مراد کثرت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ۔ اس سے صرف دوگنا مراد نہیں واللہ اعلم۔ ہماری اس تاویل کی بناء پر یہ آیت سابقہ آیت کے ساتھ معنی کے اعتبار سے مربوط ہو جائے گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَٰئِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا ﴿٣٩﴾

"جس روز روح اور فرشتے پرے باندھ کر کھڑے ہوں گے[1] کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے جس کو رحمٰن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے[2]۔ یہ دن برحق ہے سو جس کا جی چاہے بنا لے اپنے رب کے جوار رحمت میں اپنا ٹھکانا[3]"

[1] یوم یہ لا یملکون کی ظرف ہے یا لا یتکلمون کی ظرف ہے۔ تاہم پہلا قول زیادہ مناسب ہے۔ اس روز روح اور فرشتے کھڑے ہوں گے۔ روح کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ روح چوتھے آسمان میں ہے۔ وہ آسمانوں، پہاڑوں اور فرشتوں سے بڑی مخلوق ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ زیادہ کیا ہے کہ وہ روح دن میں بارہ ہزار بار تسبیح کہتی ہے۔ ہر تسبیح سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے جو قیامت کے روز ایک صف کی صورت میں آئے گا۔(2)

ابوالشیخ نے ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ روح اللہ تعالیٰ کا صاحب ہے جو اس کے سامنے کھڑا رہتا ہے۔ وہ فرشتوں سے بڑھ کر ہے۔ اگر وہ اپنا منہ کھولے تو تمام فرشتوں کو اپنے منہ میں لے لے کوئی مخلوق بھی اس کی طرف نہیں دیکھتی اس کے خوف کی وجہ سے وہ اپنی نظر اوپر نہیں اٹھاتی(3)۔ ابوالشیخ نے علی بن ابی طالب رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار منہ ہیں، ہر منہ کی ستر ہزار زبانیں ہیں، ہر زبان کی ستر ہزار لغتیں ہیں۔ وہ ان تمام لغات سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ہی عطاء رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے اس کے دس ہزار پر ہیں۔ ابو طلحہ رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ روح فرشتوں سے بڑی مخلوق ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا جب قیامت کا روز ہو گا وہ

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 79 (وزارت تعلیم) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 169 (التجاریہ) 3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 506 (العلمیہ)

روح ایک صف میں ہوگا جبکہ دوسرے فرشتے ایک صف میں ہوں گے۔ وہ اپنی مثل (فرشتوں) سے بڑی مخلوق ہے (1)۔

ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مقاتل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ روح فرشتوں سے بھی زیادہ معزز اور مقرب مخلوق ہے۔ شیخ موصوف نے ایک اور سند سے انہوں نے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ روح سے مراد جبریل امین ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز جبریل امین اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگا اور اس کے کندھے اللہ تعالیٰ کے خوف سے لرز رہے ہوں گے اور وہ عرض کر رہا ہوگا سُبۡحَانَكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنۡتَ مَا عَبَدۡنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ تو پاک ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا اللہ تعالیٰ کے فرمان يَوۡمَ يَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا کا یہی معنی ہے۔ ابونعیم نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے ابن مبارک نے ابوصالح مولیٰ ام ہانی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ روح ایک ایسی مخلوق ہے جو انسان کی صورت میں ہے لیکن وہ انسان نہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ زائد ذکر کیا ہے روح ایک صف میں کھڑے ہوں گے اور فرشتے دوسری صف میں کھڑے ہوں گے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں (2)۔ امام بغوی نے قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہی ذکر کیا ہے۔ ابوالشیخ نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے فرمایا: روح اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے، وہ فرشتے نہیں۔ ان کے سر، ہاتھ اور پاؤں ہیں۔ پھر اس آیت يَوۡمَ يَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا کی تلاوت کی، کہا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں۔ امام بغوی نے مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انسانوں کی شکل کی ایک مخلوق ہے۔ آسمان سے جو بھی فرشتہ زمین کی طرف آتا ہے اس کے ساتھ ایک روح ہوتی ہے (3)۔ ابن مبارک اور ابوالشیخ رحمہما اللہ تعالیٰ نے العظمۃ میں امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس آیت کے ضمن میں نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے دو قطاریں کھڑی ہوں گی۔ ایک قطار فرشتوں کی ہوگی اور ایک قطار روح کی ہوگی (4)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا روح سے مراد بنو آدم ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور کہا یہ وہ بات ہے جسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ظاہر نہیں فرماتے تھے (5)۔

صفا ترکیب کلام میں یقولون کے فاعل سے حال ہے یا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی یصفون صفا اور یہ مرجع میں یقوم کے فاعل سے ہوگا۔

یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے فرمان لَا يَمۡلِكُوۡنَ مِنۡهُ خِطَابًا کی وضاحت اور تاکید بیان کر رہا ہے کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی افضل ترین اور مقرب ترین مخلوق ہے۔ جب یہ بات کرنے پر قدرت نہیں رکھتے تو کوئی اور کیسے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے پر قدرت رکھے گا۔ ہاں جو بات کرے گا تو اللہ تعالیٰ کلام کرنے اور شفاعت کا اختیار دے گا۔ یہ لَا يَتَكَلَّمُوۡنَ کے فاعل سے حال ہے یا لَا يَمۡلِكُوۡنَ کے فاعل سے حال ہے۔ پہلی ترکیب لفظاً زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کا اتصال پایا جا رہا ہے اور دوسری ترکیب معنی زیادہ مناسب ہے کیونکہ شفاعت اور کلام کا اذن روح اور فرشتوں کے ساتھ مختص نہیں۔ جبکہ اس نے حق اور سچ کہا اور اس نے حق اور سچ پر اعتقاد بھی رکھا۔ یہاں قول سے مراد اعتقاد لیا ہے۔ اعتقاد قول سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس جملہ کا عطف اذن له الرحمن پر ہے۔ یعنی جس نے دنیا میں سچی بات

کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ سب سے بڑا جھوٹ اللہ تعالیٰ کا انکار ہے کیونکہ اس کے سچ ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ پھر اھل ھواء (رافضی، خارجی وغیرہ) جھوٹے ہیں کیونکہ قرآن ان کی تکذیب کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ قال صوابا کا معنی ہے اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا کفار کو اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ بات کریں یا اپنی طرف سے معذرت پیش کریں تو اھل ھواء (معتزلہ) کے لئے شفاعت کا درجہ کیسے ہو سکتا ہے۔

۳۹۔ ذلک الیوم سے اشارہ اسی مذکورہ یوم کی طرف ہے جس کی صفات کا پہلے ذکر ہو چکا ہے یہ مبتدا ہے الحق اس کی خبر ہے قصر کے بیان کے لئے خبر کو معرفہ ذکر کیا ہے کیونکہ یہ ایسا حق ہے جو ثابت ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔

مآب سے مراد لوٹنے کی جگہ اور وہ راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے رسولوں کی اتباع اور اللہ تعالیٰ کے راستہ کی طرف ہدایت کرنے والوں کی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والا ہے۔ جو راہنما جذب اور سلوک کی راہوں پر چلا کر اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں ان کے راستہ کو اپنا لے۔ یہاں فاء سببیہ ہے کیونکہ اس دن کا حق ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے راستے کو اپنایا جائے۔ الی ربہ یہ مآبا کے متعلق ہے یا یہ ظرف مستقر ہو کر مآبا کا حال ہے۔

إِنَّا أَنذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا ﴿٤٠﴾

"بے شک ہم نے ڈرادیا ہے تمہیں جلد آنے والے عذاب سے، اس دن دیکھ لے گا ہر شخص (ان عملوں کو) جو اس نے آگے بھیجے تھے اور کافر (بصد حسرت) کہے گا کاش میں خاک ہوتا ۔"

۴۰۔ کم ضمیر سے مراد کفار ہیں۔ عذابا قریبا سے مراد آخرت کا عذاب ہے کیونکہ ہر آنے والا وقت قریب ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ قبر اور موت کا عذاب جو تے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔

یوم یہ عذابا کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ عذاب تعذیب کے معنی میں ہے۔ ما قدمت میں ما استفہامیہ ہے اور قدمت کی وجہ سے منصوب ہے یا ما موصولہ ہے اور ینظر کی وجہ سے منصوب ہے صلہ کی ضمیر عائد محذوف ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ ہر ایک آدمی قیامت کے روز اپنے عمل کو اپنے صحیفہ میں دیکھے گا یا آخرت میں اس عمل کی جزا دیکھے گا یا قبر میں اس کی جزاء دیکھے گا۔ یہاں اعمال آگے بھیجنے کی نسبت ہاتھ کی طرف کی ہے کیونکہ (اعضاء کے اکثر اعمال ہاتھ سے ہی ہوتے ہیں) یا ہاتھ کا ذکر اس لئے کیا کیونکہ ید لفظ قدرت اور قوت سے کنایہ ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے اگر انسان اس سے نجات پا گیا تو بعد والا مرحلہ اس کے لئے آسان ہوگا۔ اگر وہ قبر کے مرحلہ سے نجات نہ پا سکا تو بعد کا معاملہ اس سے بہت مشکل ہوگا(1)۔ عذاب قبر کے بارے میں احادیث بے شمار ہیں۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے مگر کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا۔ ایک کو عذاب اس لئے ہو رہا ہے کیونکہ وہ بول سے پردہ نہیں کرتا تھا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے وہ بول (پیشاب) سے نہیں بچتا تھا۔ دوسرے کو عذاب اس لئے ہو رہا ہے کہ وہ چغل خوری کرتا تھا(2)۔ قبر

1۔ شعب الایمان: 10553، جلد 7، صفحہ 352 (العلمیہ)
2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 184 (وزارت تعلیم)

WWW.NAFSEISLAM.COM

یہ تفسیر دیکھنے پر حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ اس روایت میں مومن کے بارے میں یہ مذکور ہے کہ حد نگاہ تک اس کے لئے قبر کھول دی جائے گی۔ ایک خوبصورت انسان اس کے پاس آئے گا جس کا لباس بہت عمدہ اور خوشبو بہت اچھی ہو گی۔ تو وہ اس مومن کو کہے گا تجھے اس چیز کی بشارت جو تجھے خوش کرے گی۔ یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ تو مومن اس سے پوچھے گا تو کون ہے؟ تیرا چہرہ ایسے شخص کا چہرہ ہے جو بھلائی کرتا ہے۔ تو وہ جواب دے گا میں تیرا عمل ہوں۔ اس حدیث میں کافر کا ذکر ہے کہ اس پر قبر اتنی تنگ ہو جائے گی کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو جائیں گی۔ ایک بدصورت شخص اس کے پاس آئے گا۔ اس کے کپڑے گندے اور اس سے بدبو آ رہی ہوگی۔ تو وہ کہے گا تجھے ایسی چیز کی بشارت ہو جو تجھے دکھ دے۔ یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ کافر پوچھے گا تو کون ہے، تیرا چہرہ ایسے شخص کے چہرے جیسا ہے جو برائی کرنے والا ہو۔ تو وہ جواب دے گا میں تیرا خبیث عمل ہوں۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو زمین کو یوں پھیلا دیا جائے گا جیسے ایک چمڑہ بچھایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات یعنی انسانوں، جنوں، چوپاؤں اور وحشی جانوروں کو جمع کرے گا۔ جب وہ دن برپا ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ چوپاؤں کے درمیان قصاص جاری فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا مٹی ہو جا۔ کافر یہ دیکھے گا تو کہے گا ہائے کاش میں بھی مٹی ہو جاتا۔(2)

دینوری نے یحییٰ بن جعدہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ ابن جریر، ابن حاتم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ امام بغوی نے مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول اسی طرح کا ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ ہے کافر کہتا ہے ہائے کاش میں دنیا میں خنزیر کی صورت میں ہوتا اور آج میں مٹی ہو جاتا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے زیاد اور عبداللہ بن صیان رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے جب اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا، جنتیوں کو جنت اور جہنمیوں کو جہنم کا حکم دے دے گا تو تمام امتوں اور مومن جنوں سے فرمائے گا سب مٹی ہو جاؤ۔ تو وہ مٹی ہو جائیں گے۔ اس وقت کافر کہے گا ہائے کاش میں مٹی ہو جاتا۔ ابن ابی سلیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے کہ جنوں میں سے مومن مٹی ہو جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہاں کافر سے مراد ابلیس ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام پر یہ عیب لگایا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا اور اپنے اوپر یہ فخر کیا کہ اسے آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ جب قیامت کے روز اس ثواب اور رحمت کو دیکھے گا جس میں حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد ہوگی اور اپنی شدت اور عذاب کو دیکھے گا تو وہ کہے گا ہائے کاش میں مٹی ہوتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا مٹی کہے گی نہیں، تیرے لئے کوئی عزت نہیں، کس نے تجھے میری مثل بنایا ہے۔(3)

1۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 288-287 (صادر)　2۔ مستدرک حاکم، جلد 4، صفحہ 619 (العلمیہ)

3۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 169 (التجاریہ)

WWW.NAFSEISLAM.COM

سورۃ النازعات

رکوعاتها ۲ سُوۡرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ ۷۹ ایاتها ۴۶

سورۃ النازعات مکی ہے، اس میں دو رکوع اور چھیالیس آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

وَ النّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ﴿۱﴾ وَّ النّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ۙ﴿۲﴾ وَّ السّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ۙ﴿۴﴾ فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ۘ﴿۵﴾

''قسم ہے (فرشتوں کی) جو غوطہ لگا کر (جان) کھینچنے والے ہیں اور بند آسانی سے کھولنے والے ہیں ۱؎ اور تیزی سے تیرنے والے ہیں ۲؎ پھر (تعمیل ارشاد میں) جو دوڑ کر سبقت لے جانے والے ہیں ۳؎ پھر (حسب حکم) ہر کام کا انتظام کرنے والے ہیں ۴؎''

۱؎ واؤ قسمیہ ہے، جواب قسم محذوف ہے جو لتبعثن اور لتحاسبن ہے جس پر مابعد کلام دلالت کرتی ہے۔ نازعات غرقا سے مراد ایسے فرشتے ہیں جو کفار کی روحوں کو بڑی سختی سے نکالتے ہیں۔ غرقا قائم مقام مفعول مطلق ہے۔ یہ اس طرح ہے جس طرح قعدت جلوسا میں جلوسا مفعول مطلق ہے۔ عرب کہتے ہیں اغرق النازع في القوس، یعنی اس نے بڑی سختی اور پوری قوت سے کمان پر تیر چڑھا کر اسے کھینچا۔

وَّالنّٰشِطٰتِ نَشۡطًا سے مراد وہ فرشتے ہیں جو بڑی نرمی کے ساتھ مومنوں کی روحوں کو نکالتے ہیں۔ یہ نشط الدلو سے مشتق ہے جب اسے سختی کے بغیر نکالا جائے۔ یا یہ نشط الحبل سے مشتق ہے جس کا معنی ہے کہ اس نے رسی کو اتنا لمبا کیا کہ وہ کھل گئی کیونکہ مومن دنیا کے مصائب میں گویا قید اور جکڑا ہوا تھا۔ ان فرشتوں نے اسے چھٹکارا دلایا اور اس کی گرہوں کو بڑی نرمی سے کھولا جس طرح اونٹ کے پاؤں کے ڈھنگہ کو کھول دیا جاتا ہے۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ مومن کی روح کی حالت یہ ہوگی گویا اسے ڈھنگے سے چھٹکارا ملا ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ مومن جب دنیا سے اپنا تعلق منقطع کر لیتا ہے اور آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس کی طرف فرشتے نازل ہوتے ہیں جن کے چہرے اتنے سفید ہوتے ہیں گویا وہ سورج ہو۔ ان کے پاس جنت کے کفن ہوتے ہیں اور خوشبو بھی جنت کی ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ حد نگاہ تک اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آتا ہے اور وہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے اے نفس مطمئنہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کے رضوان کی طرف نکلو۔ تو وہ نکل پڑتا ہے۔ وہ یوں بہتا ہے جس طرح مشکیزہ سے قطرہ بہتا ہے۔ تو ملک الموت اسے

پکڑ لیتا ہے۔ جب وہ اسے پکڑتا ہے تو پلک جھپکنے کی دیر بھی اس کے پاس روح نہیں رہتی یہاں تک کہ وہ دوسرے فرشتے اسے لے لیتے ہیں اور اسے کفن اور خوشبو میں رکھ لیتے ہیں جس سے کستوری سے زیادہ عمدہ خوشبو نکلتی ہے۔ جب کافر بندہ دنیا سے تعلق توڑنے والا ہوتا ہے تو آسمان سے اس کے پاس فرشتے آتے ہیں جن کے چہرے سیاہ ہوتے ہیں جن کے پاس ٹاٹ کا لباس ہوتا ہے۔ وہ اس کے پاس حد نگاہ تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آتا ہے اور اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے اے خبیث نفس اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی طرف نکل۔ تو وہ اس کے جسم میں بکھر جاتا ہے تو ملک الموت اسے یوں نکالتا ہے جیسے خاردار تار اون سے نکالی جاتی ہے تو ملک الموت اسے پکڑ لیتا ہے۔ جب وہ اسے پکڑتا ہے تو ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے ہاتھ میں روح نہیں رہتی کہ وہ دوسرے فرشتے اسے ٹاٹ میں رکھ لیتے ہیں۔ تو اس سے مردار کی بدبو جیسی بدبو نکلتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ملک الموت کافر کی روح کو سختی سے کھینچتا ہے۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔

[illegible] رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ملک الموت کافر کے نفس کو بالوں اور ناخنوں کے نیچے سے نکالے گا۔ نکالنے کے بعد پھر اسے جسم میں لوٹا دے گا یہاں تک کہ جب اسے نکالنے کے قریب پہنچے گا تو پھر اس سے انہیں دور کرے گا اور اس کے ساتھ ملک الموت کا یہ عمل ہوگا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ملک الموت اور اس کے مددگار کافر کی روح کو اس طرح کھینچتے ہیں جس طرح کانٹے دار تار بھیگی ہوئی اون سے نکالی جاتی ہے (2)۔

فائدہ۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نفس ایک لطیف جسم ہے جس طرح ایک کثیف جسم ہوتا ہے جو بدن میں حلول کئے ہوتا ہے۔ یہ عناصر سے بنتا ہے روح، قلب اور دوسرے جواہر مجردہ جن کا تعلق عالم امر سے ہے۔ وہ اس طرح کے ہوتے ہیں۔ اپنی لطافت کی وجہ سے آنکھ سے کسی مکان میں ظاہر نہیں ہوتے۔ عالم امثال میں عرش سے اوپر انہیں دیکھا جا سکتا ہے۔ صوفیہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت کے ساتھ نفس کو روح کے ساتھ یوں بنا دیا ہے جس طرح آئینہ کا سورج کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ نفس روح کے فیضان سے یوں بھر جاتا ہے جس طرح آئینہ سورج کی شعاعوں سے بھر جاتا ہے جب وہ آئینہ سورج کے سامنے ہوتا ہے۔ نفس کا بدن کے ساتھ تعلق اس طرح ہے جیسے چاند ہو جو سورج کی روشنی سے منور ہوتا ہے اور چاند بنتا ہے۔ بدن کی زندگی نفس کے ساتھ ہے اور نفس کی زندگی روح کے ساتھ ہوتی ہے۔ جب وقت مقررہ آتا ہے تو نفس بدن سے جدا ہو جاتا ہے۔ اسے آسمانوں کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ مومن نفس کے لئے ساتویں آسمان تک آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میرے بندے کو علیین میں لکھ لو اور اسے زمین کی طرف واپس کر دو کیونکہ میں نے انسانوں کو اسی سے پیدا کیا ہے اسی میں لوٹاؤں گا اور زمین سے ہی دوبارہ انہیں نکالوں گا۔ کافر کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے بلکہ اسے سجین کی طرف پھینک دیا جاتا ہے۔ یہ ارشاد اس امر میں صریح ہے کہ نفس کو بھی زمین سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس تحقیق کی بنا پر قبر کے عذاب کے انکار کی وجہ نہیں رہتی جبکہ اہل ہوا اس کا انکار کرتے ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ بدن کثیف ہوتا ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ قبر کا عذاب بدن کثیف پر بھی ممکن ہے۔ موت اس کے عذاب کے مانع نہیں جس کی تحقیق سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد فرشتے ہیں جو آسمان سے بہت تیزی کے ساتھ اترتے ہیں جس طرح تیز رفتار گھوڑا ہوتا ہے (3)۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 287 (صادر)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 170 (التجاریہ)
3۔ ایضاً

Nafseislam WWW.NAFSEISLAM.COM

۳۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو خیر اور عمل صالح میں انسانوں پر سبقت لے گئے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مومنوں کی روحوں کو جنت کی طرف جلدی لے جاتے ہیں (1)۔ میں کہتا ہوں کفار کی روحوں کو وہ عذاب کی طرف جلدی لے جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر حضرت براء رضی اللہ عنہ کی مذکورہ آیت میں آیا ہے کہ جب ملک الموت کسی نفس کو پکڑتا ہے تو وہ ایک لمحہ بھی اس کے ہاتھ میں نہیں رہتا یہاں تک کہ دوسرے فرشتے اسے پکڑ لیتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سابقات سے مراد مومنوں کے نفوس ہیں جو ان فرشتوں کی طرف تیزی سے جاتے ہیں جو انہیں قبض کرتے ہیں۔ مومنوں کے نفوس کا یہ انداز اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق، اس کی تعظیم اور حد درجہ خوشی کی بناء پر ہوتا ہے۔ (2)

۴۔ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مدبرات امرا کے بارے میں نقل کیا ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو ملک الموت کے ساتھ لوگوں کی روحوں کو قبض کرتے وقت حاضر ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی تو اس کی روح کو آسمانوں کی طرف لے جاتا ہے، کوئی دعا پر آمین کہتا ہے، کوئی میت کے لئے استغفار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اور اسے قبر میں رکھا جاتا ہے (3)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ وہ فرشتے ہیں جن کے ذمہ امور کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ امور سرانجام دینے کا سلیقہ بتا دیا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سابط رضی اللہ عنہ نے کہا دنیا میں چار فرشتے امور کی تدبیر کرتے ہیں جبرائیل، میکائیل، ملک الموت اور اسرافیل۔ جبرئیل روحوں اور لشکروں کی تدبیر کرتے ہیں، میکائیل کے ذمہ بارش اور نباتات ہے، ملک الموت کے ذمہ نفوس کو قبض کرنا ہے، اسرافیل اللہ تعالیٰ کے احکام کو ان کی طرف پہنچاتا ہے (4)۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مدبرات امرا کے علاوہ تمام کی تعبیر ستاروں سے کی گئی ہے کیونکہ وہ ایک افق (مشرق) سے دوسرے افق (مغرب) کی طرف تیزی سے چلتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں اور ایک افق سے (شمال) سے دوسرے افق (جنوب) کی طرف آہستہ آہستہ نکلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ اور وہ ستارے ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں۔ یہ کمزور قول ہے کیونکہ اس صورت میں نزع، نشط اور سبح میں کوئی فرق نہیں اور ایک چیز کو چار دفعہ ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ نزع اور نشط میں فرق یہ ہے کہ مشرق سے مغرب کی طرف ان ستاروں کی حرکت تیز رفتاری سے ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ غائب ہو جاتے ہیں اور ایک برج سے دوسرے برج کی طرف ان کی حرکت بڑی ہلکی اور نرم ہوتی ہے۔ اس لئے اسے نشط سے تعبیر کیا جو فلاسفہ کے مذہب کے مطابق ہے، جو اس بات کے قائل ہیں کہ آسمان ایک دوسرے پر تہ در تہ ہیں اور ملے ہوئے ہیں اس لئے قسری حرکت کا تصور کیا جا سکتا ہے جبکہ شرع سے یہ ثابت ہے کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک مسافت پانچ سو سال ہے۔ اس آیت کی تاویل میں اور بھی معانی ذکر کئے گئے ہیں جو عقلی توجیہات پر مبنی ہیں جبکہ ان کے بارے میں نقلی روایات نہیں ہیں۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ نفوس فاضلہ کی اس وقت کی صفات ہیں جب وہ اپنے بدنوں سے جدا ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے بدنوں سے بڑی سختی کے ساتھ نکلتے ہیں۔ یہ اَغْرَقَ النَّازِعُ فِي الْقَوْسِ سے مشتق ہے۔ پھر وہ عالم ملکوت کی طرف آہستہ آہستہ جاتے ہیں، اس میں وہ تیرتے ہیں۔ بارگاہ اقدس میں پہنچنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں یہاں تک کہ اپنے شرف اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 170 (التجاریۃ) 2۔ ایضاً۔ 3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 510 (العلمیۃ)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 170 (التجاریۃ)

قوت کی وجہ سے مدبرات امر میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یا یہ نفوس فاضلہ کی حالت سلوک میں صفات ہیں کیونکہ وہ شہوات کو چھوڑتے ہیں عالم قدس کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں، ارتقاء کے مراتب میں تیرتے ہیں، کمالات کو پانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ مکمل ہو جاتے ہیں۔ یا یہ غازیوں کی صفات ہیں، یعنی ان کے ہاتھ کمان پر تیر چڑھا کر سختی سے کھینچتے ہیں اور تیر چھوڑتے ہیں، خشکی اور سمندر میں تیرتے ہوئے جاتے ہیں، دشمنوں سے جنگ کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں اور فتح کی تدبیر کرتے ہیں۔ یا یہ ان کے گھوڑوں کی صفات ہیں کیونکہ وہ اپنی لگاموں کو بڑی سختی سے کھینچتے ہیں اور لگامیں ان کی گردنوں میں غرق ہو جاتی ہیں۔ وہ دار السلام سے دار الکفر کی طرف نکل جاتے ہیں، وہ تیز دوڑتے ہیں، جنگ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں اور کامیابی کی تدبیر کرتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ۝ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝ يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ۝

"جس روز تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی [1] اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا ہوگا [2] کتنے دل اس روز (خوف سے) کانپ رہے ہوں گے ان کی آنکھیں (ڈر سے) جھکی ہوں گی [3] کافر کہتے ہیں کیا ہم لوٹائے جائیں گے الٹے پاؤں"

[1] یہ ظرف محذوف جواب قسم کے متعلق ہے جو لتبعثن یا لتحاسبن ہے۔ اس دن کا ظرف ہونا اپنے اجزاء کے اعتبار سے ہے کیونکہ اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے جو نفخہ اولیٰ سے لے کر جنت یا جہنم میں داخل ہونے تک ہے۔ امام بیہقی نے مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان ترجف الراجفة کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے کہ زمین اور پہاڑوں میں زلزلہ برپا ہو جائے گا پھر اس کے بعد ان کو ایک ہی بار ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ (1)

[2] تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ یہ جملہ ترجف کے فاعل سے حال ہے۔ راجفه سے مراد نفخہ اولیٰ ہے اور رادفه سے مراد نفخہ ثانیہ ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ پہلے نفخہ کو راجفه سے تعبیر کیا کیونکہ وہ زلزلہ پیدا کرتا ہے جس کے ساتھ ہر شے حرکت کرنے لگتی ہے اور تمام مخلوقات اس کے ساتھ مر جائے گی۔ دوسرے نفخہ کو رادفه سے تعبیر کیا کیونکہ وہ پہلے نفخہ کے پیچھے آتا ہے۔ عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ پہلے نفخہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو ہلاک کر دے گا۔ حلیمی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا روایات اس بات پر متفق ہیں کہ دو نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ لوگوں نے کہا چالیس دن کا عرصہ ہوگا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ لوگوں نے کہا چالیس ماہ کا عرصہ ہوگا تو آپ نے جواب دیا میں اس کا بھی انکار کرتا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا تو لوگ اس طرح اگ پڑیں گے جس طرح سبزیاں اگتی ہیں۔ انسان میں سے کوئی ایسی چیز نہ ہوگی جو بوسیدہ ہو چکی ہوگی مگر دم گزے کی ہڈی باقی رہے گی قیامت کے روز اسی سے انسان کی تخلیق ہوگی (2)۔ ابن ابی داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بعث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ حضور ﷺ سے اسی طرح روایت کرتے ہیں۔ اس میں یہ تصریح ہے

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 510 (العلمیہ)

2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 406 (قدیمی)

نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دو نفخوں کے درمیان پانی کی ایک وادی بہے گی۔ دونوں نفخوں کے درمیان کا عرصہ چالیس سال ہوگا۔ ہر بوسیدہ مخلوق انسان ہو، حیوان ہو یا چوپایہ ہو وہ اٹھایا جائے گا۔ اگر ان پر اس سے پہلے کوئی آدمی گزرا ہو تو وہ اب اسے پہچان لے گا۔ پس وہ اگیں گے۔ پھر روحوں کو بھیجا جائے گا اور انہیں جسموں کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ کا یہی معنی ہے۔

۳؎ قلوب مبتدا ہے۔ یومئذ ایک فعل محذوف کے متعلق ہے جس پر واجفة دلالت کرتا ہے۔ واجفة مبتدا کی خبر ہے، یعنی دل سخت مضطرب ہوں گے۔ یہ واجف سے مستعار ہے جس کا معنی تیز رفتاری سے چلنا ہے۔ ایسے دل والوں کی آنکھیں خوف کی وجہ سے جھکی اور ذلیل ہوں گی۔ یہ جملہ خبر کے بعد خبر ہے یا یہ واجفة کی صفت ہے۔

۴؎ یہ جملہ دلوں کے مضطرب ہونے اور آنکھوں کے جھکے ہونے کی علت ہے، یعنی انہیں اضطراب اور زلزلہ لاحق ہوگا کیونکہ وہ دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتے تھے۔ وہ دنیا میں یہی بات کرتے تھے کیا ہمیں موت کے بعد پہلی والی زندگی کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ اس جملہ میں استفہام انکاری ہے، یعنی ہمیں ہرگز نہیں لوٹایا جائے گا۔ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے لفظوں میں ہمزہ استفہام کو حذف کیا ہے اور معنوں میں اس کا اعتبار کیا ہے۔ حافرہ سے مراد پہلے والی زندگی ہے۔ عرب کہتے ہیں رَجَعَ فُلَانٌ فِی الْحَافِرَةِ یعنی وہ اسی راستہ پر واپس لوٹا جس راستہ سے وہ آیا تھا، یعنی اس نے راستہ میں اپنے نشان چھوڑے تھے جس طرح یہ لفظ ہے عیشة راضية، یعنی اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں ہے یا اسم فاعل کو اسم مفعول سے تشبیہ دی۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حافرہ سے مراد آگ ہے۔ (1)

ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿۱۱﴾ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿۱۲﴾ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۴﴾

"(یعنی جب) ہم بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے ۱؎ بولے یہ واپسی تو بڑی گھاٹے کی ہوگی ۲؎ (پس اس واپسی کے لئے) تو فقط ایک جھڑک کافی ہے ۳؎ پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے ۴؎"

۱؎ نافع، کسائی، یعقوب، حمزہ اور عامر نے اسے اذا کنا ہمزہ استفہام کے بغیر پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اور ہمزہ انکار کے لئے ہے۔ انکار کے بعد ہمزہ کا انکار کے لئے آنا تاکید ہے۔ ظرف محذوف کے ساتھ متعلق ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے انبعث اذا کنا یہ بھی احتمال ہے کہ یہ مَرْدُوْدُوْنَ کے ساتھ متعلق ہو۔ نخرة کا معنی خشک ہے۔ ابوبکر، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے اسم فاعل کے وزن پر ناخرہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے نخرة پڑھا ہے۔ سعید بن منصور نے محمد بن کعب رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ء انا لمردودون فی الحافرة نازل ہوا تو قریش کے کفار نے کہا اگر ہم موت کے بعد لوٹے تو ہم تو خسارہ پانے والے ہوں گے تو مابعد آیت نازل ہوئی۔ (2)

۲؎ اس جملے کا عطف یقولون پر ہے یا قد کے مضمر ماننے کے ساتھ یہ یقولون کے فاعل سے حال ہے لیکن اس آیت کا شان نزول جس طرح سعید بن منصور کی روایت جو محمد بن کعب رحمہما اللہ تعالیٰ سے مروی ہے وہ اس کے حال ہونے سے انکار کرتی ہے۔

تلک اسم اشارہ کا مشار الیہ رجعة (لوٹنا) ہے جو اللہ تعالیٰ کے فرمان ء انا لمردودون فی الحافرة سے سمجھا جا رہا ہے۔ یہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 171 (التجاریہ) 2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 511 (العلمیہ)

[illegible] اشارہ مبتدا ہے۔ اذا کی تقدیر کلام اس طرح ہے اذا کان کذلک فتلک الرجعۃ، یعنی اگر معاملہ ایسا [illegible] حضرت محمد ﷺ کہتے ہیں تو یہ شرط ہے اور جزا محذوف ہے جس پر مستغنی ہے کیونکہ یہ ایسے جملے کے درمیان واقع ہے جو [illegible] پر دلالت کرتا ہے۔

کرۃ خاسرۃ یعنی ایسا لوٹنا ہوگا جس میں خسارہ ہوگا، یعنی اسم فاعل کا صیغہ اسم مفعول کے معنی میں ہے [illegible] ہوں گے یعنی خاسرۃ صفت نسبتی ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اگر یہ درست ہو تو ہم جھٹلانے کی وجہ سے [illegible] یہ کلام ان کی طرف سے بطور استہزاء ہوگا۔

ہی ضمیر سے مراد وہ واقعہ ہے جس کی تعبیر زجرۃ یعنی آواز کے ساتھ جھڑکنا ہے۔ کہتے ہیں زجر البعیر فانزجر [illegible] آیت سے کیونکہ زمین میں جو انسان ہوں گے انہیں صور میں پھونکنے کے ساتھ زمین سے باہر نکالا جائے گا [illegible] آواز کے لئے استعمال ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے والزجرات زجرا یعنی قسم ہے ان فرشتوں کی جو [illegible] جھڑکتے ہیں۔ کبھی یہ صرف نکالنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مدحورا [illegible] جھڑک دیا اور محروم کر دیا گیا۔

فاذا ہم میں فاء عطف کے لئے ہے اور اذا مفاجاتیہ ہے جو جملہ اسمیہ کی طرف مضاف [illegible] فعلیہ پر ہے۔ اس لئے یہ جملہ فعلیہ کی قوت میں ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی یقولون فی الدنیا کذا فیفاجئون [illegible] بالساھرۃ۔ یہ جملہ فانما ہی زجرۃ واحدۃ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان معترضہ ہے۔ مقصود یہ بیان کرنا ہے [illegible] جس کا وہ انکار کرتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بالکل آسان اور واضح ہے، یعنی تیرے پاس بغیر کسی مشقت کے [illegible] الساھرۃ سے مراد زمین ہے یعنی جب وہ روئے زمین پر ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ قیامت کی زمین ہے [illegible] مراد جہنم ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝

(اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو موسیٰ کی خبر؟ جب ان کے رب نے انہیں طویٰ کی مقدس وادی میں پکارا [illegible]

[illegible] میں استفہام تقریر کے معنی میں ہے، یعنی یقیناً آپ کو ان کی خبر پہنچی ہے۔ یہ جملہ معترضہ ہے جو حضور ﷺ [illegible] کیونکہ قوم نے آپ کو جھٹلایا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ قوم کے لئے دھمکی ہے کہ انہیں بھی ایسا ہی عذاب پہنچ سکتا ہے جیسے عذاب ان سے پہلے والوں کو پہنچا تھا۔

اذ یہ ظرف ہے اور حدیث موسیٰ کے مفہوم کے متعلق ہے۔ مطلب یہ ہوگا یقیناً آپ تک وہ بات پہنچی ہوئی ہے [illegible] السلام سے متعلق ہے جب ان کے رب نے انہیں ندا کی تھی۔ بالواد میں باء حرف جار فی کے معنی میں ہے [illegible] تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور اجتماع ساکنین کی وجہ سے اس کے نون کو کسرہ دیتے ہیں کیونکہ طوی مکان کا نام ہے [illegible] ان پر نودی بالمقدس کا مفعول مطلق ہے۔ معنی یہ ہوگا اسے دو ندائیں دی گئیں یا اسے دو [illegible] نے تنوین کے بغیر اسے پڑھا ہے کیونکہ وہ معدول تقدیری ہے اور طاوی سے بنا ہے یا یہ وادی کا نام ہے اور [illegible] مونث کا نام ہے کیونکہ وہ مکان بقعہ کے معنی میں ہے۔ تو اس صورت میں الواد سے عطف بیان ہوگا اور اذھب [illegible]

جبکہ اس سے پہلے قول محذوف ہوگا۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿17﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿18﴾ وَ اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿19﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿20﴾

”(کہ) جاؤ فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے[1] پس (اس سے) دریافت کرو کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہو جائے[2] اور (کیا تو چاہتا ہے) میں تیری رہبری کروں تیرے رب کی طرف تاکہ تو (اس سے) ڈرنے لگے[3] پس آپ نے (جاکر) اسے بڑی نشانی دکھائی[4]“

[1] آپ کے جانے سے پہلے اس نے سرکشی کی۔

[2] قل کا عطف اذهب پر ہے۔ اہل حجاز اور یعقوب رحمہما اللہ تعالیٰ نے تزکّی کی ذال کو مشدد پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے دوتاؤں میں سے ایک تاء کو حذف کیا ہے، یعنی کیا تو میلان رکھتا ہے کہ اپنے آپ کو شرک سے پاک کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی ہے کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ تو لا الہ الا اللہ کہے۔(1)

[3] میں تجھے تیرے رب کی معرفت، اس کی عبادت اور اس کی توحید کی طرف راہنمائی کروں، اس کے نتیجہ میں تو اس کے عذاب سے ڈرتا، تو اس کی وجہ سے فرائض بجالاتا اور محرمات کو چھوڑ دیتا کیونکہ میں نے تیری راہنمائی کر دی ہے۔ اس میں فاء سببیہ ہے کیونکہ خوف معرفت کا نتیجہ ہے اور معرفت ہدایت کا نتیجہ ہے۔

[4] اس جملے کا عطف کلام محذوف پر ہے، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے۔ آپ نے تبلیغ کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اپنی صداقت پر عظیم معجزہ دکھایا۔ آیة کو مفرد ذکر کیا ہے کیونکہ تمام معجزات دلالت کے اعتبار سے واحد ہیں۔ یا یہاں آیة سے مراد صرف عصا (چھڑی) کو سانپ بنانا ہے۔

فَكَذَّبَ وَ عَصٰى ﴿21﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿22﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿23﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿24﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى ﴿25﴾

”پس اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی[1] پھر روگرداں ہو کر فتنہ انگیزی میں کوشاں ہو گیا[2] پھر (لوگوں کو) جمع کیا پس پکارا[3] اور کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں[4] آخر کار مبتلا کر دیا اسے اللہ نے آخرت اور دنیا کے (دوہرے) عذاب میں[5]“

[1] فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمان کی جبکہ معجزات کے ساتھ ان کی سچائی ظاہر ہو چکی تھی۔

[2] جب اس نے سانپ دیکھا تو اس جگہ سے تیزی کے ساتھ بھاگا۔ یسعی یہ ادبر کے فاعل سے حال ہے یا اس کا معنی یہ ہے فرعون نے ایمان اور طاعت سے روگردانی کی جبکہ وہ خود زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

[3] فرعون نے اپنے لشکر اور جادوگر جمع کئے اور مجمع میں اعلان کیا۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 172 (التجاریۃ)

Nafse Islam
WWW.NAFSEISLAM.COM

ے فقال یہ نادی کا بیان ہے۔ اس میں فاء تفسیر کے لئے ہے۔ یعنی مجھ سے بڑا کوئی رب نہیں۔ یا اس کا معنی یہ ہے جو بھی تمہارے معاملات کا ذمہ دار ہے میں ان سب سے بڑا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بت تمہارے رب ہیں اور میں تمہارا اور بتوں کا بھی رب ہوں۔

لغت میں نکال کا معنی ضعف اور عجز ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کوئی چیز اسے کسی چیز سے نہ روکتی ہے اور نہ ہی اسے عاجز... کا اطلاق جانور کے دھکلے اور لگام پر بھی ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں جانور کو روکتی ہیں۔ نکال تنکیل مصدر سے... ہے ہیں نکلت به یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم کسی کو ایسی سزا دے جو دوسرے لوگوں کو اس قسم کا کام کرنے سے روک دے۔ نکال یہاں یا تو مصدر محذوف کی صفت ہے جو اس کی تاکید بیان کرتی ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اخذہ الله اخذ نکال... یہ ... دیکھنے اور سننے والے کو ایسا فعل کرنے سے روکتی ہے۔ نکال الاخرة میں اضافت یا تو فیوی ہے۔ معنی یہ ہوگا ... آخرت میں جلانے کے ساتھ عذاب دے گا اور دنیا میں غرق کرنے کے ساتھ عذاب دے گا۔ حضرت حسن بصری رضی الله عنہ اور قتادہ رحمة الله علیہ کا یہی قول ہے۔ یا یہ اضافت لامی ہے یعنی الله تعالیٰ اسے دوسرے کلمہ پر سزا دے گا۔ دوسرا کلمہ یہ ہے ما علمت لكم من الٰه غيري اور پہلا اس آیت میں مذکور ہے۔ ان دونوں کلمات کے درمیان چالیس سال کا عرصہ تھا۔ مجاہد رحمة الله علیہ اور ... سے ... روایت کیا ہے۔ (1)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی ﴿۲۶﴾ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾

"بے شک اس میں بڑی عبرت ہے اس کے لئے جو الله سے ڈرتا ہے [1] کیا تمہیں پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان کو؟ اس نے بنایا [2] اس کی چھت کو خوب اونچا کیا پھر اس کو درست کیا۔"

1 اس پکڑ اور سزا میں ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو ڈرتے ہیں۔ لمن یخشی یہ ترکیب کلام میں عبرة کی صفت ہے۔ ... التفات کے طریقہ پر بعث کے منکرین سے خطاب کیا اور دوبارہ اٹھائے جانے اور الله تعالیٰ کے قادر ہونے پر ان کے خلاف ... سے استدلال کیا جس میں الله تعالیٰ کی قدرت ظاہر و باہر ہے وہ چیز کائنات کو پیدا کرنا ہے۔

2 السماء ترکیب کلام میں مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ اشد خلقًا ... جملہ میں استفہام تقریر کے لئے ہے۔ السماء سے مراد آسمان اور اس میں جو کچھ ہے کیونکہ آگے تفصیل میں زمین اور ... میں موجود پہاڑوں کا بھی ذکر ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ آسمان اور اس میں موجود ہر چیز تم سے تخلیق میں بہت مشکل ہے کیونکہ ... میں جو ... تم اس کا بعض ہو اور کل پہلی دفعہ پیدا کرنے میں جزء سے زیادہ مشکل ہوتا ہے جبکہ دوبارہ لوٹانا تو الله تعالیٰ پر پہلی دفعہ پیدا کرنے سے آسان ہوتا ہے۔

بنٰها یہ جملہ السماء کی صفت ہے یا تو اس طریقہ پر کہ السماء پر جو الف لام ہے وہ زائدہ ہے۔ جس طرح اس جملہ میں لام زائدہ ہے ولقد امرّ على اللئيم يسبّني یا یہاں اسم موصول حذف ہے۔ تقدیر کلام یوں تھی التي بناها یا دوسرا جملہ پہلے جملہ پر معطوف ہے اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 172 (التجاریہ)

حرف عطف مقدر ہے۔ دونوں قضیوں سے قیاس کے دونوں مقدمیں حاصل ہوتے ہیں۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: اِنَّ اللّٰهَ بَنَى السَّمَاءَ الَّتِيْ هِيَ اَشَدُّ خَلْقًا مِّنْكُمْ وَكُلُّ مَنْ هُوَ قَادِرٌ عَلٰى بِنَاءِ هَا قَادِرٌ عَلٰى اِعَادَةِ مَا هُوَ اَضْعَفُ مِنْهَا یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان بنایا جس کا بنانا تمہارے پیدا کرنے سے مشکل ہے جو آسمان بنانے پر قادر ہے وہ آسمان سے کمزور چیز کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

۲۔ سمک کا معنی بلند ہونا ہے۔ معنی یہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے آسمان کی زمین سے بلندی کی ایک مقدار بنائی یا اس کا مطلب یہ ہے یا آسمان کی بلندی کی طرف حجم کو بلند کیا رفع سمکھا یہ جملہ بناھا کے جملہ کا بیان ہے یا اس سے بدل اشتمال ہے۔ فسونها یعنی آسمانوں کو ہموار اور ہر قسم کے نقص سے پاک بنایا۔

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ﴿۳۰﴾

''اور تاریک کیا اس کی رات کو اور ظاہر کیا اس کے دن کو ۱۔ اور زمین کو بعد از اں بچھا دیا ۲۔''

۱۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان کی رات کو تاریک بنایا۔ غطش اللیل اس وقت جملہ بولتے ہیں جب رات تاریک ہو جائے۔ رات کو آسمان کی طرف اس لئے مضاف کیا کیونکہ رات سورج کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے جو سورج آسمان میں ہے۔ سورج کی روشنی کو ظاہر فرمایا اور دن کو سورج کی وجہ سے بنایا۔

۲۔ الارض کا لفظ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر بعد والا فعل کرتا ہے۔ ذلک اسم اشارہ سے مراد آسمان کو بنانا ہے دحٰھا یعنی رہائش کے لئے اسے بچھا دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان کی پیدائش سے پہلے زمین کو تمام چیزوں کے ساتھ دو دنوں میں پیدا کیا مگر اسے رہائش کے قابل نہ بنایا۔ پھر آسمان بنانے کی طرف متوجہ ہوا اور دو دنوں میں اسے بنا دیا۔ اس طرح زمین اور اس میں جو کچھ ہے اسے چار دنوں میں پیدا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں بعد، مع کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ میں بعد، مع کے معنی میں ہے (1)۔ تفسیر بیضاوی میں ہے کہ یہاں بعد کا کلمہ اپنے حقیقی معنی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ میں ثم کا لفظ تفاوت مرتبی کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ تاہم پہلی تاویل کیونکہ اسلاف سے منقول ہے اس لئے وہ بہتر ہے۔

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ﴿۳۲﴾

''نکالا اس سے اس کا پانی اور اس کا سبزہ ۱۔ اور پہاڑ (اس میں) گاڑ دیئے ۲۔''

۱۔ ھا ضمیر سے مراد زمین ہے، یعنی زمین سے چشمے اور گھاس نکالی مرعی میں محل کا ذکر کیا مراد حال ہے یا یہ مصدر ہے اور اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ اخرج کا جملہ الارض والے جملے پر معطوف ہے۔ مابعد جملہ بھی اسی کی مثل ہے۔

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾

''سامان زیست ہے تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے لئے ۱۔ پھر جب آئے گی سب سے بڑی آفت ۲۔''

۱۔ متاعا تمتیعا کے معنی میں ہے اور یہ مفعول لہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اس کا عامل دحی ہے یا ارسل ہے۔

۲۔ فاذا میں فاء سببیہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے خبر دینے، اس کے ممکن ہونے اور اللہ تعالیٰ کی عالم کے ایجاد کرنے پر قدرت سے دوبارہ اٹھانے کی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 173 (التجاریۃ)

WWW.NAFSEISLAM.COM

قدرت ظاہر ہوئی تو لوگوں کو قیامت کے آنے کی صفت طامہ کبریٰ سے بتائی تاکہ اس سے ڈریں۔ یہ اس کی بعض صفات کا علم ہوتا ہے۔

لغت میں طم کا معنی غلبہ ہے۔ بحر کو یہ نام دیا جاتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر غالب آجاتا ہے۔ عربوں کے ہاں طامہ سے مراد ایسی مصیبت ہے جس کو وہ برداشت نہ کرسکے۔ قیامت کو طامہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ تمام مصیبتوں پر غالب آجائے گی۔ پھر اس کی صفت کبریٰ سے ذکر کی تاکہ اس کے غالب آنے میں مبالغہ ہو۔ اذا ظرف ہے جو شرط کا معنی لئے ہوئے ہے۔

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿٣٦﴾

جس دن انسان یاد کرے گا جو دوڑ دھوپ اس نے کی تھی ۱ اور ظاہر کردی جائے گی جہنم ہر دیکھنے والے کے لئے ۲

۱ یوم ظرف سابقہ ظرف اذا کا بدل ہے۔ ما سعٰی میں ما مصدریہ ہے یا موصولہ ہے۔ جب وہ اپنے اعمال صحیفہ میں دیکھے گا تو انہیں یاد کرے گا جبکہ وہ پہلے غفلت کی زیادتی یا مدت کے طویل ہونے کی وجہ سے انہیں بھول چکا تھا۔

۲ اس جملہ کا عطف یتذکر پر ہے۔ یعنی جس روز جہنم ظاہر کی جائے گی۔ مقاتل نے کہا اس سے ڈھکن ہٹا دیا جائے گا تو مخلوق اسے دیکھے گی (1)۔ جہاں تک کفار کا تعلق ہے وہ تو اس میں داخل ہو جائیں گے۔ جب مومن وہ پل صراط سے گزریں گے ... ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ من یرٰی سے مراد کفار ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اذا کا جواب محذوف ہے جس پر یوم یتذکر دلالت کرتا ہے۔ ... کہ جواب مابعد کلام ہے۔ اس لئے جواب مقدر ماننے کی ضرورت نہیں۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿٣٧﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٣٩﴾

پس جس نے سرکشی کی ہوگی ۱ اور ترجیح دی ہوگی دنیوی زندگی کو ۲ تو دوزخ ہی (اس کا) ٹھکانا ہوگا ۳

۱ طغی یعنی نافرمانی میں حد سے تجاوز کیا یہاں تک کہ کفر کیا۔

۲ اور خواہش نفس کی اتباع کرتے ہوئے آخرت پر دنیا کو ترجیح دی۔

۳ هی ضمیر فصل ہے یا مبتدا ہے۔ الماوی میں جو الف لام ہے یہ کوفیوں کے نزدیک مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ تقدیر یہ ہوگی ماواہ جبکہ سیبویہ اور بصرہ کے علماء کے نزدیک تقدیر کلام اس طرح ہے هی الماوی له۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے دنیا سے محبت کی اس نے آخرت کو پس پشت ڈال دیا، جس نے آخرت سے محبت کی اس نے دنیا کو پس پشت ڈال دیا۔ جو چیز فنا ہونے والی ہے اس پر باقی رہنے والی چیز کو ترجیح دو۔ اسے امام احمد اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے (2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم کو شہوات کے ساتھ ڈھانپ دیا گیا ہے اور جنت کو مشکلات سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔ متفق علیہ (3)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حجبت کی جگہ حفت کے الفاظ ہیں۔ انہیں سے ایک اور روایت مروی ہے اللہ کے ذکر اور اس کے متعلقات، معلم اور متعلم کے سوا دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب ملعون ہے۔ اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے (4)

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿٤٠﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٤١﴾

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 173 (التجاریہ)
2۔ شعب الایمان، جلد 7، صفحہ 288 (العلمیہ)
3۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 960 (وزارت تعلیم)
4۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 56 (وزارت تعلیم)

"اور جو ڈرتا ہوگا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور (اپنے) نفس کو روکتا رہا ہوگا (ہر بری) خواہش سے ۱؎ یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانا ہوگا ۲؎"

۱؎ قیامت کے روز اپنے رب کے سامنے حساب کے لئے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس امارہ کو خواہش نفسانی سے روکا۔ صحاح میں ہے ھوی کا معنی نفس کا پسندیدہ چیز کی طرف مائل ہونا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اسے ھوی اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ دنیا میں انسان کو ہر مصیبت کی طرف اور آخرت میں ھاویہ میں ڈالتا ہے۔ ھوی کا لغوی معنی بلندی سے پستی کی طرف گرنا ہے۔

تنبیہ:۔ خواہش نفس تمام ممنوعات اور محرمات کی بنیاد ہے۔ ابوبکر وراق نے کہا اللہ تعالیٰ نے خواہش نفس سے بری کوئی چیز پیدا نہیں فرمائی۔ میں کہتا ہوں ہوں عقل و نقل سے یہ بات ثابت ہے کہ خواہش نفس قبیح ہے۔ عقلی دلیل تو یہ ہے کہ اشیاء کی نفس الامر میں جو حقیقت ہے خصوصاً مبدا اور معاد کی حقیقت، اخلاق اور افعال وغیرہ، امور کے انجام عموماً رائے سے معلوم نہیں کئے جاسکتے ان میں سے اگرچہ بعض کا رائے سے ادراک کیا جاسکتا ہے مگر ان پر اس وقت تک اعتماد مناسب نہیں جب تک رسل کے واسطہ کے ذریعے علام الغیوب سے معلوم نہ ہوں۔ ورنہ رسولوں کی بعثت کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ عقائد صحیحہ کا حصول، اعمال حسنہ اور قبیحہ کا علم، اعمال حسنہ اور اخلاق شریفہ اور رزیلہ کا علم یہ اس وقت ہی ممکن ہوتا ہے جب خواہش نفس کے خلاف رسولوں کی اتباع کی جائے جبکہ خواہش نفس کی اتباع مطلقاً اس کی ضد ہے۔ جہاں تک شرعی دلیل کا تعلق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ صحاح میں عبودیت کا معنی عاجزی کا اظہار ہے جبکہ عبادت اس سے زیادہ بلیغ ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں تسخیر کے ذریعے عبادت جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا۔ دوسری قسم اختیار کے ذریعے عبادت ہے۔ جن وانس سے یہی مطلب ہے کیونکہ تسخیر اور اضطرار کی صورت میں انسان سے اسی چیز کا تصور کیا جاسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور مشیت ہو تو اختیار کی صورت میں بھی ایسا ہونا ضروری ہے دل اور اعضاء کے افعال اور نفس کی صفات میں سے کوئی بھی چیز اس وقت تک متحقق نہیں ہوسکتی جب تک اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اس کا امر نہ ہو۔ اس میں خواہش نفس اور اس کی ضد کا تو کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہئے۔ خواہش کی اتباع تو عبودیت کے منافی ہے۔ ہر باطل قبیح ہے جو خواہش نفس اور فضول آراء سے جنم لیتا ہے۔ کفار نے اپنی فاسد رائے کی بناء پر کہا ہے اس رسول کو کیا ہوگیا ہے کہ کھانا کھاتا ہے، بازاروں میں چلتا ہے۔ کیا ہم اپنے میں سے ہی ایک انسان کی اتباع کریں۔ مجسمہ (جو اللہ تعالیٰ کے لئے جسم ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں) نے کہا اللہ تعالیٰ موجود ہے ہر موجود جسم رکھتا ہے اور کسی مکان میں موجود ہوتا ہے۔ معتزلہ اور دوسرے باطل فرقوں نے کہا عذاب قبر، اعمال کا وزن، پل صراط اور اسی جیسے دوسرے امور کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ فاسق جب اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور قرآن کی اطاعت واجب ہے، وہ عذاب آخرت کا علم رکھتے ہیں، برے اخلاق اور برے اعمال کا بھی انہیں علم ہے، پھر بھی خواہش نفس اور شہوات کی اتباع کی وجہ سے وہ شریعت کے احکام پر ثابت قدم نہیں رہتے، واجبات کو چھوڑ دیتے ہیں، محرمات اور مکروہات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں، ان میں سے ایک خواہش نفس ہے۔ وہ بندہ کتنا برا ہے جو نفس کی خواہش کی غلامی کرتا ہے۔ یہ خواہش اسے گمراہ کر دیتی ہے۔ اسے امام ترمذی اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسماء بنت عمیس سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں (1) خواہش نفس جس کی پیروی کی جائے (2) ایسا بخل جس کی اطاعت کی جائے (3) انسان کا اپنے آپ پر خوش

WWW.NAFSEISLAM.COM

ہوئی۔ یہ تینوں میں سے سخت ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے(1)۔ میں کہتا ہوں یہ تینوں چیزیں خواہش نفس کی طرف ہی لوٹتی ہیں اگرچہ حدیث میں ھوی سے مراد اس کے بعض افراد ہیں۔

فائدہ

خواہش نفس کو چھوڑنے کے کئی مراتب ہیں۔ اس کا کم سے کم درجہ یہ ہے جو چیز نصوص کے ظاہر اور عقائد میں اسلاف کے خلاف ہو اس سے اجتناب کیا جائے۔ اسی سے وہ اچھا مسلمان بنتا ہے۔ درمیانی درجہ یہ ہے جو مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جب انسان گناہ کا ارادہ کرے تو اسے حساب کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑا ہونے کا تصور یاد آجائے تو وہ اسے چھوڑ دے(2)۔ اس مرتبہ کی انتہا یہ ہے کہ انسان مشتبہ امور کو چھوڑ دے اور جس سے پکڑ کا امکان نہ ہو اس سے اجتناب کرے محض اس بنا پر کہ وہ احتیاط کرنا چاہتا ہے کہ کہیں اس چیز سے پکڑ کا امکان ہو۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے جو مشتبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور آبرو کو بچا لیا اور جو مشتبہات میں داخل ہو گیا وہ محرمات میں بھی داخل ہو گیا۔ جس طرح ایک چرواہا ہو جو چراگاہ کے ارد گرد جانور چراتا ہے امکان ہے کہ وہ چراگاہ میں بھی چرنے لگے متفق علیہ(3)۔ اس مرتبہ کے کمال کی صورت یہ ہے کہ مباح کے دائرے کو محدود کر دے غیر ضروری چیز کی خواہش ترک کر دے یہ بھی اسی میں سے ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ بھی اسراف میں شامل ہے کہ جو تو خواہش کرے اس کو کھالے(4)۔ اسے ابن ماجہ اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ ہمارے حضرت کے قبلہ شیخ اجل شیخ بہاؤالدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا قریب ترین طریقہ پایا ہے وہ نفس کی مخالفت ہے یعنی اس میں شریعت کے احکام کی زیادہ رعایت کی جائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہاں ایک دقیق مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ کچھ امور تو ظاہر ہیں جن سے بچنا تو ممکن ہے۔ ان میں سے کچھ چیونٹی کی چال سے بھی دقیق ہیں۔ وہ نیکیوں کے لباس میں ہوتے ہیں جس طرح ریاکاری، خود پسندی، نوافل کی زیادتی اور طاعات کی زیادتی کے ساتھ نفس کا اپنے آپ کو بنانا جس سے ممانعت آئی ہے۔ یہ بہت ہی لغزش کا مقام ہے۔ ایک شیخ نے اپنے مرید سے فرمایا اے بیٹے مجھے یہ تو کوئی خوف نہیں کہ شیطان گناہ کے راستے سے تم تک پہنچ سکے گا لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ وہ نیکیوں کے راستے سے تم تک پہنچ جائے۔ اس سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ وہ ہر کام میں اپنے نفس پر تہمت لگائے، آہ و زاری کرے اور گناہوں پر بخشش کا طلب گار رہے۔

شعر:

نفس اور شیطان کی مخالفت کر اور ان کی نافرمانی کر۔ اگر یہ دونوں تجھے اخلاص کے ساتھ نصیحت کریں تو تب بھی ان پر تہمت لگا۔ ان میں سے کسی کی بھی بطور خصم اور ثالث کے اطاعت نہ کر کیونکہ تو خصم اور ثالث کے مکر کو پہچانتا ہے۔ میں ایسے قول سے اللہ تعالیٰ کی بخشش کا طالب ہوں جس پر عمل نہ ہو۔ اگر میں ایسا کروں تو میں نے اپنی نسل بانجھ عورت کے ساتھ منسوب کر دی۔

اس مقام پر سب سے محفوظ قلعہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ایسے شیخ کے ساتھ وابستہ کرلے جو فناء فی اللہ اور بقاء باللہ کے مقام پر فائز ہو اور وہ کوئی بھی عمل اس کے حکم اور اجازت کے بغیر نہ کرے۔ شیخ امام یعقوب کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ابتدائی

1۔ شعب الایمان:7252، جلد5، صفحہ453 (العلمیہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد7، صفحہ173 (التجاریہ)
3۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد2، صفحہ129 (الفکر)
4۔ سنن ابن ماجہ:3352، جلد4، صفحہ55 (العلمیہ)

حالات کے بارے میں بیان فرمایا کہ میں بڑھئی کا کام کرتا تھا۔ مجھ میں کچھ سستی اور اپنے اندر تاریکی محسوس ہوئی۔ میں نے ارادہ کیا کہ کچھ دن روزے رکھوں تاکہ یہ سستی دور ہو جائے۔ میں نے روزے رکھے اور صبح شیخ اجل حضرت بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کھانا لانے کا حکم دیا۔ مجھے فرمایا کھانا کھاؤ کیونکہ وہ انسان کتنا برا ہے جو اس خواہش کی پیروی کرے جو اسے گمراہ کر دے اور فرمایا بے شک کھانا روزے سے افضل ہے۔ اگر وہ روزہ خواہش نفس کی وجہ سے ہو۔ تو مجھے یہ بات سمجھ آ گئی کہ نفلی عبادت کے لئے بھی شیخ فانی فی اللہ اور خواہشات سے آزاد شیخ کی اجازت ضروری ہے۔ میں نے حضرت شیخ سے عرض کی اگر کسی کو اس قسم کا شیخ نصیب نہ ہو تو وہ انسان کیا کرے؟ فرمایا وہ کثرت سے استغفار کرے یا ہر نماز کے بعد بیس دفعہ استغفار پڑھے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا میرے دل میں کچھ کدورت آ جاتی ہے تو میں روزانہ سو بار اللہ تعالیٰ کے حضور بخشش طلب کرتا ہوں۔ خواہش نفس سے رکنے کا انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ انسان خواہش نفس کی مکمل طور پر نفی کر دے اس طرح کہ اس کا مقصود اور مراد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہو۔ اس مرتبہ کو حاصل کرنے کے لئے صوفیاء اکثر لا الہ الا اللہ کا تکرار کرتے ہیں اور ان کے پیش نظر یہ ہوتا ہے کہ مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جب تک ایک انسان خواہش نفس کے تابع ہوتا ہے وہ اپنے نفس کا بندہ اور شیطان کا اطاعت کرنے والا ہوتا ہے۔ یہ عظیم دولت یعنی خواہش نفس کی مکمل طور پر نفی یہ ولایت خاصہ، کامل فناء و بقاء کے ساتھ متعلق ہے۔

میں کہتا ہوں اسی مرتبہ پر صوفی کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر رضا نصیب ہوتی ہے اگرچہ تقدیر طبیعت کے خلاف بھی ہو وہ اس مصیبت کے دور ہونے کی دعا تو کرتا ہے کیونکہ اسے دعا یا عافیت کو طلب کرنے کا حکم ہے مگر وہ دعا اس لئے نہیں کرتا کہ مقصود حاصل نہ ہونے کی وجہ سے اس کے سینے میں تنگی ہے۔ اس مرتبہ میں انسان اختیار کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا اسی طرح بندہ ہوتا ہے جس طرح تسخیر اور اضطرار کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوتا ہے۔ اس حالت میں شیطان اس تک بہت کم راہ پا سکتا ہے کیونکہ عمومی طور پر شیطان کی انسان تک رسائی خواہش نفس کے واسطہ سے ہوتی ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ آدمی جس کے مزاج میں گرمی ہو اور وہ مغلوب الغضب ہو تو شیطان اس کے لئے قتل اور ظلم جیسے افعال کو مزین کرتا ہے اور جس کا مزاج ٹھنڈا اور وہ کمزور دل والا ہو تو شیطان اسے جہاد سے گھر بیٹھ رہنے، حق اور نفاق میں غیرت چھوڑنے جیسے اعمال کو مزین کر کے پیش کرتا ہے۔ اسی طرح دوسرے امور کو قیاس کر لو۔ جب وہ اپنے آپ سے خواہش نفس کو دور کر دیتا ہے تو شیطان کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا کا یہی معنی ہے۔ اسی مقام کے متعلق شیخ اجل نے یعقوب کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ایک آدمی عظیم ہستیوں کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ خواہش نفس سے چھٹکارا نہ پائے۔ اسی مقام پر فائز انسان کے لئے مومن حقیقی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ کا بھی یہی مطلب ہے۔ شرح السنہ میں بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی روایت کیا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اربعین میں کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

ع اس کے لئے جنت کے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے، انہوں نے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مشرکین مکہ نے حضور ﷺ سے سوال کیا قیامت کب برپا ہو گی؟ ان کا یہ سوال استہزاء کے طور پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا ﴿۴۲﴾ فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰی رَبِّکَ

مُنْتَهٰىهَا ﴿٤٤﴾

"بے شک آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی 1 اس کے بیان کرنے سے آپ کو کیا تعلق 2 آپ کے رب تک اس کی انتہا ہے 3"

یسألونک سے مراد قریش کے کفار ہیں۔ وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب واقع ہوگی؟ یہ ارساء سے مصدر ہے جس کا معنی ٹھہرنا ہے۔ امام حاکم اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ سے قیامت کے بارے میں سوال کیا جاتا تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئیں تو لوگوں نے سوال کرنا چھوڑ دیا (1)۔ طبرانی اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے طارق بن شہاب سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ اکثر قیامت کا ذکر کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔(2)

ابن ابی حاتم نے عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ لوگ آپ سے قیامت کے وقت کے بارے میں پوچھتے تو آپ انہیں جواب دینے کے حریص رہتے تھے تو اس لئے آپ اللہ تعالیٰ سے اس کے وقت کے بارے میں پوچھتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے یہ بات عیاں ہے کہ اس کا وقت مخفی رکھنے میں حکمت ہے اور اس کا علم حاصل کرنے کی امید نہیں رہی تو پھر آپ نے سوال کرنا چھوڑ دیا۔

فیم میں ما استفہامیہ ہے جو انکار کا معنی دے رہا ہے اور من ذکرٰىها اس کا بیان ہے۔ یعنی آپ کو کیا پڑی ہے کہ آپ قیامت کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور اس کا وقت بیان کرتے ہیں اس طرح نہ جائز ہے اور نہ ہی اس کا تصور کیا جا سکتا ہے کیونکہ آپ اپنے طور پر اس کا علم نہیں رکھتے اور نہ یہ حکمت کی وجہ سے اس کا جاننا جائز ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہوگا کہ آپ کو اس کے وقت کا علم نہیں جیسے کہتے ہیں لیس فلان في العلم من شيء یعنی اس کے پاس کچھ بھی علم نہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ فیم مبتدا محذوف کی خبر ہو، یعنی یہ سوال کس لئے ہے اور اس کا کیا فائدہ ہے۔ پھر کلام نئے سرے سے شروع کی اور کہا آپ بذات خود اس کی نشانی ہیں اور اس کے قریب ہونے کی علامت ہیں کیونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اور قیامت یوں مبعوث کئے گئے ہیں، متفق علیہ۔(3) مستورد بن شداد نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے میں قیامت کی سانس میں مبعوث کیا گیا ہوں، میں قیامت پر یوں سبقت لے گیا ہوں جس طرح سبابہ انگلی درمیانی انگلی پر مقدم ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔(4)۔ یہ قول بھی کیا گیا کہ فیم انت من ذکرٰىها سوال کے ساتھ متصل ہے۔ پھر آیت کا معنی یہ ہوگا وہ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ وہ کب واقع ہوگی اور کہتے ہیں تمہیں اس کے وقت کے بارے میں کیا معلومات ہیں ہوتا۔

منتهٰىها سے مراد وہ وقت ہے جس کے ختم ہونے پر قیامت برپا ہو جائے گی اور وہ وقت تیرے رب کے پاس ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اگر سابقہ آیت سوال کا جواب ہو تو پھر یہ اس کی وضاحت ہوگی۔ اگر سابقہ آیت سوال کا تتمہ ہو تو پھر یہ جواب ہوگی۔

إِنَّمَآ أَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿٤٥﴾ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوٓا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحٰىهَا ﴿٤٦﴾

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 515 (العلمیہ) 2۔ ایضاً 3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 406 (قدیمی)
4۔ سنن ترمذی، جلد 2، صفحہ 44 (وزارت تعلیم)

" آپ ضرور خبردار کرنے والے ہیں ہر اس شخص کو جو اس سے ڈرتا ہو۔1 گویا وہ جس روز اس کو دیکھیں گے (انہیں یوں محسوس ہوگا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح 2 "

1۔ آپ کی بعثت کا مقصود قیامت کے وقت کو بیان کرنا نہیں بلکہ آپ کی بعثت کا مقصود یہ ہے کہ آپ اسے ڈرائیں جو قیامت کی سختیوں سے ڈرتا ہے تا کہ وہ اپنے آپ کو ان چیزوں سے بچائے جو اس کا سبب ہیں۔ ایسے لوگوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ کیونکہ یہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جب یہ علم ہو کہ قیامت ضرور واقع ہوگی تو ڈرانے کے لئے یہی کافی ہے۔ اس کے واقع ہونے والے وقت کو جاننا کافی نہیں۔ یہ جملہ بھی سابقہ علت والے جملے کا بیان ہے۔

2۔ یرونہا میں ھا ضمیر سے مراد قیامت ہے۔ ظرف اس فعل کے متعلق ہے جو کان کے معنی سے سمجھا جا رہا ہے۔ لم یلبثوا یہ جملہ کان کی خبر ہے، یعنی وہ دنیا اور قبروں میں صرف ایک رات یا ایک دن ٹھہرے۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ھل اتک حدیث موسیٰ سے لے کر آخر تک میں امالہ (1) کیا ہے۔ ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ نے جن میں راء ہے اس میں امالہ کیا، باقی میں بین بین کیا، جبکہ باقی قراء نے سب میں فتحہ پڑھا ہے۔

ضحی کے لفظ کو عشیہ کی طرف مضاف کیا ہے کیونکہ یہ ایک دن میں جمع ہوتے ہیں، یعنی وہ دنیا اور قبروں میں ٹھہرنے کی مدت اتنی ہی سمجھتے ہیں کیونکہ یہ مدت ختم ہونے والی ہے۔ ختم ہونے اور معدوم ہونے کی وجہ سے گویا یہ مدت کچھ بھی نہ تھی جبکہ عذاب کا زمانہ بڑا طویل ہوگا۔ ساتھ ہی اس عذاب میں شدت ہوگی تو اس کے مقابلہ میں دنیا کا عرصہ بہت ہی قلیل نظر آئے گا۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ۔ گویا یہ آیت ان کے سوال کا جواب ہے، یعنی قیامت کا وقت بہت قریب ہے۔

نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

(1) علم تجوید کی اصطلاح ہے۔

سورۂ عبس

آیاتہا ۴۲ | سُوْرَۃُ عَبَسَ مَکِّیَّۃٌ ۸۰ | رکوعہا ۱

سورۂ عبس مکی ہے اس میں ایک رکوع اور بیالیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جن کا نام عبداللہ بن شریح بن مالک فہری تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ آپ عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، عباس بن مطلب، ابی امیہ بن خلف کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف انہیں دعوت دے رہے تھے اور ان کے اسلام لانے کی امید رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے پڑھائیے اور مجھے اس چیز کی تعلیم دیجئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھائی ہے اور ساتھ ہی حضور ﷺ کو ندا دینے لگے اور بار بار ندا دیتے اور انہیں کچھ معلوم نہ تھا کہ آپ ﷺ کسی اور کی طرف متوجہ ہیں یہاں تک کہ ان کی قطع کلامی کی وجہ سے حضور ﷺ کے چہرہ انور پر ناپسندیدگی کے آثار ظاہر ہو گئے اور اپنے دل میں کہا یہ سردار کہیں گے اس کے پیروکار اندھے، غلام اور نچلے درجے کے لوگ ہیں۔ آپ ﷺ کے چہرہ پر ترشی کے آثار ظاہر ہوئے اور آپ نے ام مکتوم سے رخ پھیر لیا اور آپ اسی قوم کی طرف متوجہ ہو گئے جن سے پہلے ہم کلام تھے (1) تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝۱ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝۲ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝۳ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝۴

"چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا۔ (اس وجہ سے کہ) ان کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور آپ کیا جانیں شاید وہ پاکیزہ ہو جاتا۔ یا وہ غور و فکر کرتا تو نفع پہنچاتی اسے یہ نصیحت۔"

دونوں فعلوں میں ھو ضمیر سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔

ان جاء محل نصب میں ہے کیونکہ تنازع فعلین کے قاعدہ کے مطابق دونوں فعلوں میں سے ایک کا مفعول بہ ہے۔ یا ان سے پہلے لام جارہ محذوف ہے۔ جاء میں ضمیر سے مراد حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ہیں۔ امام ترمذی اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اس میں ہے ابن ام مکتوم نے عرض کیا کہ کیا میری گزارش میں کوئی حرج محسوس کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 174 (التجاریہ)

اللہ علیہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اس میں یہ وضاحت بھی ہے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ جب بھی انہیں دیکھتے، ان کی عزت کرتے اور فرماتے اسے خوش آمدید جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے عتاب کیا ہے۔ آپ انہیں فرماتے کیا کوئی کام ہے؟ امام ترمذی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے دو غزوات کے موقع پر دو دفعہ انہیں مدینہ طیبہ پر اپنا نائب بنایا۔ اس آیت میں اعمی کا ذکر اس بات کا شعور دلانے کے لئے ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی گفتگو میں جو مداخلت کی تھی اس میں وہ معذور تھے۔

۳۔ اس میں ما نافیہ ہے یا استفہامیہ ہے اور انکار کا معنی دے رہا ہے۔ یہاں اس کا معنی ادراک کی نفی ہے، یعنی آپ اس کی حالت کو نہیں جانتے اور کس چیز نے آپ کو اس کی حالت سے آگاہ کر دیا ہے۔ اس میں حضور ﷺ کے طرز عمل کے بارے میں بھی عذر پیش کیا جا رہا ہے، یعنی اگر آپ نابینا کی حالت سے آگاہ ہوتے تو اس سے اعراض نہ کرتے اور غیروں کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔ اس آیت میں کئی طریقوں سے حضور ﷺ کی تعظیم کا ذکر ہے۔

1۔ کلام کے آغاز میں آپ کے اعراض اور ناپسندیدگی کو غائب کے صیغوں کے ساتھ ذکر کیا، مخاطب کے صیغوں کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔ مقصود یہ وہم دلانا تھا کہ گویا جس سے یہ فعل صادر ہوا وہ آپ کی ذات نہیں، آپ کی یہ شان نہیں کہ آپ سے اس قسم کا فعل صادر ہو۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ حضور ﷺ کا ارادہ یہ نہیں تھا کہ آپ مطلق اعراض کریں بلکہ غرض یہ تھی کہ یہ آدمی مومن ہے، اگر تعلیم دینے میں تاخیر بھی ہو گئی تو کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اس سے اعراض اور انحراف کا کوئی خطرہ نہیں جبکہ قریش کے سردار اعراض کی صورت میں چلے جاتے اور انتظار نہ کرتے، اگر یہ سردار ایمان لے آتے تو ان کی وجہ سے بے شمار لوگ مسلمان ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ کا دین پھیل جاتا۔ اس غرض کی وجہ سے گویا حضور ﷺ سے نابینا کے لئے اعراض صادر ہی نہیں ہوا اگرچہ ظاہر میں اعراض واقع ہوا۔

2۔ حضور ﷺ کے عذر کی طرف اشارہ ہے کہ آپ نہیں جانتے تھے ورنہ آپ سے اس قسم کا عمل صادر نہ ہوتا۔

3۔ غائب کے صیغوں سے خطاب کے صیغہ کی طرف التفات کیا گیا ہے تاکہ انس پیدا ہو، وحشت دور ہو اور اعراض کے وہم کو دور کرنے کے لئے خطاب کے صیغوں کے ساتھ توجہ کی۔ عذر کا موجب مخاطب کے صیغہ کے ساتھ آپ کی طرف منسوب کیا تاکہ جو عمل آپ سے صادر ہوا ہے اس کے بارے میں آپ کا معذور ہونا صراحت سے ثابت ہو۔

4۔ یزکی اصل میں یتزکی تھا، یعنی شاید وہ شرک جلی اور شرک خفی، نفس کے رذائل اور اس کی خواہشات، دل کو غیر اللہ کے ساتھ وابستہ کرنے سے اپنے آپ کو پاک کرنا اور عالم امر کے تمام لطائف سے غفلت کو دور کرکے اور عالم خلق کے عناصر میں سے ہر عنصر کے حملہ کو زائل کرکے اپنے آپ کو پاک کرتا جبکہ اس نعمت کا حصول حضور ﷺ کے فیض صحبت، آپ کے انفاس شریفہ کی برکت اور آپ کے انوار ظاہرہ اور باطنہ کو حاصل کرنے سے ہی ممکن ہے۔

۵۔ یذکر اصل میں یتذکر تھا، یعنی وہ اپنے آپ کو ایسی باتوں میں مشغول کرتا جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کے حضور میں اضافہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر اور اس کے ثواب کی امید کو پیدا کرتا ہے۔ عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے لعل کے جواب میں فتنفعہ کو منصوب پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے یذکر پر عطف کرتے ہوئے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ صحاح میں ہے ذکریٰ کا معنی کثرت ذکر ہے جو ذکر سے بلیغ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **لعلہ یزکی**۔ ابرار کی منزل کی انتہاء کا شعور دلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا

فرمان یذکر یہ نیک لوگوں کی ابتدائی منزل کا شعور دلاتا ہے۔ یہاں مقربین اور صدیقین کی حالت کا ذکر نہیں کیونکہ یہ مقام بڑی محنت سے حاصل کرنے والے مقامات کا ذکر ہے۔ رہے مقربین ان کے مقامات کا انحصار اجتباء (وہبی) پر ہوتا ہے جو اصل میں انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ تاہم ان کی وراثت اور طفیل کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ جسے عطا فرمادے۔ یہاں او کا کلمہ منع خلو (۱) کے قاعدہ پر ہے منع جمع کے طور پر نہیں۔ جس طرح ایک قول ہے جالس الحسن او ابن سیرین یعنی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھو یا حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی کے پاس بھی نہ بیٹھو۔ ہاں اگر دونوں کے پاس بیٹھو تو بھی اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ یہ جملہ جملہ معترضہ ہے۔ اس میں وہی فوائد پائے جاتے ہیں جو ہم نے ذکر کئے ہیں۔ نیز اس کی وضاحت بھی ہے کہ نابینا تو خطاب کے لائق ہے اور اس میں اشارۃً یہ بات کی گئی کہ قریش کے سردار اس کے اہل نہ تھے کہ ان سے آپ اس طرح مخاطب ہوں اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ آپ ان کے بارے میں جو ارادہ رکھتے ہیں اس کی امید نہیں۔ جس طرح ایک آدمی کسی کو مسئلہ سمجھاتا ہے اور سننے والا اسے نہیں سمجھتا جبکہ اس کے پاس ایک اور ایسا آدمی موجود ہے جو اس کو سمجھ لیتا ہے تو سمجھانے والے کو کہا جاتا ہے جو کچھ تم کہتے ہو یہ اسے سمجھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا لعلہ کی ضمیر کافر کی طرف لوٹ رہی ہو، یعنی آپ کافر کے بارے میں طمع رکھتے ہیں کہ وہ اپنا تزکیہ کرے گا مگر آپ کو کیا معلوم کہ جس کی آپ طمع کرتے ہیں وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ اس صورت میں لعلہ یزکی یہ لیدریک کا دوسرا مفعول ہوگا۔

أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ ﴿٥﴾ فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّىٰ ﴿٦﴾ وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّىٰ ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَن جَاءَكَ يَسْعَىٰ ﴿٨﴾ وَهُوَ يَخْشَىٰ ﴿٩﴾ فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ﴿١٠﴾

"لیکن وہ جو پرواہ نہیں کرتا[1] آپ اس کی طرف تو توجہ کرتے ہیں[2] اور آپ پر کوئی ضرر نہیں اگر وہ نہ سدھرے[3] اور جو آپ کے پاس آیا ہے دوڑتا ہوا[4] اور وہ ڈر بھی رہا ہے[5] تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں[6]"

[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا وہ اپنے مال و اسباب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور ایمان سے مستغنی ہو گیا۔

[2] نافع اور ابن کثیر رحمہما اللہ تعالیٰ نے تصدی میں صاد کو مشدد اور تاء تفعل کو صاد میں مدغم کر کے پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے دو تاؤں میں سے ایک تاء کو حذف کر کے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا آپ اس کا سامنا کرتے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تاکہ اس سے تزکیہ فوت نہ ہو۔

[3] اگر وہ تزکیہ نہ کرے تو تجھ پر کوئی حرج نہیں یہاں تک کہ اس کے اسلام لانے پر آپ کا حریص ہونا اس آدمی سے اعراض پر برانگیختہ کرے جو اسلام لا چکا ہے۔ بے شک آپ کے ذمہ پیغام حق پہنچانا ہے۔ یہ جملہ یا تو تصدی کا فاعل ہے یا جملہ معترضہ ہے۔

[4] یسعی یہ جملہ جاءک کے فاعل سے حال ہے، یعنی جو بھلائی اور خیر آپ کے پاس موجود ہے وہ اس کی طلب کرنے والا اور اس کے لئے کوشش کرنے والا ہے۔

[5] جبکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ یہ جملہ حال مترادف ہے یا حال متداخل ہے، یعنی یہ یسعی کے فاعل سے حال ہے۔

[6] حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے سورت کی ابتداء سے لے کر یہاں تک امالہ کیا ہے۔ ورش نے ذکری کے علاوہ میں بین بین یہ

(۱) یعنی دونوں حالتوں سے خالی نہ ہوگا، کم از کم اسے ایک حالت تو حاصل ہو جائے گی۔ یہاں دونوں بھی ممکن ہیں، دونوں کا اکٹھا ہونا بھی ممنوع نہیں۔ مترجم

اور ذکریٰ میں امالہ کیا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی آپ اس کی بجائے کسی اور کی طرف مشغول ہوتے ہیں عبس اور تولی میں جو اجمال تھا۔ یہ دونوں جملے اس کی تفصیل ہیں اور جس وجہ سے یہ عتاب ہے اس کا بیان ہے، وہ طالب کی طرف توجہ نہ کرنا اور غافل کے لئے تمام صلاحتیں صرف کرنا ہے جب کہ مناسب یہ تھا کہ طرز عمل اس کے برعکس ہوتا۔

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾

''ایسا نہ چاہئے یہ تو نصیحت ہے[1] سو جس کا جی چاہے اسے قبول کرلے[2] یہ ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو معزز ہیں[3] جو بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں[4] ایسے کاتبوں کے ہاتھوں سے لکھے ہیں[5]''

[1] کلا جھڑکنے کے لئے ہے، یعنی اس جیسا عمل کبھی بھی نہ کریں۔ انها میں ھا ضمیر سے مراد قرآن ہے۔ خبر کے مونث ہونے کی وجہ سے ضمیر کو مونث ذکر کیا یا آیات کی تاویل کی بناء پر اسے مونث ذکر کیا، یعنی یہ سراپا نصیحت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کا باعث ہے۔

[2] جو نصیحت حاصل کرنا چاہے اور اس کے ذکر کا طالب ہو تو وہ قرآن کو یاد کرے۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ ذکر کو مشیت کے ساتھ مشروط کرنا صیغہ کے اعتبار سے تو تخییر ہے مگر اس میں اعراض کرنے والوں کو شرمندہ کیا جارہا ہے اور جو اس میں مصروف رہتے ہیں اس کے لئے ثناء ہے۔

[3] جار مجرور شبہ فعل کے متعلق ہو کر تذکرہ کی صفت ہے یا یہ ان کی دوسری خبر ہے یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے جو ھی ہے۔ صحف سے مراد لوح محفوظ ہے یا اس سے مراد وہ صحیفے ہیں جنہیں ملائکہ لوح محفوظ سے لکھتے ہیں یا اس سے مراد انبیاء کے صحیفے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ، اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى یا اس سے مراد وہ صحیفے ہیں جنہیں صحابہ نے حضور علیہ السلام سے لکھا تھا۔ وہ صحیفے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے معزز محترم ہیں۔

[4] اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی شان بڑی بلند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ ساتویں آسمان میں بلند ہیں۔ یہ جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت اور محدث کے چھونے سے پاک ہیں۔

[5] سفرہ یہ سافر کی جمع ہے جس کا معنی کاتب ہے۔ اسی وجہ سے کتاب کو سفر کہتے ہیں اور اس کی جمع اسفار آتی ہے۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی یہی کہا ہے۔ اس سے مراد معزز فرشتے ہیں جو کاتب ہیں یا اس سے مراد انبیاء ہیں یا کاتبین وحی ہیں۔ دوسروں نے کہا یہ سفیر کی جمع ہے جس کا معنی قاصد ہے۔ جو شخص لوگوں کے درمیان صلح کرائے اسے سفیر القوم کہا جاتا ہے (1)۔ پس اس سے مراد فرشتوں اور بشر میں سے رسول ہیں۔ میں کہتا ہوں اسی طرح کاتبین وحی اور امت کے علماء مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک رسول اور امت کے درمیان سفیر ہوتا ہے۔ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا جو قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس میں ماہر بھی ہے۔ وہ معزز اور نیک سفرہ کے ساتھ ہوگا اور جو قرآن پڑھتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھاتا ہے جبکہ یہ عمل اس پر شاق ہوتا ہے تو اس کے لئے دوگنا اجر ہے (2)۔ اسے شیخین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے دو اجروں سے مراد ایک قرأت کا اجر اور دوسرا مشقت کا اجر ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماہر کے لئے تو غیر متناہی اجر ہیں۔

كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 174 (التجاریہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 269 (قدیمی)

نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۟ۙ

"جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں۔ غارت ہو (منکر) انسان وہ کتنا احسان فراموش ہے۔ کس چیز سے اللہ نے اسے پیدا کیا ہے۔ ایک بوند سے اسے پیدا کیا پھر اس کی ہر چیز اندازہ سے بنائی ہے۔"

[1] وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز اور مومنین پر بڑے شفیق ہیں۔ یہ مومنوں کو کامل بناتے ہیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور بخشش کے طلب گار ہوتے ہیں۔ وہ بڑے متقی ہیں۔ یہ سفرہ کی صفت کے بعد دوسری صفت ہے۔ علماء کی شان بھی اسی طرح ہونی چاہئے۔

[2] یہ انسان کے لئے بدترین دعا ہے اور اس کے کفر میں زیادتی پر انتہائی تعجب ہے جبکہ شکر بجالانے اور ایمان لانے کے بے شمار اسباب موجود ہیں۔ یہ کلام مختصر ہونے کے باوجود عظیم ناراضگی اور بلیغ مذمت پر دلالت کرتا ہے۔

ابن منذر نے عکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے اور اسی طرح مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ آیت عتبہ بن ابی لہب کے حق میں نازل ہوئی (1)۔ اس نے کہا رب نجم کا انکار کرتا ہوں۔ جس طرح سیرت کی کتابوں میں ہے کہ اس کا واقعہ یوں ہوا کہ حضور ﷺ نے اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد نکاح عتبہ سے کیا اور اس کے بھائی سے ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن کا عقد نکاح کیا۔ جب ابولہب کے حق میں سورۂ تبت نازل ہوئی تو ابولہب نے کہا اگر تم دونوں محمد (ﷺ) کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو تو میرا سر تم پر حرام ہے۔ تو دونوں نے دونوں بہنوں کو طلاق دے دی۔ یہ واقعہ رخصت سے پہلے کا ہے۔ عتبہ نے جب ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے دی تو وہ حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہا میں نے تیرے دین کا انکار کیا۔ میں نے آپ کی بیٹی کو چھوڑ دیا، آپ پر حملہ کر دیا اور حضور ﷺ کی قمیص پھاڑ دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کتوں میں سے کوئی کتا تجھ پر مسلط کرے۔ وہ قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ بحیثیت تاجر شام کی طرف نکلا یہاں تک کہ وہ رات کے وقت شام کے علاقہ زورا میں ٹھہرے۔ اس رات شیر نے ان پر چکر لگایا۔ عتبہ کہتا ہلاکت ہو مجھے تو حضور ﷺ کی بددعا سے ڈر لگتا ہے۔ ان سب نے اپنے سامان کو جمع کیا۔ سب سے اونچی جگہ عتبہ کو سلایا اور خود اس کے ارد گرد سو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا شیر ان سے الگ تھلگ رہا یہاں تک کہ وہ سو گئے جبکہ عتبہ ان سب کے درمیان تھا۔ پھر شیر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا آیا اور انہیں سونگھنے لگا یہاں تک کہ اس نے عتبہ کو پکڑ لیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

میں کہتا ہوں جہاں تک عتیبہ اور معتب کا تعلق ہے جو ابولہب کے دونوں بیٹے تھے وہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور غزوۂ حنین کے موقع پر حضور ﷺ کے ساتھ تھے اور بھاگ جانے کے بعد آپ کی طرف لوٹ آئے تھے۔

[3] ایمان اور شکر کو واجب کرنے والی چیزوں کا بیان ہے۔ انسان کی تخلیق کے آغاز کو ذکر کیا کیونکہ یہ تمام نعمتوں میں سے پہلی نعمت ہے۔ خلقہ کے فاعل کی ضمیر اس مرجع کی طرف لوٹ رہی ہے جو تقدیراً مذکور ہے۔ یہاں استفہام تقریری ہے اور مخاطب کو اس بات پر برانگیختہ کرتا ہے کہ وہ یہ اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے۔ من نطفة یہ ما کا بیان ہے۔ یہ توجیہ ذہن میں زیادہ وقعت رکھتی ہے۔ اس میں انسان کی تحقیر بھی ہے جو تکبر کے منافی ہے۔

[4] جار مجرور فعل محذوف کے متعلق ہے جو خلق ہے پہلے جس چیز کا ذکر مبہم انداز میں تھا۔ اس کا یہ بیان ہے پھر اس کی تخلیق سے لے کر

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 175 (التجاریہ)

اس کی موت تک جو احوال وقتاً فوقتاً اس پر طاری ہوتے رہتے ہیں ان کو بیان فرمایا۔ رحم میں اسے نطفہ سے پیدا فرمایا اور موکل فرشتہ نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے چار چیزیں لکھ دیں، اس کا عمل، موت، رزق اور اس کا شقی یا سعید ہونا جس طرح ہم نے سورۃ مرسلات میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے۔ یہ تاویل ان تاویلوں سے بہتر ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ اعضاء اور اشکال بنائیں یا نطفہ سے لے کر تخلیق کے مکمل ہونے تک مختلف مراحل مقدر فرمائے۔

ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ﴿٢١﴾ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ ﴿٢٢﴾

"پھر (زندگی کی) راہ اس پر آسان کر دی۔[1] پھر اسے موت دی اور اسے قبر میں پہنچا دیا۔[2] پھر جب چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا۔[3]"

1۔ اضمار علی شرط تفسیر کی بناء پر السبیل کو نصب دی گئی۔ اس جملے کا عطف قدرہ پر ہے۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ سے اس کے نکلنے کو آسان بنا دیا۔ سدی اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے یا اس کا معنی ہے حق اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستہ کو آسان بنایا (1)۔ اس کی صورت یہ بنائی کہ رسولوں کو مبعوث کیا اور کتابیں نازل فرمائیں تا کہ اس پر حجت تمام ہو جائے۔ اسی کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ﴿﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ﴿﴾ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ﴿﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ۔ یا اس کا معنی ہے اس کے لئے دنیا کی زندگی اور اس پر مرتب ہونے والے نتیجے کو آسان بنا دیا کیونکہ دنیا ایک راستہ ہے جو یا تو جنت تک لے جاتا والا ہے یا جہنم تک لے جانے والا ہے۔ یہ مستقل رہنے کی جگہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا میں اس طرح رہو گویا تم اجنبی یا مسافر ہو (2)۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام احمد، امام ترمذی، ابن ماجہ رحہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اتنا زائد ذکر کیا ہے اور اپنے آپ کو اصحاب قبور سے شمار کرو۔ مابعد فرمان اسی تاویل کے مناسب ہے۔

2۔ موت عطا کرنے کو بھی نعمت میں شمار کیا ہے کیونکہ موت جنت میں پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کا تحفہ موت ہے (3)۔ اسے طبرانی، حاکم، بیہقی رحہم اللہ تعالیٰ نے شعب اور ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ جہاں تک اس کے جہنم کی طرف جانے کا تعلق ہے تو اس کے اپنے غلط انتخاب کی وجہ سے ہے اور اس پر کسی قسم کا جبر نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا ایک سردار ہے جس نے دعوت کا اہتمام کیا اس نے دعوت دینے کے لئے آدمی بھیجا جس نے دعوت کو قبول کر لیا وہ گھر میں داخل ہو گیا اور کھانا کھا لیا اور آقا بھی راضی ہو گیا جس نے دعوت کو قبول نہ کیا وہ گھر میں داخل بھی نہ ہوا اور کھانا بھی نہ کھایا اور آقا بھی اس پر ناراض ہو گیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی مثال سید کی ہے، محمد ﷺ دعوت دینے والے ہیں، گھر سے مراد اسلام ہے اور کھانا جنت ہے۔ اسے دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے ربیعہ جرشی کی حدیث سے روایت کیا (4)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اس کے بعد لوگوں کو حکم دیا کہ وہ میت کو قبر میں دفن کر دیں تا کہ اس کا جسم درندوں سے محفوظ رہے۔ یہ دوسری نعمت ہے جس میں انسان کی تکریم کا اہتمام ہے۔ اسے دوسرے حیوانات کی طرح مردہ حالت میں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 175 (التجاریہ)
2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 57 (وزارت تعلیم)
3۔ شعب الایمان، جلد 7، صفحہ 171 (العلمیہ)
4۔ سنن الدارمی، جلد 1، صفحہ 15 (المحاسن)

باہر بھیجنے کا حکم نہیں دیا۔

۳؎ جب اللہ تعالیٰ اسے قبر سے باہر نکالنے کا ارادہ کرے گا تو باہر نکال لے گا کیونکہ جو ذات پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوسری دفعہ بھی پیدا کر سکتی ہے۔ اس چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی زبانوں سے آگاہ کیا۔ اگر دوبارہ اٹھانا اور جزا و سزا کا سلسلہ نہ ہوتا تو شکر گزار بھی کافر کی طرح رہ جاتا اور یہ بہت قبیح عمل ہے۔

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ﴿٢٣﴾ فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿٢٤﴾ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾

"یقیناً وہ بجا نہ لایا جو اللہ نے اسے حکم دیا تھا ل۔ پھر ذرا انسان غور سے دیکھے اپنی غذا ۲؎ کو بے شک ہم نے زور سے پانی برسایا ۳؎ پھر اچھی طرح پھاڑا زمین کو ۴؎"

ل؎ وہ دلائل جو ایمان کو واجب کرتے تھے اور وہ نعمتیں جو شکر کا موجب تھیں۔ ان کے باوجود کفار جو انکار اور ناشکری کی حالت میں تھے۔ اس پر انہیں جھڑکا جا رہا ہے۔ یعنی ان عظیم الشان نعمتوں اور واضح دلائل کا علم رکھنے کے باوجود انہوں نے آج تک اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا حق ادا نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان اور شکر بجالانے کے بارے میں دیا۔

۲؎ اس جملے کا عطف سابقہ جملہ پر ہے۔ یعنی انسان کو پہلے اپنی ذات پر غور کرنا چاہئے کہ اس کی تخلیق کے آغاز سے لے کر اس کی انتہا تک کس قدر احسانات فرمائے۔ پھر وہ اپنے کھانے کی طرف دیکھے کہ کیسے ہم نے کھانے کو تخلیق فرمایا اور اسے کھانے سے لطف اندوز کیا۔

۳؎ ہم نے آسمان سے بارش کو نازل فرمایا کوفہ کے قراء نے انا کو ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ الطعام سے بدل اشتمال ہے جو اس کھانے کی پیدائش کی کیفیت کو بیان کرتا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ صبًا ترکیب کلام میں مفعول مطلق ہے۔

۴؎ زمین سے کھیتی کو نکال کر یا ندی نالوں کے ذریعے پھاڑا۔ اس صورت میں فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اسی طرح ہے جس طرح فعل کی نسبت مسبب کی طرف ہو۔

فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿٢٨﴾ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ﴿٣١﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾

"پھر ہم نے اگایا اس میں غلہ ل؎ اور انگور اور ترکاریاں ۲؎ اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغات ۳؎ اور (طرح طرح کے) پھل اور گھاس ۴؎ سامان زیست تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے لئے ۵؎"

ل؎ ھا ضمیر سے مراد زمین ہے حبا سے مراد گندم، جو اور اسی طرح کی دوسری چیزیں ہیں۔

۲؎ قضبا سے مراد ساگ ہے۔ قضبا یہ قضبہ کا مصدر ہے مصدر کے ساتھ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کیونکہ انہیں بار بار کاٹا جاتا ہے۔ صحاح میں قضب کا لفظ سبزیوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ قاموس میں قضب سے مراد ایسا درخت ہے جو لمبا ہو اور اس کی ٹہنیاں پھیلی ہوئی ہوں۔

۳؎ غلب ایسے باغ کو کہتے ہیں جس کے درخت گھنے ہوں۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔

۴؎ پھلوں سے ایسے پھل جنہیں محض لذت حاصل کرنے کے لئے کھایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء کہتے ہیں جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ فاکھہ نہیں کھائے گا تو وہ کھجور، انگور اور زیتون کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔ ساتھ اس تعبیر کی وجہ یہ بھی ہے کہ عطف مغائرت کی دلیل ہے۔ اسی طرح ہر وہ پھل جس سے غذا اور دوا کا ارادہ کیا جاتا ہے جس طرح انار ہے۔ ابّا سے مراد گھاس اور چراگاہ ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔

۵؎ متاعا یہ انبتنا کا مفعول لہ ہے۔ گندم وغیرہ کو تمہارے لئے اور چراگاہوں کو تمہارے چوپاؤں کے لئے پیدا کیا تاکہ تم ان سے لطف اندوز ہو۔

فَإِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿٣٣﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾

"پھر جب کان بہرا کرنے والا شور اٹھے گا ۱؎ اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے ۲؎ ہر شخص کو ان میں سے اس دن ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پرواہ کردے گی ۳؎"

۱؎ قاموس میں صاخہ سے مراد چیخ ہے جس میں شدت پائی جائے۔ یہاں اس سے مراد صور کا نفخہ ہے۔ صحاح میں ہے صاخہ سے مراد سخت آواز ہے جو بولنے والے کی طرف سے صادر ہو۔ اس تعبیر کی بناء پر صور پھونکنے کی اس کے ساتھ صفت لگانا بطور مجاز ہوگا کیونکہ اس نفخہ پر لوگ سخت چیخیں گے۔ یہ ایسی شرط ہے جس کی جزاء محذوف ہے۔ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّھَا تَذْکِرَۃٌ کے ساتھ متعلق ہے یا قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَہٗ کے ساتھ متعلق ہے۔ پہلی صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی اِنَّھَا تَذْکِرَۃٌ وَّعِظَۃٌ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّۃُ یعنی اس کے ساتھ اس سے نصیحت حاصل کرنے والوں اور نصیحت حاصل نہ کرنے والوں کی حالت مختلف ہو جائے گی۔ وجوہ یومئذ اس کا بیان ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کی جزاء وجوہ یومئذ ہو۔ دوسری تعبیر کی صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَہٗ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّۃُ یَرٰی جَزَآءَ کُفْرَانِہٖ، یعنی جب صاخہ واقع ہوگا تو وہ اپنی ناشکری کی جزا دیکھ لے گا۔

۲؎ اس وقت وہ اپنی ذات کے بارے میں مشغول ہوگا اور اسے یہ بھی علم ہوگا کہ وہ اسے کچھ نفع نہ دیں گے یا ان کے کفر اور برے حال کے باعث وہ ان سے بغض کرے گا اور انہیں ناپسند کرے گا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے ان دو بچوں کے بارے میں پوچھا جو دور جاہلیت میں فوت ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ جہنم میں ہوں گے۔ جب حضور ﷺ نے ان کے چہرہ پر ناگواری کے آثار کو دیکھا تو آپ نے فرمایا اگر تم ان کے مکان کو دیکھ لو تو تم ان سے بغض کرنے لگو۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ زیادہ محبوب کو مؤخر ذکر کرنا مبالغہ کے لئے ہے۔ گویا یہ فرمایا آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا نہیں بلکہ اپنے والدین سے بھاگے گا نہیں بلکہ اپنی بیوی سے بھاگے گا نہیں بلکہ اپنے بیٹوں سے دور بھاگے گا۔ یوم یفر یہ اذا سے بدل ہے۔

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 134 (صادر)

WWW.NAFSEISLAM.COM

۳۔ ھم ضمیر سے مراد لوگ ہیں۔ یومئذ شبہ فعل محذوف کے متعلق ہے۔ شان یہ شبہ فعل محذوف کا فاعل ہے یا یہ مبتدا ہے اور ظرف اس کی خبر ہے۔ یغنیہ یہ شان کی صفت ہے، یعنی اس کی اپنی حالت دوسروں کی حالت سے اسے غافل کر دے گی۔ یہ فقرہ اس کی تعیین ہے۔ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ لوگوں کو ننگے پاؤں، ننگے بدن اور ختنہ کے بغیر اٹھائے گا۔ پسینہ ان کے منہ اور کانوں کی لوؤں تک پہنچا ہوگا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم میں سے بعض بعض کی شرمگاہوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا لوگ مشغول ہوں گے۔ ہر ایک کی ایک ایسی حالت ہوگی جو اسے دوسروں سے بے نیاز کر دے گی۔ اسے طبرانی، بیہقی اور بغوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے (1)۔ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسی کی مثل مروی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ان کا معاملہ اس دن اس سے بھی سخت ہوگا۔ یعنی وہ ایک دوسرے کی شرمگاہ نہیں دیکھیں گے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾

"کتنے ہی چہرے اس دن (نور ایمان سے) چمک رہے ہوں گے ۱؎ ہنستے ہوئے خوش و خرم ۲؎ اور کئی منہ اس دن غبار آلود ہوں گے ۳؎ ان پر کالک لگی ہوگی ۴؎ یہی وہ کافر (و) فاجر لوگ ہوں گے ۵؎"

۱؎ اس سے مومنوں کے چہرے مراد ہیں یا کثیر چہرے مراد ہیں یا انہیں لوگوں میں سے کچھ چہرے ہیں جو مومن کامل اطاعت سے متصف رہے۔ یومئذ مابعد شبہ فعل کے متعلق ہے۔ مسفرۃ کا معنی روشن ہیں۔ یہ اسفر الصبح سے مشتق ہے۔

۲؎ یہ ترکیب میں وجوہ کی صفت ہے جبکہ حقیقت میں ان چہرے والوں کی صفت ہے۔ وجوہ کی طرف اس کی نسبت مجاز کے طور پر ہے۔

۳؎ یومئذ مابعد شبہ فعل محذوف کے متعلق ہے۔ جار مجرور بھی اسی شبہ فعل کے متعلق ہے۔ غبرۃ یہ ظرف کا فاعل ہے یا یہ مبتدا مؤخر ہے یعنی ان چہروں پر اس روز غبار یا کدورت ہوگی اور جملہ وجوہ کی خبر ہے۔

۴؎ ان چہروں پر سیاہی اور تاریکی چھائی ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان پر ذلت چھائی ہوگی۔ ابن زید نے غبرۃ اور قترۃ میں فرق کیا ہے اور کہا قترہ سے مراد وہ غبار ہے جو بلند ہو اور پانی کے ساتھ جا ملے اور غبرہ سے مراد وہ غبار ہے جو نیچے جانب زمین میں ہوتی ہے (2)۔ یہ جملہ غبرۃ کی صفت ہے یا وجوہ کی خبر کے بعد خبر ہے۔

۵؎ اسم اشارہ مبتدا ہے۔ ھم ضمیر فصل ہے۔ کفرۃ یہ کافر کی جمع ہے اور مبتدا کی خبر ہے۔ الفجرۃ یہ فاجر کی جمع ہے اور کفرہ کی صفت ہے یا خبر ہے اور جملہ مستانفہ ہے گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہو کہ اصحاب تلک الوجوہ فجور کا معنی پھاڑنا ہے، یعنی دین اور دیانت کو پھاڑ دینا فجور کی کامل صورت کفر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 176 (التجاریہ)
2۔ ایضاً

سورۃ التکویر

آیاتھا ۲۹ | سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ ٨١ | رکوعھا ۱

سورۃ التکویر مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور انتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جسے یہ بات اچھی لگے کہ وہ قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھے تو وہ سورۂ کورت (تکویر) پڑھے(1)۔ اسے امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے مگر اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت کے الفاظ ذکر نہیں کئے۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝۲ وَ اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝۳
وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝۴

"(یاد کرو) جب سورج لپیٹ دیا جائے گا[1] اور جب ستارے بکھر جائیں گے [2] اور جب پہاڑوں کو اکھیڑ دیا جائے گا [3] اور جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی [4]"

[1] اذا شرطیہ ہے۔ الشمس کو رفع اس فعل نے دیا جو اضمار علی شرط تفسیر کی بناء پر محذوف ہے جو اسماء، الشمس پر معطوف ہیں ان کی بھی یہی صورت ہے۔ کورت یعنی اس کی روشنی ختم ہوگئی اور سورج تاریک ہوگیا۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابوطلحہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی یہ نقل کیا ہے کہ سورج تاریک ہوگیا(2)۔ ابن ابی حاتم اور ابن ابی دنیا رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب فی البحر والاحوال اور ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں ان کی آیات کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سورج، چاند اور ستاروں کو سمندر میں گرا دے گا تو اللہ تعالیٰ دبور ہوا بھیجے گا۔ وہ اس میں پھونک مارے گی تو وہ آگ بن جائے گا(3)۔ بعض نے کہا جب اسے سمندر میں پھینکا جائے گا تو اس کی روشنی ختم ہو جائے گی اور وہ آگ بن جائے گا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی مریم سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان میں فرمایا جب سورج کو جہنم میں گرا دیا جائے گا اور ستارے بھی جہنم میں ٹوٹ گریں گے۔ اسی طرح ان سب کو بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا جن کی دنیا میں عبادت کی جاتی تھی مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ اس سے مستثنیٰ ہوں گے(4)۔ میں کہتا ہوں شائد سورج کو سمندر اور

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 168 (وزارت تعلیم) 2۔ الدرالمنثور زیر آیت ہذا۔ 3۔ ایضاً۔ 4۔ ایضاً

جہنم میں گرانے میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ سمندر جہنمیوں کے لئے دھکتی آگ بن جائے گا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے روز سورج اور چاند کو گرا دیا جائے گا(1)۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند میں نقل کیا ہے اور آگ کے الفاظ کا اضافہ کیا یعنی انہیں آگ میں ڈال دیا جائے گا۔(2)

۲؎ ستارے ٹوٹ جائیں گے بکھر جائیں گے اور زمین کی طرف گر پڑیں گے۔ انکدر الطیر جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ نیچے گر جائے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس روز آسمان ستاروں کو نیچے گرا دے گا تو کوئی ستارہ بھی باقی نہ رہے گا، سب نیچے گر جائیں گے۔

۳؎ پہاڑوں کو زمین سے چلایا جائے گا تو وہ بکھرے ہوئے ذرات بن جائیں گے۔

۴؎ عشار سے مراد وہ اونٹنیاں ہیں جس کے حمل کے دس ماہ گزر چکے ہوں۔ یہ عشرۃ کی جمع ہے۔ اس اونٹنی کو عشار کہتے ہیں یہاں تک کہ اس کا پورا سال گزر جائے۔ عربوں کے ہاں یہ نفیس ترین مال ہوتا ہے اور وہ اس اونٹنی کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ جب قیامت کی ہولناکیاں ظاہر ہوں گی تو لوگ اسے بھی آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ یا عشار سے مراد وہ بادل ہیں جو بارش سے خالی کر دیئے گئے ہیں۔

وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝۵ وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۶ وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝۷

''اور جب وحشی جانور یکجا کر دیئے جائیں گے ۱؎ اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے ۲؎ اور جب جانیں (جسموں سے) جوڑی جائیں گی ۳؎''

۱؎ ابی بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آیت کا معنی یہ ہے ان میں ایک موج پیدا ہوگی اور بعض بعض میں گھس جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے آیت کا معنی یہ ہے کہ بعث کے بعد جانوروں میں قصاص جاری کرنے کے لئے ان سب کو جمع کیا جائے گا جس طرح آیت یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جانوروں کے حشر سے مراد ان کی موت ہے۔ انسانوں اور جنوں کے علاوہ ہر چیز کا حشر اس کی موت ہے۔(3)

۲؎ ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے سجرت کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے مشدد پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس کا معنی ہے کہ ان سمندروں کو روشن کیا گیا تو وہ دہکتی آگ بن گئے(4)۔ یہ ابی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے جب سمندروں کو بھر دیا جائے گا مسجور اسے کہتے ہیں جو بھرا ہوا ہو۔ مجاہد اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا میٹھے اور نمکین سمندر آپس میں مل گئے تو سارے سمندر جہنمیوں کے ایک سمندر بن گئے۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کا معنی یہ بتایا کہ سمندر خشک ہو گئے اور ان کا پانی ختم ہو گیا اور پانی کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا۔ میں کہتا ہوں ان اقوال کو جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان تمام سمندروں کو جمع کیا جائے گا اور ایک سمندر کی صورت میں اسے بھر دیا جائے گا۔ پھر اس میں سورج گرا دیا جائے گا اس وقت سمندر گرم ہو جائے گا اور وہ آگ بن جائے گا اور پانی کا ایک قطرہ بھی باقی نہ بچے گا کیونکہ وہ سب جہنمیوں کے لئے آگ اور کھولتا ہوا پانی ہو جائیں گے۔

ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے واقع ہونے سے پہلے چھ نشانیاں ظاہر ہوں گی۔ ابھی لوگ بازاروں میں مصروف ہوں گے کہ سورج کی روشنی جاتی رہے گی، وہ اسی حال میں ہوں گے(5) کہ

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 3۔ تفسیر طبری زیر آیت ہذا۔ 4۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 5۔ ایضاً

پہاڑ زمین پر آ گریں گے تو اس میں حرکت واقع ہو جائے گی، اس میں زلزلہ برپا ہو جائے گا۔ انسان اور جن خوفزدہ ہو جائیں گے۔ جن انسانوں سے کہیں گے ہم تم تک خبر لاتے ہیں وہ سمندر کی طرف جائیں گے تو وہ آگ بن چکا ہوگا۔ وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ ان پر ایک ہوا چلے گی تو سب کو ہلاک کر دے گی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابو العالیہ نے ابی بن کعب رحمۃ اللہ علیہ کا قول اسی طرح ذکر کیا ہے مگر اس روایت میں یہ زائد ہے جن سمندر کی طرف جائیں گے تو وہ آگ بن چکا ہوگا۔ وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ ایک ہی دفعہ ساتویں زمین سے لے کر آسمان تک زمینیں ایک ہی دفعہ پھٹ جائیں گی۔ وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ ان پر ہوا چلے گی تو سب کو ہلاک کر دے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے یہ کل بارہ نشانیاں ہیں جن میں چھ قیامت کے واقع ہونے سے پہلے ظاہر ہوں گی اور چھ قیامت کے واقع ہونے کے بعد ظاہر ہوں گی جن کا ذکر مابعد آیات میں آ رہا ہے۔(1)

سے ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہر آدمی کو ایسی قوم کے ساتھ ملا دیا جائے گا جو اس جیسا عمل کرتے تھے(2)۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے تم تین جماعتوں میں ہو گے، ایک دائیں ہاتھ والے، تم کیا جانو کہ دائیں ہاتھ والے کیا ہیں؟ بائیں ہاتھ والے، تم کیا جانو کہ بائیں ہاتھ والے کیا ہیں؟ سابقون سبقت لے جانے والے ہیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا آپ ارشاد فرماتے کہ اذا النفوس زوجت کا مفہوم یہ ہے کہ دو آدمی ہوں گے جو ایک ہی عمل کرتے تھے اسی عمل کے باعث وہ جنت یا جہنم میں داخل ہوں گے(3)۔ میں نے آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جن لوگوں نے ظلم کیا اور جو ان جیسے تھے انہیں اکٹھا کیا جائے گا۔ سعید بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ اس کا معنی بیان کیا ہے کہ نیک آدمی کو جنت میں نیک آدمی کے ساتھ ملایا جائے گا اور برے آدمی کو جہنم میں برے آدمی کے ساتھ ملایا جائے گا(4)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جن لوگوں نے ظلم کیا اور ان کے ساتھیوں کو جمع کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا نفوس کو اعمال کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ عطاء اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہما نے کہا مومن نفوس کو حور عین کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور کفار کے نفوس کو شیاطین کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نفوس کو جسموں میں لوٹا دیا جائے گا۔(5)

وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ﴿٨﴾ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿١٠﴾

"اور جب زندہ درگور کی ہوئی (بچی) سے پوچھا جائے گا[1] کہ وہ کس گناہ کے باعث ماری گئی[2] اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے[3]"

[1] موءدة سے مراد وہ بچی ہے جسے زندہ درگور کر دیا گیا ہو۔ اسے موؤدہ اس لئے کہا گیا کیونکہ اس پر مٹی پھینکی جاتی ہے۔ مٹی اس کو وزن کی وجہ سے دبا لیتی ہے یہاں تک کہ وہ بچی مر جاتی ہے۔ عرب شرمندگی کے ڈر اور فقر کے خوف سے بچیاں زندہ درگور کر دیتے تھے۔ بچی سے پوچھنے کی وجہ یہ ہے کہ زندہ درگور کرنے والے کو لاجواب کیا جائے جس طرح نصرانیوں کو لاجواب کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ اے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو معبود

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
2۔ تفسیر طبری زیر آیت ہذا
3۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا
4۔ ایضاً
5۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

عالو۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے کہ موءدۃ کی طرف قتل کی نسبت مجازا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا اصل میں مسئول سے مراد مسئول عنہ ہے یا موءدہ سے مراد وائدہ ہے۔ بعض اوقات اسم مفعول اسم فاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا یا موءدہ سے مراد وہ عورت ہے جس نے وہ سے زندہ درگور کیا گیا۔ جس طرح حضور ﷺ کا فرمان ہے اَلْوَائِدَةُ وَالْمَوْءُدَةُ فِي النَّارِ اسے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس صورت میں وائدہ سے مراد دائی اور موءدۃ لہا سے مراد ماں ہے۔ اس حدیث میں یہی تاویل ممکن ہے۔(1)

فائدہ۔ وأد کبیرہ گناہ ہے کیونکہ اس میں ناحق نفس کا قتل ہے۔ اسی حکم میں اسقاط حمل بھی آتا ہے جب چار ماہ کے بعد اسے گرایا جائے کیونکہ اس وقت جنین کی تخلیق مکمل ہوجاتی ہے اور اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ اگر چار ماہ سے قبل اسقاط حمل ہو تو پہلی صورت کی بنسبت گناہ میں تو کم ہوگا لیکن یہ بھی حرام ہے۔ اسی وجہ سے جس نے کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر کوئی چیز ماری تو عورت نے مکمل جنین یا ناقص جنین گرا دیا تو بالاجماع نابالغ غلام دینا لازم ہوگا۔ جب اس میں انسان کی تخلیق کی صورت پیدا ہوگئی ہو۔ جب وہ نکلے تو مر چکا ہو مگر جب وہ نکلے تو زندہ ہو پھر مر ے تو اس میں پورے انسان کی دیت لازم ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے بنی لحیان کی عورت کے جنین کے بارے میں نابالغ غلام یا باندی کا فیصلہ کیا جبکہ وہ جنین گر گیا تھا۔ متفق علیہ۔(2)

مسئلہ:۔ لونڈی سے عزل کرنا جائز ہے مگر آزاد عورت سے اس کی مرضی کے بغیر عزل کرنا صحیح نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ مخفی زندہ درگور کرنا ہے(3)۔ واذا الموءدۃ سئلت سے بھی یہی مراد ہے۔ جواز کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ ہم اس وقت بھی عزل کرتے تھے۔ جب قرآن نازل ہو رہا تھا۔ متفق علیہ۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ذکر کیا ہے یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچی تو حضور ﷺ نے اس سے منع نہ کیا(4)۔ حضور ﷺ سے ہی ایک روایت یہ مروی ہے لونڈی کے بارے میں اگر تم چاہو تو عزل کر لو جو چیز (روح) مقدر کی جا چکی ہے وہ ضرور آئے گی۔ ایک روایت میں ہے اگر تم ایسا نہ کرو تو تم پر کیا حرج ہے قیامت تک جس روح نے آنا ہے اس نے تو آنا ہے۔ متفق علیہ(5)۔ آزاد عورت کے بارے میں اجازت کی دلیل حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع کیا ہے۔ اسے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(6)۔

۱؎ قتلت کی ضمیر سے مراد زندہ درگور کی جانے والی بچی ہے۔ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے مبالغہ کے لئے قتلت کو مشدد پڑھا ہے جبکہ جمہور نے مجرد سے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

۲؎ صحف سے مراد اعمال کے صحیفے ہیں۔ انہیں حساب کے لئے پھیلایا جائے گا یا انہیں لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ نافع، ابن عامر اور عاصم رحمہم اللہ تعالیٰ نے شین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے نشر میں مبالغہ کے لئے یا صحیفوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے یا اڑنے میں شدت کی وجہ سے مشدد پڑھا ہے۔

وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ﴿۱۳﴾

1۔ تفسیر خازن، زیر آیت ہذا 2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 1020 (وزارت تعلیم) 3۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 276 (قدیمی)

4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ سنن ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 458 (العلمیہ)

”اور جب آسمان کی کھال ادھیڑ لی جائے گی ۱؎ اور جب جہنم دہکائی جائے گی ۲؎ اور جب جنت قریب کر دی جائے گی ۳؎“

۱؎ آسمان کی چمڑی ادھیڑ دی جائے گی اور اسے اتار لیا جائے گا جس طرح مذبوحہ جانور کی جلد اتار لی جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ یہ صعق کے نفخہ سے پہلے ہوگا جس سورج کو بے نور کیا جائے گا، ستارے بکھر جائیں گے یا یہ سب اس نفخہ کے وقت ہی ہوگا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دو نفخوں کے درمیان ہوگا زمین اور آسمان کو لپیٹ دیا جائے گا۔ آسمان کو ایک اور آسمان سے اور زمین کو ایک اور زمین سے بدل دیا جائے گا۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صاحب افصاح نے اخبار میں تطبیق دی ہے۔ فرمایا آسمانوں اور زمین کی تبدیلی دو دفعہ واقع ہوگی ایک صفات کی تبدیلی ہوگی۔ یہ صعق کے نفخہ سے پہلے ہوگی۔ اس وقت ستاروں کو بکھیر دیا جائے گا، سورج اور چاند کو بے نور کر دیا جائے گا، آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا، اسے سروں سے ہٹا دیا جائے گا، پہاڑ چل پڑیں گے، سمندر آگ بن جائیں گے، زمین نشیب و فراز کا شکار ہو جائے گی اور وہ پھٹ جائے گی یہاں تک کہ اس کی ہیئت پہلی والی نہ رہے گی۔ پھر دونوں نفخوں کے درمیان آسمان اور زمین کو لپیٹ دیا جائے گا اور آسمان کو دوسرے آسمان سے بدل دیا جائے گا۔

۲؎ نافع، حفص اور ابن ذکوان رحہم اللہ تعالیٰ نے عین کی تشدید کے ساتھ سعّرت پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مجرد سے مخفف پڑھا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے لئے اسے سخت بھڑکایا جائے گا۔

۳؎ متقین کے قریب کر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾

”(تو اس دن) ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے ۱؎ پھر میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے تاروں کی ۲؎ (اور قسم کھاتا ہوں) سیدھے چلنے والے، رکے رہنے والے تاروں کی ۳؎“

۱؎ ہر نفس نے اچھا یا برا جو بھی عمل کیا ہوگا اسے جان لے گا۔ یہ جملہ اذا شرطیہ کا جواب ہے جو اذا الشمس کورت اور اس کے معطوف میں ہے۔ اس زمانہ سے مراد وسیع زمانہ ہے جو نفخہ اولیٰ سے لے کر جنت میں داخل ہونے تک کے تمام مراحل کو شامل ہے۔

۲؎ یہاں کلام بھی اسی طرح ہے جس طرح سورۂ قیامت کے آغاز میں ہوئی تھی۔ فاء یہاں اس لئے ذکر کی کیونکہ تقدیر کلام یوں ہے جب ہم نے تم پر قیامت کے بارے میں آیات کو نازل فرمایا تو جان لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، کوئی جھوٹا کلام نہیں ہے۔

خنس خنوس سے مشتق ہے جس کا معنی لوٹنا ہے۔ جہاں اس کا سفر ختم ہوا تھا اس سے اس جگہ کی طرف واپس لوٹتا ہے جہاں سے اس نے سفر شروع کیا تھا اس سے پانچ ستارے مراد ہیں۔ جنہیں متحیرہ کہتے ہیں۔ اس سے مراد عطارد، زہرہ، مشتری، مریخ اور زحل ہے کیونکہ محسوس یوں ہوتا ہے کہ یہ مغرب سے مشرق کی طرف رواں دواں ہیں۔ پھر یہ مغرب کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ کبھی یوں دکھائی دیتے ہیں کہ یہ ساکن ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں متحیرہ کہتے ہیں علم ہیئت کے علماء کے ہاں اس کا سبب یہ ہے کہ یہ چھوٹے افلاک میں مرتکز ہیں جن افلاک میں خلاء نہیں ان افلاک کو تدویرات کہتے ہیں۔ ان تدویرات کی اپنی حرکت بھی ہوتی ہے اور ان کے اوپر والے حصہ کی حرکت اپنے افلاک کے مطابق ہوتی ہے جو مغرب سے مشرق کی طرف ہوتی ہے اور ان تدویرات کے نیچے والے حصہ کی حرکت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ جب یہ ستارے تدویرات کے بالائی حصہ میں ہوتے ہیں تو حرکت تدویر اور حرکت

فلک کے باہم معاون ہونے کی وجہ سے وہ تیزی سے مشرق کی طرف متحرک نظر آتے ہیں۔ جب وہ ستارے تدویرات کے نچلے حصہ میں ہوتے ہیں تو دو ترکتوں کے مزاحم ہونے یا باہم ایک دوسرے کے مددگار نہ ہونے کی وجہ سے وہ مغرب کی طرف حرکت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہی رجوع اور خنوس ہے اور کبھی یہ ساکن دکھائی دیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تمام ستارے فلک میں تیر رہے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے آسمانوں کے پھٹنے اور ملنے سے کوئی امتناع لازم نہیں آتا۔ ان پانچوں متحیرہ ستاروں کی حرکت کبھی مشرق کی طرف ہوتی ہے اور کبھی مغرب کی طرف ہوتی ہے کبھی آہستہ ہوتی ہے اور کبھی تیز ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور مشیت ہو۔ باقی تمام ستاروں کی حرکات ہمیشہ ایک ضابطہ اور طریقہ کے مطابق ہوتی ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا خنس سے مراد وہ تمام ستارے ہیں جو رات کے وقت ظاہر ہوتے ہیں اور دن کے وقت چھپ جاتے ہیں(1)۔ اس صورت میں خنوس سے مراد چھپنا ہے۔ یہ رجوع کا لازمی معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا خنوس سے مراد اس کا غائب ہونا ہے۔ میں کہتا ہوں اس صورت میں خنس اور کنس دونوں مترادف ہیں تو پھر تکرار کی کوئی وجہ نہ ہوگی۔

سے جو افلاک میں چلتے رہتے ہیں۔ کنوس کا معنی یہ ہے کہ خرگوش اور ہرن نے اپنے مکان میں پناہ لے لی یہاں کنس سے مراد غروب ہونے کے وقت چھپ جانا ہے یا جب انہیں ناپید کر دیا جائے گا اس وقت ان کا چھپ جانا ہے۔

میں کہتا ہوں اس کے مکان سے مراد تحت کے نیچے اس کا ٹھکانہ ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب سورج غروب ہوتا ہے تو کیا تم جانتے ہو کہ سورج کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا یہ جاتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے۔(2)

وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾

"اور رات کی جب وہ رخصت ہونے لگے[1] اور صبح کی جب وہ سانس لے[2] کہ یہ (قرآن) ایک معزز قاصد کا (لایا ہوا) قول ہے[3] جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے[4] (سب فرشتوں کا) سردار اور وہاں کا امین ہے[5]"

1. حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا جب تاریکی کے ساتھ رات آ گئی اور یہ بھی معنی کیا کہ جب رات پلٹ گئی۔ یہ اضداد میں سے ہے۔

2. اس کے پہلے جز کا آغاز ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کی روشنی طویل ہو گئی اور بلند ہو گئی۔

3. یہ جملہ جواب قسم ہے ضمیر سے مراد قرآن حکیم ہے۔ یہ حضور ﷺ کی طرف سے بنایا گیا کلام نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس نے اسے بھیجا ہے۔ رسول سے مراد جبرئیل امین یا حضور ﷺ کی ذات ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے معزز ہیں۔ کریم یہ رسول کی صفت ہے۔

4. اس سے مراد جبرئیل امین ہیں۔ اس کی قوت یہ ہے کہ اس نے قوم لوط کی بستیوں کو بحر اسود سے اپنے پروں پر اٹھایا آسمان کی طرف لے گئے پھر ان بستیوں کو الٹ دیا۔ حضرت جبرئیل نے قوم ثمود پر ایک چیخ ماری تو انہوں نے مردوں کی حالت میں صبح کی۔ حضرت

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 2۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 709 (وزارت تعلیم)

WWW.NAFSEISLAM.COM

جبرئیل امین آسمان سے زمین کی طرف اور زمین سے آسمان کی طرف آنکھ جھپکنے میں بلند ہو جاتے ہیں یا اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہو لوگوں کو ہدایت دینے اور جذب الی اللہ میں آپ کی قوت کا اندازہ اس چیز سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام تقریباً ساڑھے نو سو سال دنیا میں رہے مگر قوم کے بہت تھوڑے افراد ایمان لائے۔ حضور ﷺ اپنی امت میں اعلان نبوت کے بعد تئیس سال تک رہے تو آپ کا دین جہاں بھر میں پھیل گیا لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں جماعت در جماعت داخل ہوتے تھے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کے ساتھ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ تھے۔ آپ ﷺ نے ساتویں آسمان سے بھی اوپر کی طرف عروج فرمایا جبکہ جبرئیل امین اس سے اوپر نہ جا سکے۔ پھر ایک لمحہ سے بھی کم عرصہ میں زمین کی طرف پلٹ آئے۔ آپ ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا مگر کوئی اور اس کی طاقت نہ رکھ سکا جبکہ اللہ تعالیٰ نے جب پہاڑ پر تجلی فرمائی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے جاہ و مرتبہ والے ہیں۔ عند ظرف مابعد شبہ فعل کے متعلق ہے۔

۵۔ تمام عالم کے لوگ آپ کی اطاعت کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ اس سے بڑھ کر وہ وحی پر امین ہیں۔ ثم ظرف ظاہر میں یہ امین کے متعلق ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مطاع کے متعلق ہے۔ معنی یہ ہو گا وہ ملاء اعلیٰ میں اطاعت کیے گئے ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا فرشتوں نے جبرئیل امین کی اطاعت کی کیونکہ فرشتوں نے جبرئیل امین کے کہنے پر حضور کے لئے معراج کی رات آسمانوں کے دروازے کھول دیئے اور جنت کے خازنوں نے جنت کے دروازے کھول دیئے۔

میں کہتا ہوں یہ بعینہ حضور ﷺ کے لئے بھی اطاعت ہے۔ اطاعت سے یہ مراد لینا بھی صحیح ہے کہ پہلے احکام الٰہیہ آپ (جبرئیل امین) پر نازل ہوتے۔ پھر آپ کے واسطہ سے دوسرے فرشتوں تک احکام پہنچائے جاتے۔ نواس بن سمعان سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی امر کے بارے میں وحی کا ارادہ کرتا تو وحی سے تکلم فرماتا تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے آسمانوں میں زلزلہ برپا ہو جاتا جب آسمان کے مکین اسے سنتے تو ان پر غشی طاری ہو جاتی اور وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے سب سے پہلے فرشتوں میں سے جبرئیل امین سر اٹھاتے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ارادہ کیا ہوتا وہ جبرئیل کی طرف وحی کرتا۔ پھر جبرئیل امین کا گزر فرشتوں کے پاس سے ہوتا جس آسمان کے پاس سے بھی گزرتے تو ملائکہ ان سے پوچھتے اے جبرئیل ہمارے رب نے کیا ارشاد فرمایا ہے تو جبرئیل امین کہتے اس نے حق فرمایا وہی بلند شان والا ہے تو جو بات جبرئیل امین کہتے وہی سب فرشتے کہتے (1)۔ یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جبرئیل امین مطاع ہیں۔ جہاں تک حضور ﷺ کے فرشتوں میں مطاع ہونے کا تعلق ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اہل تحقیق کے نزدیک حقیقت محمدیہ ہی وجود کے فیوض اور قرب کے مراتب کے لئے تعین اول ہے۔ ان مراتب میں سے ایک مرتبہ یہ بھی ہے کہ آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور حقیقت محمدیہ کے واسطہ کے بغیر کسی تک کوئی وحی نہیں پہنچتی۔ یہ کشفی امر ہے۔ نصوص میں سے اللہ تعالیٰ کا فرمان وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور حضور ﷺ کا ارشاد آسمان میں میرے دو وزیر جبرئیل اور میکائیل ہیں اور زمین میں میرے دو وزیر ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہم ہیں تو اس اعتبار سے جبرئیل امین بدرجہ اولیٰ مطاع ہوئے۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾

"اور تمہارا یہ ساتھی کوئی مجنون تو نہیں 1۔ اور بلاشبہ اس نے اس قاصد کو دیکھا ہے روشن کنارے پر 2۔ اور یہ نبی غیب

1۔ مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 213 (الفکر)

بتانے میں ذرا بخیل نہیں ہے اور یہ (قرآن) کسی شیطان مردود کا قول نہیں ہے''

لے صاحب سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ اس کا عطف انه لقول رسول كريم پر ہے۔ یہ بھی جواب قسم ہے اگر سابقہ کلام میں رسولوں سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہو تو اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ اس لئے رکھا تا کہ اس بات پر آگاہی ہو کہ اعلان نبوت سے پہلے چالیس سال تک آپ سے کمال عقل کا ہی ظہور ہوا ہے۔ اس لئے ان پر جنون کی تہمت لگانا محض بہتان ہے یا اس کلام میں کافروں کے قول کا رد ہے جو یہ کہتے اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ۔

۲۔ نعی کی ضمیر مرفوع صاحبکم کی طرف لوٹ رہی ہے اور منصوب ضمیر یا تو ذی العرش کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس صورت میں بالافق المبین ظرف مستقر ہوگی اور ضمیر مرفوع سے حال ہوگی۔ معنی یہ ہوگا کہ معراج کی رات حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا جب حضور ﷺ عالم کے افق پر تھے مراد افق ساتوں آسمانوں کی انتہا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہم نے معراج کے قصہ میں حضرت شریک بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رب العزت قریب ہوا، وہ مزید قریب ہوا یہاں تک کہ قاب قوسین یا اس سے بھی زیادہ قریب ہوا۔ یہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے اور اس قول کے قائلین نے باہم اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا آپ ﷺ کی آنکھ آپ کے دل میں رکھ دی گئی تو آپ نے اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى کے بارے میں کہا آپ نے دو دفعہ اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا (1)۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ یہ حضرت انس، حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور کہا حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا، موسیٰ علیہ السلام کو کلیم بنایا اور حضور ﷺ کو دیدار کے لئے منتخب کیا (2)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا آپ نے جواب دیا وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھتا۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (3)۔ (اس حدیث کے الفاظ میں شارحین نے اختلاف کیا ہے۔ اس لئے ایک معنی یہ ہے وہ نور ہے میں اسے دیکھتا ہوں واللہ اعلم بالصواب)

WWW.NAFSEISLAM.COM

میں کہتا ہوں کہ افق مبین اور افق اعلیٰ سے مراد سالکوں کا انتہائی درجہ ہو، عابدیت کی حقیقت کی انتہا حقیقت احمدیت ہے جسے خالص محبوبیت کے درجہ سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے آگے لاتعین کا مرتبہ ہے۔ لاتعین کے مرتبہ میں سیر اور سلوک کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس مرتبہ علیا میں صرف سیر نظری ہو سکتی ہے اتنی ہی بات کافی ہے۔ یہی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ ضمیر منصوب رسول کریم کی طرف راجع ہے اور رسول سے مراد جبرئیل امین ہیں۔ قتادہ اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا افق مبین سے مراد افق اعلیٰ ہے جو شرقی جانب ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل امین سے کہا میں تجھے اس صورت میں دیکھنا چاہتا ہوں جس صورت میں تو آسمانوں

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 98 (قدیمی)　2۔ مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 629 (العلمیہ)　3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 99 (قدیمی)

میں تھا تو جبرئیل امین نے کہا آپ ایسا نہ کر سکیں گے۔ آپ نے فرمایا میں کیوں نہ دیکھ سکوں۔ جبرئیل امین نے پوچھا پھر آپ کہاں چاہتے ہیں کہ میں اس صورت میں آپ کے سامنے آؤں فرمایا ابطح میں۔ عرض کی میں ابطح میں نہیں سما سکتا۔ فرمایا منیٰ میں۔ عرض کی میں اس میں بھی نہیں سما سکتا۔ فرمایا عرفات میں۔ عرض کی میں اس میں بھی نہیں سما سکتا۔ فرمایا حراء میں۔ عرض کی اگر اس کی اطراف وسیع ہو جائیں۔ حضور ﷺ وقت مقررہ پر تشریف لائے تو جبرئیل امین موجود تھے۔ وہ عرفات کے پہاڑوں کی جانب سے اسلحہ کی جھنکار اور زوردار آواز کے ساتھ نمودار ہوئے۔ انہوں نے مشرق و مغرب کو بھر دیا تھا۔ ان کا سر آسمان میں اور پاؤں زمین میں تھے۔ جب حضور ﷺ نے انہیں دیکھا تو آپ پر دہشت طاری ہوگئی اور بے ہوش کر زمین پر گر گئے۔ جبرئیل امین نے اپنی صورت بدل لی اور آپ ﷺ کو سینے سے لگا لیا اور کہا اے محمد ﷺ آپ خوف زدہ نہ ہوں۔ اگر آپ اسرافیل کو دیکھتے تو آپ ﷺ کا کیا حال ہوتا۔ ان کا سر عرش کے نیچے اور پاؤں ساتویں زمین میں ہے۔ عرش ان کے کندھے پر ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے خوف سے وہ اتنے سمٹ جاتے ہیں کہ وہ چڑیا جتنے ہو جاتے ہیں اس وقت تیرے رب کے عرش کو اس کی عظمت ہی اٹھائے ہوتی ہے۔ یہی قول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے نقل کیا ہے کہ جس نے یہ کہا کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا اس نے جھوٹ بولا۔ آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتی ہیں لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرمان ہے وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ۔

اس باب میں زیادہ مناسب ان لوگوں کا قول ہے جو دیدار الٰہی کے اثبات کا قول کرتے ہیں۔ ان کا قول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول سے اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان لا تدرکہ الابصار یہ آخرت میں دیدار الٰہی کی نفی نہیں کرتا۔ اسی پر تمام علماء کا اجماع ہے۔ اسی طرح جب معراج کی رات حضور ﷺ دنیا کی حدود سے نکل گئے، جنت اور جہنم کو دیکھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جبرئیل امین کو دیکھنے کا جو واقعہ ذکر کیا ہے وہ حق ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس آیت سے مراد بھی وہی قصہ ہے۔ یہ کیسے مراد ہو سکتا ہے جب یہ آیت حضور ﷺ کی عظمت، آپ کے کمال کے بیان کے لئے چلائی گئی۔ جہاں تک جبرئیل کا تعلق ہے وہ تو بالاجماع نبی کریم ﷺ سے مفضول ہیں تو اس کا دیدار حضور ﷺ کی فضیلت کیسے بن سکتا ہے یہ معنی کیسے لیا جا سکتا ہے جبکہ عند ذی العرش مکین یہ حضور ﷺ کے کمال قرب پر دلالت کرتی ہے۔ اس سے بڑھ کر مقام اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے، جبرئیل امین کی رؤیت نہیں اگر ذی العرش مکین جبرئیل کی صفت ہو اور جبرئیل امین کی رؤیت حضور ﷺ کی صفت ہو تو فضیلت میں معاملہ الٹ ہو جائے گا۔

سے حضور ﷺ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے اس کی تبلیغ کرنے میں وہ بخیل نہیں۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ظنین ظاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ ان پر اس بارے میں تہمت نہیں لگائی جاتی جبکہ باقی قراء نے اسے ضاد کے ساتھ پڑھا ہے۔

ے یہ قرآن شیطان رجیم کا قول نہیں۔ یہ نہیں کہ شیطان نے اسے چوری چھپے سنا ہو پھر اپنے کاہن دوست پر القاء کر دیا۔ ہو یہ کفار کے اس قول کا رد ہے۔ انہ کاھن یہ جملہ اور سابقہ جملے اپنے معطوفات سے مل کر جواب قسم ہیں۔

فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿٢٦﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٧﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٩﴾

"پھر تم (منہ اٹھائے) کدھر چلے جا رہے ہو لے نہیں ہے یہ مگر نصیحت سب اہل جہان کے لئے ۲ (لیکن ہدایت وہی

پاتے) جو تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہے 3 اور تم نہیں چاہ سکتے بجز اس کے کہ اللہ چاہے جو رب العالمین ہے 4

اس میں فاء سببیہ ہے اور استفہام انکار کے لئے ہے کہ وہ سب باطل باتوں کی طرف ہی چلے گئے ہیں یعنی انہوں نے حضور ﷺ کے بارے میں کہا کہ آپ شاعر ہیں یا مجنون ہیں یا کاہن ہیں۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے تم کہاں سے بچ رہے ہو جو اس طریقہ سے مختلف ہے جو میں نے تمہارے لئے معین کیا ہے۔ پھر اس راستہ کی وضاحت کر دی۔ یہ بعد کا کلام ہے مقدر سوال کا جواب ہے۔

ھو ضمیر سے مراد قرآن ہے۔ قاموس میں ہے ذکر جب کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی یاد رکھنا ہے۔ اسی طرح تذکیر سے جو چیز زبان پر جاری ہو، شہرت، تعریف، شرف، نماز، دعاء، وہ کتاب جس میں دین کی تفصیل اور دین کے احکام بھی ہیں۔ کہتے ہیں یہاں آخری معنی تو ظاہر و باہر ہے اس پر کوئی قدغن نہیں تاہم دوسرے معانی پر بھی اسے محمول کرنا ممکن ہے کیونکہ قرآن اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جس کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جسے ہمیشہ زبانوں پر جاری رہنا چاہئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور عبادت ہے۔ انسان کے لئے شرف اور اس کے لئے دعا ہے۔

عالمین سے مراد عالم ہیں کیونکہ حضور ﷺ تمام انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث کئے گئے بلکہ آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں۔ قرآن کے فیوضات فرشتوں کو بھی شامل ہیں جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ کِرَامٍۭ بَرَرَةٍ دلالت کرتا ہے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب سورۃ انعام نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی پھر فرمایا فرشتوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کی۔ ان کی تعداد اتنی تھی کہ انہوں نے آفاق کو ڈھانپ لیا تھا[1]

جو حق کی اتباع کرتا ہے اور اس پر استقامت کا مظاہرہ کرتا ہے ان کے لئے قرآن سراپا نصیحت ہے۔ یہ خصوصیت اس لئے ہے کیونکہ یہی لوگ اس سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ یہ عالمین سے بدل بعض ہے۔ استقامت ایک ایسا لفظ ہے جو تمام احکام کو جامع ہے۔ سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے اسلام کے بارے میں ایسی نصیحت فرمائیں کہ آپ کے بعد کسی سے بھی اس کے متعلق سوال نہ کروں۔ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ کہو اللہ پر ایمان لایا پھر ڈٹ جا۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے[2]۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ تو ابوجہل نے کہا معاملہ ہمارے سپرد ہو گیا ہے۔ اگر ہم چاہیں گے تو استقامت کریں گے۔ اگر چاہیں گے تو استقامت نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیت نازل فرمائی۔ یعنی تم حق پر استقامت اس وقت تک نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ تعالیٰ تمہاری استقامت کو نہیں چاہے گا کیونکہ وہ ہر شے کا رب ہے، ہر شے کا خالق ہے، وہ چیز اعیان سے تعلق رکھتی ہو، اعراض سے تعلق رکھتی ہو، بندوں کے افعال سے تعلق رکھتی ہو یا کوئی اور چیز ہو۔ جو استقامت چاہتا ہے یا استقامت کا مظاہرہ کرتا ہے وہ سب اللہ کا فضل اور اس کی نعمت ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بقیہ کے واسطہ سے، انہوں نے عمر بن محمد سے، انہوں نے زید بن اسلم سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے جس طرح سلیمان سے مروی ہے۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے سلیمان سے، انہوں نے قاسم بن مخیمرہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

1۔ مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 34 (العلمیہ)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 48 (قدیمی)

سورۃ الانفطار

ایاتھا ۱۹ | سورۃ الانفطار مکیۃ ۸۲ | رکوعھا ۱

سورۃ الانفطار مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور انیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ﴿١﴾ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿٢﴾ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿٣﴾
وَإِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿٤﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ﴿٥﴾

"جب آسمان پھٹ جائے گا ۱ اور جب ستارے بکھر جائیں گے ۲ اور جب سمندر بہنے لگیں گے ۳ اور جب قبریں زیروزبر کردی جائیں گی ۴ (اس وقت) جان لے گا ہر شخص جو (اعمال) اس نے آگے بھیجے تھے اور جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا ۵"

۱۔ جب آسمان پھٹ جائے گا۔

۲۔ جب ستارے الگ الگ ہو کر گر پڑیں گے۔

۳۔ جب سمندروں میں سے بعض کو بعض کی طرف کھول دیا جائے گا۔ میٹھا سمندر نمکین سمندر میں مل جائے گا تو تمام سمندر ایک سمندر ہو جائیں گے۔

۴۔ جب قبروں کی مٹی الٹ دی جائے گی اور مردوں کو نکال لیا جائے گا۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

۵۔ یہ جملہ اذا کا جواب ہے۔ یہ بعینہٖ اسی کی مثل ہے جو اذا الشمس کورت میں گزرا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ما قدمت سے مراد جو اس نے اچھا یا برا عمل کیا اور ما اخرت سے مراد جو اس نے اچھی یا بری سنت چھوڑی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ما قدمت سے مراد جو اس نے عمل کیا اور ما اخرت سے مراد جو اس نے عمل چھوڑ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ماقدمت سے مراد اس کے صدقات ہیں اور ما اخرت سے مراد اس کی زکوۃ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ معنی یہ ہے کہ اس نے دنیا کو آخرت پر مقدم کیا یا آخرت کو دنیا پر مقدم کیا۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں گزری ہے يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ۔

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿٦﴾ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ﴿٧﴾
فِي أَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ﴿٨﴾

"اے انسان کس چیز نے تجھے دھوکے میں رکھا اپنے رب کریم کے بارے میں ۱ جس نے تجھے پیدا کیا پھر تیرے

(اعضاء کو) درست کیا پھر تیرے (عناصر کو) معتدل بنایا۔ (الغرض) جس شکل میں چاہا تجھے ترکیب دے دیا۔

یعنی کس نے تجھے دھوکے میں ڈالا اور باطل چیز کو تیرے سامنے آراستہ کر کے پیش کیا جبکہ اس کا مقصود تمہیں دھوکہ دینا تھا اور وہ دشمن ہے جس نے تمہیں اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرنے پر برانگیختہ کیا۔ یہ جملہ جملہ معترضہ ہے جسے بعد والے اعمال کرنے پر تشدید کے لئے ذکر کیا گیا جو پہلی آیت سے سمجھ آ رہا تھا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابی بن خلف کے حق میں نازل ہوئی۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت اسید بن کلدہ کے حق میں نازل ہوئی جس نے حضور ﷺ کو مارا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے فوری سزا نہیں دی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا کہ کس چیز نے تجھے رب کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈالا کیا اس کے درگزر کرنے یا تجھ پر اس کے جلدی عذاب نہ دینے نے (1)۔ یہاں لفظ رب کی صفت کریم ذکر فرمائی کیونکہ یہی اس کے دھوکہ کھانے کا سبب ہے اور اسی سے تو شیطان انسان کو دھوکہ دیتا ہے۔ شیطان انسان کو کہتا ہے تیرا رب نہ کسی کو عذاب دیتا ہے اور نہ ہی جلدی سزا دیتا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا بھی یہی معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عفو نے اسے دھوکہ میں ڈال دیا جب اللہ تعالیٰ نے اسے سزا نہ دی۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ کی نرمی نے اسے دھوکہ میں ڈال دیا (2)۔ اللہ تعالیٰ کے کرم اور جلدی سزا نہ دینے کی وجہ سے اسے دھوکہ میں نہیں پڑنا چاہئے کیونکہ محض کرم بھی ظالم کو مہلت عطا کرنے، دوستوں اور دشمنوں میں برابری کرنے کا تقاضا نہیں کرتا تو جب کہ اس صفت کے ساتھ دوسری صفات جیسے قہر، انتقام وغیرہ ملی ہوں تو پھر انہیں ڈھیل دینے کا کیسے تقاضا کر سکتا ہے۔ اس میں کفر پر تشدید کے اظہار میں مبالغہ ہے کیونکہ کرم کی زیادتی تقاضا کرتی ہے کہ اس کا شکر بجا لایا جائے اس کی ناشکری نہ کی جائے وہ طاعت میں منہمک ہونے کا تقاضا کرتی ہے نہ کہ اس کے کرم سے دھوکہ کھاتے ہوئے نافرمانی میں منہمک ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔

بعض اہل بشارت نے کہا اللہ تعالیٰ نے یہاں بربک الکریم فرمایا۔ دوسری صفات اور اسماء کا ذکر نہیں فرمایا گویا ان لوگوں کو جواب کا موقع دیا جو یہ کہتے ہیں غرنی کرم الکریم۔ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے جو کہا اس کا بھی یہی معنی ہے۔ جب مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کیا جائے اور اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے کس چیز نے تجھے میرے بارے میں دھوکہ میں مبتلا کیا تو میں عرض کروں گا تیرے سابقہ احسان اور موجودہ احسان نے مجھے تیرے بارے میں دھوکہ میں مبتلا کیا۔ ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ پوچھے تیرے کریم رب کے بارے میں کس نے تجھے دھوکے میں ڈال دیا تو میں عرض کروں گا مجھے کریم کے کرم نے دھوکے میں ڈال دیا (3)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز یوں کلام فرمائے گا: اے ابن آدم جو کچھ تو جانتا تھا اس پر عمل کرتے وقت کس چیز نے تجھے دھوکہ میں ڈال دیا، تو نے رسولوں کو کیا جواب دیا (4)۔ عطا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آیت کا معنی ہے کس چیز نے تجھے دھوکے میں ڈالا کس نے تجھے اس سے الگ کر دیا اور اس سے تجھے غافل کر دیا یہ طاعت سے غفلت نے کتنا برا بدلہ ہے۔

حکایت بیان کی گئی ہے کہ ایک عورت نے قاضی کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کیا کہ اس کے خاوند نے ایک اور عورت سے شادی کی۔ قاضی نے کہا تجھے اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت دی ہے کہ وہ دو، تین یا چار عورتوں سے شادی

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا — 2۔ ایضاً — 3۔ تفسیر خازن زیر آیت ہذا — 4۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

WWW.NAFSEISLAM.COM

کرلے۔ اس عورت نے کہا اے قاضی اگر حجاب اور حیاء مانع نہ ہوتا تو میں تیرے لئے حسن کو ظاہر کرتی اور تجھ سے پوچھتی کہ جس کی بیوی اتنی خوبصورت ہو کیا اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف متوجہ ہوا۔ یک صاحب دل نے اس عورت کی بات سنی تو اس نے چیخ ماری اور بے ہوش کر زمین پر گر گیا۔ جب اسے افاقہ ہوا تو اس نے کہا میں نے ہاتف غیبی کو یہ کہتے ہوئے سنا کیا تو نے اس عورت کی بات نہیں سنی اگر کبریائی اور عظمت کا حجاب نہ ہوتا تو میں اپنا جلال اور جمال ظاہر کرتا جس کا سامنا کرنا کسی کے بس کی بات نہ ہوتی اور میں تجھ سے پوچھتا کون ہے جو مجھ جیسی ذات سے غافل ہوا، کیا مجھے چھوڑ کر کسی اور میں مصروف ہونا جائز ہے۔ میری مثل کون ہوسکتا ہے، میری مثل کہاں ہوسکتا ہے؟ میرا جیسا کوئی نہیں تو مجھے تلاش کر مجھے پالے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی آدمی نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جب بندہ کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم تو کس کی طرف متوجہ ہوتا ہے؟ مجھ سے بہتر کون ہے؟ میری طرف متوجہ ہو۔ جب دوبارہ متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسی طرح فرماتا ہے۔ جب وہ تیسری دفعہ متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے توجہ ہٹالیتا ہے(1)۔ اسے بزار رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

2۔ تمہیں منی پھر نطفہ سے پیدا کیا جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا اور تجھے مکمل انسان بنا دیا۔ تسویہ سے مراد اعضاء کو سالم اور منافع کے قابل بنانا ہے۔ کوفیوں نے عدلک کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی جیسی صورت میں چاہا تجھے پھیر دیا یا تیری تخلیق کو دوسروں کی تخلیق سے مختلف بنایا یہاں تک کہ تو ممتاز ہو گیا اور تمام حیوانات سے تو الگ تھلگ ہو گیا یا بعض اجزاء کی طبیعت کو دوسرے اجزاء کی طبیعت کی طرف پھیر دیا، یعنی صفراء کی گرمی اور خشکی کو بلغم کی ٹھنڈک اور اس کی تری سے توڑ دیا اور اسی طرح اس کے برعکس کیا سوداء کی خشکی اور ٹھنڈک کو خون کی رطوبت اور حرارت سے توڑ دیا یہاں تک کہ ان میں اعتدال پیدا ہو گیا اور تو مزاج کے اعتبار سے معتدل حیوان گیا جبکہ باقی قراء نے عدلک کو مشدد پڑھا ہے، یعنی تیرے جسم کو مناسب اعضاء والا بنایا تو ان کے اندر اپنے فرائض کی بجا آوری کی استعداد پیدا ہوگئی۔

3۔ اس میں ما زائدہ ہے جو نکرہ کی تاکید کے لئے ہے اور نکرہ کثرت کو بیان کرنے کے لئے ہے۔ ماشاء یہ صورۃ کی صفت ہے۔ مجاہد، کلبی اور مقاتل رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ماں، باپ، خالو اور چچا جس کی شبیہ چاہی اس پر اسے پیدا کیا۔ حدیث میں ہے نطفہ جب رحم میں قرار پکڑ لیتا ہے تو اس سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک صورتوں کو حاضر کیا جاتا ہے۔ پھر آپ نے فی ای صورۃ ماشاء رکبک کی تلاوت کی(2)۔ اسے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند کے ساتھ موسیٰ بن علی بن رباح سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے دادا سے، انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان فی ای صورۃ یا تو یہ رکبک کے متعلق ہے۔ یا یہ ظرف مستقر ہے اور رکبک کے مفعول سے حال ہے۔ اس میں شرط اور جزاء کے معنی موجود ہیں۔ یہ جملہ عدلک کا بیان ہے۔ اسی وجہ سے اسم موصول کو صلہ کے ساتھ اس پر عطف نہیں کیا۔ یا یہ ربک کی ایک اور صفت ہے جو صفت ربوبیت کو ثابت کرتی ہے اور کرم کی وضاحت کرتی ہے اور اس بات پر آگاہ کرتی ہے کہ جو ذات پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ وہ دوسری دفعہ بھی اس پر قادر ہے۔ نیز ان کے کرم سے دھوکہ کھانے اور ناشکری کرنے پر جو ناپسندیدگی کا اظہار کیا

1۔ مجمع الزوائد، جلد 2، صفحہ 232 (الفکر) 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

گیا اور انہیں شرمندہ کیا گیا اس کی بیتا کید ہے۔

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۙ﴿۹﴾ وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ﴿۱۰﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ﴿۱۱﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۚ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۚ﴿۱۴﴾

"یہ حق ہے بلکہ تم جھٹلاتے ہو روز جزاء کو۔ حالانکہ تم پر نگراں (فرشتے) مقرر ہیں۔ جو معزز ہیں (اعمال) لکھنے والے ہیں۔ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ بے شک نیک لوگ عیش و آرام میں ہوں گے۔ اور یقیناً بدکار جہنم میں ہوں گے۔"

لے اللہ تعالیٰ کے کرم سے دھوکہ کھانے پر انہیں جھڑکا جا رہا ہے بلکہ تم اسلام اور جزاء کو جھٹلاتے ہو۔ یہ کلام ... سے اضراب ہے، یعنی اے لوگو تمہارا معاملہ صرف دھوکہ کھانے پر محدود نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تم روز جزاء کو بھی جھٹلاتے ہو۔ یہ احتمال ہے کہ یہ علمت نفس ما قدمت و اخرت کے مفہوم سے اضراب ہو اور ما قدمت سے مراد ہو ... اور اخرت سے مراد ہے جو اس نے اطاعت کی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تم نافرمانی کرتے ہو نہیں بلکہ تم روز جزاء کو جھٹلاتے ہو۔

ے حال یہ ہے کہ فرشتے تمہارے اعمال اور اقوال کو یاد رکھنے والے ہیں۔

ے وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہیں اور وہ جزاء کے لئے اعمال کے صحیفے لکھنے والے ہیں۔

ے تم بھلائی اور برائی میں سے جو عمل بھی کرتے ہو اس کو جانتے ہیں۔ ان کی صفت حافظین ذکر کرنے سے مقصود ان کی تعظیم، جزاء کا ... اس بات پر آگاہ کرنا ہے کہ لوگوں کے اعمال اور اقوال میں سے کوئی بھی چیز ان سے مخفی نہیں جو وہ جھٹلاتے تھے اس پر انہیں شرمندہ کیا جا رہا ہے اور جس کو جھٹلاتے تھے اس امر کو ثابت کیا جا رہا ہے۔ وہ یہ توقع رکھتے تھے کہ ان سے درگزر کیا جائے گا اور ان کی گرفت نہیں کی جائے گی۔

لے جن لوگوں نے نیک عمال کئے اور انہوں نے اپنے ایمان کی تصدیق فاسد عقائد، مذموم اخلاق اور قبیح اعمال سے اجتناب ... اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری سے کی۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ابرار اس لئے فرمایا کیونکہ انہوں نے اپنے والدین اور بیٹوں سے اچھا سلوک کیا (1)۔

لے جنہوں نے دین اور دیانت کے پردے کو کفر، نافرمانی اور فسق و فجور کے ساتھ پھاڑ دیا وہ جہنم میں ہوں گے۔

یہاں سے لے کر سورت کے اختتام تک آیات کا تعلق علمت نفس ما قدمت کے ساتھ ہے کیونکہ اس کلام میں یہ بیان ہے کہ ہر انسان اپنے اچھے برے اعمال کو جزاء کے ذریعے پہچان لے گا۔ ابو سلیمان بن عبدالملک کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے ابو حازم مدنی سے پوچھا کاش مجھے پتہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہمارے لئے کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا اپنے اعمال کو قرآن پر پیش کرو اللہ تعالیٰ کے ہاں جو تمہارے لئے ہے اسے پہچان لو گے۔ پوچھا کتاب اللہ میں سے کہاں پہچانوں گا۔ تو انہوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کے فرمان ان الابرار لفی نعیم و ان الفجار لفی جحیم۔ ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا اللہ تعالیٰ کی رحمت کہاں ہے؟ فرمایا محسنین کے قریب ہے۔(2)

1۔ کنز العمال، جلد 16، صفحہ 46،9 (التراث الاسلامی) 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿١٥﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴿١٦﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ
الدِّيْنِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٨﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ
شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿١٩﴾

''داخل ہوں گے اس میں قیامت کے روز اور وہ اس سے غائب نہ ہوسکیں گے۔[1] اور آپ کو کیا علم کہ روز جزاء کیا ہے۔[2] پھر آپ کو کیا علم کہ روز جزاء کیا ہے۔[3] (یہ وہ دن ہوگا) جس روز کسی کے لئے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا اور سارا حکم اس روز اللہ ہی کا ہوگا۔[4]''

[1] وہ روز جزاء کو جہنم میں داخل ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہنے کی وجہ سے جہنم سے غائب نہ ہوں گے۔ هم ضمیر بعض فجار کے لئے ہے جس سے مراد کفار ہیں۔ یا فجار سے مراد کفار ہیں۔ عنها میں ھا ضمیر سے مراد جہنم ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہوگا وہ اس سے پہلے بھی جہنم سے غائب نہ تھے یا وہ اس کی زہریلی ہوا قبروں میں بھی پاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی فوت ہوتا ہے تو صبح وشام اس پر اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ جنتی ہوتا ہے تو جنتیوں والا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ جہنمی ہوتا ہے تو جہنمیوں والا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے اٹھائے گا، متفق علیہ (1)۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے قبر میں کافر کی حالت کا ذکر کیا کہ اس سے اس کے دین کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے ھاہ ھاہ میں نہیں جانتا تو آسمان سے ندا کی جاتی ہے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے، اس کا بستر جہنم میں لگا دو، اسے جہنم کا لباس پہنا دو اور اس کے لئے جہنم کا دروازہ کھول دو۔ (2)

[2] آیت میں استفہام تعجب اور توبیخ کے لئے ہے۔ معنی یہ ہوگا یہ دن عظیم مصیبت اور شدید سختی کا ہوگا تم اس کی عظمت اور شدت کو نہیں جان سکتے کیونکہ کوئی بھی اپنی عقل سے اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتا۔

[3] جہنم کی عظمت شان کی تاکید بیان کی جارہی ہے۔

[4] ابن کثیر، ابوعمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے یوم کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ ما یوم الدین کے یوم سے بدل ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے مبتدا ھو ہے جبکہ باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے کیونکہ یہ یصلونها یوم الدین سے بدل ہے۔ یا یہ کلام محذوف کے متعلق ہے جو یجزی یا اذکر ہے۔ یا یہ مبنی بر فتحہ ہے کیونکہ یہ مبنی کی طرف مضاف ہے اور یہ محل رفع میں ہوگا۔ کوئی نفس بھی کافر نفس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ اس دن معاملہ محض اللہ کے قبضہ میں ہوگا۔ دنیا میں جس طرح لوگ چیزوں کے مالک تھے اس روز اس طرح کوئی مالک نہ ہوگا۔ جہاں تک مومنوں کو شفاعت کے اذن کا تعلق ہے یہ تملیک نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن معاملہ ظاہر و باہر ہوگا اور ہر کوئی جان لے گا کہ امر اسی کا ہے جبکہ اہل بصیرت پہلے بھی یہی جانتے تھے کہ دنیا میں بھی حقیقت میں امر اس کا تھا، واللہ اعلم بالصواب۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 385 (قدیمی) 2۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 306 (امدادیہ)

سورۃ المطففین

ایاتہا ۳۶ — سورۃ المطففین مکیۃ ۸۳ — رکوعہا ۱

سورۃ المطففین مکی ہے اس میں ایک رکوع اور چھتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہ لوگوں میں سے سب سے [illegible] کرنے والے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی تو انہوں نے اس کے بعد کیل اچھی کر لیا(1)۔ اسے حاکم ، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے وہاں ایک آدمی تھا جسے ابو جہینہ کہتے اس کے پاس دو صاع تھے۔ ایک صاع سے وہ جنس دیتا اور دوسرے صاع سے جنس لیتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (2)(1)۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ إِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝

''بربادی ہے (ناپ تول میں) کمی کرنے والوں کے لئے ۔ جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو (ان کو) نقصان پہنچاتے ہیں ''

طفیف کا معنی حقیر ہے۔ مطففین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایسا عمل کرتے ہیں جس کا ذکر آیت کریمہ میں موجود ہے جب وہ لوگوں سے کیل یا وزن کرتے ہیں۔ اس آیت میں وزن کا ذکر نہیں بلکہ دوسری آیت میں اس کے ذکر پر اکتفا کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ [illegible] استعمال ہوتا ہے۔ علی الناس جار مجرور اکتالوا کے متعلق ہے۔ یہاں من کی جگہ علی حرف جار کا ذکر کیا [illegible] یہ ہیں اس چیز میں جاری ہو رہا تھا جو ان کا دوسرے لوگوں پر حق تھا یا اس کیل میں ظلم کا پہلو ہوتا تھا۔ اس لئے علی کا ذکر کیا [illegible] رحمۃ اللہ علیہ نے کہا من اور علی ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ جب کوئی آدمی یہ کہے اکتلت علیک یہ [illegible] ہوتے ہیں۔ گویا تو نے یہ کہا اخذت یا علیک میں نے وہ کچھ لے لیا جو میرا تیرے اوپر حق تھا۔ جب تو کہے اکتلت منک میں نے تجھ سے کیل کیا۔ گویا تو نے کہا استوفیت منک میں نے تجھ سے پورا حق لے لیا۔

1۔ سنن ابن ماجہ ، جلد 3، صفحہ 52 (العلمیہ) تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

2۔ [illegible] سے یہ شان نزول تو ذکر کیا ہے مگر یہ اس لحاظ سے محل نظر ہے کہ آیت کا نزول انہیں کے متعلق نازل ہو کیونکہ سورت مکی ہے۔ مترجم۔

۲۔ ضمیر منصوب الناس کی طرف لوٹ رہی ہے۔ معنی یہ ہوگا جب وہ لوگوں کے لئے کیل اور وزن کریں۔ یہاں حرف جار لام کو حذف کر دیا گیا اور فعل کے عمل کو براہ راست مفعول تک پہنچا دیا گیا۔ ایک تقدیر یہ بھی ذکر کی گئی کالوا مکیلھم یعنی مضاف کو حذف کیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا۔ یہاں ضمیر منفصل کے ساتھ ضمیر متصل کی تاکید نہیں لگائی گئی کیونکہ کلام کا مقصود یہ ہے کہ لینے اور دینے میں ان کی حالت کے اختلاف کو ذکر کیا جائے نہ کہ یہ مقصود ہے۔ جب وہ خود عمل کریں اور خود عمل نہ کریں تو ان کی حالت کے اختلاف کو ذکر کرنا ہے۔ کتابت کا اسلوب بھی اس تاویل کا انکار کرتا ہے کیونکہ اس صورت میں یہ تقاضا ہوگا کہ درمیان میں واؤ جمع کے بعد الف ہو۔

۳۔ جب وہ دوسرے کے لئے کیل اور وزن کرتے ہیں تو کمی کرتے ہیں۔ عرب یہ کہتے ہیں خسر المیزان واخسرہ یعنی مزید فیہ متعدی استعمال ہوتا ہے۔ اس عمل کو تطفیف اس لئے کہتے ہیں کیونکہ کیل اور وزن میں جو کمی کی جاتی ہے وہ حقیر ہوتی ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ تھوڑی سی چیز کی بھی کمی ہلاکت اور عذاب کا سبب بنتی ہے تو زیادہ کی کمی تو بدرجہ اولیٰ عذاب کا سبب بنے گی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا پانچ مصیبتیں پانچ اعمال کی وجہ سے لازم ہوں گی جو قوم بدعہدی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دشمن کو مسلط کر دیتا ہے جو قوم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے خلاف فیصلے کرے اللہ تعالیٰ ان میں فقر کو عام کر دیتا ہے۔ جب قوم میں بے حیائی عام ہو جائے تو ان میں موت عام ہو جاتی ہے۔ جب کوئی قوم کیل میں کمی کرتی ہے تو ان سے نباتات کو روک لیا جاتا ہے اور خشک سالی آلیتی ہے۔ جب وہ زکوٰۃ دینا چھوڑتی ہے تو ان سے بارش کو روک لیا جاتا ہے (1)۔ اسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بریدہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا کسی قوم میں خیانت ظاہر نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے۔ کسی قوم میں سود عام نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ ان میں موت کو عام کر دیتا ہے۔ کوئی قوم کیل اور وزن میں کمی نہیں کرتی مگر اللہ تعالیٰ ان سے رزق میں کمی کر دیتا ہے۔ کوئی قوم ناحق فیصلے نہیں کرتی مگر ان میں قتل و غارت عام ہو جاتا ہے اور کوئی قوم بدعہدی نہیں کرتی مگر اللہ تعالیٰ ان پر دشمنوں کو مسلط کر دیتا ہے (2)۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موقوف روایت نقل کی ہے۔ ختر کا معنی دھوکہ دینا ہے۔ میں کہتا ہوں رزق کا انقطاع کبھی تو اس صورت میں ہوتا ہے کہ اسے فقیر بنا دیا جاتا ہے وہ کسی چیز پر قادر ہی نہیں ہوتا۔ بعض اوقات اس سے رزق روکنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ قادر ہونے کے باوجود وہ اسے فائدہ نہیں اٹھا سکتا جس طرح ہمارے ملک میں بنئے ہندوؤں کا حال ہوتا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سامان بیچنے والے کے پاس سے گزرتے فرماتے اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیل اور وزن پورا رکھو کم تولنے والوں کو قیامت کے روز یوں ٹھہرایا جائے گا کہ پسینہ ان کی لگام میں بنا ہوگا اور نصف کانوں تک پہنچ رہا ہوگا۔

أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ ﴿٤﴾ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥﴾ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦﴾

"کیا وہ (اتنا) خیال بھی نہیں کرتے کہ انہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا ۱۔ ایک بڑے دن کے لئے ۲۔ جس دن لوگ (جواب دہی کے لئے) کھڑے ہوں گے پروردگار عالم کے سامنے ۳۔"

۱۔ یقین کی جگہ ظن کا لفظ ذکر کیا مقصود اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ جو آدمی اس بات کا گمان رکھتا ہے اسے بھی نہیں چاہئے کہ

1۔ مجمع الزوائد، جلد 3، صفحہ 203 (الفکر) 2۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 459 (وزارت تعلیم)

ان مصیبتوں کے اسباب کا ارتکاب کرے۔ جو اس کا یقین رکھتا ہے اسے یہ کیسے زیبا ہو سکتا ہے۔ اس میں استفہام انکاری ہے اور ان کی حالت پر تعجب کا اظہار ہے اور ان کے لئے توبیخ ہے۔ اولئک اسم اشارہ سے مراد کم تولنے والے ہیں۔ یہ اسم اشارہ یظن کا فاعل ہے۔ انھم مبعوثون یہ جملہ یظن کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

۲۔ لیوم عظیم یہ مبعوثون کے متعلق ہے اور علت بیان کر رہا ہے، یعنی انہیں یوم عظیم کے حساب کے لئے اٹھایا جائے گا۔ یا لام فی کے معنی میں ہے۔ یوم عظیم سے مراد یوم قیامت ہے۔ کیونکہ اس میں بڑے بڑے واقعات ہوں گے اس لئے عظیم کے ساتھ اس کی صفت ذکر کی۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے تمہارے سامنے اپنی قوم میں کتنے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی سنگریزوں کے برابر بھی خرچ کرتا تو اسے ڈر بھی رہتا کہ وہ اس عظیم دن سے نجات نہ پا سکے گا۔

۳۔ جس روز لوگ اللہ تعالیٰ کے محاسبہ اور جزاء کے لئے قبروں سے اٹھیں گے۔ یوم کا لفظ مبعوثون کی ظرف ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یا یہ یوم عظیم سے بدل ہے۔ پھر اس صورت میں اس پر فتحہ اس وجہ سے ہے کہ یہ جملہ کی طرف مضاف ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں حساب دینے کے لئے کھڑے ہوں گے جبکہ ان کا پسینہ ان کے کانوں کے نصف تک پہنچا ہوگا(1) متفق علیہ۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کو پسینہ آئے گا یہاں تک کہ ان کا پسینہ زمین میں ستر باع تک چلا جائے گا اور یہی پسینہ اس کی لگام بن رہا ہوگا یہاں تک کہ ان کے کانوں تک پہنچ گا(2)۔ طبرانی، ابو یعلیٰ اور ابن حبان رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے روز کافر کو پسینہ کی لگام دی جائے گی یہاں تک کہ وہ کہے گا اے میرے رب مجھے راحت پہنچا، اگرچہ جہنم میں ہی ڈال دے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کافر کو موقف میں پسینے کی لگام دی جائے گی یہاں تک کہ وہ کہے گا اے میرے رب تیرا مجھے جہنم میں بھیج دینا میرے لئے اس مصیبت سے زیادہ آسان ہے جبکہ اسے علم ہوگا کہ جہنم میں کتنی شدت کا سامنا کرنا ہوگا(3)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان یوم یقوم الناس لرب العلمین کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ کعب الاحبار کہا کرتے تھے کہ لوگ تین سو سال تک وہاں کھڑے رہیں گے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا قیامت کے روز سورج مخلوق کے قریب ہوگا یہاں تک کہ وہ ایک میل کی مقدار پر پہنچ جائے گا۔ سلیم بن عامر نے کہا اللہ کی قسم مجھے یہ معلوم نہیں کہ یہاں میل سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد زمین کی مسافت ہے یا سرمہ لگانے والی سلائی۔ لوگ اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ڈوبے ہوں گے۔ ان میں سے کچھ ٹخنوں تک پسینے میں ہوں گے، کچھ گھٹنوں تک، کچھ کمر تک پسینے میں ہوں گے اور بعض کو پسینے کی لگام دی جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کے ساتھ اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا(4)۔ امام احمد، طبرانی، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے عقبہ بن عامر سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ امام احمد اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہما نے ابو امامہ باہلی سے، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اس کی گرمی میں اتنا اضافہ کیا جائے گا کہ ...

1۔ احمد، مسند، زیر آیت ہذا
2۔ کنز العمال، جلد 14، صفحہ 357 (التراث الاسلامی)
3۔ مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 409 (الفکر)
4۔ تفسیر خازن، زیر آیت ہذا

کھوپڑی یوں جوش مارے گی جس طرح ہنڈیا جوش مارتی ہے۔ امام احمد اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے مرفوع روایت ذکر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب سے انسان کو پیدا کیا ہے اس نے موت سے سخت چیز سے ملاقات نہیں کی جبکہ یہ بعد والے مراحل سے بہت آسان ہے (1)۔ لوگ اس دن کی ہولناکی کو پائیں گے یہاں تک کہ انہیں (پسینے کی) لگامیں دی جائیں گی۔ اگر لوگوں کے پسینے میں کشتیاں چلائی جائیں گی تو وہ ضرور چل پڑیں گی۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اس دن کی مصیبت بہت سخت ہوگی یہاں تک کہ کافر کو حساب سے پہلے پسینے کے ساتھ لگام دی جائے گی۔ ان سے کہا گیا مومن کہاں ہوں گے تو جواب دیا وہ سونے کی کرسیوں پر ہوں گے اور بادل ان پر سایہ فگن ہوں گے۔ ہناد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ مومنوں پر یہ دن دن کے ایک پہر جتنا طویل ہوگا۔ ہناد اور ابن مبارک رحمہما اللہ تعالیٰ نے سلمان سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز سورج مخلوقات کے سروں کے قریب ہوگا وہ قاب قوسین جتنا ہوگا۔ اور دس سال کی گرمی دے رہا ہوگا اس روز لوگوں کے جسموں پر کوئی پردہ نہ ہوگا، کسی مومن مرد اور مومن عورت کی شرمگاہ دکھائی نہ دے گی۔ مومن مرد اور مومن عورت اس کی گرمی کو نہ پائے گا۔ جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو وہ انہیں خود پکائے گی یہاں تک کہ ان کے پیٹوں سے عق عق کی آواز سنائی دے گی۔

كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝٧ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝٨ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝٩

''یہ حق ہے کہ بدکاروں کا نامۂ عمل سجین میں ہوگا[1] اور تمہیں کیا خبر کہ سجین کیا ہے[2] یہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی[3]''

1۔ کلا کا لفظ کیل میں کمی کرنے سے جھڑکنے کے لئے ہے اور بذات خود مکمل کلام ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا جب کلا کا لفظ مابعد کلام کے ساتھ متصل ہو تو یہ حقا کے معنی میں ہوتا ہے۔ کتاب الفجار سے مراد ان کے اعمال کے صحیفے ہیں جنہیں کراما کاتبین نے لکھا اور فجار سے مراد کفار ہیں۔ سجین یہ سجن سے مشتق ہے جس کا معنی قید کرنا ہے۔ قاموس میں ہے سجین جس کا وزن سکین ہے۔ اس کا معنی دائمی سخت قید ہے۔ اخفش رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ سجن سے فِعّیل کے وزن پر ہے جس طرح فسیق اور شریب ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ سخت قید میں ہوں گے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے کہ وہ خست اور گمراہی میں ہوں گے (2) کیونکہ کفار کی کتابوں میں جو کچھ ہے وہ کفار کی قید، ذلت اور گمراہی کا سبب ہے کتاب کی طرف نسبت مجازا ہے۔ احادیث اور آثار کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ سجین جگہ کا نام ہے جس میں فاجروں کی کتاب ہوگی۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔ اسی جگہ میں کتاب کے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال کے صحیفے وہاں رکھے جائیں گے یا وہاں ایک ایسی کتاب ہوگی جو جن و انسان میں سے فاجروں کے نامہ اعمال کو جامع ہوگی۔ اس جگہ کو سجین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کفار کی روحوں کو قید کیا جائے گا۔ وہ جگہ ساتویں زمین ہے یا وہ ساتویں زمین کے نیچے جگہ ہے۔ ابن مندہ، طبرانی اور ابوالشیخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حمزہ بن حبیب سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مومن روحوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا وہ سبز پرندوں میں ہوں گی جو جنت میں جہاں چاہیں گے گھومتے رہیں گے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کفار کی روحیں کہاں ہوں گی؟ فرمایا وہ سجین میں محبوس ہوں گی۔ ابن مبارک، حکیم ترمذی، ابن ابی الدنیا اور ابن مندہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ

1۔ مجمع الزوائد، جلد 3، صفحہ 59 (الفکر)
2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

سے اور انہوں نے سلمان سے روایت نقل کی ہے کہ کافر کا نفس سجین میں ہوگا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت عبداللہ بن عمر، قتادہ، مجاہد اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا سجین سے مراد ساتویں زمین ہے جس میں کفار کی روحیں ہوں گی (1)۔ میں نے کہا ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سجین ساتوں زمینوں میں سے سب سے نچلی زمین میں اور علیین سب سے اوپر والے آسمان میں ہے جو عرش کے نیچے ہے (2)۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک طویل مرفوع حدیث میں جس میں مومنوں اور کفار کی موت کا ذکر ہے۔ کفار کی موت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی روحوں کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کی کتاب سب سے نچلی زمین میں سجین میں رکھ دو۔ تو اس کی روح کو پھینک دیا جائے گا۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے ذکر کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شمر بن عطیہ کا قول بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کعب الاحبار کے پاس آئے پوچھا مجھے اللہ تعالیٰ کے فرمان ان کتاب الفجار لفی سجین کے بارے میں بتاؤ تو کعب الاحبار نے جواب دیا کہ فاجر کی روح آسمان کی طرف لے جائی جاتی ہے آسمان اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ پھر اسے زمین کی طرف اتارا جاتا ہے تو زمین اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ تو اسے ساتوں زمینوں سے نیچے داخل کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ سجین تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ ابلیس کے لشکروں کی جگہ ہے۔ ابلیس کے لشکروں کے نیچے سے سجین سے ایک ورق نکالا جاتا ہے اس پر لکھا جاتا ہے۔ اور مہر لگائی جاتی ہے اور ابلیس کے لشکروں کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے کیونکہ قیامت کے روز اس کی ہلاکت معلوم و معروف ہے۔ (3)

کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ساتویں زمین کے نیچے ایک سبز چٹان ہے۔ آسمان کی سبزی اسی چٹان کی وجہ سے ہے۔ فجار کی کتاب اس کے نیچے رکھی جاتی ہے۔ ابن نجیح نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ سجین سب سے نچلی زمین کے نیچے ایک چٹان ہے۔ اسے اٹھایا جاتا ہے اور فجار کی کتاب اس میں رکھی جاتی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حدیث میں آیا ہے فلق جہنم کا ایک گڑھا ہے جس کو ڈھانپا گیا ہے۔ سجین بھی جہنم میں ایک گڑھا ہے جسے کھلا رکھا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں ان دونوں کے درمیان تطبیق ممکن ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے اور وہ جہنم میں ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جہنم ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے العظمۃ میں ذکر کیا اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو زعراء کے واسطہ سے انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ جنت ساتویں آسمان میں ہے اور جہنم ساتویں زمین میں ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہ جنت آسمان میں ہے اور جہنم زمین میں ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ قیامت کے روز جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا تو حضور ﷺ نے فرمایا ساتویں زمین سے اسے لایا جائے گا۔ اس کی ایک ہزار لگامیں ہوں گی۔ ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ جب وہ بندوں سے ایک ہزار سال کی مسافت پر ہوگی تو وہ ایک سانس لے گی تو کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل نہیں بچے گا مگر وہ اپنے گھٹنوں کے بل جھک جائے گا اور عرض کرے گا اے میرے رب مجھے بچا، اے میرے رب مجھے بچا۔

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا	2۔ ایضاً	3۔ ایضاً

۲۔ استفہامیہ انداز اس کی عظمت بیان کرنے اور ہولناکی بیان کرنے کے لئے ہے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے یہ وہ چیز نہیں جسے تم اور تیری قوم جانتی ہے۔(1)

۳۔ ان کے اعمال اس میں چھپا دیئے گئے ہیں۔ وہ یوں ثبت ہیں جیسے کپڑے میں نقش ہوتے ہیں، نہ انہیں بھلایا جا سکتا ہے اور نہ ہی مٹایا جا سکتا ہے یہاں تک کہ انہیں اس کی جزا دی جائے گی یا اس کا معنی ہے وہ جانے پہچانے ہیں، جو بھی اسے دیکھے گا اسے پہچان لے گا کہ اس میں کوئی خیر نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حمیر کی لغت میں اس کا معنی ہے کہ اس پر مہر لگا دی گئی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ سجین کی تفسیر نہیں بلکہ یہ اس مذکورہ کتاب کا بیان ہے۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ سجین کا بیان ہے۔ اس کتاب کو یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ یہ قید کرنے کا سبب ہے اور کہا یہ کتاب سجین کا ظرف ہے کیونکہ یہ جن وانس میں سے جو فاجر ہیں ان کی کتابوں کو جامع ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ سجین میں کفار کی روحوں اور ان کے اعمال کے صحیفے رکھے جائیں گے۔ کلام میں مضاف محذوف ہے یا تو یہ حذف ما سجین میں ہوگا، یعنی اصل کلام یوں تھی ما کتاب سجین یا کتاب مرقوم میں حذف ہوگا، یعنی اصل کلام یوں تھی محل کتاب مرقوم۔

وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۱۱﴾

''تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ۱۔ جو جھٹلاتے ہیں روز جزاء کو ۲۔''

۱۔ جو حق کو جھٹلاتے تھے اس روز ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے۔

۲۔ یہ المکذبین کی صفت موضحہ ہے یا صفت ذامہ ہے یا صفت مخصصہ ہے یا المکذبین سے بدل ہے۔ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ کا جملہ جملہ معترضہ ہے مقصود مذمت بیان کرنا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ مرقوم محل رفع میں ہونے کا احتمال بھی رکھتا ہے۔ معنی یہ ہوگا اس میں ہلاکت لکھی گئی ہے یا یہ الکتاب کی صفت ہے، یعنی یہ ایسی کتاب ہے جو ویل کا باعث ہے جبکہ پہلی تاویل لفظ کے اعتبار سے اور دوسری معنی کے اعتبار سے زیادہ ظاہر ہے کیونکہ کتاب مرقوم ہونا یہ فاجروں کی کتاب کے خصائص میں سے نہیں بلکہ کتاب الابرار کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔ اس کا ما سجین کا جواب ہونا بھی صحیح ہے۔

وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖۤ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾

''اور نہیں جھٹلایا کرتا اسے مگر ہی جو حد سے گزرنے والا گناہ گار ہے ۱۔ جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں ۲۔''

۱۔ بہ میں ضمیر سے مراد روز جزاء ہے۔ مُعْتَدٍ سے مراد جہالت میں حد سے تجاوز کرنے والے اور جاہل آباء کی تقلید کرنے والے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی دوبارہ اٹھانے کی قدرت کا انکار کیا اور وہ شہوات میں منہمک ہیں۔ اس چیز نے اسے دوسری چیزوں سے غافل کر دیا اور ماسوی کے انکار پر اسے برانگیختہ کیا۔

۲۔ آیات سے مراد قرآن ہے اس نے اپنی جہالت کی زیادتی اور اس کے معجز ہونے سے غافل ہونے کی وجہ سے یہ کہا یا اپنے کند ذہن

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

WWW.NAFSEISLAM.COM

ہونے اور حق سے اعراض کرنے کی وجہ سے بطور سرکشی یہ کہا کہ یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔

اساطیر الاولین یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے جو ھی ہے۔ اساطیر اسطور اسطار یا اسطر کی جمع ہے جس کا معنی ایسی باتیں جن میں کوئی نظم و ضبط نہ ہو۔ قاموس میں اسی طرح ہے صراح میں اس کا معنی ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جسے جھوٹ سے لکھا گیا ہو۔ یہ جملہ شرطیہ معتد کی صفت کے بعد صفت ہے۔ مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ اسے دلائل عقلیہ اور دلائل نقلیہ میں سے کوئی چیز بھی نفع نہ دے گی اور ما یکذب به والا جملہ جملہ معترضہ ہے۔

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٤﴾ كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُو الْجَحِيمِ ﴿١٦﴾ ثُمَّ يُقَالُ هَٰذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿١٧﴾

”ہرگز نہیں بلکہ درحقیقت زنگ چڑھ گیا ہے ان کے دلوں پر ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ یقیناً انہیں اپنے رب (کے دیدار) سے اس دن روک دیا جائے گا۔ پھر وہ ضرور جہنم میں داخل ہوں گے۔ پھر (ان سے) کہا جائے گا یہی وہ (جہنم) ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔“

کلا یعنی آیات کو جھٹلانے اور جو بات انہوں نے کی تھی اس پر انہیں جھڑکا جا رہا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ بل جھڑکنے سے اضراب کے لئے ہے۔ یعنی حق قبول کرنے اور اسے باطل سے ممتاز کرنے کے لئے ان کے اندر استعداد و صلاحیت کی نفی کو بیان کرنا ہے۔ حفص نے بل پر سکتہ کیا ہے جبکہ دوسرے قراء نے اس (راء) میں ادغام کیا ہے۔ ابو بکر، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے راء کے فتحہ کے ساتھ جبکہ باقی قراء نے تفخیم کے ساتھ پڑھا ہے۔ رین کا معنی غلبہ ہے۔ ران الخمر علی قلبہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب نشہ اس کے دل پر غالب آ جائے۔ اس کا معنی یہ ہوگا جو نافرمانیاں وہ کرتے رہے ہیں اس کے باعث ان کے دلوں پر تاریکیوں کا غلبہ ہو چکا ہے یہاں تک کہ ان کے دل حق اور باطل میں امتیاز کرنے سے عاجز آ گئے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کرے، ندامت کا اظہار کرے اور استغفار کرے تو اس وجہ سے اس کا دل صاف ہو جاتا ہے۔ اگر وہ گناہوں میں اضافہ کرے تو اس کے نقطوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے دل پر غالب آ جاتے ہیں۔ یہی وہ رین ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ میں فرمایا۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام احمد اور امام ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح نقل کیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا۔ نیز اسے امام نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور امام حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ بعض روایات میں الفاظ مختلف ہیں۔ مومن کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کافر کے دل کی سیاہی بہت زیادہ ہوگی۔

کلا یعنی گناہ کرنے سے جھڑکنے کے لئے ہے جو اس زنگ کا باعث ہیں یا یہ حقا کے معنی میں ہے جو اس زنگ کو ثابت کرتا ہے۔ مقصود یہ ہوگا کہ وہ اس کی تصدیق نہ کریں گے۔

قیامت کے روز جب مومن اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اس دن کفار کو ان کے گناہوں کی تاریکیوں کی وجہ سے رب کے دیدار سے روک دیا جائے گا اور وہ اپنے رب کا دیدار نہ کریں گے جس طرح وہ دنیا میں حق و باطل میں فرق نہیں دیکھ سکتے تھے۔ حضرت حسن

WWW.NAFSEISLAM.COM

بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اگر زاہدوں اور عابدوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے رب کا دیدار نہیں کریں گے تو وہ دنیا میں مر جائیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا جب اس کے دشمنوں کو دیدار سے روک دیا جائے گا اور وہ اسے نہیں دیکھیں گے تو وہ اپنے دوستوں کے لئے ظاہر ہوگا یہاں تک کہ وہ اسے دیکھ لیں گے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس آیت میں یہ دلالت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء اپنے رب کا دیدار کریں گے۔(1)

۳۔ انہیں ایک طرف دیدار الٰہی سے محروم رکھا جائے گا تو دوسری طرف انہیں جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔

۴۔ پھر جہنم کے داروغے انہیں کہیں گے یہ وہی عذاب ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔

كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

"یہ حق ہے نیکوکاروں کا صحیفہ عمل علیین میں ہوگا ۱۔ اور تمہیں کیا خبر کہ علیون کیا ہے ۲۔ یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے ۳۔ (حفاظت کے لئے) دیکھتے رہتے ہیں اسے مقربین ۴۔"

۱۔ یہ پہلے كَلَّآ ہی کا تکرار ہے تاکہ اس کے بعد ابرار کے وعدے کو ذکر کیا جائے۔ جس طرح پہلے کلا کے بعد فجار کی وعید کو ذکر کیا گیا۔ مقصود یہ شعور دلانا ہے کہ کم تولنا فجور ہے۔ جس طرح پورا تولنا نیکی ہے یا یہ عذاب کو جھٹلانے پر جھڑکنے کے لئے ہے یا یہ حقا کے معنی میں ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے جس عذاب میں وہ داخل ہوگا اس پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔(2)

علیین کے متعلق بعض علماء نے کہا اس سے شرف کے بعد شرف مراد ہے۔ اسی وجہ سے اس کی جمع واؤ نون کے ساتھ ذکر کی۔ فراء نے کہا یہ جمع کے وزن پر ایک جگہ کا نام ہے۔ لفظوں میں اس کا واحد نہیں جس طرح عشرین۔ بعض محققین نے کہا یہ عِلِّیّ کی جمع ہے جو علو سے فعیل کے وزن پر ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث گزر چکی ہے کہ علیین عرش کے نیچے ساتویں آسمان میں ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے جس میں مومنوں اور کفار کی موت کا ذکر ہے کہ مومن کا نفس بلندی کی طرف لے جایا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ ساتویں آسمان تک جا پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میرے بندے کی کتاب علیین میں لکھ دو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو۔ اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے محدثین نے صحیح اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا علیین سبز زبرجد کی تختی ہے جو عرش کے نیچے لٹک رہی ہے نیک لوگوں کے اعمال اس میں لکھے ہوتے ہیں(3)۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا یہ وہ کتاب ہے جو فرشتوں اور جن وانس کے مومنوں کے اچھے عمل کو اپنے اندر جمع کئے ہوتی ہے۔ کعب اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ عرش کا دایاں پایہ ہے۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اس سے مراد جنت ہے عطاء اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس سے مراد سدرۃ المنتھی ہے۔(4)

۲۔ کتٰب مرقوم میں وہی گفتگو ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔

۳۔ یہ جملہ کتٰب کی صفت ہے جس طرح ویل یومئذ للمکذبین وہاں اسی لفظ کی صفت تھی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقربین سے مراد فرشتے لئے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس سے انبیاء، صدیقین اور شہداء کی ارواح بھی مراد ہیں کیونکہ یہ اپنی عزت اور شرف کی وجہ سے

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر خازن زیر آیت ہذا 4۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

ساتھ ہوں گی جس طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شہداء کی روحیں اللہ تعالیٰ کے ہاں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی، جہاں چاہیں گی جنت میں گھومتی پھرتی رہیں گی۔ پھر عرش کے نیچے قندیلوں میں جا کر ٹھہریں گی (1)۔ سعید بن منصور نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، بقی بن مخلد نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شہداء کو سبز پرندوں کے پوٹوں سے جسم دے گا جو ان قندیلوں میں ہوں گی جو عرش کے نیچے لٹک رہی ہوں گی۔

ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں میں ہوں گی جو عرش کے ساتھ لٹک رہی ہوں گی جو صبح کو جنت کے باغوں کی طرف جاتی ہیں۔ پھر واپس آ جاتی ہیں اللہ تعالیٰ ہر روز ان پر جلوہ افروز ہو کر انہیں سلام فرماتا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابودرداء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں میں ہوں گی جو قندیلوں میں رہتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ جنتی ہے، وہ فردوس اعلیٰ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حبیب نجار کے بارے میں فرمایا قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ الآیۃ ان کے جنت میں ہونے اور عرش کے نیچے قندیلوں میں ہونے کے درمیان کوئی منافات نہیں کیونکہ عرش جنت کے لئے آسمان کی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں یہ حکم شہداء کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ انبیاء اور صدیقین ان سے بھی درجہ میں بلند ہیں۔ حدیث میں مومنین کا لفظ مطلق آیا ہے۔ امام مالک اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ کعب بن مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ مومن کی روح پرندے کی شکل میں جنت کے درخت کے ساتھ آویزاں ہوتی ہے، قیامت کے روز جسم میں واپس لوٹائی جاتی ہے (2)۔ امام احمد اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے روح پرندے کی شکل میں ہوتی ہے اور درخت کے ساتھ لٹک رہی ہوتی ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو ہر روح جسم میں داخل ہو جائے گی۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ام بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ان احادیث میں مومنوں سے مراد کامل مومن ہیں جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ دلالت کرتا ہے۔ بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مومنوں کی روحوں کا ٹھکانہ ساتویں آسمان میں ہوتا ہے۔ وہ جنت میں اپنی منازل کو دیکھتے رہتے ہیں۔ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند کے ساتھ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ نیز وہب بن منبہ سے بھی نقل کیا ہے کہ ساتویں آسمان میں اللہ تعالیٰ کا ایک گھر ہے جسے بیضاء کہتے ہیں جس میں مومنوں کی روحیں جمع ہوتی ہیں۔ بعض احادیث میں ہے جب روح کو جسم سے نکالا جاتا ہے تو وہ زمین و آسمان کے درمیان ہوتی ہے۔ اسے سعید بن منصور نے سلمان سے روایت کیا ہے۔ ابن مبارک، حکیم ترمذی، ابن ابی الدنیا اور ابن مندہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ اور انہوں نے سلمان سے روایت کیا ہے کہ مومنوں کی روحیں زمین برزخ میں ہوتی ہیں، جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں اور کافر کی روح سجین میں ہوتی ہے۔ اس حدیث میں مومنوں کی حالت کا بیان ہے کہ ان کے درجے مختلف ہیں۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے بحر الکلام میں کہا روحوں کی چار قسمیں ہیں۔ انبیاء کی روحیں ان کے جسموں سے نکلتی ہیں اور مشک و عنبر

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 135 (قدیمی) 2۔ سنن نسائی، جلد 1، صفحہ 292 (وزارت تعلیم)

کی صورت اختیار کر لیتی ہیں، وہ جنت میں ہوتی ہیں، وہ کھاتی پیتی ہیں، نعمتوں سے لطف اندوز ہوتی ہیں اور رات کے وقت قندیلوں میں پناہ لیتی ہیں جو عرش کے ساتھ معلق ہیں اور شہداء کی روحیں جسموں سے نکلتی ہیں اور جنت میں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں جو کھاتے پیتے ہیں، نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور رات کے وقت ان قندیلوں میں پناہ لیتی ہیں جو عرش کے ساتھ لٹکی ہوتی ہیں، مطیع مومنوں کی روحیں جنت میں ہوتی ہیں، نہ کھاتی ہیں اور نہ لطف اندوز ہوتی ہیں لیکن جنت میں نظارہ کرتی ہیں۔ گناہ گار مومنوں کی روحیں زمین و آسمان کے درمیان ھواء میں ہوتی ہیں۔ کفار کی روحیں ساتویں زمین کے نیچے سجین میں سیاہ پرندوں کے اندر ہوتی ہیں۔ میں کہتا ہوں جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ انبیاء کی روحیں مشک اور کافور کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا انسانوں کے جسم کی طرح جسم ہوتا ہے۔ اسے مشک سے تعبیر اس لئے کیا گیا ہے کہ ان کی خوشبو بہت عمدہ ہوگی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں موہبی جسموں سے تعبیر کیا ہے۔ یہ انبیاء اور ان کے پیروکاروں یعنی صدیقین کے لئے ہوگا۔ ان دونوں طبقات کو یہ جسم موت سے پہلے دے دیا جاتا ہے۔

شبہ:۔ اگر یہ سوال کیا جائے بعض صحیح احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ مومنین یہاں تک کہ انبیاء اور اسی طرح کفار کی روحیں قبروں میں ہوتی ہیں جس طرح براء کی طویل حدیث میں ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کے حق میں ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندے کی کتاب علیین میں لکھ دو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے اسی سے انہیں پیدا کیا اسی میں انہیں لوٹاؤں گا اور اسی سے دوبارہ اٹھاؤں گا تو اس کی روح اس کے جسم میں واپس لوٹا دی جاتی ہے۔ کافر کے بارے میں بھی یہی فرمایا کہ اس کی روح قبر میں لوٹا دی جاتی ہے۔ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کے متعلق جو روایات مروی ہیں۔ ان میں سے یہی صحیح ترین ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں دیکھا کہ وہ معراج کی رات اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ حضور ﷺ کا بھی یہ فرمان ہے جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھا میں اسے سنتا ہوں اور جو اس حالت میں درود پڑھتا ہے جو یہاں سے غائب ہوتا ہے اس کا سلام مجھ تک پہنچایا جاتا ہے تو ان میں تطبیق کیسے ہوگی۔ ہم کہتے ہیں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ مومنوں کی روحوں کا ٹھکانہ علیین میں یا ساتویں آسمان میں ہے۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے اور کفار کی روحوں کا ٹھکانہ سجین میں ہوتا ہے۔ ہے اس کے باوجود ہر روح کا اپنی قبر میں اپنے جسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، جس تعلق کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اسی اتصال اور تعلق کی وجہ سے یہ کہنا صحیح ہے کہ روح اور جسم کے مجموعے پر جنت یا جہنم کا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے۔ وہ انسان لذت اور دکھ محسوس کرتا ہے، قبر کی زیارت کرنے والے کا سلام سنتا ہے، منکر اور نکیر کا جواب دیتا ہے۔ اسی طرح کے دوسرے تمام امور متحقق ہوتے ہیں جو کتاب و سنت میں ثابت ہیں جس طرح جبرئیل امین ساتویں آسمان میں ہوتا ہے جبکہ وہ حضور ﷺ کے اتنے قریب ہوتا ہے کہ اپنے ہاتھ حضور ﷺ کے گھٹنوں پر رکھتا ہے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے بحر الکلام میں کہا روحیں جسموں کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں روحوں کو عذاب دیا جاتا ہے جس سے جسم بھی دکھ محسوس کرتے ہیں۔ جس طرح سورج آسمانوں میں ہے جبکہ اس کا نور زمین میں ہے۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿٢٤﴾
يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ ﴿٢٥﴾ خِتَامُهُ مِسْكٌ ۚ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴿٢٦﴾

''بے شک نیکوکار راحت و آرام میں ہوں گے 1۔ پلنگوں پر بیٹھے (مناظر جنت کا) نظارہ کر رہے ہوں گے 2۔ آپ

پہچان لیں گے ان کے چہروں پر راحتوں کی شگفتگی۔ انہیں پلائی جائے گی سربمہر خالص شراب۔ اس کی مہر مشک کی ہو گی، اس کے لئے سبقت لے جانے کی کوشش کریں سبقت لے جانے والے۔"

یہ جملہ مستانفہ ہے۔

وہ خیموں میں پلنگوں پر ہوں گے۔ یہ ظرف مستقر نعیم میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہے۔ ینظرون یہ حال کے بعد حال ہے۔ بعض مفسرین نے کہا اللہ تعالیٰ نے انہیں جو عزت اور نعمتیں عطا کی ہیں انہیں دیکھتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ اپنے دشمنوں کو دیکھتے ہیں کہ انہیں کس طرح جہنم میں عذاب دیا جاتا ہے (1)۔ میں کہتا ہوں وہ اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کرتے ہیں جبکہ کفار اپنے رب سے حجاب میں ہوتے ہیں۔

جمہور نے تعرف کو معروف جبکہ ابو جعفر اور یعقوب رحمہما اللہ تعالیٰ نے مجہول پڑھا ہے۔ ابو جعفر اور یعقوب رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک نضرة مرفوع ہے جبکہ جمہور کے نزدیک یہ منصوب ہے۔ نعیم سے مراد جنت کی نعمتیں ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا چہرے پر رونق ہوگی اور دل میں خوشی ہوگی۔

یعنی انہیں ایسا مشروب پلایا جائے گا جو صاف پاکیزہ اور مفید ہوگا۔ اس پر مہر لگی ہوگی، کسی ہاتھ کو اجازت نہ ہوگی کہ اسے چھوئے یہاں تک کہ جنتی لوگ اس کی مہر کو توڑیں گے۔

کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عالم کے وزن پر خاتم پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے کتاب کے وزن پر ختام پڑھا ہے۔ قاموس میں ہے ختام کتاب کے وزن پر ہے، ایسی مٹی کو کہتے ہیں جس پر مہر لگائی جاتی ہے اور خاتم سے مراد وہ چیز جو مٹی پر لگائی جاتی ہے۔ دونوں قراءتوں سے مراد ایک ہی ہے، یعنی ان برتنوں پر مٹی کی جگہ کستوری سے مہر لگائی جائے گی۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا آخری ذائقہ کستوری کا ہوگا (2)۔ قاموس میں ہے الختام من کل شیء آخرہ کسی شے کا ختام اس کا آخر ہوتا ہے۔

ذلک اسم اشارہ سے مراد رحیق یا نعیم ہے۔ تنافس یہ نفس یا نفیس سے مشتق ہے جس کا معنی ہے کہ اچھی چیز کو پسند کرنا ہے، یعنی اس چیز کے بارے میں وہ غیر سے بخل کرتا ہے۔ اس کا حاصل معنی یہ ہے یعنی رغبت کرنے والوں کو اس چیز میں رغبت کرنی چاہئے۔ مفہوم یہ ہو گا کہ دنیاوی چیزوں میں مقابلہ مناسب نہیں کیونکہ دنیاوی چیزیں خسیس، قلیل اور ختم ہونے والی ہیں بلکہ مقابلہ تو اخروی نعمتوں میں ہونا چاہئے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ باہم مقابلہ کرنا تو رذائل میں سے ہے تو پھر یہ پسندیدہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں اس کے بارے میں یہ کہوں گا یہ اس وقت رذائل (حسد) میں شمار ہوگا جب وہ دنیاوی امور سے متعلق ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، کیونکہ اس سے کسی اور کو نقصان پہنچے کیونکہ دنیاوی چیزیں اور سامان ختم ہونے والا اور قلیل ہوتا ہے۔ جب کوئی چیز اپنے لئے پسند کرتا ہے تو وہ چیز غیر سے فوت ہو جاتی ہے۔ اخروی نعمتوں کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور ختم نہیں ہوتیں۔ اگر ان چیزوں کو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے تو وہ کسی اور کو تکلیف نہیں دیتا۔

وَمِزَاجُهُ مِن تَسْنِيمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

كَانُوا مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿۲۹﴾

''اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی [1] یہ وہ چشمہ ہے جس سے صرف مقربین پئیں گے [2] جو لوگ جرم کیا کرتے تھے وہ اہل ایمان پر ہنسا کرتے تھے [3]''

[1] اس خالص شراب (رحیق) میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے تسنیم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا یہ ایسی شراب ہوگی جو ان پر اوپر سے ان کے کمروں اور گھروں میں انڈیلی جائے گی۔

میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ یہ شراب ان کی طرف عرش سے انڈیلی جائے گی کیونکہ عرش جنت کے لئے چھت کے قائم مقام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ شراب ہواء میں رواں دواں ہوگی اور جنتیوں کے برتنوں میں ان کی گنجائش کے مطابق ڈالی جائے گی۔ جب برتن بھر جائیں گے تو اسے روک لیا جائے گا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا یہی معنی ہے۔ تسنیم کا اصل معنی بلندی ہے۔ بلند جام کو سنام کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے اونٹ کی کوہان کو سنام کہتے ہیں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ایسی شراب ہے جس کا نام تسنیم ہے۔ یہ جنت کی بہترین شراب ہے۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ مقربین کے لئے خالص ہوگی وہ اسے خالص پئیں گے۔ باقی جنتیوں کے لئے کسی دوسری شراب میں تسنیم کو ملایا جائے گا اور انہیں پلائی جائے گی۔ (1)

[2] عینا یہ مدح کے طور پر منصوب ہے یا اس سے پہلے اعنی کا لفظ محذوف ہے یا یہ تسنیم سے حال ہے۔ بھا میں باء من کے معنی میں ہے۔ باء حرف جار اس لئے ذکر کیا کیونکہ یشرب یلتذ کا معنی اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ یشرب بھا والا جملہ عینا کی صفت ہے۔ مقربون سے مراد وہ افراد ہیں جو کمالات نبوت کے اصل کے اعتبار سے یا وارثت کے طریقہ پر مالک ہوتے ہیں۔ یہ صدیقین ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یوسف بن مہران رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ سے تسنیم کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا یہ ان چیزوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (2)۔

[3] اسم موصول سے مراد قریش کے کفار ہیں جیسے ابو جہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل اور مکہ مکرمہ کے دوسرے مشرک۔ الذین امنوا سے مراد حضرت عمار، حضرت صہیب، حضرت خباب، حضرت بلال رضی اللہ عنہم اور دوسرے فقراء صحابہ کرام ہیں۔ کفار مکہ مومنوں پر بطور استہزاء ہنستے تھے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾

وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾

''اور جب ان کے قریب سے گزرتے تو آپس میں آنکھیں مارا کرتے [1] اور جب اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے واپس آتے [2] اور جب مسلمانوں کو دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں [3] حالانکہ وہ اہل ایمان پر محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے تھے [4]''

[1] واؤ ضمیر سے مراد مومنین ہیں۔ ھم ضمیر سے مراد کفار ہیں۔ کفار استہزاء کے طریقہ پر مومنوں کی طرف پلکوں اور آبروؤں سے اشارہ

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا　2۔ ایضاً

تے ہیں۔ جملہ شرطیہ کا عطف یضحکون پر ہے۔ یہ کلام ان کی خبر ہے اسی طرح بعد والے دونوں جملہ شرطیہ بھی ہیں۔

۲ جب کفار گھروں کو لوٹتے ہیں تو مومنوں سے مذاق کرنے پر لذت حاصل کرتے ہوئے اور خوش ہوتے ہوئے لوٹتے ہیں۔ حفص رحمۃ اللہ علیہ نے فکھین پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسم فاعل کا صیغہ پڑھا ہے۔

۳ جب کفار مومنوں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں یہ گمراہ ہیں، انہیں حضرت محمد ﷺ نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ اپنے دین سے گمراہ ہو گئے اور لذات کو چھوڑ دیا ہے اور آخرت میں عزت کی امید رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے نقد لذات دنیا سے جو ہیں چھوڑ دیا ہے۔

۴ کفار مومنوں کے اعمال پر محافظ نہیں بنائے گئے کہ ان کی ہدایت اور ضلالت کی گواہی دیں۔ وما ارسلوا والا جملہ قالوا کے فاعل سے حال ہے۔

فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۳۶﴾

"پس آج مومنین کفار پر ہنس رہے ہیں۔ (عروسی) پلنگوں پر بیٹھے (کفار کی خستہ حالی کو) دیکھ رہے ہیں کیا بدلہ ملا کفار کو (اپنے کرتوتوں کا) جو وہ کیا کرتے تھے"

الیوم پر الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے، یعنی جس روز مومن پلنگوں پر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کا دیدار کر رہے ہوں گے۔ جب کفار کو آگ کی زنجیروں اور بیڑیوں میں دیکھیں گے تو اس وقت کفار پر ہنسیں گے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے اس کی صورت یہ ہوگی کہ کفار کے لئے جہنم کے دروازے کھولے جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا اس سے باہر نکلو۔ جب وہ ان دروازوں کو کھلا ہوا دیکھیں گے تو اس سے نکلنے کے لئے آگے بڑھیں گے جبکہ مومن انہیں دیکھ رہے ہوں گے۔ جب وہ دروازوں تک پہنچیں گے تو ان پر دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ یہ عمل ان کے ساتھ بار بار کیا جائے گا۔ مومن ان کفار پر اسی طرح ہنسیں گے جس طرح کفار ان سے دنیا میں ہنستے تھے۔ کعب نے کہا جنت اور دوزخ کے درمیان ایک روشن دان ہے۔ جب مومن یہ ارادہ کرے گا کہ وہ دنیا کے دشمن کی طرف دیکھے تو وہ اس روشن دان سے اس کی طرف جھانکے گا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ۔ جب وہ جنت سے اپنے دشمنوں کی طرف جھانکیں گے جبکہ کفار کو جہنم میں عذاب دیا جا رہا ہوگا تو مومن ان کفار پر ہنسیں گے(۱)۔ اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں یہی مراد لیا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو لوگ دنیا میں لوگوں سے مذاق کیا کرتے تھے تو ان میں سے ایک کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا۔ اسے کہا جائے گا آؤ تو وہ اپنی مصیبت اور غم کے ساتھ دروازے کی طرف آئے گا جب وہ دروازے تک پہنچے گا تو اس پر دروازہ بند کر دیا جائے گا وہ لگاتار اسی طرح کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ان میں سے ایک کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا تو اسے کہا جائے گا آؤ تو وہ مایوسی کی وجہ سے دروازے کی طرف نہیں آئے گا۔

۱ جار مجرور یضحکون کے فاعل سے حال ہے۔ ینظرون یا تو حال مترادف ہے یا یہ حال متداخل ہے۔ معنی یہ ہو گا کہ وہ ہنستے ہیں جبکہ وہ پلنگوں پر ہوں گے درآں حالیکہ وہ کفار کو جہنم میں دیکھ رہے ہوں گے۔

۲ کفار جو کچھ استہزاء کرتے رہتے تھے اس کی انہیں جزا دی جائے گی۔ یہاں استفہام تقریری ہے جو نعم کے معنی میں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

۱۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

سورۃ الانشقاق

آیاتہا ۲۵ — سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ۸۴ — رکوعہا ۱

سورۃ الانشقاق مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور پچیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ﴿۲﴾ وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ﴿۵﴾

"(یاد کرو) جب آسمان پھٹ جائے گا[1] اور کان لگا کر سنے گا اپنے رب کا فرمان اور اس پر فرض بھی یہی ہے[2] اور جب زمین پھیلا دی جائے گی[3] اور باہر پھینک دے گی جو کچھ اس کے اندر ہے اور خالی ہو جائے گی[4] اور کان لگا کر سنے گی اپنے رب کا فرمان اور اس پر فرض بھی یہی ہے[5]"

[1] السماء کو فعل مقدر کے ساتھ رفع دیا گیا ہے جس فعل کی تفسیر مابعد فعل کرتا ہے۔

[2] وہ اپنے رب کا حکم سنے گا اور پھٹ جانے کے حکم کی اطاعت کرے گا۔ اطاعت کرنا اس کا حق بنتا ہے کیونکہ ممکن کے لئے اس امر کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہیں جس کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرے کیونکہ ممکن فی نفسہ کسی چیز کا کوئی تقاضا نہیں کرتا۔

[3] زمین کی وسعت میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا زمین کو یوں برابر کر دیا جائے گا کہ وہ چمڑے کی طرح پھیل جائے گی۔ اس میں کوئی پہاڑ اور عمارت نہیں رہے گی (1)۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب قیامت کا روز ہوگا تو چمڑے کی طرح زمین کو پھیلا دیا جائے گا اور مخلوقات کو جمع کیا جائے گا۔ (2)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے روز زمین کو اس طرح پھیلا دیا جائے گا جس طرح چمڑا پھیلایا جاتا ہے۔ پھر انسان کے لئے اس میں سے قدم رکھنے کی جگہ کے سوا کوئی جگہ نہ ہوگی (3)۔ پھر مجھے تمام لوگوں سے پہلے بلایا جائے گا تو میں سجدے میں گر جاؤں گا۔ پھر مجھے اجازت دی جائے گی تو میں عرض کروں گا۔ مجھے جبرئیل امین نے خبر دی تھی کہ تو نے اسے میری طرف بھیجا تھا۔ جبرئیل امین اس وقت رحمٰن کی دائیں جانب ہوگا۔ اللہ کی قسم جبرئیل امین نے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا ہوگا۔ جبرئیل امین خاموش رہیں گے، وہ کوئی بات نہ کریں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خود ہی ارشاد فرمائے گا جبرئیل امین نے سچ کہا پھر اللہ تعالیٰ مجھے شفاعت کی اجازت دے گا تو میں عرض کروں گا اے

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا۔ 3۔ ایضاً

میرے رب تیرے بندے زمین کی اطراف میں بکھرے پڑے ہیں۔ یہی مقام محمود ہے۔

یعنی مردوں اور خزانوں کو باہر پھینک دے گی اور جو کچھ اس میں ہوگا۔ اس کو پھینکنے میں تکلف سے کام لے گی یہاں تک کہ اس کے پیٹ میں کچھ بھی نہ رہے گا۔

یعنی مردوں کے اور مردے باہر پھینکنے اور خالی ہونے کے حکم پر کان لگائے گی اور یہی اس کا حق بھی ہے۔ اذا کا جواب محذوف ہے جس پر مابعد والی آیت دلالت کرتی ہے یعنی انسان نے جو کوشش کی ہے اس کو ضرور پائے گا۔ اسے کتاب یا تو دائیں ہاتھ میں دی جائے گی تو وہ خوش ہوگا یا بائیں ہاتھ میں دی جائے گی تو وہ ہلاکت کو پکارے گا۔ اذا کا لفظ اس سے مراد ہے۔ یہ بیان کرنے ... بعد والی آیات مستقل قسم پر دلالت کرتے ہیں۔

ابو القاسم ختلی رحمۃ اللہ علیہ نے دیباج میں حسن سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے سب سے پہلے مجھ سے زمین کو شق کیا جائے گا تو میں اپنی قبر میں بیٹھوں گا تو آسمان کی طرف ایک دروازہ کھولا جائے گا یہاں تک کہ میں عرش کو دیکھوں گا۔ پھر نیچے کی طرف ایک دروازہ کھولا جائے گا میں ساتویں زمین کو دیکھوں گا یہاں تک کہ میں تحت الثری کو دیکھوں گا۔ پھر دائیں جانب ایک دروازہ کھولا جائے گا تو میں جنت اور اپنے ساتھیوں کے ٹھکانوں کو دیکھوں گا۔ زمین میرے ساتھ حرکت کرے گی تو میں اسے کہوں گا اے زمین تجھے کیا ہوا تو زمین کہے گی میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو کچھ مجھ میں ہے اس کو باہر پھینک دوں اور خود خالی ہو جاؤں تو میں اس طرح ہو جاؤں گی۔ گویا میرے اندر کچھ بھی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان والقت ما فیھا وتخلت کا یہی مفہوم ہے۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں نقل کیا ہے کہ اس سے مراد سونے کے ستون ہیں جنہیں وہ باہر پھینکے گی (1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عطیہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اس میں جو خزانے ہوں گے انہیں وہ پھینک دے گی۔ ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس سے نقل کرتے ہیں انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اخرجت الارض اثقالھا سے مراد مردے ہیں یعنی زمین مردے باہر نکال دے گی (2)۔

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۚ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ

"اے انسان تو محنت سے کوشاں رہتا ہے اپنے رب کے پاس پہنچنے تک پس تیری اس سے ملاقات ہو کر رہنی ہے۔ پس جس کو دیا گیا اس کا نامہ عمل اس کے دائیں ہاتھ میں تو اس سے حساب آسانی سے لیا جائے گا۔ اور وہ لوٹے گا اپنے گھر والوں کی طرف شاداں و فرحاں۔"

یہ خطاب انسانوں کی جنس کو ہے۔ معنی یہ ہے انسان کے عمل اور جدوجہد نے اچھے اور برے عمل میں اثر پیدا کیا۔ یہ کدحت مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ اس پر نشان چھوڑ جائے۔ الی ربک سے مراد ہے کہ موت اور موت کے بعد تک۔ معنی یہ ہوگا کہ تو موت تک عمل میں کوشش کرنے والا ہے۔ کدحا یہ مفعول مطلق ہے اور تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی سعی بلیغ کرنے والا ہے۔ فملقیہ کا عطف کادح پر ہے۔ ضمیر یا تو کدح کی طرف لوٹنے والی ہے۔ یعنی جو عمل کیا تھا اس کی جزا پانے والا ہے یا ضمیر رب کی طرف لوٹ رہی ہے۔

1۔ الدر المنثور، زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

اس صورت میں معنی یہ ہوگا جس روز لوگ حساب کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوں گے۔ اس روز اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا یا یہاں مضاف محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی فَمُلَاقِيْ حِسَابِ رَبِّكَ اور یا ایھا الانسان والا جملہ جملہ مستانفہ ہوگا اور وعدہ اور وعید کا فائدہ دے گا۔ جب پہلے اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر لوگوں کا ذکر کیا کہ وہ اپنی جزاء کو پائیں گے تو اب اس کی تفصیل بیان کی۔

۲؎ کتاب سے مراد عمل کا دیوان ہے۔ اسم موصول سے مراد مومن ہیں۔

۳؎ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا معمول یہ تھا کہ جب وہ کوئی ایسی بات سنتیں جسے نہ پہچانتیں تو اس کے بارے میں پوچھتیں یہاں تک کہ اسے سمجھ لیتیں۔ حضور ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا مَنْ حُوْسِبَ عُذِّبَ۔ حضرت عائشہ نے عرض کی کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا فسوف یحاسب حسابا یسیرا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ پیشی کے وقت ہوگا مگر جس کا حساب میں مناقشہ کیا گیا وہ ہلاک ہو گیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ حساب یسیر کیا ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کتاب دیکھے گا اور درگزر فرمائے گا جس کے حساب کے بارے میں مناقشہ شروع ہو گیا وہ مارا گیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ ذکر کئے ہیں یَوْمَئِذٍ هَلَكَ یعنی اس روز وہ ہلاک ہو گیا۔

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿۱۰﴾ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَّ يَصْلٰى سَعِيْرًا ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۱۳﴾

"اور جس (بدنصیب) کو اس کا نامہ عمل پس پشت دیا گیا ۱؎ تو وہ چلائے گا ہائے موت ۲؎ اور داخل ہوگا بھڑکتی آگ میں ۳؎ بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل و عیال میں خوش و خرم رہا کرتا تھا ۴؎"

۱؎ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے بارے میں نقل کیا ہے کہ اس کا بایاں ہاتھ اس کی پشت کے پیچھے کر دیا جائے گا اور وہ اس ہاتھ میں اپنی کتاب پکڑے گا۔ ابن سائب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا بایاں ہاتھ اس کے سینے سے پشت کی جانب موڑ اجائے گا۔

۲؎ ثبور کا معنی ہلاکت ہے، یعنی وہ اپنی ہلاکت کی آرزو کرے گا اور کہے گا واثبورا۔

۳؎ عاصم، حمزہ اور ابو عمرو رحمہم اللہ تعالیٰ نے یاء کے فتحہ اور صاد کے سکون اور لام کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے یاء کے ضمہ، صاد کے فتحہ اور لام کی تشدید کے ساتھ تصلیہ مصدر سے مجہول پڑھا ہے، یعنی اسے جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔

۴؎ وہ دنیا میں مال اور مرتبہ کی وجہ سے خوش تھا اور آخرت سے غافل تھا اسے کسی قسم کا خوف نہیں تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فسوف یدعو ثبورًا کی علت ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ﴿۱۴﴾ بَلٰۤى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَ الَّيْلِ وَ مَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَ الْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

"وہ خیال کرتا تھا کہ وہ (اللہ کے حضور) لوٹ کر نہیں جائے گا ۱؎ کیوں نہیں اس کا رب اسے خوب دیکھ رہا تھا ۲؎ پس

میں قسم کھاتا ہوں شفق کی اور رات کی اور جن کو وہ سمیٹے ہوئے ہیں ان کی اور چاند کی جب وہ مکمل ہو جائے تمہیں (بتدریج) زینہ بہ زینہ چڑھنا ہے پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے۔''

۔ وہ گمان کرتا تھا کہ وہ حساب اور جزاء کے لئے اپنے رب کی طرف ہرگز نہیں لوٹے گا کیونکہ وہ دوبارہ اٹھائے جانے کی تکذیب کرتا تھا اور یہ اس کے خوش ہونے کی علت ہے۔

۔ بلیٰ کا ایجاب ہے کیوں نہیں وہ ضرور اپنے رب کی طرف لوٹے گا کیونکہ اس کا رب اسے دیکھ رہا ہے۔ یہ جملہ اس کے لوٹنے کی علت بیان کر رہا ہے۔ یعنی وہ ضرور لوٹے گا اور اسے ضرور عذاب دیا جائے گا کیونکہ جو کچھ وہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اللہ تعالیٰ اسے مہلت نہیں دے گا بلکہ اس سے انتقام لے گا۔

۔ شفق سے مراد سرخی کے بعد کی سفیدی ہے۔

۔ جانور جو دن کے وقت ادھر ادھر پھیلے ہوتے تھے رات انہیں جمع کر دیتی ہے۔ منصور نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے قسم ہے رات کی اور اس کی جس پر رات تاریکی پھیلا دے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے قسم ہے رات کی اور ان چیزوں کی جن پر رات میں عمل کیا جاتا ہے۔(1)

۔ اتسق کا معنی جب وہ مکمل ہو جائے اور روشن راتوں میں اس کا نور مکمل ہو جائے۔ یہ وسق سے افتعال کے وزن پر ہے۔ وسق کا معنی جمع کرنا ہے۔

۔ عن طبق یہ طبقا کی صفت ہے یا لترکبن میں جو ضمیر فاعل بنتی ہے اس سے یہ حال ہے۔ اگر صیغہ واحد کا ہو تو اس کا معنی ہو گا تم ایسے سفر پر نکلو گے اس حال میں کہ تو ایک طبق سے آگے بڑھے گا۔ اگر صیغہ جمع کا ہو تو اس کا معنی ہو گا تم طبق پر طبق چڑھو گے اس حال میں کہ تم ایک طبق سے آگے بڑھو گے۔ ابن کثیر، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے تا کے فتحہ کے ساتھ واحد مذکر مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے اس صورت میں خطاب حضور علیہ السلام کو ہے۔ امام شعبی اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم ضرور ایک آسمان کے بعد دوسرے آسمان کی طرف عروج کرو گے (2)۔ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی بشارت ہے۔ وہ احادیث جو معراج کے قصہ میں وارد ہوئی ہیں میں نے انہیں سورۂ اسریٰ اور سورۂ نجم میں ذکر کیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس سے مراد ہو کہ آپ قریب کے مراتب پر پہنچ کر بلند مراتب کی طرف عروج کریں گے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ایک حال کے بعد دوسرے حال کی طرف عروج کرو گے اور کہا اس سے مراد تمہارے نبی ہیں۔ یہ یہ صیغہ واحد مونث کا ہے اور ضمیر السماء کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی آسمان ایک حالت کے بعد دوسری حالت اختیار کرے گا۔ سعید بن منصور، ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں نقل کیا ہے کہ آسمان میں سوراخ واقع ہوں گے، پھر وہ پھٹ جائے گا، پھر سرخ ہو جائے گا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی نقل کیا ہے کہ آسمان کئی رنگوں والا ہو جائے گا۔ وہ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔ پھر وہ تیل کی طرح سرخ ہو جائے گا۔ پھر وہ کمزور ہو جائے گا اور پھٹ جائے گا تو یہ ایک حالت کے بعد دوسری حالت ہو گی۔ دوسرے قراء نے جمع مذکر مخاطب مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ پھر معنی یہ ہو گا اے لوگو تمہیں ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر سوار کیا جائے گا اور قیامت

1۔ معالم التنزیل، بحوالہ (ایضاً)
2۔ ایضاً

کے مواقف میں ایک معاملہ کے بعد دوسرے معاملہ کا سامنا کرنا ہوگا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا مفہوم یہ ہے پہلے تمہیں موت کا سامنا کرنا ہوگا پھر زندگی کا سامنا کرنا ہوگا۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تمہیں مختلف احوال کا سامنا کرنا ہوگا کبھی تم فقیر ہو گے اور کبھی غنی ہو گے۔ عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا یہ معنی نقل کیا ہے تمہیں مختلف مصیبتوں، ہولناکیوں، موت، دوبارہ اٹھائے جانے اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کا سامنا کرنا ہوگا۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے مختلف حالتیں یہ ہیں کبھی تم دودھ پیتے بچے، کبھی دودھ چھوڑنے کی حالت، کبھی لڑکپن کبھی جوان اور کبھی بوڑھا ان حالتوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تم پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلتے رہو گے (1)۔ اسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں تم پہلے لوگوں کے راستوں پر ہی چلو گے کچھ فرق نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر ان میں کوئی گوہ کی بل میں داخل ہوا تھا تو تم بھی ضرور اس میں داخل ہو گے۔ اگر ان میں سے کسی نے راستہ پر اپنی بیوی سے جماع کیا ہوگا تو تم بھی ضرور ایسا کرو گے (2)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

یہ اس میں استفہام تعجب اور انکار کے لئے ہے اور اس سے پہلے جو وعدہ اور وعید گزرا ہے۔ اسی کے ساتھ اس کا تعلق ہے **فلا اقسم** والا جملہ جملہ معترضہ ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے فرمان **لترکبن طبقا عن طبق** کے ساتھ متصل ہو، یعنی ان کا ایک حالت سے دوسری حالت میں پھرنا اس بات پر دلیل ہے کہ حالات بدلنے والی ذات موجود ہے تو پھر انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ **لا یومنون** والا جملہ ضمیر مجرور سے حال ہے۔ اس میں عامل فعل کا معنی ہے فعل **ما یصنعون** ہوگا۔

وَ اِذَا قُرِئَ عَلَیْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾

"اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔[1] بلکہ یہ کفار اسے (الٹا) جھٹلاتے ہیں"

[1] اذا کا تعلق **یسجدون** کے ساتھ ہے اور جملہ شرطیہ کا عطف **لا یؤمنون** پر ہے۔ یہ اس کا حال مرادف ہوگا۔ یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی کہ قرآن سننے پر سجدہ واجب ہے کیونکہ اس میں ان لوگوں کی مذمت ہے جو قرآن سنے اور سجدہ نہ کرے یا یہاں سجود سے مراد مجازاً عاجزی کرنا ہے یہی معنی ظاہر ہے۔ کیونکہ قرآن کا اطلاق ہر آیت پر ہوتا ہے اگرچہ وہ آیت سجدہ نہ بھی ہو جبکہ مطلق قرآن سننے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا یا پھر سجدہ سے مراد سجدہ تلاوت ہے اور قرآن میں الف لام عہدی ہے۔ اس صورت میں قرآن سے مراد آیت سجدہ ہے۔ اس صورت میں یہ آیت کریمہ سجدہ تلاوت کے واجب ہونے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہو گی اس سجدہ کو فرض قرار نہیں دیا کیونکہ تاویل میں شک ہے اور مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ شک کی وجہ سے وجوب ثابت نہیں ہوتا بلکہ وجوب دلیل ظنی سے ثابت ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں جب کوئی انسان آیت سجدہ کی تلاوت کرتا ہے تو شیطان روتے ہوئے بھاگ جاتا ہے اور کہتا ہے ہلاکت ہو ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا اس نے سجدہ کیا تو اس کے لئے جنت ثابت ہوگئی؟ مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا تو میں نے انکار کر دیا تو میرے لئے جہنم مقدر کر دی گئی۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (3)۔ استدلال کی صورت یہ بنتی ہے جب حکیم کسی غیر حکیم سے کلام کی حکایت بیان کرتا ہے اور اس پر ناپسندیدگی اور انکار کا اظہار نہیں کرتا تو یہ اس کلام کی صحت کی دلیل ہوتی ہے۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ مستدرک حاکم، جلد 4، صفحہ 502 (العلمیہ) 3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 61 (قدیمی)

WWW.NAFSEISLAM.COM

نے اپنی مصنف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا سجدہ سننے والے پر ہوتا ہے۔ جمہور شوافع اور محدثین کے نزدیک سجدہ تلاوت سنت کا درجہ رکھتا ہے۔ انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام کو سورۂ نجم سنائی تو آپ نے سجدہ نہ کیا۔ اسے شیخین نے صحیحین میں نقل کیا ہے۔ یہ حدیث اسی سند سے دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اور یہ الفاظ بھی زائد ذکر کئے ہیں کہ ہم میں سے کسی نے بھی سجدہ نہ کیا۔ یہ روایت سجدہ کے واجب نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ یہ ایک حالت کا بیان ہے کیونکہ یہ جائز ہے کہ سجدہ اس لئے ترک کیا گیا ہو کہ تلاوت کا وقت مکروہ وقت میں ہوئی ہو یا وضو کے بغیر ہو یا سجدہ اس لئے نہ کیا ہو کہ فوری طور پر سجدہ واجب نہیں۔ ہم اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ سجدہ ان امور میں سے کسی ایک وجہ سے نہ کیا جاتا تو ضرور اس کی وضاحت کی جاتی تا کہ ضرورت کے وقت مجمل کے بیان کا تاخیر لازم نہ آتی۔

نیز جمہور نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آیت سجدہ پڑھی جبکہ آپ جمعہ کے روز منبر پر جلوہ افروز تھے۔ آپ نیچے اترے سجدہ کیا لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ ہی سجدہ کیا پھر آپ نے دوسرے جمعہ پھر آیت سجدہ کو تلاوت کیا لوگ سجدہ کے لئے تیار ہوئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھم جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے اسے واجب نہیں کیا۔ ہاں اگر انسان چاہے تو سجدہ کر لے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں روایت کیا ہے۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مزنی نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیقات میں سے ہے مگر نہیں وہم ہوا ہے۔ اسے بیہقی اور ابو نعیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اس روایت میں اس بات کا بیان ہے کیونکہ صحابہ جمعہ کی نماز کے لئے حاضر تھے لیکن کسی نے بھی انکار نہیں کیا جبکہ یہ روایت آئی ہے کہ شیطان نے کہا ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا۔ یہاں سجدہ سے مراد جنس سجدہ ہے تلاوت کے وقت مخصوص سجدہ نہیں۔ مخصوص سجدہ کیسے مراد ہو سکتا ہے۔ شیطان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منہ کر کے اللہ کو سجدہ کرے جبکہ اس سے پہلے آیت سجدہ کی تلاوت نہیں ہوئی تھی۔

مسئلہ: مفصل کے سجدہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور نے کہا سورۂ نجم، **اذا السماء انشقت** اور سورۂ اقرا میں سجدہ تلاوت ہے۔ ان کے نزدیک قرآن حکیم میں چودہ یا پندرہ سجدے ہیں کیونکہ علماء کا سورۂ حج کے دوسرے سجدہ اور سورۂ ص کے سجدہ میں اختلاف ہے۔ اس مسئلہ کو ان شاء اللہ وہاں ذکر کیا جائے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں ذکر کیا مفصل میں کوئی سجدہ نہیں۔ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے جب سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تب سے آپ علیہ السلام نے مفصل میں سجدہ نہیں کیا(2)۔ اسے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ، ابو علی بن سکن نے ابی قدامہ سے حارث بن عبید کی سند سے انہوں نے مطر وراق رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ابو قدامہ اور مطر دونوں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ میں سے ہیں لیکن دونوں کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ابو قدامہ کی حدیث مضطرب ہوتی ہے۔ یحییٰ نے کہا وہ کچھ بھی نہیں اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کیا مفصل میں سجدہ ہے؟ فرمایا نہیں۔ ہماری دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے **اذا السماء انشقت** اور اقرا میں سجدہ کیا۔ اس حدیث کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ صحیحین میں ایک اور سند سے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 147 (وزارت تعلیم)　　2۔ حاشیہ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 215 (وزارت تعلیم)

آپ نے سورۂ اذا السماء انشقت کی تلاوت کی۔ آپ نے سجدہ کیا۔ میں نے پوچھا یہ کیا؟ ہے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے ابوالقاسم ﷺ کے پیچھے سجدہ کیا۔ میں یہاں سجدہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے (1)۔ حضرت ابو ہریرہ سن چھ ہجری میں اسلام لائے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث دلیل ہے کہ حضور ﷺ نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا اور مشرکوں نے بھی سجدہ کیا (2)۔ اسے امام بخاری اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا۔ حضرت عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے قرآن میں پندرہ سجدے کئے ان میں تین مفصل میں اور دو سجدہ سورۂ حج میں کئے (3) اسے ابوداؤد، ابن ماجہ، دار قطنی اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ منذری اور نووی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے حسن قرار دیا اور عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کی سند میں محمد بن راشد ہے جسے محدثین نے جھوٹا قرار دیا ہے۔ اسی ضمن میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو دس مرتبہ دیکھا کہ آپ نے سورۂ اذا السماء انشقت میں سجدہ کیا۔ اسے بزار رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تلاوت کرنے والے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہو جائے گا، سننے والے کا ارادہ تھا یا ارادہ نہیں تھا، کیونکہ سجدہ ترک کرنے پر مذمت کا سبب مطلق ہے۔ جبکہ جمہور کے نزدیک جب تک سامع کا سننے کا ارادہ نہ ہو تو سجدہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک روایت مروی ہے کہ آپ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے آیت سجدہ کی تلاوت کی تاکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ سجدہ میں شریک ہو جائیں۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا سجدہ اس پر لازم ہوتا ہے جو ارادہ سے آیت سجدہ سنے۔ پھر آپ سجدہ کئے بغیر چلے گئے۔ اسے عبدالرزاق نے معمر رحمہما اللہ تعالیٰ سے اور معمر نے زہری رحمہما اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے تعلیق کی صورت میں ذکر کیا ہے مصنف ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سجدہ اس سننے والے پر لازم ہوگا جو سننے کے لئے بیٹھا (4) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بھی حدیث ہے کہ سجدہ اس سننے والے پر لازم ہوگا جو اس سجدہ کے لئے بیٹھا (5)۔ اسے امام بیہقی اور ابن ابی شیبہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاری اگر سجدہ نہ کرے تب بھی سننے والے پر سجدہ واجب ہو جائے گا جبکہ جمہور کے نزدیک جب تک قاری سجدہ نہ کرے سامع پر سجدہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ زید بن اسلم کی حدیث ہے کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ کے پاس آیت سجدہ کی تلاوت کی تو حضور ﷺ نے سجدہ کیا پھر ایک اور نے آپ کے پاس آیت سجدہ کی تلاوت کی تو حضور ﷺ نے سجدہ نہ کیا تو اس نے عرض کی فلاں کی قرأت پر تو آپ نے سجدہ کیا لیکن میری قرأت پر سجدہ نہ کیا تو آپ نے فرمایا تو امام تھا اگر سجدہ کرتا تو ہم بھی سجدہ کرتے۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے مراسیل میں حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے مرفوع نقل کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قرۃ نے زہری سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جبکہ قرۃ ضعیف ہے۔ امام بخاری رحمۃ

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 215 (قدیمی)
2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 146 (امدادیہ)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 206 (امدادیہ)
4۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 1، صفحہ 367 (دار التاج)
5۔ ایضاً

اللہ علیہ کے ہاں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک معلق روایت ہے۔

مسئلہ:۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا جن نمازوں میں تلاوت آہستہ کی جاتی ہے۔ ان میں آیت سجدہ کی تلاوت مکروہ ہے اور جن میں قراءت بلند آواز سے کی جاتی ہے ان میں آیت سجدہ کی تلاوت مکروہ نہیں۔ اسی طرح اگر وہ اکیلے نماز پڑھ رہا ہو تو اس میں بھی مکروہ نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر اس نے آہستہ آیت سجدہ کی تلاوت کی تو سجدہ نہ کرے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلق مکروہ نہیں کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے ظہر کی نماز میں سجدہ کیا تو لوگوں نے خیال کیا کہ آپ نے آیت سجدہ کی تلاوت کی ہے تو صحابہ نے بھی سجدہ کیا۔ اسے ابو داؤد، طحاوی اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ:۔ جب امام سجدہ تلاوت کرے تو مقتدی بھی سجدہ کریں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے جب آپ سجدہ تلاوت آہستہ کرتے ہیں۔ قنوت میں بھی یہی حکم ہے۔

۲۔ جنہوں نے کفر کیا وہ قرآن کو جھٹلاتے ہیں۔ یہ قرآن سننے کے بعد سجدہ سے اعراض کرنے والوں کے بارے میں اضراب ہے۔ یعنی سجدہ نہ کرنا تو در کنار وہ قرآن کو جھٹلاتے ہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾

"اور اللہ خوب جانتا ہے جو ان (کے دلوں) میں بھرا ہوا ہے [1]۔ پس آپ انہیں خوشخبری سنائیں دردناک عذاب کی [2]۔ البتہ جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا [3]۔"

۱۔ جو وہ سینوں میں کفر اور عداوت کو چھپائے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یوعون کا معنی یکتمون ہے، یعنی جسے وہ چھپاتے ہیں (1)۔ یہ جملہ یکذبون کے فاعل سے حال ہے۔

۲۔ اس میں تہکم ہے کیونکہ یہاں جھٹلانا بشارت کا سبب بن رہا ہے اور انذار کی جگہ بشارت مذکور ہو تو وہ استہزاء کا فائدہ دیتی ہے۔

۳۔ ان میں سے جو ایمان لائے اور کفر سے توبہ کی اور اچھے اعمال کئے تو ان کے لئے ایسا اجر ہوگا، نہ وہ ختم ہوگا، نہ اس میں کمی ہوگی اور نہ ان پر احسان جتلایا جائے گا۔ اس صورت میں مستثنیٰ متصل ہے ورنہ یہ مستثنیٰ منقطع ہوگا۔ معنی یہ ہوگا لیکن جو ایمان لے آئے ان کے لئے عذاب کی بشارت نہیں۔ لهم اجر والا جملہ استثناء کی علت ہے۔

۱۔ ابو معنی اس آیت ہذا

سورۃ البروج

ایاتہا ۲۲ ﴿ سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ ٨٥ ﴾ رکوعہا ١

سورۃ البروج مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور بائیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۙ﴿١﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۙ﴿٢﴾ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ؕ﴿٣﴾

''قسم ہے آسمان کی جو برجوں والا ہے ۱۔ اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے ۲۔ اور حاضر ہونے والے دن کی اور اس کی جس کے پاس حاضر ہوں گے ۳۔''

۱۔ برج کا معنی قلعہ ہے۔ قلعہ کو برج اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ نمایاں ہوتا ہے۔ عرب کہتے ہیں تبرجت المرأۃ عورت پردہ سے نکل آئی۔ ظاہر مفہوم یہ ہے کہ آسمان میں گھر ہیں جنہیں بروج کہتے ہیں۔ عطیہ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بروج سے مراد محلات ہیں جن میں پہرے دار ہوتے ہیں۔ صحیحین میں معراج کے متعلق حدیث آئی ہے۔ پھر مجھے بیت المعمور کی طرف لے جایا گیا جو ساتویں آسمان میں کعبہ کے بالکل مقابل ہے۔ سورۂ مطففین میں وہب بن منبہ کا قول گزرا ہے کہ ساتویں آسمان میں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے جسے بیضاء کہتے ہیں جس میں مومنوں کی روحیں ہوتی ہیں۔ یا بروج سے مراد آسمان کے دروازے ہیں کیونکہ زمین پر آنے والے فرشتے انہیں دروازوں سے نیچے آتے ہیں اور ظاہر ہوتے ہیں۔

فلاسفہ کی اتباع میں عوام کا یہ خیال ہو گیا کہ آسمان بارہ موہومہ حصوں میں منقسم ہے، ان میں سے ہر حصہ کو برج کہتے ہیں جس میں ثوابت ہوتے ہیں اور وہاں متحرک ستارے بھی آتے رہتے ہیں۔ ان بروج کو حمل، ثور اور جوزاء وغیرہ کا نام دیا گیا۔ یہ نام ان ستاروں کی شکل وصورت کی بناء پر رکھا گیا جو ستارے وہاں ہی ثابت رہتے ہیں۔ جبکہ اس قول کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ اس کی بنیاد اس قول پر ہے کہ آسمان ہمیشہ متحرک رہتے ہیں اور ستارے ان میں مرکوز ہیں جبکہ یہ سب باطل ہے۔ کتاب وسنت سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ تمام ستارے افلاک میں تیر رہے ہیں، آسمان میں کوئی ستارہ بھی ثابت نہیں کہ ان ثابت ستاروں کی وجہ سے آسمان کے اس حصہ کو برج کہا جائے۔ یہ بھی جائز نہیں کہ کلام اللہ کی وہ مراد ہو جو کافر فلاسفہ کی اصطلاح ہے تو ان موہومہ حصوں کو کیسے برج کہا جا سکتا ہے جس کا اصل اور وضعی معنی ظہور ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں۔ انہیں بروج ان کے ظاہر ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں (1)۔ حسن، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

۲۔ یوم موعود سے قیامت کا دن مراد ہے۔

۳۔ شاهد سے مراد جمعہ کا دن ہے۔ یا شاهد کی جنس مراد ہے جو حق کی گواہی دیتا ہے اور مشهود سے مراد یوم عرفہ ہے یا اس کی

1۔ تفسیر خازن زیر آیت ہذا

کی مراد ہے جس کے بارے میں شاہد گواہی دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت بیان کرنے کے لئے ان کی قسم اٹھائی۔

امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یوم موعود سے مراد قیامت کا دن مشہود سے مراد عرفہ کا دن اور شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے جس میں ایک ایسی گھڑی ہے۔ جس میں بندہ جو بھی خیر کی طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کر لیتا ہے اور جس تکلیف سے بھی وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پناہ دے دیتا ہے (1)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔ یہ موسیٰ بن عبیدہ سے ہی معروف ہوں نے ضعیف قرار دیا جاتا ہے۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند کے ساتھ ابو مالک اشعری سے اسی کی مثل روایت کی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں اس میں جمعہ کا دن ہے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مختص کیا ہے اور صلوۃ وسطی سے مراد عصر کی نماز ہے۔ یوسف بن مہران نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ شاھد سے مراد حضور ﷺ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا اور مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ (2)۔ یعنی اس صورت میں یوم موعود اور مشہود میں تکرار ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا شاھد سے مراد کراماً کاتبین ہیں اور مشہود سے مراد انسان ہیں۔ حسین بن فضل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا شاھد سے مراد یہ امت ہے اور مشہود سے مراد تمام امتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔ سالم بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا وشاهد و مشهود۔ تو انہوں نے کہا شاھد سے مراد اللہ تعالیٰ اور مشہود سے مراد ہم ہیں اس کی وضاحت اس آیت میں ہے، وكفى بالله شهيدا۔ ایک قول یہ کیا گیا شاھد سے مراد انسان کے اعضاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ۔ ایک قول یہ کیا گیا شاھد سے مراد انبیاء ہیں اور مشہود سے مراد حضور ﷺ ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ...... فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۔(3)

میں کہتا ہوں کہ اگر آیت کی تاویل والی حدیث صحیح ہے تو پھر وہی معنی ہوگا۔ بصورت دیگر تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ شاھد سے مراد شاھد کی جنس ہے جو حق بات کی شہادت دیتا ہے اور مشہود سے مراد حق کی جنس ہے جس کی شہادت دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ پس شاھد سے مراد اللہ تعالیٰ، فرشتے، کراماً کاتبین انبیاء، حضور ﷺ، مومن خصوصاً حضور ﷺ کی امت اور خصوصاً ان میں سے علماء ہیں۔ اسی طرح وہ شخص بھی مراد ہے جو مجلس عدالت اور حدود میں سچی گواہی دیتا ہے اور مشہود سے مراد توحید کا کلمہ، انبیاء کا صدق، ان کی تبلیغ، بنی آدم کے اعمال اور ہر وہ حق جس کے بارے میں گواہ نے گواہی دی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے گواہوں کی تعظیم بجا لاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے حقوق نکلواتا ہے اور ظلم دور کرتا ہے۔ اسے خطیب اور ابن عساکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ جواب قسم مابعد کلام ہے۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۙ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۙ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۙ﴿۶﴾ وَّ هُمْ

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 169 (وزارت تعلیم) 2۔ تفسیر خازن، زیر آیت ہذا۔ 3۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝

’’مارے گئے کھائی کھودنے والے ۱؎ (جس میں) آگ تھی بڑے ایندھن والی ۲؎ جب وہ اس (کے کنارہ) پر بیٹھے تھے ۳؎ اور وہ جو کچھ اہل ایمان کے ساتھ سلوک کر رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے ۴؎ ‘‘

۱؎ کھائی والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ اس جملہ کے جواب قسم ہونے کا قول ضعیف ہے کیونکہ جواب قسم لام کے بغیر شاذ و نادر ہی آتا ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ کہا جائے جواب قسم محذوف ہے جس پر مابعد کلام دلالت کرتا ہے جس کی تقدیر یہ ہوسکتی ہے کہ بے شک کفار مکہ ملعون ہیں۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یمن کا ایک بادشاہ تھا۔ اس کے پاس ایک جادوگر رہتا تھا۔ جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میرے پاس ایک نوجوان بھیجو جسے میں جادو سکھا دوں تو بادشاہ نے ایک نوجوان بھیج دیا جس راستہ سے وہ نوجوان جادوگر کے پاس جاتا تھا۔ اس پر ایک عبادت گزار آدمی بھی رہتا تھا۔ جب وہ وہاں سے گزرتا تھا تو اس کی باتیں سنتا۔ یہ باتیں نوجوان کو بہت اچھی لگتیں۔ ایک روز جب وہ جادوگر کے پاس آیا تو راہب کے پاس سے گزرا کچھ دیر وہاں اس کے پاس بیٹھ گیا۔ جب جادوگر کے پاس آیا تو جادوگر نے اسے مارا۔ جب جادوگر کے پاس سے واپس ہوا تو پھر راہب کے پاس بیٹھ گیا اس کی گفتگو سنی۔ جب گھر آیا تو گھر والوں نے بھی اسے مارا تو لڑکے نے راہب کے پاس اس کی شکایت کی۔ تو راہب نے کہا جب تجھے جادوگر سے مار کا خوف ہو تو کہہ دیا کر کہ گھر والوں نے مجھے روک لیا تھا۔ جب گھر والوں سے مار کا خوف محسوس ہو تو کہہ دینا۔ مجھے جادوگر نے روک لیا تھا۔ اسی اثناء میں ایک روز اپنے راستہ پر آرہا تھا۔ تو اس نے ایک بہت بڑا جانور دیکھا جس نے لوگوں کو روک رکھا تھا۔ تو لڑکے نے کہا آج مجھے معلوم ہو جائے گا کہ راہب افضل ہے یا جادوگر افضل ہے۔ اس نے پتھر اٹھایا اور کہا اے اللہ اگر راہب جادوگر کی بنسبت تجھے زیادہ محبوب ہے تو اس جانور کو مار ڈال تاکہ لوگ اس راستہ سے گزر سکیں۔ لڑکے نے اس جانور کو پتھر مارا اور اسے قتل کر دیا۔ لوگ چلے گئے۔ لڑکا راہب کے پاس آیا اور اسے واقعہ کی خبر دی۔ راہب نے کہا اے میرے بیٹے آج تو مجھ سے افضل ہو گیا، تو اس مقام پر پہنچ گیا ہے۔ جس کا تو نے خود مشاہدہ کیا تجھے آزمائش میں ڈالا جائے گا اگر تجھے آزمائش میں ڈالا جائے تو میرے بارے میں کسی کو نہ بتانا۔ وہ لڑکا مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کرنے لگا اور لوگوں کو مختلف دوائیں دیتا بادشاہ کے ایک دوست نے اس لڑکے کے بارے میں سنا وہ اندھا ہو گیا تھا۔ اس نے لڑکے کی طرف بے شمار تحائف بھیجے اور کہا اگر تو مجھے شفا دے تو یہ سب تیرے لئے ہیں تو لڑکے نے کہا میں شفا نہیں دیتا شفا تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ اگر تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے تو میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کروں گا تو وہ تجھے شفا دے دے گا۔ بادشاہ کا درباری ایمان لے آیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی۔ درباری بادشاہ کی خدمت میں آیا اور مجلس میں بیٹھ گیا۔ جس طرح پہلے مجلس میں بیٹھتا تھا۔ بادشاہ نے اسے کہا کس نے تیری نظر واپس لوٹائی؟ تو درباری نے کہا میرے رب نے میری نظر لوٹائی؟ تو بادشاہ نے پوچھا کیا میرے علاوہ بھی تیرا کوئی رب ہے؟ تو درباری نے کہا میرا اور تیرا رب اللہ ہے تو بادشاہ نے اسے پکڑ لیا اور اسے اس وقت تک اذیتیں دیتا رہا یہاں تک کہ اس نے اس لڑکے کے بارے میں بتا دیا۔ اس لڑکے کو بلایا گیا۔ بادشاہ نے کہا اے بیٹے کیا تو جادو میں اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ تو مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دینے لگا ہے اور تو وہ کچھ کرنے لگا جو کچھ کر رہا ہے۔ لڑکے نے کہا میں کسی کو شفا نہیں دیتا شفا تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ تو بادشاہ نے اسے بھی پکڑ لیا۔ پھر اسے لگاتار عذاب دیتا رہا یہاں تک کہ اس نے

WWW.NAFSEISLAM.COM

راہب کے بارے میں بتایا۔ راہب کو لایا گیا اور اسے کہا گیا اپنے دین کو چھوڑ دو۔ اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ تو اس کے سر کے درمیان آری رکھ کر چلائی گئی جس نے اس کے دو حصے کر دیئے۔ پھر اس لڑکے کو بلایا گیا۔ اسے کہا گیا اپنا دین چھوڑ دو۔ اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ تو بادشاہ نے لڑکا اپنے چند ساتھیوں کے حوالے کر دیا۔ بادشاہ نے انہیں کہا اس لڑکے کو فلاں پہاڑ پر لے جاؤ جب تم اس کی چوٹی پر پہنچ جاؤ، اگر تو یہ اپنے اس دین کو چھوڑ دے تو ٹھیک ورنہ اسے نیچے پھینک دو۔ وہ لڑکے کو پہاڑ پر لے گئے تو اس نے دعا کی اے اللہ میری طرف سے انہیں کافی ہو جا۔ پہاڑ میں زلزلہ آ گیا تو وہ سب گر گئے تو لڑکا بادشاہ کے پاس واپس آ گیا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا تیرے ساتھیوں کا کیا بنا تو لڑکے نے جواب دیا اللہ تعالیٰ انہیں کافی ہو گیا۔ بادشاہ نے لڑکا اپنے چند اور ساتھیوں کے حوالے کیا اور کہا اسے لے جاؤ اسے ایک کشتی میں سوار کرو۔ جب تم سمندر کے درمیان پہنچو اگر تو یہ وہاں اپنے دین کو چھوڑ دے تو ٹھیک ورنہ اسے سمندر میں پھینک دینا وہ لوگ اس لڑکے کو لے گئے تو لڑکے نے دعا کی اے اللہ جو تو چاہتا ہے انہیں میری طرف سے کافی ہو جا۔ کشتی الٹ گئی۔ وہ سب غرق ہو گئے۔ وہ لڑکا پھر بادشاہ کے پاس پہنچ گیا تو بادشاہ نے پوچھا تیرے ساتھیوں کو کیا ہوا تو نوجوان نے بتایا اللہ تعالیٰ ان سے مجھے کافی ہو گیا ہے۔ لڑکے نے بادشاہ سے کہا تو اس وقت تک مجھے قتل نہیں کر سکتا یہاں تک کہ تو وہ کام نہیں کرے گا جو میں تمہیں کہوں گا۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیا کام ہے تو لڑکے نے کہا تو ایک کھلے میدان میں لوگوں کو جمع کرے مجھے سولی پر لٹکائے پھر میرے ترکش سے تیر نکالے۔ پھر تیر کمان میں چڑھائے اور کہے بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ پھر وہ تیر مجھ پر پھینکے جب تو ایسا کرے گا تو تو مجھے قتل کر دے گا۔ بادشاہ نے لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کیا۔ لڑکے کو سولی پر لٹکایا پھر لڑکے کے ترکش سے ایک تیر نکالا پھر تیر کمان پر رکھا پھر بسم اللّٰہ رَبِّ الْغُلَامِ پڑھا۔ پھر اسے مارا تو تیر اس کی کنپٹی میں جا لگا تو وہ نوجوان مر گیا۔ تو لوگوں نے تین بار کہا ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے۔ بعض لوگ بادشاہ کے پاس گئے اور اس سے کہا جس مصیبت سے تم بچنا چاہتے تھے تم اسی مصیبت کا شکار ہو گئے۔ لوگ لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے ہیں۔ تو بادشاہ نے گلیوں کے سامنے خندقیں کھودنے کا حکم دیا۔ خندقیں کھودی گئیں۔ ان خندقوں میں آگ جلائی گئی۔ اس نے حکم دے دیا جو آدمی بھی اپنے دین کو نہ چھوڑے اسے ان خندقوں میں ڈال دو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے کہا گیا جو دین نہ چھوڑے وہ خود ہی اس میں داخل ہو جائے۔ تو لوگوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ ایک عورت آئی جس کے پاس اپنا بیٹا تھا۔ وہ آگ میں داخل ہونے سے ہچکچائی تو بچے نے کہا اے ماں صبر کر تو حق پر ہے(1)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

عطا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل روایت کیا ہے اور آپ نے یہ بھی ذکر کیا کہ نجران میں حمیر کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا جسے یوسف ذونواس کہا جاتا۔ یہ فترۃ الوحی کے دور میں حضور ﷺ کی ولادت سے ستر سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اس بچے کا نام عبداللہ بن تامر ذکر کیا(2)۔ محمد بن اسحاق نے وہب بن منبہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہ قصہ ذکر کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا کہ اس نے بارہ ہزار آدمیوں کو جلا دیا تھا۔ پھر ارباط یمن پر غالب آ گئے تو ذونواس وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا تو اپنے گھوڑے کے ساتھ سمندر میں کود گیا تو سمندر میں ہی غرق ہو گیا۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ذونواس نے عبداللہ کو قتل کیا تھا۔ محمد بن عبداللہ بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک نہر کھودی گئی تو عبداللہ بن تامر کو اس حالت میں پایا گیا کہ انہوں نے اپنا ہاتھ اپنے سر کے زخم پر رکھا ہوا ہے۔ جب ان کا ہاتھ ان کے زخم سے ہٹایا جاتا تو زخم سے

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

WWW.NAFSEISLAM.COM

خون پھوٹ پڑتا جب ہاتھ کو چھوڑا جاتا تو ہاتھ اپنی جگہ واپس آ جاتا۔ ان کے ہاتھ میں لوہے کی ایک انگوٹھی تھی جس پر ربی اللہ لکھا ہوا تھا۔ یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو آپ نے یہ پیغام لکھ بھیجا کہ عبداللہ اور انگوٹھی کو اسی حال میں رہنے دو جس پر تم نے اسے پایا ہے(1)۔ اصحاب اخدود کے بارے میں اور روایات بھی آئی ہیں جو قوت میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت جیسی نہیں۔ اس لئے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔

۲۔ النار کا لفظ الاخدود سے بدل اشتمال ہے۔ ذات الوقود کے ساتھ النار کی صفت ذکر کی گئی کیونکہ آگ بہت تیز تھی۔ الوقود پر الف لام جنسی ہے۔ ربیع بن انس نے کہا اللہ تعالیٰ نے آگ میں پھینکے جانے والے مومنوں کو اس طرح نجات عطا فرمائی کہ آگ میں پہنچنے سے پہلے ان کی روحوں کو قبض کر لیا۔ آگ خندقوں کے کناروں کی طرف نکل آئی اور کفار کو جلا دیا۔

۳۔ ھا ضمیر سے مراد خندقوں کے کنارے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ خندقوں کے کنارے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے(2) اور ظرف قعود کے متعلق ہے۔

۴۔ وہ سب حاضر تھے اور یہ عذاب ان کی غفلت کی صورت میں نہیں دیا جا رہا تھا یا اس کا معنی یہ ہے کہ ان میں سے بعض بادشاہ کے پاس بعض کے حق میں گواہی دیتے کہ اسے جو کچھ حکم دیا گیا تھا اس نے کچھ کوتاہی نہیں کی۔ یا معنی یہ ہے کہ وہ قیامت کے روز اپنے خلاف گواہی دیں گے۔ جب ان کی زبانیں، ہاتھ اور پاؤں گواہی دیں گے۔ یہ جملہ یا توھم علیھا قعود پر معطوف ہے یا قعود کے فاعل سے حال ہے۔

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۸ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۹

"اور نہیں ناپسند کیا تھا انہوں نے مسلمانوں سے بجز اس کے کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ پر جو سب پر غالب، سب خوبیوں سراہا ہے ۱۔ جس کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے ۲۔"

۱۔ کفار نے مومنوں کے ایمان لانے کے علاوہ کسی اور بات کو ناپسند نہیں کیا۔ اس تعبیر کی صورت میں ان یومنوا مفعول لہ ہے اور مضارع کا صیغہ ماضی کے معنی میں ہے جو نقموا کے معنی میں ہے۔ تقدیر کلام یہ بنے گی لان امنوا باللہ یعنی عجیب بات ہے جو چیز حسن لذاتہ اور کمال شرف کا باعث تھی انہوں نے اپنی جہالت اور بدبختی کی وجہ سے عیب سمجھا جو عذاب کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے ملک میں غالب ہے، اس کے عذاب سے ڈرا جاتا ہے، وہ محمود اور احسان کرنے والا ہے، اس کے ثواب کی امید رکھی جاتی ہے۔

۲۔ یہ بیان کرنے کے لئے کہ خوف و رجا کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان صفات کو اپنی صفت کے طور پر ذکر کیا تاکہ اس بات پر دلالت ہو کہ مومن اپنے ایمان میں حق ہیں اور ثواب کے مستحق ہیں اور کافر باطل پرست، اپنے اعمال میں ظالم اور لعنت و عذاب کے مستحق ہیں۔ انسان نے جو بھی اچھا یا برا عمل کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسی کے حساب سے اسے بدلہ دے گا یہ جملہ تذییل (1) ہے۔ یا یئومنوا کے فاعل سے حال ہے اور ما نقموا کا جملہ جملہ معترضہ ہے یا یہ شھود سے حال ہے۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

(1) ایک جملے کے بعد دوسرا ایسا جملہ لانا جو پہلے جملے کے معنی پر مشتمل ہو۔ مقصود پہلے جملے کی تاکید ہوتی ہے۔ اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں دوسرا جملہ مستقل ہو اور ماقبل سے مستغنی ہو، دوسرا جملہ مستقل نہ ہو، مترجم۔

إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ﴿١٠﴾

"بے شک جن لوگوں نے ایذا دی مومن مردوں اور مومن عورتوں کو پھر توبہ بھی نہ کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے جلائے جانے کی سزا ہے"

جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو عذاب دیا۔ الذین کا الف لام اصحاب اخدود اور دوسرے لوگوں کو بھی شامل ہے وہ مومن ہوں یا کافر۔ اسی طرح المومنون کا لفظ بھی خندقوں میں پھینکے گئے مومنوں کو شامل ہے۔ اسی طرح دوسرے مومنوں کو بھی شامل ہے شرط صرف یہ ہے کہ انہیں کسی نے اذیت دی ہو۔ پھر ان اذیت دینے والوں نے اس گناہ سے بعد میں توبہ نہ کی ہو تو آخرت میں ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے، یعنی اذیت دینے کی وجہ سے وہ عذاب کے مستحق بنے ہیں۔ اگر وہ مومن ہوں تو یہ حکم ان کی بخشش کے منافی نہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اسم موصول سے مراد کافر ہوں یعنی جنہوں نے مومنوں کو صرف ایمان کی وجہ سے اذیت دی تو ان کے لئے آگ کا عذاب ہے۔ یہ کلام ولهم عذاب الحريق یا تو فلهم عذاب جهنم کے لئے تاکید ہے یا اس سے مراد دنیا میں آگ کا عذاب ہے کیونکہ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے جو اپنے بھائی کے لئے گڑھا کھودتا ہے وہ اسی گڑھے میں گر جاتا ہے۔ سابقہ روایت کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ آگ خندقوں کے کناروں کی طرف نکل آئی تھی اور انہیں جلا دیا تھا۔ اسی طرح وہ خود بھی جل مرے۔ یہ بات تھی۔ ان الذين فتنوا والا جملہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا کلام یوں ہے کہ اصحاب اخدود اور ان جیسے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا تو یہ کلام اس کا جواب ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴿١١﴾ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾

"جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔ بے شک آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔ بے شک وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور وہی بہت بخشنے والا ہے، بہت محبت کرنے والا ہے۔ عرش کا مالک ہے بڑی شان والا ہے جو چاہتا ہے کر دیتا ہے"

یہ بڑی کامیابی ہے جس کے مقابلہ میں دنیا اور ما فیها حقیر ہیں۔

آپ کے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے اس سے بچاؤ ممکن نہیں۔ یہ جملہ إِنَّ الَّذِينَ فتنوا سے متصل ہے۔ گویا یہ اس کی علت بیان کر رہا ہے اور ان الذين امنوا والا جملہ جملہ معترضہ ہے تاکہ کفار کی جزاء کے ساتھ ہی مومنوں کی جزاء کا ذکر ہو جائے جس طرح اللہ تعالیٰ کا اسلوب ہے۔

تیرا رب ہی پہلی دفعہ اور دوسری دفعہ پیدا کرتا ہے اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ یا اس کا مطلب وہی کفار کو دنیا میں پکڑتا ہے اور آخرت میں بھی دوبارہ وہی پکڑ کرے گا۔ وہی مومنوں کے گناہ بخشتا ہے۔ وہ اطاعت کرنے والوں سے محبت کرنے والا ہے اور ان کو

محبوب ہے۔

۴۔ ذو العرش کا معنی مالک اور ہر شے پر غالب ہے۔ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے المجید کو العرش کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور پڑھا ہے۔ اس کی مجد سے مراد اس کی عظمت ہے۔ وہ ایسی رحمانی تجلیات فرماتا ہے جو اسی کی ذات کے ساتھ مختص ہیں۔ جبکہ باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے کیونکہ وہ خبر کے بعد خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مجد سے مراد اس کا ذات وصفات میں عظیم ہونا واجب الوجود ہونا اور مکمل قدرت والا اور مکمل حکمت والا ہونا ہے۔

۵۔ جس چیز کا وہ ارادہ کرلے وہ چیز اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کرسکتی اور نہ ہی وہ چیز اس پر ممنوع ہوتی ہے۔ یہ ھو کی خبر کے بعد دوسری خبر ہے۔ یا یہ ھو مبتداء محذوف کی خبر ہے اور انه ھو یبدء ویعید جملہ معترضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدح بیان کرتا ہے۔ مومنوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ جو مغفرت اور محبت فرماتا ہے اور کافروں کو جو مختلف قسم کے عذاب دیتا ہے اس کی یہ جملہ وضاحت کرتا ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾

"کیا پہنچی ہے آپ کے پاس لشکروں کی خبر ۱۔ (یعنی) فرعون اور ثمود (کے لشکروں) کی ۲۔ بلکہ یہ کفار جھٹلانے میں مصروف ہیں ۳۔"

۱۔ استفہام تقریری ہے معنی بنے گا یقیناً آپ تک ان لشکروں کی خبر پہنچی ہے جو انبیاء کے خلاف جنگ کرتے تھے۔

۲۔ فرعون سے پہلے جنود کا لفظ مضاف کے طور پر محذوف ہے اور الجنود سے بدل ہے، یعنی ان کو غرق، چیخ اور اسی جیسے دوسرے عذابوں کے ساتھ ہلاک کیا گیا۔ پھر انہیں آگ میں داخل کیا گیا۔ اس لئے آپ کی قوم جو آپ کی تکذیب کرتی ہے اس پر صبر کیجئے اور انہیں اس عذاب سے ڈرایئے جو ان سے پہلے لوگوں کو پہنچا۔

۳۔ آپ کی قوم کے کفار ان لشکروں اور سابقہ اقوام کی بنسبت اس عذاب کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے سابقہ قوموں کے واقعات سن رکھے ہیں اور ان کی ہلاکت کے آثار دیکھے ہوئے ہیں بلکہ ان کا قرآن عظیم کو جھٹلانا ان کے جھٹلانے سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اس کا کلام سابقہ کتب کے کلام سے زیادہ اعجاز والا ہے۔ تکذیب کو نکرہ اس لئے ذکر کیا تاکہ اس کی شدت کا بیان ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں بل اضراب (ا) کے لئے نہیں بلکہ ابتدائیہ ہے جو لکن کے معنی میں ہے۔ یہ جملہ استدراکیہ (ب) ہے۔ اس کا تعلق جواب قسم کے ساتھ ہے۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہیں۔ اس کے اتصال کی وجہ یہ ہے کہ جب قسم کے ساتھ جواب قسم واضح ہو گیا تو کفار میں سے جو سامعین تھے ان کی طرف سے بھی تصدیق پیدا ہو گئی۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے یہ جملہ استدراکیہ ذکر کیا اور کہا لیکن کافر شدید جھٹلانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان فی تکذیب اعتباری ظرف ہے۔ تکذیب نہ زمان ہے نہ مکان کیونکہ صفت میں جب مبالغہ کا اعتبار کیا جائے تو وہ موصوف کو احاطہ میں لئے ہوئے ہوتی ہے۔

وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾

"حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے ۱۔ بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے ۲۔ ایسی لوح میں لکھا ہے جو محفوظ ہے ۳۔"

(ا) کلام کا رخ پھیرنے کے لئے نہیں، مترجم۔

(ب) جو سابقہ کلام سے پیدا ہونے والے وہم کو دور کردے، مترجم۔

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اس کی طرف سے احاطہ ذاتیہ ہے لیکن اس کی کوئی کیفیت نہیں بیان کی جا سکتی۔ تاہم یہ قرب اور غلبہ لازم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے احوال سے آگاہ ہے اور ان سے انتقام لینے پر قادر ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اس کی گرفت سے بچ جائیں۔ یہ جملہ بطور وعید جملہ معترضہ کے طور پر ذکر کیا گیا۔ یا فی تکذیب جس شبہ فعل کے متعلق ہے اس سے حال ہے۔ یہ قرآن معزز ہے، کتابوں میں اس کا مقام بلند ہے۔ نظم و معنی میں یکتا ہے۔ اس جملہ کا معنی بل الذین کفروا فی تکذیب کے ساتھ متصل ہے، یعنی ان کی تکذیب حق میں کسی شبہ کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ وہ آدمی جو نظم و معنی کا تھوڑا سا بھی شعور رکھتے تھے یہ نہیں چاہتے کہ وہ اس قرآن کو جھٹلائے۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا، اس کے صفحات سرخ یاقوت سے بنے، اس کا قلم نور ہے، اس کی کتابت نور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دن تین سو ساٹھ ساعتوں میں پیدا کرتا ہے، رزق دیتا ہے، موت عطا کرتا ہے، زندگی عطا کرتا ہے، عزت دیتا ہے، ذلت مقدر کرتا ہے اور جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لوح محفوظ کے سینہ میں لا الہ الا اللہ وحدہ دینہ الاسلام و محمد عبدہ ورسولہ فمن امن باللہ عزوجل وصدق بوعدہ واتبع رسلہ ادخلہ الجنۃ لکھا ہوا ہے۔ اللہ وحدہ لاشریک ہے، اس کا دین اسلام ہے، حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا، اس کے وعدہ کی تصدیق کی، اس کے رسولوں کی پیروی کی اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کر دے گا اور کہا لوح محفوظ سفید موتی سے بنی ہوئی ہے، اس کی لمبائی زمین و آسمان کے درمیان موجود مسافت جتنی ہے، اس کی چوڑائی مشرق و مغرب کے درمیان کی مسافت ہے، اس کی دونوں اطراف موتی اور یاقوت کی ہیں، اس کی جلدیں سرخ یاقوت کی ہیں، اس کا قلم نور کا ہے، اس کی کتابت نور کی ہے۔ ہر شے اس میں لکھی ہوئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا اوپر والا حصہ عرش کے ساتھ باندھا گیا ہے اور اس کا نچلا والا حصہ فرشتے کی گود میں ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لوح محفوظ عرش کی دائیں جانب ہے (1)۔ جمہور نے محفوظ کو مجرور پڑھا ہے یہ لوح کی صفت ہے کیونکہ یہ شیاطین اور زیادتی و کمی سے محفوظ ہے۔ اسی وجہ سے اسے لوح محفوظ کہتے ہیں۔ یہ ام الکتاب ہے۔ اسی سے کتب (قرآن) نقل کی گئی ہے۔ نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ قرآن کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ اس میں کسی لفظ کو لاحق کرنا ممکن نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہے۔ نیز اس کی نظم میں اعجاز پایا جاتا ہے۔ اس میں تحریف اور حذف بھی ممکن نہیں۔ رافضیوں نے کہا قرآن کے ساتھ ایسی چیزیں شامل کر دی گئیں جو اس میں نہیں تھیں اور اس کا چوتھائی حصہ حذف کر دیا گیا۔ باقی ماندہ تیس پارے تبدیل اور تحریف شدہ رہ گئے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر یہ آیت صادق آتی ہے بل الذین کفروا فی تکذیب کہ مصحف میں جو کچھ ہے اس کی یہ تکذیب کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے واللہ من ورائھم محیط بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

سورۃ الطارق

آیاتھا ۱۷ سُوْرَۃُ الطَّارِقِ مَکِّیَّۃٌ ۸۶ رکوعھا ۱

سورۃ الطارق مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور سترہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابو طالب حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو روٹی اور دودھ پیش کیا۔ اسی اثناء میں کہ آپ بیٹھ کر اسے تناول کر رہے تھے کہ ایک ستارہ گرا۔ اس نے ہر چیز کو روشن کر دیا۔ ابو طالب گھبرا گئے۔ پوچھا یہ کیا چیز ہے؟ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا یہ ستارہ تھا جو ایک شیطان کو مارا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ ابو طالب یہ سن کر متعجب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔(1)

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝۲ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝۳ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝۴

"قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی [1] اور آپ کو کیا معلوم یہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ [2] ایک تارا نہایت تاباں [3] کوئی شخص ایسا نہیں جس پر کوئی محافظ نہ ہو [4]"

[1] طارق اصل میں مسافر کو کہتے ہیں۔ عرف عام میں رات کے وقت آنے والے مسافر کو طارق کہتے ہیں۔ پھر ہر وہ چیز جو رات کو ظاہر ہوا سے طارق کہا جانے لگا۔ اس کلام میں اجمال ہے جس کی وضاحت مابعد کلام کرتی ہے۔

[2] یہ کلام بھی مجمل ہے۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ استفہام اس کی عظمت کے اظہار کے لئے ہو کیونکہ اس ستارے کے بے شمار فائدے ہیں۔ شیاطین کو اس کے ساتھ بھگایا جاتا ہے۔ یہ آسمانوں کی زینت کا باعث ہے۔ بندوں کو اس کے ذریعے ڈرایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس کے کئی فوائد ہیں۔ ما الطارق والا جملہ ترکیب کلام میں ادرک کا مفعول ثانی ہے۔ پھر اس اجمال کی تفسیر مابعد کلام کرتا ہے۔

[3] النجم پر الف لام جنس کے لئے ہے اور اس سے تمام ستاروں کی جنس مراد ہے یا اس سے مراد شہابیوں کی جنس ہے جن کے ساتھ رجم کیا جاتا ہے یا الف لام عہد خارجی کے لئے ہے اور نجم سے مراد ثریا ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ عرب اسے نجم کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد زحل ستارہ ہے(2)۔ جنہوں نے نجم سے مراد زحل لیا ہے۔ انہوں نے اس نام کی یہ وجہ بیان کی کہ یہ بہت بلند ہے۔ وہ پرندہ جو بہت بلندی میں اڑ رہا ہو محسوس یوں ہو کہ وہ آسمان تک پہنچ چکا ہے تو عرب کہتے ہیں قد ثقب یعنی وہ بہت بلندی میں چلا گیا اور اس نے آسمان کو پھاڑ دیا۔ یہ تعبیر حکماء کے قول کے مطابق درست ہو سکتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ

1۔ تفسیر بغوی آغاز سورۃ طارق 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

جس ساتویں آسمان میں ہے جبکہ ظاہر یہ ہے کہ ثاقب کا معنی خوب روشن ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی تعبیر کی ہے۔ گویا وہ اپنی روشنی کے ساتھ تاریکیوں میں سوراخ کر دیتا ہے اور ان میں آر پار ہو جاتا ہے۔

ابن عامر، عاصم اور حمزہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے لما کی میم کو شد کے ساتھ پڑھا ہے جو ھذیل کی لغت کے مطابق الا کے معنی میں ہے۔ یہ استثنا مفرغ ہے۔ اس تعبیر کی صورت میں ان نافیہ ہوگا۔ معنی یہ ہوگا ہر نفس جس حالت میں بھی ہو ایک حافظ اس پر موجود ہے۔ باقی قراء نے میم کو شد کے بغیر پڑھا ہے۔ اس صورت میں ان تاکید یہ ہوگا جو مثقلہ سے مخففہ ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان ہے جو محذوف ہے اور لام مفتوح اس کی دلیل ہے اور ما زائدہ ہے۔ معنی یہ ہوگا یقیناً ہر نفس پر ایک حافظ ہے جو اس کے رب کی طرف سے معین ہے جو انسان کے عمل کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے اچھے برے عمل کو شمار کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد کاتبین ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد ایسا حافظ ہے جو انسان کو آفات سے محفوظ رکھتا ہے (1)۔ جب انسان پر تقدیر اور موت پہنچ جاتی ہے تو پھر موت ہو جاتی ہے۔ حافظ سے مراد جنس ہے۔ اس کا اطلاق واحد اور جمع سب پر ہوتا ہے۔ اس آیت اور آیت ویرسل علیکم حفظۃ میں کوئی تضاد نہیں یہاں حافظ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور حفظ (فرشتے) اسی کے حکم سے حفاظت کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس وجہ سے فرشتوں کے عمل کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ جملہ دونوں قراءتوں کی صورت میں جواب قسم ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ابو اسد ایک چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور کہتا اے قریش کی جماعت جس نے نبی کریم ﷺ کو اذیت دی اس کے لئے یہ انعام ہے اور کہتا محمد (ﷺ) یہ گمان رکھتے ہیں کہ جہنم کے داروغے انیس ہیں میں اکیلا دس کو کافی ہوں۔ باقی نو کو تم سنبھال لینا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝٥ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝٦ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَ
التَّرَآئِبِ ۝٧ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝٨ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝٩ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝١٠

"سو انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے[1]۔ اسے پیدا کیا گیا ہے اچھلتے پانی سے[2] جو (مرد و زن کی) پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے[3]۔ بے شک وہ اس کو پھر واپس لانے پر قادر ہے[4]۔ یاد کرو اس دن کو جب سب راز فاش کر دیئے جائیں گے[5]۔ پس نہ خود اس میں زور ہوگا اور نہ کوئی (دوسرا) مددگار ہوگا[6]"

[1] فاء سببیہ ہے کیونکہ حفظہ کا وجود ہی اعمال کو تارنے کا سبب ہے تاکہ یہ استدلال کیا جائے کہ دوبارہ اٹھایا جانا حق ہے۔ اس صورت میں انسان اپنے اوپر اس بات کو لازم کرے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ اسے جن اعمال کا حکم دیا گیا ان کو بجا لائے اور جن چیزوں سے اسے منع کیا گیا ان سے رک جائے۔ مم خلق میں من ابتدائیہ ہے اور ما استفہامیہ ہے۔ جار مجرور خلق کے متعلق ہے اور اس کا نائب فاعل ہے۔ یہ جملہ فلینظر کے مفعول ہونے کی حیثیت میں منصوب ہے۔ مم خلق سے جو سوال بنتا تھا اس کا جواب خود ہی مابعد کلام میں دیا۔

[2] ماء سے مراد مرد اور عورت کی منی کا آمیزہ ہے۔ دافق یہ ماء کی صفت ہے۔ دفق کی ماء کی طرف نسبت مجازی ہے یہ یہاں نسبت کی صرح ہے۔ جس طرح راضیۃ کی نسبت عیشۃ کی طرف ہے۔ عیشۃ راضیۃ یہاں اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

ہے، یعنی دافق مدفوق کے معنی میں ہے۔ دفق کا معنی ایک ہی دفعہ بہانا ہے۔

۳؎ یہ جملہ ماء کی دوسری صفت ہے۔ صلب سے مراد مرد کی پشت ہے۔ صراح میں صلب کا معنی سختی ہے۔ پشت کو سختی کی وجہ سے ہی صلب کہتے ہیں۔ ترائب سے مراد عورت کی سینے کی ہڈیاں ہیں۔ قاموس میں ترائب سے مراد سینے کی ہڈیاں ہیں یا اس سے مراد وہ ہڈیاں ہیں جو ہنسلی کی ہڈیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہیں یا دونوں پستانوں اور ہنسلی کی ہڈیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہیں یا سینے کی دائیں اور بائیں جانب کی چار پسلیاں مراد ہیں یا اس سے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں اور دونوں آنکھیں ہیں یا ہار لٹکانے کی جگہ کو ترائب کہتے ہیں۔ بیضاوی میں ہے نطفہ ہضم رابع سے پیدا ہوتا ہے یہ تمام اعضاء سے کشید ہوتا ہے تا کہ اس نطفہ میں صلاحیت پیدا ہو جائے کہ اس سے اس جیسے اعضاء پیدا ہو سکیں۔ اس کی قرارگاہ خصیتین کے نزدیک ایک دوسرے سے الجھی ہوئی رگیں ہیں۔ اس مادہ کی پیدائش میں سب سے زیادہ حصہ دماغ کا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اگر دماغ میں کمزوری ہو تو انسان کو سرعت انزال کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ دماغ کا ایک نائب بھی ہوتا ہے جو پشت میں ہوتا ہے۔ اس حرام مغز سے بہت زیادہ رگیں سینے کی طرف آتی ہیں۔ یہ دونوں چیزیں منی کے ذخیرہ ہونے والے برتن کے قریب ہیں۔ اس لئے انہیں خاص طور پر ذکر کیا۔

۴؎ ہ ضمیر خالق کی طرف لوٹ رہی ہے جو خلق من ماء سے سمجھا جا رہا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ موت کے بعد دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے کیونکہ جو ذات پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے تو جب اس ہستی نے دوبارہ اٹھانے پر خبر دی جس کی صداقت کا اظہار معجزہ سے ہوا اب اس کا انکار کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔

۵؎ اس جملے کا تعلق یا تو رجعہ کے ساتھ ہے یا ایسے مضمر فعل کے ساتھ ہے جس پر رجعہ دلالت کرتا ہے۔ وہ مضمر فعل یبعث ہے، یعنی انسان کو اس دن اٹھایا جائے گا۔ جب اعمال عقائد، نیات اور پوشیدہ راز سب ظاہر ہو جائیں گے اس دن سے مراد یوم قیامت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہر راز کو ظاہر فرما دے گا تو وہ راز چہروں پر زینت بن جائے گا۔

۶؎ وہ انسان جو دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتا تھا۔ اس کے پاس اپنے دفاع کے لئے نہ کوئی قوت ہوگی اور نہ ہی اس کا کوئی مددگار ہوگا جو اسے عذاب سے بچا سکے۔ اس جملہ میں فاء مقدر شرط کی وجہ سے ہے جو یہ ہے فاذا رجع۔ قوت اس چیز کو کہتے ہیں جو اس کی ذات میں ہو جس کے ساتھ وہ عذاب سے اپنے آپ کو بچا سکے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾
اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

"قسم ہے آسمان کی جس سے بارش برستی ہے ۱؎ اور زمین کی جو (بارش سے) پھٹ جاتی ہے ۲؎ بلاشبہ یہ قرآن قول فیصل ہے ۳؎ اور یہ ہنسی مذاق نہیں ہے ۴؎ یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں ۵؎ اور میں بھی تدبیر فرما رہا ہوں ۶؎ پس آپ کفار کو (تھوڑی سی) مہلت اور دے دیں کچھ وقت انہیں کچھ نہ کہیں ۷؎"

۱؎ یہ دوسری قسم ہے جس کا سابقہ قسم پر عطف ہے۔ رجع سے مراد بارش ہے اسے رجع اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ ہر سال پلٹ کر آتی ہے۔ آسمان کو اس صفت سے اس لئے متصف کیا ہے کیونکہ ستارے جس جگہ سے حرکت شروع کرتے ہیں ایک رات دن یا مہینہ یا سال کے بعد اسی جگہ واپس آ جاتے ہیں۔

ے قسم ہے زمین کی جو شق والی ہے۔ اس میں شگاف نباتات، چشموں اور اس جیسی چیزوں سے ہوتا ہے۔ اس کا جواب قسم ما بعد کلام ہے۔
ہ ضمیر سے مراد قرآن ہے جو حق اور باطل میں امتیاز کرنے والا ہے۔
یہ کوئی کھیل اور باطل چیز نہیں بلکہ سب کا سب با مقصد اور با معنی ہے۔ اس کا حق یہ ہے کہ اس کو پڑھنے اور سننے والا کھیل اور مزاح کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ اس کا دل خشوع و خضوع کا پیکر ہو۔

ھم ضمیر سے مراد اہل مکہ ہیں جو حضور علیہ السلام کے ساتھ خفیہ تدبیریں کرتے ہیں۔ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں وہ ان کے دلوں کے خلاف ہوتا ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو باطل کرنے اور نور حق کو بجھانے کا قصد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کید کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان سے استدراج کرتے ہیں جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ میں انہیں آخرت میں ان کے مکر کی جزا دوں گا۔ انهم یکیدون کیدا یہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے جو یہ ہے فما شان منکری البعث ہے۔ دوبارہ اٹھائے جانے کے انکار کرنے والوں کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔

آپ کفار سے انتقام لینے میں مشغول نہ ہوں یا ان کی ہلاکت کی بددعا کرنے میں جلدی نہ کریں۔ یہ حکم آیت قتال سے منسوخ ہے یہ نہ ان سے انتقام لینے کی نہی مقدر ہے۔ امهلهم والا حکم مهل کی تاکید ہے وزن میں تبدیلی کی صورت میں تاکید لانے کی حکمت تحسین میں زیادتی اور لفظ کو حسین بنانا ہے۔ رویدا ارواد کے معنی میں ہے، یعنی انہیں تھوڑی سی مہلت دیں۔ رویدا یہ ارواد کی تصغیر ہے حروف زائد حذف کرکے تصغیر بنائی۔ اسے تصغیر ترخیم کہتے ہیں۔ یہ رودات الریح سے مشتق ہے۔ یہ تب اس وقت بولتے ہیں جب اس میں معمولی حرکت ہو۔ یہ لفظ ہمیشہ مصغر ہی استعمال ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بدر کے دن پکڑ لیا۔(1)

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

سورۃ الاعلیٰ

اٰیاتہا ۱۹ سُوْرَۃُ الْاَعْلٰی مَکِّیَّۃٌ ۸۷ رکوعہا ۱

سورۃ الاعلیٰ مکی ہے اس میں ایک رکوع اور انیس آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی ۪ۙ﴿۲﴾ وَ الَّذِیۡ قَدَّرَ فَہَدٰی ۪ۙ﴿۳﴾

”(اے حبیب) آپ پاکی بیان کریں اپنے رب کے نام کی جو سب سے برتر ہے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا ہے پھر (ظاہری اور باطنی قوتیں دے کر) درست کیا۱؎ اور جس نے (ہر چیز کا) اندازہ مقرر کیا پھر اسے راہ دکھائی ۲؎“

۱؎ اپنے رب کے نام میں الحاد کرنے اور اس کے نام کو کسی غیر پر بولنے سے اس کی پاکی بیان کریں۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنے رب کے نام کی پاکی بیان کریں۔ اس کی صورت یہ ہو جب بھی تو اس کا ذکر کرے تو تو اس کی عظمت بیان کرنے والا ہو اور تو اس کا اپنی طرف سے کوئی نام نہ رکھ بلکہ ایسے نام سے اسے یاد کر جو اس نے اپنی کتاب میں اپنے لئے ذکر کیا یا حضور ﷺ کی زبان پر وہ جاری ہوا۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں اسم سے مراد وہ ذات ہے جس کا یہ نام رکھا گیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اسم بمعنی مسمی ہے مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلَّاۤ اَسۡمَآءً سَمَّیۡتُمُوۡہَاۤ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُکُمۡ۔ اس میں بھی اسماء سے مراد ذاتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں اسم کا لفظ زائد ہے۔ پھر معنی یہ ہوگا اپنے رب کی زبان سے پاکی بیان کرو اور ملحد جو اس کے بارے میں باتیں کرتے ہیں اس سے اس کی پاکی بیان کرو یہ زبانی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنے کا حکم ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ تو سبحان ربی الاعلی کہے۔ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت بھی اسی طرف گئی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے سبح اسم ربک الاعلیٰ آیت پڑھی۔ فرمایا سبحان ربی الاعلیٰ۔ ایک قوم نے کہا یہ حکم مطلق ہے جو قول، اعتقاد اور عمل سب کو شامل ہے۔ یہاں اسے قول کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ حدیث زبانی تسبیح کے لئے بطور دلیل مناسب نہیں بلکہ زبان کے ساتھ ایسی تسبیح کا تقاضا کرتی ہے جس میں زبان دل کی موافقت کرے۔ یہ بھی اس کا ایک معنی ہو سکتا ہے۔ یہ قول کہ دل کا زبان کے موافق ہونا ضروری نہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اپنے عظیم رب کے حکم کے مطابق نماز پڑھو۔ اس میں نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ نماز میں زبان سے تسبیح بیان کرنے کے حکم پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو ہم نے سورۃ حاقہ میں عقبہ بن عامر سے روایت کی تھی کہ اسے تم اپنے سجدہ میں رکھ لو اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ حضور ﷺ سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کہتے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ ہم نے رکوع و سجود کی تسبیحات کے مسئلہ کو وہاں ذکر کر دیا تھا۔ ہم دوبارہ اسے نہیں ذکر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت لفظ اعلیٰ سے ذکر کرنا اس بات کا اشارہ کرتی ہے کہ یہی تسبیح کا موجب ہے کیونکہ اس کی شان کو عقول سے ادراک سے بلند ہونا، اس کا قہار اور قدرت والا ہونا اس امر سے منع کرتا ہے کہ کوئی انسان اس کا کوئی نام معین کرے بلکہ یہ ضروری ہے کہ اس کا اس نام سے ذکر کیا جائے جس نام سے اس نے خود اپنے آپ کو یاد کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ایسے ناموں سے اس کی پاکی بیان کرنا ضروری ہے جو ملحد اس کے بارے میں ذکر کرتے ہیں۔

یہاں مفعول بہ کو حذف کر دیا تا کہ عموم پر دلالت کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جواہر (ا)، اعراض (ب) اور بندوں کے افعال میں سے ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر چیز کو متناسب اجزا کے ساتھ پیدا کیا۔ اس کے اعضا میں تفاوت نہیں رکھا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو درست پیدا کیا اس کو درست بنا دیا یا اس نے ہر ایک چیز کو اس منفعت اور مصلحت کے مطابق بنا دیا جس تک عقل انسانی نہیں پہنچ سکتی یا تمام مخلوقات کو اس طرح پیدا کیا جس طرح نظام کائنات کا تقاضا تھا۔ اس لئے یہ کہا جاتا ہے جس طرح یہ نظام موجود ہے اس سے بہتر نظام کی گنجائش موجود نہ تھی۔ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہو گا کہ وہ ممکن پر قادر ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مشدد پڑھا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دونوں قرأتوں کا معنی ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کی اجناس، ان کی انواع، اشخاص، مقداروں، صفات، افعال، رزق اور موتوں کو اسی طرح مقدر کیا جس طرح اس نے چاہا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر چیز تقدیر کے مطابق ہے یہاں تک کہ کند ذہنی اور دانش بھی تقدیر کے مطابق ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔

جس مقصد کے لئے اس نے پیدا کیا اس خیر یا شر کی طرف راہنمائی کی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ انسان کو اچھائی برائی، سعادت اور شقاوت کی طرف راہنمائی کی اور حیوانوں کی چراگاہوں کی طرف راہنمائی کی۔ مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا مذکر کو مونث سے جفتی کا طریقہ بتا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء میں منافع پیدا فرما دیئے اور انسان کو ان منافع کے نکالنے کے طریقے بتا دیئے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا رحم میں جنین کی مدت معین کر دی۔ پھر رحم سے باہر نکلنے کا طریقہ بتا دیا (2)۔ یا اس کا معنی یہ ہے جس کو ہدایت دینا چاہتا اسے ہدایت دے دی اور جس کے حق میں گمراہی کو مقدر کرنا چاہا گمراہی کو مقدر کر دیا۔ تقدیر کلام تو یہ تھی فھدی و اضل۔ لیکن اضل کو حذف کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے فرمان یضل من یشاء و یھدی من یشاء پر اکتفا کیا گیا۔

وَالَّذِيٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ۝ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝

"اور جس نے زمین سے چارا نکالا۔ پھر اسے بنا دیا کوڑا سیاہی مائل۔ ہم خود آپ کو پڑھائیں گے پس آپ (اسے) نہ بھولیں گے

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 336 (قدیمی) 2۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا۔

(ا) جو ہر جو بذات خود قائم ہو انسان حیوانات جمادات وغیرہ۔ (ب)۔ جو کسی کے واسطہ کے ساتھ قائم ہو جیسے مختلف رنگ وغیرہ

۳؎ بجز اس کے جو اللہ چاہے ۴؎ بے شک وہ جانتا ہے ظاہر کو اور جو چھپی ہوتی ہے ۵؎ ''

۱؎ مرعی سے مراد وہ نباتات ہیں جسے چوپائے چرتے ہیں۔

۲؎ پھر اس کی سرسبزی و شادابی کے بعد سیاہ خشک ٹوٹا ہوا بنا دیا۔ احوی غثاء کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ مرعی سے حال ہے، یعنی اس کھیتی کو سیاہ پیدا کیا کیونکہ وہ انتہائی سبز ہے اس لئے سیاہ کہہ دیا۔ جب جبرئیل امین حضور ﷺ کے پاس وحی لاتے ابھی وہ آیت سے فارغ نہ ہوتے تو حضور ﷺ آیت کا پہلا حصہ شروع کر دیتے۔ وجہ اس کی یہ ہوتی کہ کہیں اس میں سے کوئی چیز بھول ہی نہ جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(1)۔ تاہم اس کی سند میں جو یبر ہے جو بہت زیادہ ضعیف ہے۔ مجاہد اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی یہی کہا ہے۔

۳؎ اور کہا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کبھی نہ بھولے(2)۔ معنی یہ ہوگا جس طرح ہم نے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے آپ پر نازل کیا ہے ہم قرأت کے الہام کے ساتھ آپ کو اس کا قاری بنا دیں گے ایک قول یہ کیا گیا کہ اصل میں یہ لاتنس نہی کا صیغہ ہے۔ اس کے آخر میں الف فاصلہ کے لئے ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن کو یاد رکھنے کا اہتمام کرو، قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے قرآن حافظ سے اتنی تیزی سے نہیں نکلتا (بھول جاتا) ہے جتنا اونٹ بھی اپنے ڈھنگے سے نہیں بھاگتا، متفق علیہ(3)۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حافظ قرآن کی مثال اس اونٹ کے مالک کی طرح ہے جس نے اونٹ کو ڈھنگا باندھا ہوا ہو، اگر وہ اس کا دھیان رکھے تو اسے روکے رکھتا ہے اور اگر اسے چھوڑ دے تو اونٹ بھاگ جاتا ہے، متفق علیہ(4)۔ حضرت سعد بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے جو انسان بھی قرآن یاد کرے۔ پھر اسے بھول جائے تو وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے حضور کوڑھی کی حیثیت میں حاضر ہوگا(5)۔ اسے ابوداؤد اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

۴؎ شاء کا مفعول بہ ان ینساہ ہے جو محذوف ہے۔ یہ استثناء مفرغ ہے اور محل نصب میں ہے۔ جمہور کی تاویل کے مطابق اس آیت کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کی تلاوت اور اس کا حکم منسوخ کر دیا۔ جس طرح اس آیت کا ظاہر معنی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے مَانَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا کیونکہ بھلا دینا بھی ایک طرح کا نسخ ہے۔

آیت کی اگر یہ تاویل کی جائے تو آیت میں دو طرح کا معجزہ ہے کیونکہ انسان کی فطرت میں یہ ہے کہ وہ بھول جاتا ہے جبکہ حضور ﷺ سے بعد میں مطلقاً نسیان ثابت نہ ہوا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس طرح خبر دی مستقبل میں اسی طرح واقع ہوا وہ بھی معجزہ ہے۔ جو یہ تعبیر کی گئی تھی لاتنس نہی ہے تو اس صورت میں استثناء کا معنی یہ ہوگا کہ بشری طاقت کے مطابق قرآن کو یاد رکھنے کا اہتمام واجب ہے اگر انسان کے اس اہتمام کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ اسے بھلا دے تو پھر انسان معذور ہوگا۔

۵؎ ہ ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یعنی اللہ تعالیٰ قول اور فعل میں سے جو ظاہر ہے اسے بھی جانتا ہے اور اس میں سے جو مخفی ہے اسے بھی جانتا ہے۔ آپ جبرئیل امین سے بلند آواز سے قرأت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتا ہے اور اس کے سبب یعنی بھول

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً 3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 268 (قدیمی)

4۔ ایضاً، صفحہ 267 5۔ سنن دارمی، جلد 2، صفحہ 315 (المحاسن)

جانے کے خوف کو بھی جانتا ہے۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝۸ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝۹ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝۱۰ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝۱۱ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝۱۲ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝۱۳ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝۱۴ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝۱۵

"اور ہم سہل بنا دیں گے آپ کے لئے اس آسان (شریعت) پر عمل لے پس آپ نصیحت کرتے رہئے اگر نصیحت فائدہ مند ہو لے سمجھ جائے گا جس کے دل میں (خدا کا) خوف ہوگا لے اور دور رہے گا اس سے بدبخت لے جو (بالآخر) بڑی آگ میں داخل ہوگا لے پھر نہ وہ وہاں مرے گا اور نہ جئے گا لے بے شک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔"

لے ہم تمہیں توفیق دیں گے اور تم پر جنت کے عمل کو آسان کر دیں گے انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن نازل فرمایا ہے۔ اسی کے مطابق اسے پڑھنے، اسے یاد رکھنے اور اس کے مضمون کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اس کلام میں قلب کا قاعدہ جاری ہو رہا ہو۔ تقدیر کلام یوں ہے نیسر الیسری لک۔ اس میں مبالغہ ہے کیونکہ آسانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلوب تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یسری کا مطلوب بنا دیا۔

میں کہتا ہوں یہی تو خالص شان محبوبی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا الیسری بھلائی کا عمل ہے۔ ایک قول یہ بھی کیا گیا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم آپ کو حنیف شریعت کی توفیق دیں گے (۱)۔ اس جملہ کا عطف سنقرئک پر ہے اور انه یعلم الجھر وما یخفی جملہ معترضہ ہے جو مدح کا فائدہ دے رہا ہے۔ اس میں فاء کا ذکر سببیت کے لئے ہے، یعنی جب ہم نے آپ کو قرآن اور آسان شریعت کی توفیق دی تو اس لئے اس کے مطابق نصیحت کیجئے۔

لے یہ شرط ہے جو جزاء سے مستغنی ہے کیونکہ پہلے ایسی کلام موجود ہے جو اس جزاء پر دلالت کرتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بار بار نصیحت کی اور بعض لوگوں سے مایوسی ثابت ہوگئی تو اس وقت یہ حکم نازل ہوا تاکہ آپ انہیں نصیحت کرتے ہوئے خواہ مخواہ اپنے آپ کو نہ تھکاتے رہیں اور ان کی حرص نہ کرتے رہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ۔ یہ قول بھی کیا گیا کہ ظاہر میں تو یہ شرط ہے۔ تاہم مطلب یہ ہے کہ ان میں نصیحت کوئی نفع نہیں دے گی۔ ساتھ ہی ان لوگوں کی مذمت بھی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ دوسروں کو نصیحت اور نیکی کا حکم اسی وقت واجب ہے جب نفع کا گمان ہو۔ اسی وجہ سے جو مطلق منہ پھیرتے ہیں ان سے اعراض کرنے کا حکم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا جملہ کا ایک حصہ محذوف ہے۔ اس سے مراد یہ ہے آپ نصیحت کریں، خواہ نصیحت نفع دے یا نفع نہ دے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے سرابیل تقیکم الحر۔ حالانکہ مراد صرف گرمی نہیں بلکہ گرمی اور سردی دونوں ہیں۔ پھر اس کے بعد ان کا ذکر کیا جنہیں ذکر فائدہ دیتا ہے۔

لے اس سے وہی نصیحت حاصل کرتا ہے اور نفع اٹھاتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے کیونکہ وہی قرآن میں غور و فکر کرتا ہے اور اس کے حکم پر عمل کرتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے۔

۱۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

ہے اس ذکر سے کافر اعراض کرتا ہے کیونکہ وہ فاسق سے زیادہ شقی ہے یا اس سے مراد وہ آدمی ہے جو کافروں میں سے زیادہ شقی ہے کیونکہ وہ کفر میں غلو کرتا ہے۔ اس صورت میں الف لام عہدی ہے۔ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہوگا یا عتبہ بن ربیعہ ہے۔

۵ جو جہنم کی آگ میں داخل ہوگا یا اس کے سب سے نچلے گڑھے میں داخل ہوگا۔

۶ پھر وہ جہنم میں مرے گا نہیں کہ عذاب سے راحت پائے اور نہ ہی اچھی زندگی پائے گا۔ ثم کے ساتھ صلی پر عطف کیا کیونکہ عذاب میں ہمیشہ کے لئے رہنا۔ یہ عذاب میں داخل ہونے سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ یہ شدت کے مراتب اور وجود میں ان سے موخر ہے۔

۷ جس نے اپنے باطن کو شرک اور ظاہر کو نجاست سے پاک کیا تا کہ نماز پڑھ سکے اور اپنے مال کو زکوٰۃ ادا کرنے کے ساتھ میل سے پاک کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ دل کو اور چیزوں میں مشغول ہونے سے پاک کیا۔ نفس کو رذائل سے اور اعضاء کو معاصی سے پاک کیا یہ زکوٰۃ سے مشتق ہے۔ جس طرح تصدق صدقہ سے مشتق ہے۔ قد افلح والا جملہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ مقدر سوال کا جواب ہے جو سوال یہ ہے کہ اس جہنم سے کس نے نجات پائی۔

۸ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ قد افلح من تزکی کا معنی یہ ہے کہ جس نے لا الہ الا اللہ کی گواہی دی، شرک کا قلادہ گلے سے اتار پھینکا اور یہ گواہی دی کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اپنے رب کا ذکر کیا اور نماز پڑھی۔ اس سے مراد پانچ نمازیں ہیں، ان کی محافظت اور ان کا اہتمام ہے۔ (1)

احناف رحمۃ اللہ علیہم نے کہا اس سے مراد تکبیر تحریمہ کہنا اور نماز پڑھنا ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا پہلی تکبیر نماز کا رکن نہیں بلکہ یہ شرط ہے کیونکہ یہاں فاء عاطفہ ہے جو مغائرت اور تعقیب پر دلالت کرتی ہے، یعنی معطوف اور معطوف علیہ مختلف چیزیں ہوتے ہیں اور معطوف کا بعد میں ہونا ضروری ہوتا ہے۔

اعتراض

اس امر پر علماء کا اجماع ہے کہ عام کا خاص پر عطف جائز ہے جبکہ عام خاص پر مشتمل ہوتا ہے اسی طرح کل کا جزء پر عطف بھی جائز ہوگا۔ ہم اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں عام کا خاص پر عطف ایک بلاغی نکتہ کی وجہ سے ہوتا ہے جبکہ کل کا جب جزء پر عطف کیا جائے تو یہ چیز ثابت نہیں ہوتی جبکہ لغت عرب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا فرضوں پر نفلوں کی بناء درست ہے۔ اسی طرح نفلوں پر نفلوں کی بناء بھی درست ہے۔ ابومیسر رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ نفل نماز پر فرض کی بناء بھی درست ہے جبکہ جمہور احناف رحمۃ اللہ علیہم نے اس سے منع کیا ہے۔ اسی طرح ایک فرض کے بعد دوسرے فرض کی بنا سے بھی منع کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کا شرط ہونا اس امر کا تقاضا نہیں کرتا کہ اقتداء درست ہے کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ نیت شرط ہے لیکن ایک نیت کے ساتھ دو نمازیں صحیح نہیں۔ وضو شرط ہے ابتدائی دور میں ہر نماز کے لئے نیا وضو واجب تھا مگر نفلوں کی فرضوں پر تبع کے طور پر بناء درست ہے جس طرح ایک آدمی نے بھول کر ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھ دیں۔ وہ آخری قعدہ بیٹھا تو وہ ساتھ ہی چھٹی رکعت ملائے اور سجدہ سہو کرے۔ یہ دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء فرماتے ہیں تکبیر تحریمہ رکن ہے کیونکہ اس کے لئے بھی وہ تمام چیزیں شرط ہیں جو دوسرے ارکان کے لئے شرط ہیں۔ یہی اس کے رکن ہونے کی نشانی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں یہ ارشاد فرماتے

1۔ الدر المنثور، زیر آیت ہذا

ہے۔ تکبیر تحریمہ ان شرطوں کی رعایت اس قیام کی وجہ سے ہے جو اس تکبیر تحریمہ کے ساتھ متصل ہے؟ یا تکبیر تحریمہ کی وجہ سے شرط نہیں۔ پہلا قول بعض علماء کا قول ہے۔ اگر کسی نے تکبیر تحریمہ کہی اور اس کے اول جزء میں اس کے جسم پر نجاست لگی ہوئی تھی یا شرمگاہ ننگی تھی یا ابھی سورج نہیں ڈھلا تھا یا قبلہ کی طرف رخ نہ تھا اس نے عمل یسیر کے ساتھ اس نجاست کو زائل کر دیا، پردہ ڈال دیا، سورج ڈھل گیا اور وہ قبلہ رو ہو گیا جبکہ ان حالات میں تکبیر تحریمہ کا آخری جزء ادا کیا تو اس کے لئے نماز کا شروع کرنا جائز ہوگا۔

کافی میں اس نے ذکر کیا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب کے نزدیک یہ تکبیر تحریمہ رکن ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس قول کی صورت میں یہ مذکورہ جزئیات درست نہ ہوں گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ میں کہتا ہوں ذکر اسم ربہ سے مراد اذان اور اقامت ہے، یعنی اس نے اذان اور اقامت کہی پھر اس نے نماز پڑھی۔ اس صورت میں تکبیر تحریمہ کو رکن ماننے پر کوئی دلیل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا تزکی کا معنی صدقہ فطر ادا کرنا ہے اور ذکر اسم ربہ سے مراد عید کے روز تکبیرات ہے اور فصلی سے مراد عید کی نماز ادا کرنا ہے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جس نے صدقہ فطر ادا کیا پھر نماز پڑھی۔ پھر بطور دلیل اس آیت کریمہ کی تلاوت کی۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے کہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول مبارک یہ تھا جب عید کا روز ہوتا تو آپ فرماتے اے نافع کیا تم نے صدقہ فطر ادا کر دیا ہے؟ اگر وہ ہاں میں جواب دیتا کہ میں نے صدقہ فطر ادا کر دیا ہے تو آپ عید گاہ کی طرف تشریف لے جاتے اور اگر وہ کہتا میں نے صدقہ فطر ادا نہیں کیا تو آپ فرماتے ابھی اسے نکالو کیونکہ یہ آیت کریمہ اسی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی الآیۃ کی تلاوت کرتے۔ ابو العالیہ، ابن سیرین رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض نے کہا میں اس کی وجہ نہیں جانتا کیونکہ یہ سورت مکی ہے۔ مکہ مکرمہ میں نہ عید تھی، نہ زکوٰۃ تھی اور نہ ہی صدقہ فطر (1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ بھی جائز ہے کہ آیت کا نزول حکم سے پہلے ہو گیا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور اس کا اثر فتح مکہ کے روز ظاہر ہوا اسی طرح مکہ مکرمہ میں یہ آیت نازل ہوئی سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ وہ کونسا لشکر ہے جسے شکست دی گئی۔ جب غزوہ بدر کا دن تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہنے ہوئے تیزی سے چل رہے تھے اور کہہ رہے تھے سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔

میں کہتا ہوں سیھزم الجمع زمانہ مستقبل کے لئے آتا ہے۔ اس لئے حکم سے پہلے اس کے نزول میں تو کوئی منافات نہیں مگر یہاں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وذکر اسم ربہ فصلی۔ یہ ایسا جملہ ہے جس میں کسی شے کے موجود ہونے سے پہلے اس کی حکایت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں صلوۃ سے مراد دعا ہے کیونکہ دعا کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی ابتداء اور انتہا میں اللہ تعالیٰ کی ثناء کی جائے۔ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسی اثناء میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی آیا اس نے نماز پڑھی اور کہا اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نمازی تو نے جلدی کی جب تو نماز پڑھ چکے تو بیٹھ جا اللہ تعالیٰ جس حمد کا مستحق ہے وہ اس کی حمد کر پھر مجھ پر درود پڑھ تو پھر دعا کر۔ پھر ایک اور آدمی نے نماز پڑھی اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نمازی اب دعا کر، اللہ تعالیٰ تیری دعا قبول فرمائے گا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ

1۔ [illegible]

اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی کی مثل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا میں نے نماز پڑھی جبکہ حضور ﷺ کے پاس حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ جب میں بیٹھ گیا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی ثناء کی پھر حضور ﷺ پر درود پڑھا پھر میں نے اپنے لئے دعا کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تو سوال کر تجھے عطا کیا جائے گا تو سوال کر تجھے عطا کیا جائے گا اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔ شیخ اجل یعقوب چرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اس آیت میں سلوک کی منازل کی طرف اشارہ ہے۔ پہلی منزل توبہ وتزکیہ ہے۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ کا فرمان قد افلح من تزکی اشارہ کرتا ہے۔ دوسری منزل زبان، دل، روح اور سر سے دائمی ذکر کرنا ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان وذکر اسم ربہ دلالت کرتا ہے۔ تیسری منزل مشاہدہ کی ہے۔ جس پر فصلی دلالت کرتا ہے کیونکہ نماز مومنوں کی معراج ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اسے امام احمد، امام نسائی، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں ذکر کا تزکی پر واؤ سے عطف اور نماز کا اس پر فاء کے ساتھ عطف اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے طریقہ کے اذکار کی ترتیب میں بیان کیا ہے۔ آپ نے مبتدی کے لئے اسم ذات کا ذکر معین کیا، تزکیہ نفس میں نفی اور اثبات کو معین کیا اور فرمایا کہ نماز نفس کے تزکیہ کے بعد ہی مکمل فائدہ دیتی ہے اور فرمایا تجلیات ذاتیہ اور ان میں ترقی نماز سے ہی ممکن ہے، واللہ اعلم۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿١٧﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٨﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿١٩﴾

”البتہ تم لوگ دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو[1] حالانکہ آخرت کہیں بہتر ہے اس سے اور باقی رہنے والی ہے[2]۔ یقیناً یہ (سب کچھ) اگلے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے[3] (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفوں میں[4]۔“

1۔ ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے تؤثرون کو یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس صورت میں ضمیر اشقیاء کی طرف لوٹے گی جبکہ باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ انہیں التفات کے طریقہ پر خطاب ہے یا اس سے پہلے قل کا لفظ محذوف ہے، یعنی وہ بدبخت اپنا تزکیہ نہیں کرتے اور تم اشقیاء بھی اپنا تزکیہ نہیں کرتے اور اپنے رب کا ذکر نہیں کرتے اور نہ تم نماز پڑھتے ہو بلکہ تم دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

2۔ آخرت کی نعمتیں ہی حقیقت میں نعمتیں ہیں جو ہر خرابی سے پاک ہیں اور سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار، وصال اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور وہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ دنیاوی نعمتوں کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ جملہ تؤثرون کے فاعل سے حال ہے۔

3۔ ھذا کا مشار الیہ قد افلح سے لے کر آخر تک کی آیات ہیں۔ صحف اولی سے مراد سابقہ سماوی کتابیں ہیں جو انبیاء پر نازل ہوئیں کیونکہ قرآن تمام دینی امور کو جامع ہے اور تمام کتابوں کا خلاصہ ہے۔

4۔ یہ الصحف سے بدل بعض ہے جس طرح عام کے بعد خاص کا ذکر کیا جاتا ہے۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے آیات کے اواخر میں امالہ کیا ہے جبکہ ورش نے بین بین پڑھا ہے۔ ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے ذکری اور یسری میں امالہ کیا ہے جبکہ باقی میں بین بین

1۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 13، صفحہ 20 (العلمیۃ) 2۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 63

پڑھاتے جبکہ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی ان ھذا لفی الصحف الاولی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ سب کچھ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں تھا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ھذا سے اشارہ سورت میں بیان کردہ تمام احکام کے متعلق ہے۔ بعض احناف نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز میں فارسی زبان میں قرأت کرنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ جتنا آسان ہو قرآن سے اتنا ہی پڑھو پھر فرمایا یہ سب کچھ صحف اولیٰ میں موجود تھا اور فرمایا اِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ جبکہ پہلے صحیفوں میں یہ نظم کلام موجود نہ تھا بلکہ اس کا معنی تھا۔ میں کہتا ہوں یہ استدلال کوئی چیز نہیں کیونکہ قرآن نظم و معنی کے مجموعہ کا نام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ تو اس سے مراد سورت کی نظم ہے کیونکہ یہی معجز ہے۔ اسی وجہ سے محدث اور جنبی کے لئے ترجمہ قرآن کو چھونا، جنبی اور حائض کے لئے فارسی میں ترجمہ پڑھنا جائز ہے۔ اس آیت میں معنی کی طرف اشارہ کرنا اور اسی طرح ضمیر کو قرآن کی طرف لوٹانا مجاز کے طور پر ہے۔ اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ قرآن صرف معنی کو کہتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ اس سورت سے محبت کرتے تھے۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں میں سبح اسم ربک الاعلیٰ، قل یا ایھا الکافرون اور آخری رکعت میں سورۃ اخلاص، سورۃ فلق اور سورۃ الناس کی قرأت کرتے(2)۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ابوداؤد اور ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جو ابوداؤد، نسائی، امام احمد اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے، جب آپ ﷺ تین وتر ادا کرتے تو پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ دوسری رکعت میں سورۃ کافرون اور تیسری رکعت میں سورۃ اخلاص کی تلاوت کرتے(3)۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ عیدین اور جمعہ کی نماز میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ھل اتک حدیث الغاشیہ کی تلاوت کرتے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(4)۔ ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نماز میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ھل اتک حدیث الغاشیۃ کی قرأت کرتے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

فائدہ۔ اس سورت کا عروج میں بہت بڑا اثر ہے جس طرح سورۃ الم نشرح کا نزول میں بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ الدر المنثور، زیر آیت ہذا
2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 61 (وزارت تعلیم)
3۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 61
4۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 288 (قدیمی)

سورۃ الغاشیہ

آیاتھا ۲۶ ﴿ سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ ٨٨ ﴾ رکوعھا ۱

سورۃ الغاشیہ کی ہے، اس میں ایک رکوع اور چھبیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝۱ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝۲ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝۳ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝۴ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝۵

''کیا پہنچی ہے آپ کو چھا جانے والی آفت کی خبر ۱ کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل وخوار ہوں گے ۲ مشقت میں مبتلا تھکے ماندے ۳ داخل ہوں گے دہکتی ہوئی آگ میں ۴ انہیں پلایا جائے گا کھولتے ہوئے چشمہ سے ۵''

۱۔ یہاں استفہام تقریر کے معنی میں ہے، یعنی یقیناً آپ کو غاشیہ کی خبر پہنچی غاشیہ سے مراد وہ ساعت ہے جو اپنی سختیوں اور ہولناکیوں کے ساتھ ہر چیز پر غالب آجاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا غاشیہ سے مراد آگ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ لیکن اس کے بعد کفار اور مومنین کا ذکر وجوہ یومئذ کے ساتھ آیا ہے، جو پہلی تاویل کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔

۲۔ وجوہ کی تنوین کثرت بیان کرنے کے لئے ہے یا یہ مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی وجوہ کثیرۃ یا وجوہ الکفار اسے مبتدا بنانا صحیح ہے کیونکہ یہ نکرہ مخصوصہ ہے یا یہ معرفہ کی قوت میں ہے۔ اس سے مراد چہرے والے ہیں اس صورت میں مضاف کو حذف کر دیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا اور مضاف الیہ کو مضاف کا اعراب دیا گیا اور اس کی ایسی خبر ذکر کی جو مضاف کی خبر آتی ہے۔ یومئذ غاشیہ کے متعلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی یَوْمَ اِذَا كَانَتِ الْغَاشِيَةُ وُجُوْهٌ۔ اس روز چہرے حزن اور ذلت کی وجہ سے اترے ہوئے ہوں گے۔

۳۔ نصب کا معنی تھکنا ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا انہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لئے کام نہیں کیا اب اللہ تعالیٰ جہنم میں ان سے کام لے گا اور انہیں زنجیریں اور بیڑیاں ڈال کر مشقت میں ڈالے گا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی معنی کیا ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ جہنم میں یوں دھنس جائے گا جس طرح اونٹ کیچڑ میں دھنس جاتا ہے۔

کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا انہیں جہنم میں منہ کے بل چلایا جائے گا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ جہنم میں لوہے کے ایک پہاڑ پر چڑھے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں کام کئے اور اپنے آپ کو تھکاتے رہے مگر وہ دین حق پر نہ تھے جیسے بتوں کے پجاری اور اہل کتاب میں سے کافر جیسے راہب وغیرہ اللہ تعالیٰ ان کی گمراہی کے بارے میں ان کے اجتہاد کو قبول نہیں کرے گا بلکہ وہ قیامت کے روز جہنم میں داخل ہوں گے۔ سعید بن جبیر اور زید بن اسلم رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ

نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی معنی نقل کیا ہے۔ عکرمہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ دنیا میں برائی میں مشقت اٹھاتی رہی ہے اور آخرت میں آگ میں تھکیں گے۔(1)

ابو عمرو اور ابو بکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے تاء کے ضمہ کے ساتھ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے تاء کے فتحہ کے ساتھ معروف کا صیغہ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حامیہ کا معنی یہ کیا ہے کہ وہ آگ گرم ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں پر جوش دلائی ہوئی۔(2)

ابن ابی حاتم نے سدی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ انیة کا معنی یہ ہے اس کی گرمی جس حد پر پہنچی ہوئی ہے اس سے بڑھ کر تصور نہیں کیا جا سکتا(3)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب کسی چیز کی گرمی اس حد تک پہنچ جاتی کہ اس سے بڑھ کر کسی گرمی کا تصور نہ کیا جا سکتا ہو تو عرب یہ جملہ بولتے ہیں قد انی حرّہ۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے انیة فرمایا ہے۔ ایک قول یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ ابتداء آفرینش سے اس چشمہ پر آگ جلائی گئی ہے جس وجہ سے اس کی گرمی انتہا تک پہنچ گئی ہے۔ مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ جہنمی جہنم میں پیاسے پہنچیں گے تو وہ اس چشمہ سے پانی پئیں گے۔ اگر اس چشمہ سے ایک قطرہ بھی دنیا کے پہاڑوں پر گرے تو وہ پگھل جائیں۔

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۙ لَّا يُسْمِنُ وَ لَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۗ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاعِمَةٌ ۙ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۙ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۗ

"نہیں کوئی کھانا نہ ملے گا بجز خاردار جھاڑ کے۔ یہ جو نہ فربہ کرے گا اور نہ بھوک دور کرے گا۔ کتنے ہی چہرے اس دن بارونق ہوں گے۔ اپنی کاوشوں پر خوش ہوں گے۔ عالیشان جنت میں نہ سنیں گے وہاں کوئی لغو بات۔"

عبد اللہ بن احمد نے نہشل کی سند سے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ضریع کانٹے کے مشابہ جہنم میں ایک چیز ہوگی جو مصبر سے کڑوی، مردار سے بدبودار اور آگ سے زیادہ گرم ہوگی(4)۔ جب کوئی اسے کھائے گا تو وہ پیٹ میں داخل نہیں ہوگی اور نہ ہی منہ کی طرف واپس آئے گی۔ اسی اثناء میں جہنم کا پانی پیئے گا۔ یہ جسم کو موٹا کرے گی اور نہ بھوک مٹائے گی۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ضریع سے مراد زقوم ہے(5)۔ امام ترمذی اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنمیوں پر ایسی بھوک مسلط کی جائے گی جو اس عذاب کے برابر ہوگی جس میں وہ مبتلا ہوں گے(6)۔ اس کا ذکر پہلے ہی ہو چکا ہے۔ مجاہد، عکرمہ اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ضریع ایک کانٹے دار بوٹی ہے۔ قریش اسے شبرق کہتے ہیں جب اس کی لکڑی خشک ہو جاتی تو اسے ضریع کہتے ہیں۔ یہ سب سے خبیث کھانا ہے(7)۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب یہ خشک ہو جاتی تو کوئی جانور اس کے قریب نہیں جاتا۔ ابن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا
2۔ ایضاً
3۔ الدر المنثور، زیر آیت ہذا
4۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا
5۔ الدر المنثور، زیر آیت ہذا
6۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 10، صفحہ 39 (العلمیہ)
7۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

میں خشک کانٹے کو ضریع کہتے ہیں جس کے پتے نہیں ہوتے آخرت میں آگ کے کانٹے کو ضریع کہیں گے(1)۔ مفسرین نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا ہمارے اونٹ کو ضریع کھا کر موٹے ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی ایسی ہی ہوگی کیونکہ جب تک یہ تر ہو تو اونٹ اسے کھاتے ہیں۔ خصوصاً جب تک وہ شبرق رہے۔ جب وہ خشک ہو جائے تو پھر اسے کوئی چیز نہیں کھاتی تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیت کو نازل فرمایا۔

۲۔ یہ ضریع کی صفت ہے۔ کھانے کے یہی دو مقصد ہوتے ہیں کہ جسم کو تقویت پہنچائے اور بھوک مٹائے۔ یہاں اس سے یہی مراد ہے کہ ان کے لئے ضریع اور اس جیسی چیز کے سوا کوئی کھانا نہیں ہوگا۔ یہ نہ موٹا کرے گا اور نہ ہی ان کی بھوک مٹائے گا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ یعنی حضور علیہ السلام نہ کاہن ہیں نہ شاعر اور نہ ہی کسی ایسے وصف کے حامل جو رسالت کے منافی ہو۔ یہاں اس سے مراد بعض کافر ہیں جن کی ضریع غذا ہوگی۔ ضریع اور زقوم دونوں غذائیں دوسرے کفار کے لئے ہوں گی۔

۳۔ وجوہ کی یا تو کثیرۃ صفت محذوف ہے یا اس کا مضاف الیہ مومنین محذوف ہے وجوہ مبتدا ہے اور مابعد اس کی خبر ہے یعنی اس روز بے شمار چہرے ایسے بھی ہوں گے جو خوش و خرم اور بارونق ہوں گے۔

۴۔ جب آخرت میں اپنے اعمال کا بدلہ دیکھیں گے تو دنیا کی اپنی سعی پر راضی ہوں گے۔ لسعیها یہ راضیۃ کے ساتھ متعلق ہے۔

۵۔ جنت کی عالیۃ صفت اس وجہ سے ہے کہ جنت بلند جگہ پر واقع ہے اور اس کی شان بھی بڑی بلند ہے۔

۶۔ ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے واحد مذکر مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اور لاغیۃ کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ اس صورت میں یہ نائب فاعل ہوگا اور یہ مونث غیر حقیقی ہے۔ نافع رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لاغیۃ کو مرفوع ہی پڑھا ہے مگر صیغہ واحد مونث کا پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے تاء کے ساتھ واحد مونث غائب معروف کا صیغہ پڑھا ہے اور ضمیر وجوہ کی طرف لوٹے گی یا واحد مذکر مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے اور خطاب حضور علیہ السلام کو ہے یا مخاطب معین نہیں اور لاغیۃ مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ آپ لغو یا باطل (ا) نہ سنیں گے یا لغو کلمہ (ب) نہ سنیں گے یا ایسے شخص (ج) کو نہیں سنیں گے جو لغویات کرر ہا ہو کیونکہ جنتیوں کا کلام سراپا ذکر اور حکمت ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے بارے میں کہا لا تسمع جنۃ کی دوسری صفت ہے۔

فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿۱۲﴾ فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ ﴿۱۳﴾ وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ﴿۱۴﴾ وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ﴿۱۵﴾ وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ ﴿۱۶﴾

" اس میں چشمہ جاری ہوگا ۱۔ اس میں اونچے اونچے تخت (بچھے) ہوں گے ۲۔ اور ساغر (قرینے سے) رکھے ہوں گے ۳۔ اور گاؤ تکیے قطار در قطار لگے ہوں گے ۴۔ اور قیمتی قالین بچھے ہوں گے ۵۔"

۱۔ اس کا بہنا ختم نہ ہوگا اس کو نکرہ تعظیم کے لئے ذکر کیا۔ ابن حبان، حاکم، بیہقی اور طبرانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا جنت کی نہریں مسک کے پہاڑ سے نکلتی ہیں۔

۱۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

(ا) اس صورت میں لاغیۃ مصدر ہے۔ (ب) اس صورت میں یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور کلمہ کی صفت ہے۔

(ج) اس صورت میں بھی لاغیۃ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور نفس کی صفت ہے۔ مترجم۔

جنت میں اونچی چارپائیاں ہیں یا اعلیٰ قسم کی چارپائیاں ہیں۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن طلحہ رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے امام احمد، امام ترمذی اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرش مرفوعة کی تفسیر میں کہا کہ دونوں فراشوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا زمین اور آسمان کے درمیان مسافت ہے اور وہ پانچ سو سال کی مسافت ہے(1)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بعض علماء نے کہا کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ درجات میں یہ اسی طرح مختلف ہوں گے جس طرح زمین اور آسمان کے درمیان فرق ہے۔ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وفرش مرفوعة کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر اوپر والا بستر نیچے والے بستر پر گرے تو اس تک پہنچنے میں چالیس سال لگیں۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں سے مرفوع روایت نقل کی ہے اگر اوپر والا بستر نیچے پھینکا جائے تو نیچے پہنچتے پہنچتے سو سال لگ جائیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان پلنگوں کے تختے سونے کے ہوں گے جن کے اطراف زبرجد، موتیوں اور یاقوت سے آراستہ ہوں گے۔ جب تک جنتی نہیں آئے گا وہ بلند رہیں گے۔ جب جنتی ان پر بیٹھنے کا ارادہ کرے گا تو وہ پلنگ پست ہو جائیں گے۔ جب جنتی ان پر بیٹھ جائے گا تو وہ اپنی جگہ کی طرف بلند ہو جائیں گے۔

اکواب: یہ کوب کی جمع ہے۔ قتادہ نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ کوب ایسے پیالے کو کہتے ہیں جس کی ٹونٹی نہ ہو اور نہ ہی پکڑنے کے دستے ہوں۔ نہر کے کنارے پر پڑے ہوں گے جو پینے کے لئے تیار رکھے ہوں گے۔

نمارق: یہ نمرقہ کی جمع ہے۔ تکیے ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ رکھے ہوں گے۔ جہاں بھی وہ بیٹھنے کا ارادہ کرے گا جنتی بیٹھ جائے گا اور ٹیک لگا سکے گا۔

زرابی: وہ قالین جو مجلس میں بچھے ہوں گے۔ یہ زربیۃ کی جمع ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت میں نعمتوں کا ذکر کیا تو گمراہ لوگ اس سے متعجب ہوئے اور اسے جھٹلایا۔(2)

أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝

"کیا یہ لوگ (غور سے) اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے (عجیب طرح) پیدا کیا گیا ہے۔ اور آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کی طرف کہ انہیں کیسے نصب کیا گیا ہے۔ اور زمین کی طرف کہ اسے کیسے بچھایا گیا ہے۔"

صاحب مدارک نے نقل کیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے یہ نازل کیا فیھا سرر مرفوعة اور حضور ﷺ نے اس کی تفسیر یہ بیان کی کہ یہ اتنے اونچے ہوں گے اور رکھے گئے پیالے مخلوق کے حساب میں نہیں آئیں گے، تکیے اتنے لمبے ہوں گے اور قالینوں کی چوڑائی اتنی ہو گی تو کفار نے ان کا انکار کیا اور کہا جنتی ان پلنگوں پر کیسے چڑھے گا، اتنے زیادہ جام کیسے ہو سکتے ہیں، تکیوں کی یہ لمبائی کیسے متصور ہو سکتی ہے، اتنے وسیع و عریض قالین کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ دنیا میں ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ دعوت دی کہ غور کرو ان چیزوں میں

1۔ سنن ترمذی، جلد 2، صفحہ 77 (وزارت تعلیم)
2۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

نہیں دیکھتے۔ اس میں استفہام توبیخ کے لئے ہے۔ فاء عاطفہ ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اَتَعْجَبُوْنَ وَيَغْفُلُوْنَ فَلَا يَنظُرُوْنَ۔ یعنی وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کتنا طویل پیدا کیا گیا۔ جب اس پر سواری کا ارادہ کیا جائے تو یہ بیٹھ جاتا ہے۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ پلنگ ہوں گے۔ وہ مومنوں کے لئے اسی طرح مسخر ہوں گے جیسے اونٹ انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔

۲۔ کیا وہ آسمان کو نہیں دیکھتے اسے کتنا بلند بنایا گیا اور اس کے ستاروں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کتنے زیادہ ہیں، مخلوق کے حساب و کتاب میں نہیں آسکتے۔ اسی طرح جنت کے پیالوں کی تعداد ہوگی۔

۳۔ پہاڑ کتنے مضبوط ہیں جو اتنے طویل ہونے کے باوجود وہ ایک طرف جھکتے نہیں۔ اسی طرح ان گھروں کی حالت ہوگی۔

۴۔ جس طرح زمین پھیلا دی گئی ہے۔ اسی طرح قالین بچھے ہوں گے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مرکب اور بسیط مخلوق کو نہیں دیکھتے جو خالق کی کمال قدرت پر دال ہیں تو اس کے ذریعے دوبارہ اٹھانے کی قدرت پر وہ استدلال کر سکیں اور اس مخبر صادق کی باتوں کو سنیں جس کی صداقت پر معجزات کی گواہی ہے اور اس پر ایمان لائیں اور اپنے مقصود و مدعا کے لئے تیاری کریں۔

یہاں مرکبات میں سے اونٹ اور بسائط میں سے تین چیزیں ذکر کیں کیونکہ یہ خطاب عربوں کو تھا۔ مقصود یہ تھا کہ جس چیز کا وہ اکثر مشاہدہ کرتے ہیں اس سے استدلال کیا جائے۔ عرب کیونکہ صحراؤں میں رہتے تھے، وہ آسمان کو دیکھتے یا زمین کو، پہاڑوں کو دیکھتے یا اونٹوں کو جبکہ اونٹ ان کے نزدیک قیمتی مال تھا اور تمام حیوانات سے زیادہ اسی کا وہ استعمال کرتے تھے اور حیوان سے نسل، دودھ، بار برداری، سواری اور گوشت کا جو مقصود ہوتا ہے وہ سب اس میں جمع ہیں جبکہ کوئی اور جانور ان تمام چیزوں کو جامع نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے تخلیق کیا گیا کہ اس کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور حسن تدبیر پر دلالت کرتی ہے کہ اتنا عظیم الجثہ ہونے کے باوجود وہ بوجھ لادنے کے لئے بیٹھ جاتا ہے، سامان کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوتا ہے، جو بھی اس کی نکیل پکڑے اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اس کی گردن لمبی ہے تاکہ درختوں سے پتے کھالے اور ہر زمین کی جڑی بوٹی میں چر لے، وہ دس یا اس سے زائد دن بھی پیاس برداشت کر لیتا ہے تاکہ اس کے لئے جنگل و بیابان کو طے کرنا ممکن ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ابل سے مراد بادل ہے۔ قاموس میں ہے ابل جس کے پہلے دو حرف مکسور یا باء ساکن ہوتی ہے اس کو بادل کہتے ہیں جو بارش کا پانی اٹھائے ہوئے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان آیات کا معنی یہ ہے کہ کیا میرے علاوہ بھی کوئی ایسا ہے جو اونٹ جیسی چیز پیدا کرے آسمان جیسی بلند چیز بنائے پہاڑوں کو گاڑھے اور زمین کو ہموار بنادے (1)۔

فَذَكِّرْ ۗ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم ﴿٢٦﴾

"پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے ۱؎ آپ ان کو جبر سے منوانے والے تو نہیں ہیں ۲؎ مگر جس نے روگردانی کی اور کفر کیا تو اللہ اس کو سخت عذاب دے گا ۳؎ بے شک انہیں (آخر) ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے ۴؎ پھر یقیناً ہمارے ہی ذمہ ان کا حساب لینا ہے ۵؎"

۱؎ انہیں دلائل یاد کراتے رہیں تاکہ وہ ان میں سوچ و بچار کرتے رہیں۔ انما انت مذكر یہ ذکر فعل کی علت بیان کر رہا ہے، یعنی

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

کیونکہ یہ کوئی نقصان نہیں ہوگی اگر وہ غور و فکر نہیں کرتے یا نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ آپ کے ذمہ تو صرف پیغام حق پہنچانا ہے۔

یہ جملہ سابقہ جملہ کے مضمون کی تاکید ہے۔ ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سین کے ساتھ **مسیطر** پڑھا ہے جبکہ حمزہ نے زاء کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے خالص صاد کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی آپ ان پر مسلط نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ۔

یعنی مگر جو ایمان سے روگردانی کرے اور اللہ تعالیٰ سے کفر کرے۔ یہ استثناء منقطع ہے اور لکن کے معنی میں ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے لیکن جو روگردانی اور کفر کرے اللہ تعالیٰ اس پر مسلط اور غالب ہے۔

عذاب اکبر سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ استثناء متصل ہے۔ معنی یہ بنے گا اسے دنیا میں جہاد کی دھمکی دی گئی اور آخرت میں جہنم کے عذاب کی دھمکی دی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ ضمیر منصوب سے مستثنیٰ ہے جو محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی **فذکرهم الا من تولی منهم و کفر** یعنی آپ انہیں نصیحت کرتے رہیں مگر ان میں سے جو روگردانی کرے اور کفر کرے اور اس کے ایمان لانے کی امید منقطع ہو جائے۔

یعنی ان کا لوٹنا ہماری طرف ہے۔ ظرف کو مقدم اس لئے ذکر کیا تاکہ شدید وعید پر دلالت کرے، یعنی ان کا لوٹنا ہمارا قہار کی جانب ہے جو انتقام لینے پر قادر ہے۔

پھر ہم ان کا محاسبہ کریں گے اور کفر میں جتنا وہ تصور کرتے تھے اس کے حساب سے انہیں بدلہ دیں گے۔ **علی** کا لفظ اصل میں وجوب کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ یہاں اسے وعید کی تاکید کے لئے بطور مجاز ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی بھی چیز بندوں کی طرف سے واجب نہیں کیونکہ اس پر وجوب اس کی الوہیت کے منافی ہے، اللہ تعالیٰ اعلم۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

سورۂ فجر

آیاتہا ۳۰ سُوْرَۃُ الْفَجْرِ مَکِّیَّۃٌ ۸۹ رکوعہا ۱

سورۂ فجر مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور تیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿۲﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ﴿۴﴾ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ﴿۵﴾

”قسم اس صبح کی ۱ اور ان (مقدس) دس راتوں کی ۲ اور قسم ہے جفت اور طاق (راتوں) کی ۳ اور رات کی جب گزرنے لگے ۴ یقیناً اس میں قسم ہے عقل مند کے لئے ۵“

۱۔ اللہ تعالیٰ نے صبح کے طلوع ہونے کی قسم اٹھائی ہے۔ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی نقل کیا ہے۔ یہی عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا فجر سے صبح کی نماز مراد ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے محرم کی پہلی صبح مراد ہے جس سے سال کا آغاز ہوتا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے ذی الحجۃ کا پہلا دن مراد ہے کیونکہ دس راتوں کو اس کے ساتھ ملایا گیا ہے۔(1)

۲۔ لیال کو تعظیم کے لئے نکرہ ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ ذی الحجۃ کے دس دن مراد ہیں۔ یہی قتادہ، مجاہد، سدی اور کلبی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے جن دنوں میں عبادت کی جاتی ہے ان میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ ان دنوں میں ہر دن کا روزہ سال کے برابر ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک رات کا قیام لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہوتا ہے(3)۔ اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ نے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا۔ ابو ورق نے ضحاک سے روایت کیا ہے کہ یہ ماہ رمضان کی پہلی دس راتیں ہیں۔

ابو ظبیان رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے یہ رمضان شریف کا آخری عشرہ ہے(4)۔ ہم نے رمضان شریف کے فضائل سورۂ بقرہ میں ذکر کئے ہیں۔ اسی آخری عشرہ میں لیلۃ القدر بھی ہے۔ ہم اس کا ذکر لیلۃ القدر میں کریں گے، ان شاء اللہ۔ ایمان بن رباب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ محرم کا پہلا عشرہ ہے جس کا دسواں روز عاشورہ ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رمضان شریف کے بعد افضل روزے ماہ محرم کے روزے ہیں اور فرض نمازوں کے بعد افضل نماز رات کی نماز (تہجد) ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔(5)

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
2۔ ایضاً
3۔ سنن ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 354 (العلمیہ)
4۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
5۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 368 (قدیمی)

حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے وتر کے لفظ کو واؤ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ قول بھی کیا گیا ہے۔ شفع سے مراد مخلوق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا اور وتر سے مراد خالق ہے جو یکتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے۔ عطیہ اور عوفی رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد اور مسروق رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح کا قول کیا ہے اور کہا مخلوق تمام کی تمام جوڑا جوڑا ہے، یعنی ان میں سے بعض بعض کے مقابل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔ ایمان کے مقابل کفر، ہدایت کے مقابل گمراہی، سعادت کے مقابل بدبختی، دن کے مقابل رات، آسمان کے مقابل زمین، خشکی کے مقابلہ میں سمندر، سورج کے مقابل چاند، انسانوں کے مقابل جن، مذکر کے مقابل مؤنث جبکہ وتر (طاق) صرف اللہ ہے جو ایک ہی یکتا ہے۔(1)

ابو بکر وراق رحمۃ اللہ علیہ سے شفع اور وتر کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا شفع سے مراد مخلوق کے متضاد اوصاف ہیں، عزت و ذلت، عجز و قدرت، قوت و ضعف، علم و جہالت، بینائی اور اندھا پن، سننا اور بہرہ پن، کلام اور خاموشی، غنا و فقر۔ وتر سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات کا منفرد ہونا ہے کہ زندگی تو ہے موت نہیں(2)۔ عزت تو ہے ذلت کا تصور نہیں، قدرت تو ہے عجز نہیں، قوت تو ہے ضعف نہیں، علم تو ہے مگر جہالت نہیں، کلام تو ہے مگر سکوت نہیں، غنا تو ہے مگر فقر نہیں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اور ابن زید نے شفع اور وتر کے بارے میں کہا کہ شفع اور وتر دونوں سے مراد تمام مخلوق ہی ہے کیونکہ مخلوقات میں سے کچھ جوڑا جوڑا ہیں اور کچھ طاق ہیں۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک قول یہ مروی ہے کہ اس سے عدد مراد ہے ان میں سے کچھ عدد جفت اور کچھ طاق ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے اس سے نماز مراد ہے ان میں جفت بھی ہیں اور طاق بھی ہیں۔ عمران بن حصین رحمہما اللہ تعالیٰ سے مرفوع روایت نقل کی ہے۔ امام احمد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ شفع سے مراد وہ لوگ ہیں جو منیٰ سے پہلے دن لوٹ آئے اور وتر سے مراد وہ جماعت ہے جو تیسرے دن رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا شفع سے مراد دن اور راتیں ہیں اور وتر سے مراد قیامت کا دن ہے جس کی رات نہ ہوگی۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے شفع سے مراد جنت کے آٹھ درجے ہیں اور وتر سے مراد جہنم کے درجے ہیں کیونکہ ان کی تعداد سات ہے۔ گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کی قسم اٹھائی۔(3)

یسر کا معنی ہے جب وہ چلے اور گزر جائے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالَّیْلِ اِذْ اَدْبَرَ۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے جب وہ آئے(4)۔ یہاں رات کو یسر کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ اس کے چلنے میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور مخلوق کی زیادتی منفعت ہے۔ یا یسر سے مراد سیر فیہ ہے۔ جس طرح یہ قول ہے صلی المقام اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ مقام میں نماز پڑھی گئی۔ یہاں رات سے مراد تمام رات ہے۔ مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس سے مزدلفہ کی رات مراد ہے(5)۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے وقف اور وصل میں یسری پڑھا ہے کیونکہ یہ فعل کا لام کلمہ ہے جو حالت رفع میں حذف نہیں ہو سکتا۔ نافع اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے وصل کی صورت میں یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور وقف کی صورت میں حذف کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے دونوں صورتوں میں حذف کے ساتھ پڑھا ہے تاکہ آیات کے سرے موافق ہو جائیں۔ اخفش رحمۃ اللہ علیہ سے حرف علت کے حذف ہونے کے بارے میں

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا رات نہیں چلتی بلکہ اس میں چلا جاتا ہے۔ جب نسبت میں یہ تبدیلی کی گئی تو اعراب میں اسے اس کی صفت پر رکھا گیا۔ جس طرح عرب کہتے ہیں وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا۔ یہاں اسے بغیة نہیں فرمایا کیونکہ اسے باغية سے پھیر کر بنایا گیا ہے۔

۵ اسم اشارہ سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جو ذکر ہو چکی ہیں۔ قسم کو تعظیم کی وجہ سے نکرہ ذکر کیا گیا۔ اس میں استفہام تقریری ہے۔ جملہ استفہامیہ کو درمیان میں اس لئے ذکر کیا تا کہ جن چیزوں کی قسم اٹھائی جارہی ہے ان کی عظمت شان کا ذکر ہو کیونکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے عجائب میں سے ہیں اور حکمت کی بدیع چیزوں میں سے ہیں۔ عقل کو حجر کا نام دیا کیونکہ عقل انسان کو قبیح چیزوں سے روکتا ہے۔ جواب قسم اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ہے درمیان میں جملہ معترضہ ہے جو جواب کی تاکید کے لئے آیا ہے یا جواب محذوف ہے جو یہ ہو سکتا ہے لَا هْلِكَنَّ هٰؤُلَاءِ الْكُفَّارَ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا یعنی میں ان کفار کو ضرور ہلاک کر دوں گا اگر یہ ایمان نہ لائے۔ جس طرح ہم نے عاد اور ثمود کو ہلاک کر دیا اور مابعد کلام اسی پر دلالت کرتی ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِیْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝

"کیا آپ نے ملاحظہ نہ کیا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عاد ۱ ارم کے ساتھ جو اونچے ستونوں والے تھے ۲ نہیں پیدا کیا گیا جن کا مثل (دنیا کے) ملکوں میں ۳ اور ثمود کے ساتھ (کیا کیا) جنہوں نے کاٹا تھا چٹانوں کو وادی میں ۴"

۱ نفی کے انکار کے لئے حرف استفہام آیا ہے۔ پس یہ اثبات کی وضاحت اور تعجب کے اظہار کے لئے ہے۔ یہاں رؤیت کا لفظ یقین کے معنی میں ہے۔ بعد والا جملہ استفہامیہ مفعول بہ کی حیثیت سے محل نصب میں ہے۔ قوم عاد کے افراد طویل عمریں رکھتے اور ان کفار سے زیادہ قوی تھے، یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا اور ایسی ہوا ان پر مسلط کر دی جس نے انہیں نیست و نابود کر دیا تو ان کی حالت کیا حیثیت رکھتی ہے۔

۲ ارم یہ عاد کا بدل ہے یا اس سے عطف بیان ہے۔ علمیت، عجم اور تانیث کی وجہ سے عطف بیان ہے۔ یہ عاد کے ایک قبیلہ کا نام تھا۔ حکومت انہیں میں ہوتی تھی۔ ارم قبیلہ کے جد اعلیٰ کا نام تھا اور اس کا نسب یوں ذکر کیا گیا ہے ارم بن عاد بن سام بن نوح علیہ السلام۔

محمد بن اسحٰق نے کہا ہے ارم عاد کا دادا تھا۔ اس صورت میں عاد قوم ارم کی ایک شاخ ہوگی۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ارم وہی ہے جس پر عاد، ثمود، اہل سواد اور اہل جزیرہ کا نسب اکٹھا ہوتا ہے۔ یوں کہا جاتا ہے عاد ارم اور ثمود ارم۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے عاد کو ہلاک کیا پھر ثمود کو ہلاک کیا۔ اہل سواد اور اہل جزیرہ باقی رہے۔ ان اقوال کی روشنی میں ارم ایک امت کا نام ہے جو بڑی تعداد اور طویل قدوں کے مالک تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی کہا ہے، یعنی ان کے قد بھی عماد جیسے طویل تھے (1)۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان کے قد بارہ ہاتھ تھے۔ ہاتھ سے مراد حضور ﷺ کا ذراع مراد ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ان کے قد اس سے بھی زیادہ طویل تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس امت کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کیونکہ وہ پختہ مکانوں اور خیموں والے تھے اور ان کے جانور تھے جنہیں وہ موسم بہار میں ایک جگہ سے دوسری جگہ چرنے کے لئے لے جاتے تھے۔ جب لوٹنا مناسب سمجھتے تو اپنے گھروں کو لوٹ آتے۔ ان کے باغات، کھیتیاں اور گھر وادی قری میں تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ انہیں ذات عماد کا نام اس لئے دیا گیا کہ وہ مکانوں

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا　　2۔ تفسیر خازن زیر آیت ہذا

کے ستون بناتے جس کے ساتھ انہیں مضبوط کرتے اور انہیں اونچا کرتے۔ یہ بات بھی کی جاتی ہے کہ شداد نے ایک شہر بنایا جس جیسا دنیا میں کوئی شہر نہ تھا۔ وہ اپنی قوم کے ساتھ اس کی طرف چلا۔ جب اس مکان سے ایک دن اور رات کی مسافت پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اور اس کی قوم پر ایک چیخ بھیجی جس نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے کہا ارم ذات العماد ایک شہر تھا جسے دمشق کہتے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد اسکندریہ ہے (1)۔ پھر تقدیر کلام یہ ہوگی عاد اھل ارم ذات العماد یعنی وہ بلند عمارتوں اور بلند ستونوں والا ہے۔

یہ اسم موصول ارم کی دوسری صفت ہے، خواہ وہ شہر کا نام ہو یا قبیلہ کا نام ہو۔ کوئی امت قد و قامت اور قوت میں ان جیسی پیدا نہیں کی گئی یا اس شہر جیسی عمارات کی بلندی، ان کے استحکام اور حسن کو بیان کیا۔

یہ ثمود کا عطف عاد پر ہے جنہوں نے چٹانوں کو کاٹا۔ صخر یہ صخرۃ کی جمع ہے۔ اس پتھر کو کہتے ہیں جسے وہ کاٹ کر گھر بناتے تھے وادی سے وادی قریٰ مراد ہے۔ بزی رحمۃ اللہ علیہ نے وقف اور وصل دونوں صورتوں میں وادی کی یاء کو باقی رکھا ہے۔ قنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ورش اور قنبل رحمہما اللہ تعالیٰ نے وصل کی صورت میں یاء کو باقی رکھا ہے۔ جبکہ باقی قراء نے آیت کے سروں کی موافقت کرتے ہوئے یاء کو حذف کیا ہے۔

وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۝ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۝

”اور (کیا کیا) فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا۔ جنہوں نے سرکشی کی تھی (اپنے اپنے) ملکوں میں پھر ان میں کثرت فساد برپا کر دیا تھا۔“

یہ فرعون کا عطف ثمود پر ہے۔ حضرت ابن عباس اور محمد بن کعب قرظی رضی اللہ عنہما نے ذی الاوتاد کا معنی مضبوط عمارتوں والا کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مضبوط اور پائیدار حکومت کو ذی الاوتاد کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں ھم فی العز ثابت الاوتاد یعنی وہ دائمی اور مضبوط غلبے اور عزت والے ہیں۔ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ کثیر لشکروں والا ہے۔ جنود کو اوتاد کا نام اس لئے دیا گیا کیونکہ ان کے بے شمار خیمے ہوتے جنہیں وہ سفر میں کیلوں کے ساتھ گاڑھتے تھے۔ یہی عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اوتاد یہ وتد کی جمع ہے۔ اس کے پاس ایسی میخیں تھیں جن کے ساتھ وہ لوگوں کو اذیتیں دیتا تھا۔ جب وہ کسی پر سخت ناراض ہوتا تو اس کے جسم میں چار میخیں لگوا دیتا یا اس کے ہاتھ پاؤں کو کسی ستون کے ساتھ باندھ دیتا اور اسے زمین و آسمان کے درمیان لٹکتا ہوا چھوڑ دیتا یہاں تک کہ وہ مر جاتا۔ مجاہد اور مقاتل بن حیان رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا وہ کسی انسان کو لٹا دیتا پھر اس کے ہاتھ پاؤں زمین پر پھیلا دیتا اور ان میں میخیں گاڑھ دیتا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ آدمی کو لٹا دیتا اور میخوں کے ساتھ اسے باندھ دیتا پھر اس پر بچھو اور سانپ چھوڑ دیتا۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ فرعون کو ذی الاوتاد اس لئے کہتے ہیں کہ فرعون کے خازن حزقیل کی ایک بیوی تھی۔ وہ مومن تھی۔ اس نے سو سال تک اپنا ایمان چھپائے رکھا۔ یہی عورت فرعون کی بیٹی کو کنگھی کرتی تھی۔ ایک روز وہ فرعون کی بیٹی کے سر کو کنگھی کر رہی تھی کہ کنگھی اس کے ہاتھ سے گر گئی تو اس نے کہا جس نے اللہ کا انکار کیا۔

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

ہلاک ہو۔ فرعون کی بیٹی نے کہا کیا میرے باپ کے علاوہ بھی کوئی تیرا معبود ہے؟ تو اس عورت نے کہا میرا، تیرے باپ کا، زمین و آسمان کا معبود ایک ہی ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ فرعون کی لڑکی اٹھی اور روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس گئی۔ تو فرعون نے اس سے پوچھا تو کیوں روتی ہے؟ تو لڑکی نے کہا تیرے خازن کی بیوی جو میرے سر کو کنگھی کرتی ہے وہ گمان کرتی ہے کہ تیرا، اس کا اور زمین و آسمان کا ایک ہی معبود ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ فرعون نے اسے بلا بھیجا اور اس سے اس کے بارے میں پوچھا تو عورت نے جواب دیا تو ستر سال تک مجھے ذبح کرتا رہے میں اللہ تعالیٰ کا انکار نہیں کروں گی۔ اس عورت کی دو بیٹیاں تھیں۔ اس کی بڑی بیٹی لائی گئی۔ فرعون نے اس عورت کے سامنے ذبح کرا دیا پھر فرعون نے اس عورت سے کہا اللہ تعالیٰ کا انکار کر دو ورنہ میں تیری چھوٹی بیٹی کو بھی ذبح کرا دوں گا۔ وہ ابھی دودھ پیتی تھی۔ عورت نے کہا اگر تو روئے زمین پر موجود تمام لوگوں کو بھی ذبح کر دے تب بھی میں اللہ تعالیٰ کا انکار نہ کروں گی۔ تو فرعون نے اس بچی کو بھی منگوالیا۔ جب اس عورت کے سینے پر اسے لٹایا گیا اور فرعون کے آدمیوں نے اس بچی کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو عورت گھبرا گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بچی کو قوت گویائی عطا فرمائی۔ اس بچی نے گفتگو کی۔ یہ ان چار بچوں میں سے ایک تھی جنہوں نے اس عمر میں بات چیت کی۔ بچی نے کہا ماں نہ گھبرا، اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے جنت میں گھر بنایا ہے۔ صبر کر، بے شک تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل تک پہنچنے والی ہے۔ پھر اس کو ذبح کر دیا گیا۔ وہ ابھی مری ہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں سکونت عطا کر دی۔

فرعون نے اس عورت کے خاوند حزقیل کی تلاش میں آدمی بھیجے لیکن وہ اسے تلاش نہ کر سکے۔ فرعون سے کہا گیا اسے فلاں جگہ فلاں پہاڑ میں دیکھا گیا ہے۔ فرعون نے اس کی تلاش میں دو آدمی بھیجے۔ جب وہ اس تک پہنچے تو وہ نماز پڑھ رہا تھا اور وحشی جانوروں کی تین صفیں اس کے پیچھے مصروف عبادت تھیں۔ جب حزقیل نے ان کو دیکھا تو کہا تم پلٹ جاؤ حزقیل نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی اے اللہ میں نے سو سال تک اپنا ایمان چھپائے رکھا ہے، کسی پر میرا ایمان ظاہر نہ ہوا۔ ان دو آدمیوں میں سے جو بھی میرا پردہ ظاہر کرے اسے جلدی اس دنیا میں سزا دینا اور آخرت میں اس کا ٹھکانا جہنم بنانا۔ دونوں آدمی فرعون کے پاس واپس آ گئے۔ ان میں سے ایک نے عبرت حاصل کی اور ایمان لے آیا۔ دوسرے نے بھری مجلس میں تمام واقعہ بیان کر دیا۔ بادشاہ نے پوچھا کیا تیرے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟ اس نے کہا میرے ساتھ فلاں بھی تھا۔ بادشاہ نے اسے بلا بھیجا اور پوچھا کیا جو کچھ یہ کہتا ہے وہ درست ہے؟ اس نے کہا نہیں، میں نے ایسی کوئی بات نہیں دیکھی۔ فرعون نے اسے انعام و اکرام سے نوازا اور جس نے خبر دی تھی اسے قتل کر دیا اور سولی پر لٹکا دیا۔

فرعون نے بنی اسرائیل کی ایک انتہائی خوبصورت عورت سے شادی کی تھی جس کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا۔ کہتے ہیں اس نے وہ سب منظر دیکھا جو اس نے کنگھی کرنے والی عورت سے کیا تھا۔ آسیہ نے کہا فرعون نے اس مومنہ عورت سے جو سلوک کیا ہے میں اس پر کیسے خاموش رہ سکتی ہوں جبکہ میں مومنہ ہوں اور فرعون کافر ہے۔ آپ اپنے آپ سے یہی باتیں ہی کر رہی تھیں کہ فرعون آ گیا اور اس کے قریب بیٹھ گیا۔ حضرت آسیہ نے کہا اے فرعون تو مخلوقات میں سے سب سے شریر اور خبیث ہے۔ تو نے کنگھی کرنے والی عورت کا ارادہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔ فرعون نے کہا شائد تجھے بھی وہی جنون لاحق ہے جو اس عورت کو جنون لاحق تھا۔ حضرت آسیہ نے کہا مجھے تو کوئی جنون نہیں، بے شک میرا اس کا، تیرا اور زمین و آسمان کا اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ فرعون نے حضرت آسیہ کے کپڑے پھاڑ دیئے، اسے مارا اور حضرت آسیہ کے والدین کی طرف پیغام بھیج دیا اور ان دونوں کو اپنے پاس بلا لیا اور کہا کیا تم دیکھتے نہیں کہ جنون کا جو مرض اس کنگھی کرنے والی عورت کو تھا وہ مرض اس کو بھی لگ گیا ہے۔ حضرت آسیہ نے کہا میں اس جنون سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی

WWW.NAFSEISLAM.COM

ہوں۔ میں اس بات کی گواہی دیتی ہوں کہ میرا، تمہارا اور زمین و آسمان کا رب ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ حضرت آسیہ کے والد نے کہا پھر تو اس وقت عمالقہ کے خاندان کی بہترین عورت نہیں اور تیرا خاوند عمالقہ کا معبود نہیں تو حضرت آسیہ نے جواب دیا جہاں تک میں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی ہوں۔ اگر تمہارا کہنا سچ ہے تو اس سے کہو کہ وہ مجھے ایسا تاج پہنائے جس کے آگے سورج ہو اور پیچھے اور ستارے اس کے ارد گرد ہوں۔ فرعون نے حضرت آسیہ کے والدین سے کہا تم دونوں میرے پاس سے نکل جاؤ، انہیں لٹا دو اور چومیخا کر دیا تا کہ حضرت آسیہ کو اذیتیں دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا تا کہ فرعون جو سلوک آپ سے کر رہا ہے اس کو برداشت کرنا آپ کے لئے آسان ہو جائے۔ اس موقع پر حضرت آسیہ نے عرض کیا اے میرے رب میرے لئے جنت میں ایک گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو قبض کر لیا اور جنت میں سکونت عطا فرمائی (1)۔ فرعون کی یہی بیوی تھی جس نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے روکا تھا۔ جب فرعون کے گھر والوں نے انہیں پانی سے پکڑا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں پانی میں ڈال دیا تھا۔ یہ اس وقت ہوا جب آپ کی والدہ کو خوف لاحق ہوا کہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرا دے گا۔ اس سارے واقعہ کو سورۂ قصص میں ذکر کیا گیا ہے۔ فرعون کی بیوی نے کہا تھا یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ امید ہے کہ ہمیں اس سے نفع حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آسیہ کو نفع دیا کیونکہ یہ ایمان لے آئی تھیں۔

ع۔ اسم موصول محل جر میں ہے اور مذکورہ افراد کی صفت ہے یا ذم کے طور پر منصوب ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے، یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نافرمانی میں حدود سے تجاوز کیا ہے۔ فی البلاد جار مجرور طغوا کے متعلق ہے۔

ع۔ کفروا کا عطف طغوا پر ہے۔ فیھا میں ھا ضمیر سے مراد البلاد ہے۔ فساد سے مراد کفر اور ظلم ہے۔

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾

"پس آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ بے شک آپ کا رب (سرکشوں اور مفسدوں کی) تاک میں ہے۔"

ف صب کا عطف طغوا پر ہے اور اس میں فاء سببیت ہے۔ سوط عذاب سے مراد ایسا عذاب ہے جو مختلف عذابوں سے ملا ہو گا۔ یہاں صفت کو موصوف کی طرف مضاف کیا گیا ہے جس طرح اخلاق ثیاب ہے۔ سوط کا اصل معنی باہم ملانا ہے۔ چمڑے کے کوڑے کو سوط اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس کے ریشے بھی ملے ہوتے ہیں۔ دنیا میں جو عذاب انہیں دیا جاتا ہے اسے سوط سے تشبیہ دی گئی تا کہ انہیں اس بات کا شعور دلایا جائے کہ وہ یہ قیاس کریں کہ انہیں آخرت میں کیسا عذاب ہو گا کیونکہ آخرت کے عذاب کی نسبت وہ ہوگی جو تلوار کو چھڑی سے ہوتی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے عذاب کا کوڑا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر برسایا (2)۔ بعض معانی نے کہا یہ کلام استعارہ کے طریقہ پر ہے۔ سوط سے اشارہ سخت ترین عذاب کی طرف ہے اور صب سے مراد پے در پے عذاب کی صرف ہے، یعنی ان کی طرف ایک ہی دفعہ سخت عذاب نازل کیا جائے گا۔

ت یہ جواب قسم ہے یا محذوف جواب کی وضاحت کر رہا ہے۔ مرصاد اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں تاک لگانے والے بیٹھتے ہیں۔

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

2۔ ایضاً

کا تاڑ میں ہونا اصل میں اس بات سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس بات کا ارادہ کرتا ہے کہ وہ آخرت کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام کو سنیں اور ان کی اطاعت کریں۔ اس لئے وہ ان کے اعمال کو نگاہ میں رکھتا ہے۔ اس کا علم ان کے تمام اعمال کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ اس سے کوئی چیز غائب نہیں ہوسکتی۔ جس طرح اس آدمی سے گزرنے والا اوجھل نہیں ہوسکتا جو تاڑ میں بیٹھا ہوا ہو جبکہ انسان اس سے غافل ہے۔ اس کے لئے دنیا اور اس کی لذتیں ہی اہمیت رکھتی ہیں۔ اسی وجہ سے مابعد کلام کو اس پر عطف کیا ہے۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿١٥﴾ وَ اَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿١٦﴾

”مگر انسان (بھی عجیب شے ہے) کہ جب آزماتا ہے اس کا رب یعنی اس کو عزت دیتا ہے اور اس پر انعام فرماتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت بخشی [1]۔ اور جب اس کو (یوں) آزماتا ہے کہ اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا [2]۔“

[1] جب اللہ تعالیٰ انسان کا امتحان غناء اور آسانی کے ساتھ لیتا ہے تا کہ یہ ظاہر ہو کہ انسان احسان کرنے والے کا شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری کرتا ہے۔ اذا ظرف یقول کے متعلق ہے۔ یعنی انسان کو دنیا میں جاہ وحشمت سے نوازتا ہے اسے مال، بیوی، اولاد اور دوسری چیزیں عطا فرماتا ہے۔ اکرمه اور نعمه دونوں جملے ابتلہ کا بیان ہیں۔

فیقول یہ الانسان کی خبر ہے اور جزاء کے قائم مقام ہے کیونکہ شرط کا معنی پایا جارہا تھا اس لئے اس پر فاء آئی ہے۔ کوفیوں، ابن عامر رحمۃ اللہ علیہ نے ربی کی یاء کو ساکن پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مفتوح پڑھا ہے۔ ربی اهانن کی قرأت میں بھی یہی صورتحال ہے۔ وہ انسان کہتا ہے میرے رب نے مجھے سب کچھ عطا کر کے فضیلت دی۔ یعقوب اور بزی رحمہما اللہ تعالیٰ نے وقف اور وصل دونوں صورتوں میں اکرمن اور اهاننی کی یاء کو قائم رکھا ہے جبکہ نافع رحمۃ اللہ علیہ نے صرف وصل کی صورت میں یاء کو قائم رکھا ہے۔ ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ نے آیات کے سروں پر قیاس کرتے ہوئے اسے (نون کو) جر دی ہے۔ دونوں صورتوں میں وہ حذف کو واجب کرتے ہیں۔ ابوعمر دالانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے اسی طرح پڑھا ہے۔ اسی کو دوسرے لوگوں نے اپنایا جبکہ باقی قراء نے یاء کو دونوں حالتوں میں حذف کیا ہے۔

[2] جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے فقر کے ساتھ آزمایا تا کہ یہ ظاہر ہو کہ وہ صبر کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ یہ جزع فزع کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کئے بغیر ناشکری کرے۔

ابن عامر اور ابوجعفر رحمہما اللہ تعالیٰ نے قدر کی دال کو مشدد پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا پہلی صورت کا معنی کمی کرنا ہے اور دوسری صورت کا معنی اتنا عطا کرنا جو کفایت کر جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا دونوں قراءتوں کا معنی ایک ہی ہے، یعنی رزق میں کمی کی یہاں اَهَانَهٗ وَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ کے الفاظ نہیں فرمائے۔ جس طرح پہلی آیت میں فَاَكْرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ کے الفاظ فرمائے تھے کیونکہ دنیا میں مال عطا کرنا فضل واحسان ہے جو شکر کو واجب کر دیتا ہے اور بعض اوقات یہ آخرت میں بھی تکریم کا موجب ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو چیزوں پر رشک کیا جانا چاہئے ایک وہ انسان جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی نعمت عطا فرمائی ہو اور وہ ہر لمحہ اس پر عمل پیرا رہتا ہو۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے

WWW.NAFSEISLAM.COM

مال عطا کیا ہو، وہ دن رات اس میں سے خرچ کرتا رہتا ہو، متفق علیہ (1)۔ مگر مال میں کمی یہ صرف ذلت و رسوائی نہیں۔ انسان اپنی لغو سوچ اور دنیا میں انہماک کی وجہ سے یہ کہتا ہے۔ کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ آیت امیہ بن خلف حجمی کے بارے میں ہے (2)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝

"ایسا نہیں ہے بلکہ (اس کی وجہ یہ ہے کہ) تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ۱۔ اور نہ تم ترغیب دیتے ہو مسکین کو کھانا کھلانے کی ۲۔"

۱۔ یعنی بات اس طرح نہیں جس طرح وہ کہتا ہے کیونکہ بعض اوقات دنیاوی مال و دولت اور نعمتیں یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے استدراج ہوتی ہیں جب ان کے ساتھ شکر نہ ملا ہوا ہو بلکہ بعض اوقات شکر کی موجودگی میں بھی استدراج ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں شکر گزار غنی کو صابر فقیر پر فضیلت حاصل نہیں۔ حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ دوسروں پر اپنے آپ کو فضیلت دیتے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ضعیف لوگوں کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے اور انہی کی وجہ سے تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہاجر فقراء اغنیاء کی بنسبت چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فقراء اغنیاء سے پانچ سو سال اور نصف دن پہلے جنت میں داخل ہوں گے (4)۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور فقر اور ضعف جب صبر کے ساتھ مل جائیں تو وہ نعمت ہوتے ہیں اہانت نہیں ہوتے۔ قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو دنیا کو اس سے الگ کر دیتا ہے جس طرح تم اپنے مریض کو پانی سے پرہیز کرتے ہو (5)۔ اسے امام احمد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اس باب میں بے شمار احادیث ہیں۔

تم یتیم پر مال خرچ کر کے اس کی عزت نہیں کرتے اور نہ تم اس سے محبت کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال و دولت عطا فرما کر تمہیں عزت دی۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی ہے تم اس کا حق نہیں دیتے۔ لا تکرمون کا عطف یقولون پر ہے۔ مراد یہ ہے اس قول کی بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دنیا میں منہمک ہیں کیونکہ وہ یتیم کی عزت نہیں کرتے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قدامہ بن مظعون امیہ بن خلف کے پاس بطور یتیم پرورش پا رہا تھا اور قدامہ کو اس کا حق نہیں دیتا تھا (6)۔ ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے لایکرمون، لا یحضون، یاکلون اور یحبون کو یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ ان افعال کی ضمیر انسان کی طرف لوٹ رہی ہے اور انسان میں اس کے معنی کو پیش نظر رکھا گیا ہے کیونکہ یہ جنس ہے۔ سابقہ آیات میں جو ضمیریں مفرد گزری ہیں وہ لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے ذکر کی گئی ہیں۔ جبکہ باقی قراء نے التفات کے طریقہ پر مخاطب کے صیغے پڑھے ہیں۔

۲۔ کوفیوں نے باب تفاعل سے حاء کے بعد الف سے اس صیغہ کو پڑھا ہے اور ایک تاء کو حذف کیا ہے، یعنی تم ایک دوسرے کو اس میں

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 272 (قدیمی) — 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا — 3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 410 (قدیمی)

4۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 154 (العلمیہ) — 5۔ ایضاً، جلد 8، صفحہ 144 — 6۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

پر برانگیختہ نہیں کرتے جبکہ باقی قراء نے الف کے بغیر پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا تم دوسروں کو برانگیختہ نہیں کرتے، چہ جائیکہ تم اپنے اموال سے ان پر خرچ کرو۔

وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾

''اور چٹ کر جاتے ہو میراث کا سارا مال [1] اور دولت سے حد درجہ محبت کرتے ہو [2]''

[1] تراث کا معنی میراث ہے۔ اصل میں یہ وارث تھا۔ واؤ کو تاء سے بدل دیا، یعنی حرام و حلال کو جمع کر کے کھاتے رہتے ہو۔ وہ اپنے حصوں کے ساتھ عورتوں اور بچوں کے حصے بھی کھا جاتے تھے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اکلا لما سے مراد یہ ہے کہ جو چیز ملے اسے کھا جائے، یہ نہ پوچھے کہ یہ حلال ہے یا حرام ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مورث نے حلال و حرام میں سے جو کچھ جمع کیا ہوتا اسے جانتے ہوئے کھا جاتے۔

[2] تم مال سے حد درجہ محبت کرتے ہو اور اس کے حریص ہو۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾

''یقیناً جب زمین کو کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا [1] اور جب آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے قطار در قطار حاضر ہوں گے [2]''

[1] جو کچھ وہ کرتے تھے اس سے انہیں جھڑکا جا رہا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جس چیز کا انہیں حکم دیا گیا وہ کیوں بجا نہیں لاتے(2) یا کلا حقاً کے معنی میں ہے اور اس کے بعد میں جو وعید ذکر کی جا رہی ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے ہے اور ان کی طرف سے حسرت کرنے کی خبر دیتا ہے جس وقت حسرت انہیں کچھ فائدہ نہ دے گی۔ جب زمین میں یکے بعد دیگرے زلزلہ برپا ہو جائے گا یہاں تک کہ اس پر جو پہاڑ، درخت اور عمارتیں ہوں گی سب ٹوٹ پھوٹ جائیں گی اور وہ سب ذرات بن جائیں گے۔

[2] جاء کا عطف دکت پر ہے یہ متشابہات میں سے ہے ہم نے سورۂ بقرہ میں سلف صالحین اور متاخرین کے اقوال ذکر کئے تھے۔ ساتھ ہی اصحاب قلوب کا نقطۂ نظر بھی بیان کیا تھا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ۔

الملک میں الف لام جنس ہے۔ صفًّا صفًّا یہ الملک سے حال ہے، یعنی فرشتے ایک صف کے بعد دوسری صف میں آئیں گے۔ ابن جریر اور ابن مبارک رحمہما اللہ تعالیٰ نے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہا جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کو حکم دے گا تو وہ اپنے مکینوں کے ساتھ پھٹ جائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا تو فرشتے اس کے کناروں پر جمع ہو جائیں گے۔ پھر وہ نیچے اتریں گے زمین پر اور زمین کے مکینوں کو گھیر لیں گے۔ پھر دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے اور ساتویں آسمان کو حکم دے گا۔ تو وہ فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے صفیں بنا کر کھڑے ہو جائیں گے پھر ملک اعلیٰ اترے گا اس کی بائیں جانب جہنم ہوگی۔ جب اہل زمین اس جہنم کو دیکھیں گے تو زمین کی جس طرف بھی آئیں گے۔ وہاں فرشتوں کی سات صفیں پائیں گے۔ پھر جس جگہ سے وہ آئے تھے اسی مکان کی طرف لوٹ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿ۙ﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ کا یہی مفہوم ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا وَجِيْٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ اور اللہ تعالیٰ

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

WWW.NAFSEISLAM.COM

ہے فرمان ہے یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۙ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا یعنی آسمان پھٹے گا۔ اسی طرح کی صورتحال ہوگی کہ لوگ آواز سنیں گے اور حساب کے لیے تیار ہو جائیں گے۔

وَجِایْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ؕ (23)

"اور اس دن لائی جائے گی اس دن جہنم۔ اس روز انسان کو سمجھ آئے گی لیکن اس سمجھنے کا کیا فائدہ"۔

اس کا عطف جآء پر ہے۔ امام مسلم اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس روز جہنم کو لایا جائے گا تو اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی، ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔(1)

ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاہوال میں زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ جبرئیل امین نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا تو حضور ﷺ نے فرمایا جبرئیل امین میرے پاس آئے اور مجھے یہ آیت پڑھائی۔ فرمایا کلا اذا دکت الارض دکا دکا وجآء ربک والملک صفا صفا وجایء یومئذ بجہنم جہنم کو ستر ہزار لگاموں کے ساتھ کھینچا جا رہا ہوگا اور ایک لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچ رہے ہوں گے۔ اسی اثناء میں جب اسے کھینچا جا رہا ہوگا تو وہ ان سے چھوٹ جائے گی۔ اگر فرشتے اسے پکڑ نہ لیتے تو وہ سب کو جلا دیتی۔ تمام فرشتے اسے پکڑ لیں گے۔ تو جہنم کو اس جگہ سے ہٹا دیا جائے گا۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا۔ جہنم حشر کی زمین کو گھیر لے گی اور جنت تک پہنچنے کا صرف ایک ہی راستہ بچے گا جو پل صراط ہوگا۔ ابونعیم نے کعب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے جب قیامت کا روز ہوگا تو فرشتے صفوں میں کھڑے ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ جبرئیل امین کو حکم دے گا کہ جہنم لے آؤ تو جبرئیل امین جہنم کو لے آئیں گے اسے ستر ہزار لگاموں کے ساتھ کھینچا جا رہا ہوگا یہاں تک کہ جب وہ مخلوق سے ایک سو سال کی مسافت پر ہوگی تو وہ ایک سانس لے گی تو مخلوق کے دل اڑنے لگیں گے۔ پھر وہ دوسرا سانس لے گی تو کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل نہیں رہے گا مگر وہ گھٹنوں کے بل گر جائے گا۔ پھر تیسرا سانس لے گی تو دل حلق تک آ جائیں گے۔ عقلیں اڑ جائیں گی۔ ہر ایک آدمی گھبرا جائے گا یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی عرض کریں گے میں تیری مناجات کے واسطے تجھ سے اپنی ذات کے بارے میں سوال کرتا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے میں تیری عزت و شرف کا واسطہ جو تو نے مجھے عطا فرمایا تجھ سے اپنی ذات کے بارے میں سوال کرتا ہوں۔ میں حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں بھی سوال نہیں کرتا جس نے مجھے جنا جبکہ حضرت محمد ﷺ کہہ رہے ہوں گے میری امت کو بخش دے، میری امت کو بخش دے، آج میں تجھ سے اپنی ذات کے بارے میں کچھ عرض نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ تیری امت پر کوئی خوف نہیں اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ مجھے اپنی عزت کی قسم میں تیری امت کے بارے میں تیری آنکھیں ٹھنڈی کروں گا۔ پھر اس وقت فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہوں گے اور حکم کے منتظر ہوں گے۔

یومئذ، اذا دکت الارض سے بدل ہے۔ الانسان سے مراد کافر ہے جس نے دنیا کی خوشی اور تکلیف کی کوئی قدر نہ کی

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 381 (قدیمی)

اکرمن ربی اھانن ظرف میں کیونکہ شرط کے معنی پائے جارہے ہیں اس لئے یہ اس کی جزاء ہے، یعنی وہ اپنے معاصی کو یاد کرے گا۔ نصیحت حاصل کرے گا اور توبہ کرے گا۔ انی له الذکری میں استفہام انکاری ہے، یعنی اسے نصیحت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ توبہ کی قبولیت کی یہ شرط ہے کہ وہ غیب پر ایمان لائے۔

يَقُولُ يٰلَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ﴿٢٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَّلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ﴿٢٦﴾

''(اس دن) کہے گا کاش! میں نے (کچھ) آگے بھیجا ہوتا اپنی (اس) زندگی کے لئے 1۔ پس اس دن اللہ کے عذاب کی طرح نہ کوئی عذاب دے سکے گا 2۔ اور نہ اس کے باندھنے کی طرح کوئی باندھ سکے گا 3۔''

1۔ وہ انسان حسرت کرتے ہوئے یہ بات کرے گا۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے جو یہ ہوسکتا ہے فَمَا يَصْنَعُ حِيْنَ يَتَذَكَّرُ تو وہ کہے گا ہائے کاش میں نے دنیا میں اس زندگی کے لئے اچھے اعمال کئے ہوتے۔ جس تک موت کی رسائی نہیں یا یہاں لام وقت کے معنی میں ہے اور معنی یہ ہے کہ میں نے دنیاوی زندگی میں اچھے اعمال کئے ہوتے۔

2۔ یومئذ کا عطف سابقہ یومئذ پر ہے اور ظرف مابعد کے متعلق ہے۔ عذابه حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے جیسے کعذابه۔ یہی صورت وثاقه احد کی ہے۔

3۔ کسائی اور یعقوب رحمہما اللہ تعالیٰ نے لا یعذب اور لا یوثق کو مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی جس قسم کا عذاب اسے (کافر کو) دیا جا رہا ہے ایسا عذاب کسی انسان کو نہیں دیا جائے گا یہ تعبیر اس وقت ہوگی جب الف لام جنسی ہو یا اس کا معنی ہے کہ اس معین انسان جیسا عذاب کسی اور کو نہ دیا جائے گا۔ اس سے مراد امیہ بن خلف ہے اور جیسا اسے زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑا جائے گا۔ کسی اور کو ایسی سزا نہ دی جائے گی جبکہ باقی قراء نے ان دونوں صیغوں کو معروف پڑھا ہے۔ اس صورت میں عذابه اور وثاقه کی ضمیر مجرور یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے گی اور دونوں میں مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہوگا۔ یعنی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی اس کے عذاب اور پکڑ کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ اس دن معاملہ سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہوگا۔ یا ضمیر کافر انسان کی طرف لوٹے گی۔ اس صورت میں دونوں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہوں گے یعنی داروغے اسے جو عذاب دے رہے ہیں۔ ایسا عذاب کسی اور کو نہ دیں گے۔ ان تاویلات کی صورت میں یومئذ لا یعذب اور لا یوثق کے متعلق ہوگا۔ یہاں تنازع فعلین کا قاعدہ جاری ہوگا۔ معنی یہ ہوگا ازل سے ابد تک کسی نے کسی دوسرے کو ایسا عذاب نہ دیا ہوگا جیسا عذاب اللہ تعالیٰ اسے دے گا اور کسی نے کسی دوسرے کو اس طرح نہیں پکڑا ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس روز اسے پکڑا ہوگا۔ حینئذ یہ عذاب یا وثاق مصدر کے متعلق ہوگا۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾

''اے نفس مطمئن 1۔ واپس چلو اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی (اور) وہ تجھ سے راضی 2۔ پس شامل ہو جاؤ میرے (خاص) بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں 3۔''

تو یہاں قول محذوف ہے اور یہ مقولہ ہے دونوں مل کر جملہ مستانفہ ہے گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ کافروں کی حالت تو بیان کر دی گئی مومنوں کی کیا حالت ہے تو تقدیر کلام یہ ہوئی یُقَالُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ۔ وہ نفس اللہ تعالیٰ کے ذکر اور طاعت میں یوں مطمئن ہوتا ہے جس طرح مچھلی پانی میں مطمئن ہوتی ہے۔ اس اطمینان کا اس وقت تک تصور نہیں کیا جا سکتا جب تک رذیل صفات اس سے زائل نہ ہو جائیں جو اس کے نفس امارہ ہونے کا موجب تھیں۔ ان صفات کا زوال اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اللہ تعالیٰ کی صفات محمودہ کی تجلیات نصیب نہ ہوں اور نفس ان صفات میں فنا نہ ہو جائے اور ان سے بقا نہ پا جائے۔ اس وقت وہ حقیقی ایمان پانے والی ہو جائیں گی جس طرح کتا اس وقت تک پاک نہیں ہو سکتا جب تک وہ نمک میں نہ گرے۔ اس میں فنا نہ ہو اور کتے کی صفات کی صورت میں باقی نہ ہو اسی صورت میں حلال اور پاکیزہ ہوگا۔

تم اسماء اور صفات کے حجاب کے بغیر محض اس کی ذات کی طرف لوٹ جاؤ اس حال میں کہ تم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے اور حضور ﷺ کے رسول ہونے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہو۔ راضية یہ ارجعی کے فاعل سے حال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس آدمی نے ایمان کا ذائقہ چکھا جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہوا۔ متفق علیہ (1)۔ یہاں ایمان کا ذائقہ چکھنے سے مراد حقیقی ایمان کا پانا ہے۔

بندہ جب اللہ تعالیٰ پر راضی ہوتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جاتی ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ بندے کی رضا اللہ تعالیٰ کی رغبت کا نتیجہ اور اس پر دلیل ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نفس مطمئنہ کو قبض کرنا چاہتا ہے تو وہ نفس اس پر اطمینان کا اظہار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے راضی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس پر راضی ہوتا ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے (2)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا ازواج مطہرات میں سے کسی اور نے کہا کہ ہم موت کو ناپسند کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا بات اس طرح نہیں بلکہ مومن پر جب موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی طرف سے کرامت کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کے لئے جنت سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ جہاں تک کافر کا تعلق ہے جب اسے موت آتی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے۔ اس کے سامنے جو کچھ ہوتا ہے (عذاب) اس سے بڑھ کر اس کے لئے کوئی ناپسندیدہ چیز نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ متفق علیہ (3)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے کہ موت اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے پہلے ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے سفید ریشمی کپڑا لاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں اے نفس اس حال میں جسم سے نکل کہ تو اللہ تعالیٰ پر راضی ہے اور اللہ تعالیٰ تجھ پر راضی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت، اس کی نعمتوں اور راضی رب کی طرف جا تو وہ جسم سے یوں نکلتی ہے جیسے کستوری سے بہترین خوشبو نکلتی ہے یہاں تک کہ فرشتے اسے ایک دوسرے سے لیتے رہتے ہیں اور آسمان کے دروازوں تک پہنچاتے ہیں تو آسمان والے فرشتے کہتے ہیں کتنی عمدہ خوشبو ہے جو

WWW.NAFSEISLAM.COM

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 47 (قدیمی)
2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 343
3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 343 (قدیمی)

زمین کی طرف سے تم تک پہنچی ہے۔ پھر فرشتے اس روح کو مومنوں کی روحوں تک پہنچا دیتے ہیں تو ان روحوں کو اس کے آنے سے اتنی خوشی ہوتی ہے جتنی تمہیں غائب مسافر کے آنے سے بھی نہیں ہوتی تو مومنوں کی روحیں اس سے پوچھتی ہیں فلاں کا کیا حال ہے تو دوسرے کہتے ہیں اسے رہنے دو کیونکہ وہ غم دنیا میں مبتلا تھا تو وہ جواب دیتا ہے وہ تو مر چکا ہے کیا وہ تمہارے پاس نہیں پہنچا تو مومنوں کی روحیں کہتی ہیں وہ اپنے ٹھکانے ہاویہ تک جا پہنچا ہے۔

کافر کی جب موت کا وقت آتا ہے تو عذاب کے فرشتے اس کے پاس ٹاٹ کا لباس لاتے ہیں۔ وہ اسے کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرف نکلو اس حال میں کہ تو اللہ تعالیٰ پر ناراض ہے اور اللہ تعالیٰ تجھ پر ناراض ہے۔ تو اس کی روح نکلتی ہے جو مردار سے بھی زیادہ بدبودار ہوتی ہے یہاں تک کہ فرشتے اسے زمین کے دروازے تک لاتے ہیں تو زمین کے فرشتے کہتے ہیں یہ کتنی بدبودار ہے یہاں تک کہ وہ اسے کفار کی روحوں تک لاتے ہیں۔ اسے امام احمد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں بھی ایسے ہی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے پھر نفس مومنہ کو آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ اس کے لئے دروازہ کھولا جاتا ہے اور اسے مَرْحَبًا بِالنَّفْسِ الطَّيِّبِ کے الفاظ سے خوش آمدید کہا جاتا ہے، یعنی پاکیزہ نفس کو خوش آمدید جو پاکیزہ جسم میں تھا۔ کافر کے نفس کے بارے میں فرمایا پھر اسے آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے خبیث نفس کو خوش آمدید جو خبیث جسم میں موجود تھا، مذمت کیا گیا واپس لوٹ جا۔ اس کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے پھر اسے آسمان سے قبر کی طرف بھیج دیا جاتا ہے۔ اس باب میں کثیر احادیث ہیں۔

اس گفتگو کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قوم کا یہ نقطہ نظر ہے کہ یہ سب باتیں موت کے وقت اس سے کی جاتی ہے جس طرح احادیث دلالت کرتی ہیں۔ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ نے ارجعی الی ربک راضیة مرضیة کے بارے میں فرمایا یہ اس وقت اسے بات کہی جاتی ہے جب وہ دنیا سے نکلتا ہے۔ جب قیامت کا روز ہو گا تو اسے فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی کہا جائے گا۔ دوسرے علماء نے یہ کہا جب قیامت برپا ہو گی یہ اس وقت اسے کہا جائے گا، یعنی میرے بندوں کے جسموں میں داخل ہو جاؤ، یعنی اپنے جسم میں داخل ہو جاؤ، یعنی اللہ تعالیٰ ارواح کو حکم دے گا کہ وہ جسموں میں داخل ہو جائیں۔ یہ عکرمہ، عطاء اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے اپنے رب کے ثواب کی طرف لوٹ جاؤ اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں اس پر تم راضی ہو اور اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو (1) اور میرے بندوں کے ساتھ میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔ میں کہتا ہوں آیت کا سیاق اسی قول کی تائید کرتا ہے کہ یہ باتیں نفس سے قیامت کے برپا ہونے پر کی جائیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اٹھائے جانے پر کفار کا حال یوں ذکر کیا ہے فیومئذ لایعذب عذابه۔ اسی طرح مومنین سے جو وہ ارشاد فرمائے گا اس کا ذکر فرمایا جبکہ بے شمار احادیث پہلے قول کی تائید کرتی ہیں۔ ان دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ یہ باتیں موت اور دوبارہ اٹھائے جانے کے دونوں مواقع پر کی جائیں گی بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ دنیا میں ہی نفس اس خطاب کا مستحق ہو جاتا ہے اور اسے اطمینان نصیب ہوتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے قرب کے مدارج اور اس کی تجلیات ذاتیہ کی طرف پلٹ آؤ اس حال میں کہ تم اللہ تعالیٰ پر راضی ہو اور اللہ تعالیٰ تم پر راضی ہو۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

کہ ان صالح بندوں میں داخل ہو جاؤ جن میں داخل ہونے کا سوال حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یوں عرض کیا تھا تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کے بارے میں ابلیس لعین کو کہا تھا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ۔ فادخلی میں فاء سببیہ ہے یعنی نفس کا مطمئنہ اور اس کا راضیہ مرضیہ ہونا اس بات کا سبب ہے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے خالص ہو اور نفسانی خواہشات اور شیطانی وساوس سے مخلصی پانے کا ذریعہ ہے۔ ان کی مذمت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ کیا وہ جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنا لیا ہے۔ اور حضور ﷺ کا فرمان ہے دینار و درہم کی عبادت کرنے والا ہلاک ہو گیا الخ۔ جنت کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت تشریف کے لئے ہے کہ جنتوں میں سے وہ جنت خاص ہے جو مخفی نہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وصال طائف میں ہوا میں آپ کے جنازہ میں شریک تھا۔ ایک پرندہ آیا جیسا پرندہ پہلے نہ دیکھا گیا تھا۔ وہ پرندہ آپ کے جسم مبارک میں داخل ہو گیا۔ پھر ہم نے اس پرندہ کو آپ کے جنازہ (جسم) سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ جب آپ کو دفن کیا گیا تو آپ کی قبر پر یہ آیت تلاوت سنائی دی مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس نے یہ آیت تلاوت کی تھی یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ... ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بریدہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ یہ آیت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جویبر کے واسطہ سے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے اس لونڈی کو خرید لیا تاکہ اس کی اذیت دور کرے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسے خرید لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

فائدہ: بعض صوفیاء نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے اے وہ نفس جو دنیا میں مطمئن ہو گیا ہے دنیا چھوڑ کر اور صوفیاء کی صحبت اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

سورۃ البلد

ایاتہا ۲۰	سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ ۹۰	رکوعہا ۱

سورۃ البلد مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور بیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝١ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝٢ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝٣ لَقَدْ
خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝٤ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝٥

"میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی ۱؎ درآں حالیکہ آپ بس رہے ہیں اس شہر میں ۲؎ اور قسم کھاتا ہوں باپ کی اور اولاد کی ۳؎ بے شک ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں (زندگی بسر کرنے کے لئے) پیدا کیا ۴؎ کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا ۵؎"

۱؎ لا زائدہ ہے جو قسم کی تاکید کے لئے ہے اور قسم کی وضاحت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یہ قسم سے غنی ہے۔ ھذا البلد سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

۲؎ یہ جملہ مقسم بہ (البلد) سے حال ہے اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کی قسم اٹھائی مگر یہ قید لگائی کہ حضور ﷺ اس میں تشریف فرما ہیں۔ مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس شہر کو ذاتی طور پر بھی فضیلت حاصل ہے۔ تاہم اس کو مزید یہ شرف حاصل ہے۔ حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ کے بارے میں ارشاد فرمایا اے شہر مکہ تو کتنا پاکیزہ ہے تو اللہ تعالیٰ کو کتنا محبوب ہے۔ اگر میری قوم تجھ سے مجھے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور شہر میں سکونت اختیار نہ کرتا (1)۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اور فرمایا یہ حدیث صحیح غریب ہے۔ امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے عبداللہ بن عدی سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم تو اللہ تعالیٰ کی زمین میں سب سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اگر مجھے تجھ سے نہ نکالا جاتا تو میں تجھ سے نہ نکلتا۔ (2)

ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس شہر سے آپ کو نکالنے کو یوں حلال سمجھا گیا جس طرح تیرے علاوہ کسی اور جگہ شکار کو شکار کرنے کو حلال سمجھا جاتا ہے۔ یہ جملہ جملہ معترضہ ہے۔ مقصود اس شہر کے کفار کی مذمت بیان کرنا ہے جو آپ کو یہاں سے نکالنا اور آپ کو قتل کرنے کو حلال جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس کی حرمت اور شرف کو ظاہر کرنے کے لئے اس کی قسم کھائی ہے۔ پھر فرمایا کہ کفار کے گمان کے مطابق آپ اس شہر میں یوں حلال سمجھے جاتے ہیں۔ اسی لئے وہ آپ کو یہاں سے نکالنے اور آپ کے قتل کو حلال جانتے ہیں جبکہ وہ اس شہر میں شکار کے قتل کو حرام جانتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ کفار کے قتل اور ان کے قید کرنے کا جو ارادہ رکھتے ہو وہ اس شہر میں آپ کے لئے حلال ہے جبکہ یہ لوگوں

1۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 13، صفحہ 223 (العلمیہ)
2۔ ایضاً، جلد 13، صفحہ 222

کے حق میں گناہ ہے یہ حضور ﷺ کے لئے وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے موقع پر آپ کے لئے حلال کیا تھا یہاں تک کہ حضور ﷺ نے اس شہر میں قتال کیا اور عبداللہ بن خطل کو قتل کیا جبکہ وہ کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا تھا اسی طرح مقیس بن ضبابہ وغیرہ کو قتل کیا۔ صحیحین میں ہے کہ فتح مکہ کے روز حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو اس وقت سے حرام کر دیا جب سے اس نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے حرام کرنے کی وجہ سے یہ قیامت تک اسی طرح حرام رہے گا، مجھ سے قبل کسی کے لئے اس میں جنگ کرنا حلال نہیں تھا۔ میرے لئے بھی سوائے اس دن کی چند ساعتوں کے حلال نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے حرام کرنے کی وجہ سے یہ قیامت تک حرام رہے گا۔ اس کے کانٹے کو نہیں کاٹا جائے گا، نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے گا۔ اس کے لقیطہ (گری پڑی چیز) کو نہیں اٹھایا جائے گا مگر اس نیت سے کہ وہ اس کا اعلان کرے گا اور اس کی گھاس بھی نہیں کاٹی جائے گی۔ متفق علیہ۔(1)

کے والد کا عطف بلد پر ہے۔ اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یا ہر والد اس سے مراد ہو سکتا ہے اور ما ولد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو سکتی ہے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہو سکتی ہے یا حضور ﷺ کی ذات ہو سکتی ہے۔ اسے نکرہ تعظیم کے لئے لایا گیا ہے۔ ما کو من پر اس لئے ترجیح دی تاکہ تعجب کا اظہار ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡ۔ مابعد جملہ جواب قسم ہے۔

کہ الانسان پر الف لام جنسی ہے یا عہد خارجی کے لئے ہے۔ جس طرح ایک قول کیا گیا کہ یہ آیت کریمہ ابی الاشد کے حق میں نازل ہوئی جس کا نام اسید بن کلدہ تھا۔ وہ بڑا مضبوط اور طاقتور تھا۔ وہ اپنے قدموں میں چمڑا بچھا دیتا اور کہتا جو مجھے اس چمڑے سے ہٹا دے میں اسے یہ انعام دوں گا۔ تو کوئی بھی اس کے قدموں سے اس چمڑے کو نہ کھینچ سکتا بلکہ وہ چمڑا ٹوٹ جاتا اور وہ اپنی جگہ رہتا۔ اگر الانسان سے مراد جنس ہو تو پھر کبد کا معنی مشقت اور تھکاوٹ ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا مفہوم یہ نقل کیا ہے کہ اس سے مراد حمل کی سختیاں، ولادت، دودھ پلانا، دودھ چھڑانا، رزق کا حصول، زندگی اور موت ہے۔ عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے دانتوں کا نکلنا بھی مراد ہے۔

میں کہتا ہوں اوپر جن سختیوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں انسان اور حیوان سب شریک ہیں۔ یہاں انسان کا خصوصاً ذکر اس لئے ہے کیونکہ انسان عقل و شعور رکھتا ہے کیونکہ مصیبتوں کے اٹھانے کی مشقت جب شعور کے کمال کے ساتھ ہو تو یہ زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ میرے نزدیک مکابدہ سے مراد یہ ہے کہ انسان نے اس امانت کا بوجھ اٹھایا جس کے اٹھانے سے زمین و آسمان اور پہاڑوں نے انکار کر دیا تھا۔ انسان نے یہ بار امانت اس لئے اٹھا لیا تھا کہ وہ جاہل تھا جو چیز اس پر واجب ہوئی اگر اس نے اس کا حق ادا کر دیا تو وہ کامیاب ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بھی مومنین اور مومنات پر نظر شفقت کرے گا۔ اگر ان فرائض کو ادا نہ کرے گا تو آخرت کی مصیبتوں میں جا پڑے گا اور اللہ تعالیٰ منافق مردوں منافق عورتوں، کافر مردوں اور کافر عورتوں کو عذاب دے گا۔ معنی میں اس کی مثل یہ آیت ہے وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ میں نے جن و انس کو اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ اس آیت میں حضور ﷺ کو اس امر پر تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ نے قوم کو تبلیغ کی تو آپ کو اس پر مشقتیں اٹھانا پڑیں۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ فی کبد کا معنی ہے کہ ہم نے انسان کو قوی اور طاقتور پیدا کیا کیونکہ یہ آیت اسید بن کلدہ کے حق میں نازل ہوئی۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 437 (قدیمی)

5۔ یحسب کی ضمیر انسان کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس میں استفہام انکار اور توبیخ کے معنی میں ہے۔ اگر انسان سے مراد ابی الاشد ہو تو پھر ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اپنی قوت سے دھوکہ کھانے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ اگر الانسان سے مراد جنس ہو اور ضمیر الانسان کی طرف لوٹ رہی ہو تو پھر بعض افراد کے اعتبار سے اسے مفرد ذکر کیا ہے اور یہ وہ فرد ہوگا جس سے حضور ﷺ نے دوسرے افراد کی بنسبت زیادہ مشقتیں اٹھائیں وہ ابوالاشد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے۔

ان لن یقدر میں ان مثقلہ سے مخفف ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے اور جملہ یحسب کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ احد نکرہ ہے جو نفی کے تحت داخل ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے۔ ابوالاشد کا یہ خیال تھا کہ عذاب کے فرشتے اس پر قدرت نہیں رکھیں گے یا احد سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ معنی یہ ہوگا کیا ابوالاشد یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اللہ جس نے اسے اس قوت کے ساتھ پیدا کیا ہے وہ اس پر قادر نہیں اور اس سے انتقام نہیں لے گا۔

يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿٦﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗۤ اَحَدٌ ﴿٧﴾ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ﴿٨﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ﴿٩﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿١٠﴾

"کہتا ہے میں نے ڈھیروں مال فنا کر دیا1۔ کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا2۔ کیا ہم نے نہیں بنائیں اس کے لئے دو آنکھیں، ایک زبان اور دو ہونٹ3۔ اور ہم نے دکھا دیں اسے دونوں نمایاں راہیں4۔"

1۔ وہی انسان کہے گا۔ یہ جملہ یحسب کے فاعل سے حال ہے۔ اھلکت مالا لبدا قول کا مقولہ ہے۔ لبدا یہ لبدۃ کی جمع ہے۔ یہ ایسی چیز کو کہتے ہیں جو تدریجاً جمع ہو جائے اور کثیر ہو اور جمع ہو شائد وہ فخر اور ریاء کاری کے طور پر اپنا مال زیادہ خرچ کرنے کا ذکر کرتا تھا یا حضور ﷺ کی دشمنی میں مال خرچ کرنے کے بعد یہ کہتا اور قریش کے کفار اس کی فضیلت اور حضور ﷺ کے ساتھ اس کی دشمنی کو تسلیم کرتے۔

2۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہوتا ہے جو وہ اپنا مال ریاء کاری اور حضور ﷺ کی دشمنی میں خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے یہ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ پس اللہ تعالیٰ اسے اس عمل پر بدلہ دے گا اور اس سے انتقام لے گا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہی کہا۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ اپنے فخر کرنے میں جھوٹا تھا۔ وہ جو یہ کہتا کہ میں نے اتنا اتنا مال خرچ کیا جو کچھ وہ کہتا تھا اس نے وہ تمام مال خرچ نہیں کیا تھا(1)۔ یہ جملہ ایحسب ان یقدر علیہ کے بعد توبیخ اور انکار کی تاکید کے لئے ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات کا ذکر کیا تا کہ وہ انسان اس کا اقرار کرے۔ نیز یہ چیز اس کی دلیل بن جائے کہ اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لینے پر قادر ہے۔

3۔ ان آنکھوں سے وہ دیکھتا ہے، زبان سے وہ کلام کرتا ہے اور ہونٹوں کے ساتھ وہ اپنے منہ کو چھپاتا ہے اور ان دونوں سے وہ بولنے، کھانے پینے اور پھونکنے پر مدد لیتا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ابن آدم سے فرمائے گا اگر تیری زبان حرام کردہ چیزوں کے بارے میں جھگڑے تو میں نے دو ہونٹوں کے ساتھ تیری مدد کی۔ پس زبان پر ان ہونٹوں کو بند کر دے۔ اگر تیری آنکھ تجھ سے حرام کردہ چیزوں میں جھگڑے تو میں نے دو پردوں کے ساتھ تیری مدد کی ہے، ان دو پردوں کو آنکھ پر بند کر دے۔ اگر تیری شرمگاہ حرام کردہ چیزوں میں تجھ سے جھگڑے تو میں نے تجھے دو پردے دیئے ہیں تو ان پردوں کو ان پر بند رکھ۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

کہ النجدین سے مراد دونوں پستان ہیں۔ محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کی ہے۔ سعید بن مسیب اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ اکثر مفسرین نے کہا اس سے مراد خیر اور شر، حق اور باطل، ہدایت اور گمراہی کے دو راستے ہیں، یعنی ہم نے عقل پیدا کر کے اور رسولوں کو مبعوث کر کے خیر کو شر سے ممتاز کر دیا ہے۔ اس کے بعد بھی جو گمراہ ہو اور برائی کا راستہ اختیار کیا اس کے لئے کوئی عذر نہ ہوگا۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾

"پھر وہ داخل ہی نہیں ہوا عمل خیر کی (دشوار) گھاٹی میں اور آپ کیا سمجھیں کہ وہ گھاٹی کیا ہے؟ وہ غلام کی گردن کا چھڑانا ہے یا کھانا کھلانا ہے بھوک کے دن (قحط سالی) میں"

ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں لا اپنے حقیقی معنی میں نہیں کیونکہ جب وہ فعل ماضی پر داخل ہوتا ہے تو مکرر داخل ہوتا ہے۔ یہاں یہ ھلا کے معنی میں ہے، یعنی وہ اپنا مال خرچ کر کے عقبہ میں داخل کیوں نہیں ہوا جس کے ذریعے وہ طاعات کی گھاٹی کو عبور کر لیتا۔ حضور ﷺ کی دشمنی میں جو وہ مال خرچ کر رہا ہے اس کے مقابلہ میں یہ اس کے لئے بہتر ہوتا۔ یہ جملہ اهلكت مالا لبدا کا معطوف ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ اپنے حقیقی معنی میں ہے کیونکہ اقتحم العقبہ کی جو وضاحت کی گئی ہے اس میں تعدد پایا جاتا ہے یعنی اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے فلا فک رقبۃ ولا اطعم مسکینا ولا کان من الذین امنوا یعنی اس نے غلام آزاد نہ کیا، مسکین کو کھانا نہ کھلایا اور مومن نہ ہوا۔ اس جملے کا عطف جواب قسم پر ہوگا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی لقد خلقنا الانسان فی کبد التکلیفات فلا اقتحم ما کلف بہ جبکہ اس پر اس گھاٹی میں داخل ہونا اور جن مقاصد کے لئے اسے پیدا کیا گیا تھا ان کو بجالانا لازم تھا۔ یا اس کا عطف الم نجعل لہ عینین ولسانا وشفتین پر ہے۔ یعنی کیا ہم نے اسے دو آنکھیں، زبان اور ہونٹ نہیں دیئے تو وہ طاعت کی گھاٹی میں کیوں داخل نہیں ہوا تا کہ وہ نعمتوں پر شکر بجالاتا اور نعمتوں کو ان امور میں صرف کرتا جن میں صرف کرنا ضروری ہے۔ عقبہ کا اصل معنی پہاڑی راستہ ہے زندگی کی مشقتوں کے لئے اسے بطور مجاز استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں اقتحام سے مراد اس میں داخل ہونا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی معنی کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اقتحام کا معنی اس سے گزرنا اور جو امر لازم ہے اس کو بجالانا ہے کیونکہ یہ بھی گناہگار پر گناہوں کے بوجھ کی طرح ہے اور واجبات کی ادائیگی میں اپنے آپ پر مشقت ڈالنا گھاٹی پر چڑھنے کی مانند ہے۔ جب کوئی آدمی کسی غلام کو آزاد کرتا ہے یا مسکین کو کھانا کھلاتا ہے یا اپنے مال کی زکوۃ ادا کرتا ہے تو گویا کہ وہ وہ گھاٹی میں داخل ہوا اور اسے عبور کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس عقبہ سے مراد جہنم کی وادی کا ایک پہاڑ ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ پل کے علاوہ جہنم میں مشکل گھاٹی ہے تم اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ ہی عبور کر سکتے ہو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیا ہے۔

مجاہد ضحاک اور کلبی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اس سے مراد جہنم پر ایک راستہ ہے جو تلوار سے تیز ہوگا اس کی چڑھائی اور اترائی تین ہزار سال کی مسافت پر محیط ہے۔ اس کی دونوں جانب آنکڑے ہوں گے گویا وہ سعدان بوٹی کے کانٹے ہیں۔ کوئی اس سے محفوظ ہو جائے گا، کئی خراشیں آئیں گی اور نجات پا جائے گا، کوئی اس میں منہ کے بل گرے گا نجات پانے میں سے کوئی بجلی کی تیزی سے

ساتھ گزرے گا کوئی تیز ہوا کی صورت میں گزرے گا، کوئی گھسٹتے ہوئے گزرے گا، کوئی پھسل کر اس میں گرے گا اور کوئی ان کانٹوں اور آنکڑوں سے زخمی ہو کر جہنم میں گرے گا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ ایسے راستہ پر کیوں نہ چلا جس میں اس کے لئے نجات ہے۔ پھر اس راستہ کی وضاحت کی۔(1)

2۔ تم نفس پر اس کی مشقت اور اس کے ثواب کو نہیں جانتے حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ نے کہا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا اَدْرٰىكَ اس کے بارے میں آگاہ کر دیا اور جس کے بارے فرمایا وما یدریک اس کے بارے میں آگاہ نہ کیا(2)۔ اگر عقبہ سے مراد طاعات لی جائیں تو پھر تقدیر کلام کی ضرورت نہیں۔ اگر اس سے مراد گناہوں کا بوجھ ہے تو پھر تقدیر کلام اسی طرح ہوگی مَا اَدْرٰىكَ مَا اقْتِحَامُ الْعَقَبَةِ وَ الْخُرُوْجُ عَنْهَا۔

3۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے فک کو ماضی کا صیغہ پڑھا ہے اور رقبہ کو مفعول بہ ہونے کی حیثیت میں نصب دی ہے۔ اسی طرح اطعم کو ماضی کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ یہ دونوں فعل اقتحم سے بدل ہیں یا اس کا بیان ہیں اور ما ادرک ما العقبہ والا جملہ جملہ معترضہ ہے جبکہ باقی قراء نے فک کے کاف کو مضموم اور رقبۃ کو مجرور پڑھا ہے کیونکہ یہ مضاف مضاف الیہ ہیں۔ اطعام پر تنوین پڑھی ہے کیونکہ یہ مصدر ہے اور یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ھی فک رقبۃ۔ فک رقبۃ کا لفظ مکمل غلام آزاد کرنے، اس کی قیمت میں مدد کرنے مکاتب یا جس کا بعض حصہ آزاد کیا جا چکا ہو اس کے باقی ماندہ حقوق کی ادائیگی میں مدد کرنے کو شامل ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بدو حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا تو نے بات مختصر کی مگر مسئلہ طویل پوچھا غلام آزاد کر اور غلام کو گلو خلاصی کراؤ تو اس نے پوچھا کیا یہ دونوں چیزیں ایک ہی نہیں۔ فرمایا نہیں، غلام آزاد کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ تو اکیلے غلام کو آزاد کر اور گلو خلاصی کا مطلب یہ ہے کہ تو اس کی قیمت میں اس کی مدد کر اور منحہ کا معنی یہ ہے کہ ظالم رشتہ دار کی طرف تو خود رجوع کر اگر تو اس کی طاقت نہیں رکھتا تو بھوکے کو کھانا کھلا، پیاسے کو پانی پلا، نیکی کا حکم دے اور منکر سے روک دے۔ اگر تو یہ بھی طاقت نہیں رکھتا تو اپنی زبان کو اچھی بات کہنے کے علاوہ ہر چیز سے روک دے۔ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے(3)۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس نے مسلمان غلام کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے کا ایک عضو جہنم سے آزاد کر دے گا(4)۔ یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کے عوض اس کی شرمگاہ بھی آزاد کرے گا۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا فک رقبۃ کا معنی توبہ کر کے گناہوں سے آزادی حاصل کرنا ہے۔(5)

يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ﴿١٩﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً 3۔ شعب الایمان، جلد 4، صفحہ 66-65 (العلمیہ)
4۔ صحیح بخاری، جلد 6، صفحہ 2469 (ابن کثیر) 5۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

''یتیم کو جو رشتہ دار ہے یا خاک نشین مسکین کو[1] پھر وہ ایمان والوں سے ہو جو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں صبر کی اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں رحمت کی[2] یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں[3] اور جنھوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا وہ لوگ بائیں ہاتھ والے ہیں[4] ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی[5]''

۱ مسغبة، متربة، مقربة یہ مفعلة کے وزن پر مصدر میمی ہیں۔ مسغبة یہ سغب سے مشتق ہے جس کا معنی بھوکا ہونا ہے۔ مقربة قرب سے مشتق ہے جس کا معنی نسب میں قریبی ہونا ہے۔ متربة یہ ترب سے مشتق ہے جس کا معنی محتاج ہونا ہے یعنی حد درجہ محتاج ہونے کی وجہ سے وہ مٹی کے ساتھ مل گئے۔ یوم کی ''مسغبة'' کے ساتھ جو صفت لگائی گئی ہے یہ مجازی ہے۔ ظرف اطعام کے معنی سے یتیما اور مسکینا مفعول ہونے کی حیثیت سے منصوب ہیں۔

۲ اس جملے کا عطف اقتحم پر ہے یا فک پر ہے، ثم کے ساتھ اس لئے عطف کیا کیونکہ غلام آزاد کرنے اور کھانا کھلانے کی بنسبت ایمان لانے کا درجہ بہت بلند ہے۔ نیز یہ مستقل نیکی ہے اور تمام دوسری نیکیوں کے لئے شرط ہے۔ ایک دوسرے کو نافرمانیوں سے بچانے، طاعات پر قائم رہنے اور مصائب پر صبر کرنے کی تلقین کرو۔ نیز اللہ تعالیٰ کے بندوں پر رحم کرنے اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سبب بنتی ہیں ان پر باہم صبر کی تلقین کرو۔

۳ مذکورہ صفات سے جو لوگ متصف ہیں ان کی طرف اشارہ ہے۔ اصحاب میمنة سے مراد دائیں ہاتھ والے اور برکت والے ہیں۔ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے ما شان من اقتحم۔

۴ آیات سے مراد حق پر دلائل ہیں، وہ کتاب سے تعلق رکھتے ہوں یا دوسرے دلائل ہوں یا اس سے مراد قرآن ہے۔ اصحاب مشئمة سے مراد بائیں ہاتھ والے ہیں یا بدبخت مراد ہیں۔ مومنین کا اسم اشارہ (۱) سے ذکر کرنا اور کفار کا ضمیر کے ساتھ ذکر کرنا اس میں جو فرق ہے وہ صاحب بصیرت پر مخفی نہیں۔

۵ مؤصدة یہ اوصدت الباب سے مشتق ہے جب دروازے کو بند کر دیا جائے۔ حفص، ابو عمرو، حمزہ اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے سورۂ ہمزہ میں مؤصدة کو ہمزہ اور وقف کی صورت میں واؤ کے ساتھ بدل کر پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ تاہم اس میں یہ دونوں لغتیں ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

(۱) جب اسم اشارہ لایا جاتا ہے تو اس سے مراد موصوف اور صفات سب ہوتی ہیں گویا کلام میں تکرار رہتا ہے جبکہ ضمیر کی صورت میں صرف ذات مراد ہوتی ہے۔

سورۃ الشّمس

آیاتھا ۱۵ | سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ ۹۱ | رکوعھا ۱

سورۃ الشّمس مکی ہے۔ اس میں ایک رکوع اور پندرہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۝۵ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۝۶ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸

"قسم ہے آفتاب کی اور اس کی دھوپ کی ۱ اور قسم ہے ماہتاب کی جب وہ (غروب) آفتاب کے بعد آوے ۲ اور قسم ہے دن کی جب آفتاب کو روشن کر دے ۳ اور رات کی جب وہ اسے چھپا لے ۴ اور قسم ہے آسمان کی اور اسے بنانے والے کی ۵ اور زمین کی اور اس کو بچھانے والے کی ۶ اور قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی ۷ پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو ۸"

۱۔ مجاہد اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ضحا سے مراد سورج طلوع ہونے کے وقت کی روشنی ہے کیونکہ اس وقت اس کی روشنی صاف ہوتی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے تمام دن مراد ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے اس کی گرمی مراد ہے (1)۔ قاموس میں ہے ضَحْيَة بروزن عَشِيَّة سے مراد دن کا بلند ہونا ہے۔ ضحي اور ضحاء دونوں کا معنی دن کا نصف نہار کے قریب ہونا ہے۔

۲۔ جب چاند کا طلوع سورج کے طلوع کے بعد ہوتا ہے یہ مہینے کے پہلے نصف میں ہوتا ہے یا چاند کا طلوع سورج کے غروب کے پیچھے ہوتا ہے یا چاند چکر لگانے اور نور کو مکمل کرنے میں سورج کے پیچھے ہوتا ہے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ یہ دونوں صورتیں سفید راتوں (تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں) میں ہوتا ہے۔ (2)

۳۔ دن کی طرف تجلی کی نسبت مجازی ہے جس طرح صام نہارہ میں فعل کی نسبت نہار کی طرف مجازی ہے۔ ھا ضمیر منصوب یا تو شمس کی طرف ہے کیونکہ جب دن خوب پھیل جاتا ہے تو سورج خوب روشن ہو جاتا ہے یا یہ ایک ایسے اسم کی طرف لوٹ رہی ہے جو مذکور نہیں یعنی دن تاریکی یا زمین یا دنیا کو روشن کر دیتا ہے۔

۴۔ ھا ضمیر سے مراد سورج، آفات یا زمین ہے۔ ظروف یعنی اذا تلٰھا، اذ اجلٰھا اور اذا یغشٰھا یہ جمہور کے نزدیک فعل قسم کے

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

ساتھ متعلق ہیں۔ بحر مواج کے مؤلف نے کہا ہے یہ جائز نہیں کیونکہ قسموں کے وقوع کا ان اوقات سے کوئی تعلق نہیں۔ جبکہ یہ چاند ... رات کی صفت بھی نہیں کیونکہ ظرف زمان حسی امر کی صفت نہیں بنتا۔ تو اس کی تاویل یہ ہوگی کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی وَانجلاءُ الْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا یعنی چاند کے روشن ہونے کی قسم جب وہ سورج کے پیچھے آتا ہے ... قسم جب وہ سورج کو روشن کرتا ہے اور رات کے واقع ہونے کی قسم جب وہ سورج کو ڈھانپ لے۔ ظرف یہ تو مضاف کی صفت ... کیونکہ وہ اسم معنی ہے یا اس کے متعلق ہوگی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں اذا وقت کے معنی میں ہو مگر ظرف نہ ... جیسے اذا یقومُ زیدٌ اذ یقعدُ عمرٌو۔ اس صورت میں ظرف اپنے ماقبل سے بدل اشتمال ہوگا اور اس کی قسم ... جائز ہے۔

ل یہاں ما من کے معنی میں ہے۔ آسمان کو بنانے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ عطاء اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ اس تعبیر سے تو یہ لازم آتا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کو اللہ تعالیٰ کی قسم پر مقدم کیا گیا ہے۔ ... آتی ہے۔ کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے اور یہی ادب ہے۔ ... وصفیت کا ارادہ کیا گیا ہے۔ گویا یوں کلام کی گئی قسم ہے اس شے کی جو اس کے بنانے پر قادر ہے اور آسمان کی بناوٹ بھی ... قدرت کی دلیل ہے۔ زجاج اور فراء رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس میں ما مصدریہ ہے یعنی قسم ہے آسمان اور اس ... مابعد کلام میں بھی ہوگی۔ (2)

ت یعنی قسم ہے زمین کی اور اس کے پھیلانے کی۔ سابقہ گفتگو مابعد کلام میں بھی ہوگی۔

ث اس کی تخلیق کو متوازن کیا اور حکمت کا جو تقاضا تھا اس کو پورا کیا۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب کشاف کی اتباع میں ... ما کو مصدریہ بنایا جائے تو یہ فعل کو فاعل سے الگ کر دیتا ہے۔ نیز مابعد کلام کی نظم میں مخل ہوتا ہے۔

ل کیونکہ ما کو مصدریہ بنانے کی صورت میں فعل کا عطف مصدر پر لازم آتا ہے۔ ہاں ایک صورت یہ ہے کہ الہمہا کی ضمیر اللہ تعالیٰ ... ہو اور بغیر مرجع کے ضمیر اس لئے ذکر کی کیونکہ وہ معلوم و مشہور ہے۔

بحر مواج کے مصنف نے کہا الھمھا کا عطف سوّٰھا پر ہے۔ معنی ہوگا قسم ہے نفس کی، اس کو کامل بنانے کی اور اس ... تقویٰ کے الہام کرنے کی تو اس صورت میں وہ اعتراض وارد نہ ہوگا جو پہلے مذکور ہوا۔ نفس کو نکرہ کثرت اور عمومیت ... جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا اَحْضَرَتْ۔ یا تعظیم اور مفرد پر دلالت ... اس صورت میں ... سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کا نفس ہے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے تمام انسان اور جن مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا (3) اور فجور و تقویٰ کے الہام سے مراد یہ ہے کہ ان کے لئے خیر، شر، طاعت اور معصیت کو واضح کیا یہاں تک ... جو لایا شر اور معصیت سے بچا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے۔ فجور اور تقویٰ کے الہام سے ... فجور اور تقویٰ کو نفس پر لازم کر دیتا ہے اور اس کے دل میں جو چاہتا ہے اس کا میلان پیدا کر دیتا ہے۔ مومن کو تقویٰ کی توفیق دیتا ہے ... اس کے دل میں میلان پیدا کرتا ہے یا فجور کے لئے اس کو بے یارومددگار چھوڑ دیتا ہے اور ... سعید بن جبیر اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اسی تعبیر کو پسند فرمایا ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

عمران بن حصین سے مروی ہے کہ مدینہ کے دو آدمیوں نے حضور ﷺ سے عرض کی بتائیے تو سہی جو لوگ آج عمل کرتے ہیں اور اس میں کدو کاوش کرتے ہیں۔ کیا یہ ایسی چیز ہے جس کا پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے اور یہ سابقہ تقدیر سے تعلق رکھتی ہے یا یہ کوئی ایسی چیز ہے جو آئندہ آنے والے اختیاری امور ہیں جو ان کا نبی ان کے پاس لاتا ہے اور نافرمانی کی صورت میں ان پر حجت قائم ہو جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ ایسی چیز ہے جس کا ان کے بارے میں پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (1)۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تمام بنی آدم کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان اس طرح ہیں جس طرح ایک دل ہوتا ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے انہیں پھیر دیتا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ فجور کو تقویٰ پر مقدم کیا کیونکہ نفس اصل میں برائی کا حکم دیتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں آیات کے سروں کی رعایت بھی ہے۔

پہلی واؤ بالاتفاق قسمیہ ہے اسی طرح دوسری، تیسری اور مابعد والی واؤ بھی بعض کے نزدیک قسمیہ ہے یہ عاطفہ نہیں کیونکہ اگر اسے عاطفہ بنایا جائے تو مختلف عاملوں کے معمولوں پر عطف لازم آتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں والیل اذا یغشها کیونکہ اللیل واؤ قسمیہ کی وجہ سے مجرور ہے اور اذا یغشی مقدر فعل قسم کی وجہ سے منصوب ہے۔ اگر والنهار اذا جلها میں واؤ کو عاطفہ بنایا جائے تو واؤ فعل اور حرف جار کے قائم مقام ہوگی۔ جبکہ صحیح یہ ہے کہ پہلی واؤ کے علاوہ تمام واؤ عاطفہ ہیں کیونکہ قسم کے مکمل ہونے سے پہلے قسم میں دوسری قسم کو داخل کرنا جائز نہیں ہوتا۔ یہاں صورت یہ بنے گی کہ واؤ عاطفہ قسم کے قائم مقام ہوگی لیکن واؤ قسم با، اور فعل کے قائم مقام ہے جس کے ساتھ فعل کو ظاہر ذکر کرنا جائز نہیں۔ گویا یہی اپنے دونوں معمولوں کو نصب اور جر دے رہی ہے۔ گویا یہ ایک ایسا عامل ہے جس کے دو عمل ہیں۔ اس لئے دو معمولوں پر عطف جائز ہے۔ ایسا کرنا بالاتفاق جائز ہے جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًوا وَّبَكْرٌ خَالِدًا۔ یہ تعبیر اس صورت میں ہوگی جب ظروف فعل قسم کے متعلق ہیں۔ مگر جو بحر مواج نے تاویل کی ہے تو اسے اس توجیہ کی ضرورت نہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَا ۝۱۱

"یقیناً فلاح پا گیا جس نے (اپنے) نفس کو پاک کر لیا ۱۔ اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا ۲۔ جھٹلایا قوم ثمود نے (اپنے پیغمبر کو) اپنی سرکشی کے باعث ۳۔"

۱۔ زکھا میں ھو مرفوع سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ھا ضمیر من کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ من سے مراد نفس ہے، یعنی وہ نفس کامیاب ہو گیا جسے اللہ تعالیٰ نے صفات کاملہ کے ساتھ متصف کر کے اسے رذائل سے پاک کیا یہاں تک وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام پر راضی ہو گیا اس کے ذکر اور طاعت سے مطمئن ہو گیا جس چیز سے اسے منع کیا گیا اور جو چیز اللہ تعالیٰ سے اسے غافل کرتی تھی اس سے بچنے کی کوشش کرنے لگا کیونکہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے جویبر کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے سنا کہ وہ نفس کامیاب ہو گیا جسے اللہ تعالیٰ نے پاک کیا (3)۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسا ہی قول کیا ہے۔

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا		2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 335 (قدیمی)		3۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا

امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ اور ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں عجز، سستی، بزدلی، بخل، بڑھاپے اور عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ مجھے تقویٰ اور طہارت عطا فرما تو ہی بہترین تزکیہ عطا کرنے والا ہے، تو اس کا ولی اور مولیٰ ہے۔ اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے، ایسے دل سے جو خشوع نہ کرتا ہو، ایسے نفس سے جو سیر نہ ہوتا ہو، ایسی دعا سے جو قبول نہ ہوتی ہو(1)۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے جس نے اپنے نفس کو پاک کیا، اس کی اصلاح کی اور اللہ تعالیٰ کی طاعت پر اسے ابھارا وہ کامیاب ہو گیا، یعنی زکّٰھا کی ضمیر مرفوع مَن کی طرف لوٹ رہی ہے جس سے مراد انسان ہے۔ پہلی تاویل کی صورت میں یہ ان لوگوں کی حالت کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہیں۔ دوسری صورت میں یہ ان لوگوں کی حالت کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے منتخب کر لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے۔ یہ جملہ جواب قسم ہے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جواب قسم سے لام اس لئے حذف کر دیا گیا کیونکہ قسم کے بعد کلام طویل ہو گئی اور کلام میں تاکید ہی اہل ایمان کی ہو گئی۔ گویا جب تزکیہ نفس، اس میں مبالغہ سے کام لینے اور مجاہدہ کرنے پر مرتب کیا تو ایسی چیز دل کی نصیب ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کے واجب الوجود ہونے اور صفات کمالیہ کا پتہ دیتی ہیں۔ تو اسی سے قوت نظریہ کے کمال کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم نعمتوں کا ذکر کیا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانے میں منہمک ہوں جو قوت عملیہ کا کمال ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسی کی طرف سے جذب مرتب ہوتا ہے جبکہ ان کی طرف سے تقویٰ ہوتا ہے اور اسی سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے یہ جملہ معترضہ ہے جس کا ذکر فالهمها فجورها وتقوها کے بعد آیا ہے۔ یہ دونوں جماعتوں میں فرق بیان کرنے کے لئے ہے اور جواب قسم محذوف ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے كذبت ثمود بطغوها۔ اصل جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کو ہلاک کر دے گا کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ کو جھٹلایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو ہلاک کیا تھا جب انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا۔

اس جملہ میں بھی کلام اسی طرح ہو گی جس طرح پہلے جملہ کے بارے میں تھی۔ دسّٰها اصل میں دسّس تھا۔ حرف مضاعف کو حرف علت سے بدل دیا جس طرح تقضى اصل میں تقضض تھا۔ تدسیس کا معنی چھپانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ام يدسه في التراب یا اسے مٹی میں چھپا دے۔ لیکن یہاں اس سے مراد ہلاک کرنا ہے کیونکہ یہ چھپانے کو لازم ہے، یعنی وہ نفس خائب و خاسر ہو گیا جسے اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر کے ہلاک کیا یا اس نے گمراہی اختیار کر کے اپنے آپ کو ہلاک کیا۔

اس جملہ سے لے کر سورت کے آخر تک یہ قد خاب من دسّٰها کی تاکید ہے۔ جس امر کو انہوں نے جھٹلایا وہ محذوف ہے اور طغوی سے پہلے باء سببیہ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہو گی کہ انہوں نے کفر میں سرکشی کے سبب حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی جنہوں نے توحید اور نبوت کی تعلیم دی کیونکہ آپ نے فرمایا إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ۔ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ۝ مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا فَأْتِ بِآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے آپ کی صداقت پر نشانی طلب کی۔ نیز انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اس معین چٹان سے دس ماہ کی گابھن اونٹنی نکالیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی تو

1۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 216 (وزارت تعلیم)

WWW.NAFSEISLAM.COM

اس چٹان سے ایک اونٹنی نکل آئی۔ اس نے اسی وقت اپنے جیسا بچہ جنا۔ وہ اونٹنی سارا پانی پی جاتی تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اس اونٹنی کے لئے پانی کی باری معین فرمادی۔ آپ نے فرمایا یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔ ایک دن اس کی پانی کی باری ہے اور تمہارے لئے بھی پانی کی باری معلوم ہے۔ انہوں نے اونٹنی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تا کہ تمام پانی انہیں کے لئے ہو جائے۔

إِذِ انۢبَعَثَ أَشْقَىٰهَا ﴿١٢﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ ٱللَّهِ نَاقَةَ ٱللَّهِ وَسُقْيَٰهَا ﴿١٣﴾ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنۢبِهِمْ فَسَوَّىٰهَا ﴿١٤﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبَٰهَا ﴿١٥﴾

''جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں سے ایک بڑا بدبخت ۱؎ تو کہا انہیں اللہ کے رسول نے کہ (خبردار رہنا) اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی کی باری سے ۲؎ پھر بھی انہوں نے جھٹلایا رسول کو اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں پس ہلاک کر دیا انہیں ان کے رب نے ان کے گناہ (عظیم) کے باعث اور سب کو پیوند خاک کر دیا ۳؎ اور کوئی ڈر نہیں اللہ کو ان کے (تباہ کن) انجام کا ۴؎''

۱؎ جب قوم کے لوگوں نے اس بدبخت کو کہا تو وہ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے لئے جلدی سے اٹھا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ۔ انبعاث کا معنی اطاعت میں جلدی کرنا ہے۔ ظرف کذبت کے متعلق ہے۔ اشقی سے مراد قوم ثمود میں سے بدبخت ترین ہے۔ وہ قدار بن سالف ہے۔ اس کا رنگ سرخ، آنکھیں نیلی، قد چھوٹا تھا۔ اس کی بدبختی دوسروں سے اس لئے بڑھ کر تھی کیونکہ اس نے اس کام کو اپنے ذمہ لیا تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا، آپ نے اونٹنی اور اس کی کونچیں کاٹنے والے کا ذکر کیا، حضور ﷺ نے فرمایا قوم کا ایک معزز اور باہمت آدمی اٹھا جیسے ابوزمعہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں میں سے بدبخت ترین وہ شخص ہے جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں اور حضرت آدم علیہ السلام کا وہ بیٹا ہے جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا۔ زمین پر جو بھی خون بہایا جائے گا اس کا گناہ حضرت آدم علیہ السلام کے اس بیٹے کو بھی ہوگا کیونکہ اسی نے سب سے پہلے قتل کیا۔ اسے طبرانی، حاکم اور ابونعیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے حلیہ میں صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

۲؎ قال کا عطف انبعث پر ہے۔ رسول اللہ سے مراد حضرت صالح علیہ السلام ہیں۔ ناقۃ اللہ سے پہلے ذروا فعل محذوف ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی اونٹنی سے بچو۔ یا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی کونچیں کاٹنے سے بچو۔ اللہ تعالیٰ کی ناقۃ کی اضافت اونٹنی کی تعظیم کے اور خبردار کرنے میں کمال کے اظہار کے لئے ہے۔ سُقْيَاهَا کا عطف ناقۃ پر ہے، یعنی اس کے بارے میں مداخلت سے بچو، اسے چشمے سے دور نہ بھگاؤ اور نہ ہی اسے کوئی تکلیف پہنچاؤ یعنی اگر تم اسے تکلیف پہنچاؤ گے تو تمہیں عذاب عظیم پکڑ لے گا۔

۳؎ حضرت صالح علیہ السلام نے کونچیں کاٹنے کی صورت میں جس عذاب سے ڈرایا تھا اس میں آپ کو جھٹلا دیا۔ عقروھا کا عطف کذبوا پر ہے۔ فعل کی نسبت تمام قوم کی طرف کی جبکہ یہ فعل صرف ایک آدمی نے کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ان کے کہنے پر یہ عمل کیا تھا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جن لوگوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں ان کی تعداد نو تھی۔ نو کو اشقی کے ساتھ تعبیر کرنا جائز ہے کیونکہ اسم تفضیل کا صیغہ جب مضاف ہو تو واحد اور جمع دونوں کا معنی دیتا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تین دن تک لطف

... ہوتو پہلے دن تمہارے چہرے زرد پڑ جائیں گے۔ دوسرے دن سرخ ہو جائیں گے۔ تیسرے دن چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔ تین دنوں کے بعد تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔

جوہری نے صحاح میں دمدم کا معنی یہ ذکر کیا ہے نسل کو ہی ہلاک کر دینا۔ عطاء اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کیا۔ قاموس میں ہے دمدمہ یعنی غصے ہونا، دمدمہ علیہ یعنی اس سے ناراضگی کے ساتھ بات کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے دمدم علیہم انہیں ہر طرف سے گھیر لیا۔ بذنبہم میں باء سببیہ ہے۔ ان کے گناہ سے مراد رسول کو جھٹلانا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹنا ہے۔

فسوّٰها تمام پر عذاب کو عام کر دیا۔ ان کا چھوٹا بڑا کوئی بھی عذاب سے نہ بچا۔

نافع اور ابن عامر رحمہما اللہ تعالیٰ نے فلا یخاف پڑھا ہے۔ ان کے مصاحف میں بھی ایسے ہی ہے۔ جبکہ باقی قراء نے واو کے ساتھ پڑھا ہے۔ فعل میں موجود ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں امالہ کیا ہے مگر تلاها اور ضحٰها میں امالہ نہیں کیا۔ حمزہ نے انہیں فتحہ دیا ہے۔ ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے تمام کو بین بین پڑھا ہے۔ جبکہ باقی قراء نے انہیں مفتوح پڑھا ہے۔

عقبٰها میں ها ضمیر سے مراد دمدمہ ہے یا اهلاک ثمود ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کو ان کے ہلاکت کے انجام کا کوئی خوف نہیں نہ ان میں سے کسی کو باقی رکھتا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے یہی کہا ہے۔ علی بن طلحہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کی ہے۔ ضحاک، سدی اور کلبی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا هو ضمیر فاعل عاقر کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے اذ انبعث اشقٰها ولا یخاف عقبٰها(2)۔ یہ جملہ دمدمہ کے فاعل سے حال ہے یا انبعث کے فاعل سے حال ہے اور واو حالیہ ہے۔ جب فاء کے ساتھ قراءت ہو تو اس کا عطف فسوٰها پر ہوگا، واللہ اعلم۔

نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

1۔ [illegible]

2۔ ایضاً

سورۃ الیل

آیاتھا ۲۱ | سُورَۃُ الَّیۡلِ مَکِّیَّۃٌ ۹۲ | رکوعھا ۱

سورۃ الیل مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور اکیس آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی ۙ﴿۱﴾ وَالنَّہَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۙ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالۡاُنۡثٰۤی ۙ﴿۳﴾ اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی ؕ﴿۴﴾

"قسم ہے رات کی جب وہ ہر چیز پر چھا جائے [۱] اور قسم ہے دن کی جب وہ خوب چمک اٹھے [۲] اور اس کی قسم جس نے پیدا کیا نر اور مادہ کو [۳] بے شک تمہاری کوششیں مختلف نوعیت کی ہیں [۴]"

۱۔ **یغشی** کا مفعول بہ الشمس ہے یا النہار ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے **یغشی اللیل النہار** یا اس کا مفعول بہ ہر وہ چیز ہے جس کو رات اپنی تاریکی میں چھپا لیتی ہے۔ اذا یغشی میں کلام وہی ہوگی جو وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰھَا میں گزر چکی ہے کہ یہ فعل قسم کے متعلق ہے یا مضاف محذوف کے متعلق ہے جو حصول ہے۔ اس صورت میں اذا مصدر کی صفت ہوگا یا اذا وقت کے معنی میں ہے۔ اس وقت یہ ظرف نہیں ہوگا۔

۲۔ رات کی تاریکی زائل ہونے یا سورج کے طلوع ہونے کے ساتھ دن ظاہر ہو گیا۔

۳۔ ما کو من کی جگہ اس لئے ذکر کیا کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ کی صفت مراد ہے، یعنی ہر نوع جس میں پیدائش کا سلسلہ جاری ہوتا ہے۔ اس کی مذکر اور مونث دونوں صنفوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے۔ یا الذکر والانثی سے مراد حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں ما مصدریہ ہو اور مابعد اس کا جواب قسم ہو۔

۴۔ تمہارے اعمال مختلف ہیں۔ تم میں سے کچھ تو ایسے لوگ ہیں جو آگ سے اپنی گردن کو آزاد کرانے اور قرب اور جنت کے مدارج چڑھنے کی کوشش کرنے والے ہیں اور کچھ اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی کوشش کرنے والے ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر انسان صبح کرتا ہے اور وہ اپنے نفس کو بیچنے والا ہوتا ہے، یا تو اسے آزادی دلاتا ہے یا ہلاکت میں ڈالتا ہے(1) پھر اللہ تعالیٰ نے مختلف مساعی کی وضاحت کی۔

فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَاتَّقٰی ۙ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ﴿۶﴾ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡیُسۡرٰی ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰی ۙ﴿۸﴾ وَکَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ﴿۹﴾ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡعُسۡرٰی ؕ﴿۱۰﴾

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

"پھر جس نے (راہ خدا میں) اپنا مال دیا اور (اس سے) ڈرتا رہا۔ اور (جس نے) اچھی بات کی تصدیق کی تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے آسان راہ۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بنا رہا۔ اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے مشکل راہ۔"

یعنی جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے یا جو ادا کرنا اس پر فرض تھا اسے ادا کرتا ہے۔ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کی ناراضگی والے گناہوں سے اجتناب کرتا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے جہنم سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک حصہ کو صدقہ کر کے (1)۔ اسے شیخین نے عدی بن حاتم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن ... رحمۃ اللہ علیہ سے ... میں روایت کیا۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔

ابو عبدالرحمن سلمی اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا حسنیٰ سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔ یہی عطیہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حسنیٰ سے مراد جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ۔ یہاں بھی حسنیٰ سے مراد جنت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اسے یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ (جنت) عطا فرمائے گا۔ یہی روایت حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ قتادہ، مقاتل اور کلبی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا حسنیٰ سے مراد اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے یعنی اس نے یہ تصدیق کی کہ اللہ تعالیٰ اس وعدہ کو پورا فرمائے گا۔2

ہم اسے ایسے عمل کی توفیق دیں گے جو آسانی اور راحت کی طرف لے جائے یعنی ایسے عمل کی توفیق دے گا جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت میں داخل ہونے کو آسان بنا دے گا۔ یہ یسر الفرس سے مشتق ہے۔ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب گھوڑے کو زین اور لگام کے ساتھ تیار کیا جائے۔

جس نے بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے معین حدود و فرائض کی بجا آوری میں بخل کیا۔ حدیث طیبہ میں ہے پوری طرح بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے (3)۔ اسے امام ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابن حبان اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

یعنی دنیا کی شہوتوں میں منہمک ہونے کی وجہ سے آخرت کے ثواب اور ثواب دینے پر قدرت رکھنے والے سے مستغنی ہو گیا۔

یعنی اس نے اچھے کلمہ کو جھٹلایا۔

ہم اسے ایسے عمل کی طرف متوجہ کر دیں گے جو اسے تنگی اور سختی کی طرف لے جائے گا۔ یہ ایسا عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے اور اسے جہنم میں داخل کر دیتا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے اس کے لئے بھلائی کا کام کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک ٹھکانہ جہنم اور ایک ٹھکانہ جنت میں لکھ دیا جاتا ہے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم اپنی تقدیر پر ہی اعتماد نہ کر لیں اور عمل نہ چھوڑ دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا عمل کرو اللہ تعالیٰ اسے عمل کی توفیق دیتا ہے جس کے لئے اسے پیدا کیا ہوتا ہے۔ جو سعادت مند ہوتے

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 327 (قدیمی)
2۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا
3۔ مجمع الزوائد، جلد 1، صفحہ 352، (الفکر)

WWW.NAFSEISLAM.COM

ہم اسے سعادت والے کاموں کی توفیق دیتے ہیں۔ جو بد بخت ہوتا ہے ہم اسے بدبختوں والے اعمال کی توفیق دیتے ہیں۔ پھر ان آیت کی تلاوت فرمائی، متفق علیہ۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف سے ایک غلام اور دس اوقیہ چاندی کے بدلے میں خریدا تھا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ لیل کو ان سعیکم لشتی تک نازل فرمایا، یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک کام کیا اور امیہ نے بھی ایک کام کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے حاکم بن ابان کے واسطہ سے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی کے گھر ایک کھجور کا درخت تھا جس کی شاخیں ایک صاحب اولاد فقیر کے گھر کی طرف جھکی ہوئی تھیں جب کھجور کا مالک آتا گھر میں داخل ہوتا کھجور پر چڑھتا تاکہ اس کا پھل اتارے جو کھجوریں نیچے گرتیں تو محتاج آدمی کے بچے انہیں اٹھا لیتے وہ کھجور سے اترتا ان کے ہاتھوں سے کھجوریں لے لیتا۔ اگر وہ کھجور کسی کے منہ میں بھی پاتا تو اپنی انگلیاں ان کے منہ میں ڈالتا اور کھجوریں نکال لیتا۔ اس محتاج آدمی نے حضور ﷺ سے شکایت کی آپ نے فرمایا تو چلا جا۔ حضور ﷺ اس کھجور کے درخت کے مالک سے ملے فرمایا تیری وہ کھجور جس کی شاخیں فلاں کے گھر میں ہیں وہ مجھے دے دے۔ اس کے بدلے میں تیرے لئے جنت میں کھجور کا درخت ہوگا۔ اس آدمی نے عرض کی میں ضرور درخت پیش کر دیتا کیونکہ میرے پاس کھجور کے بے شمار درخت ہیں لیکن اس درخت کے پھل جیسا کسی کا کوئی پھل نہیں۔ پھر وہ مالک چلا گیا تو ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جو حضور ﷺ کی اور اس آدمی کی گفتگو سن رہا تھا۔ عرض کی اگر میں وہ درخت لے لوں تو کیا آپ مجھے بھی وہی چیز عطا کر دیں گے جو آپ نے درخت کے مالک کو عطا فرما دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں وہ سوال کرنے والا اس آدمی کے پاس گیا دونوں کے پاس کھجوروں کے کافی درخت تھے۔ اس سے کہا تمہارا کیا خیال ہے کہ حضور ﷺ نے تیرے اس درخت کے بدلے میں جو فلاں کے گھر میں جھکا ہوا ہے جنت میں ایک درخت عطا فرمایا۔ تو درخت کے مالک نے کہا حضور ﷺ نے مجھے بھی درخت عطا فرمایا تھا لیکن اس کا پھل مجھے بہت پسند ہے۔ میرے اور بھی بہت سے کھجور کے درخت ہیں مگر اس جیسا اچھا پھل کسی اور درخت کا نہیں۔ دوسرے آدمی نے کہا کیا تو اسے بیچنے کا ارادہ رکھتا ہے؟ اس نے کہا میں بیچنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ ہاں ایک شرط ہے کہ جتنا میں ارادہ کروں اتنی قیمت مجھے دے دی جائے۔ مگر مجھے گمان نہیں کہ کوئی مجھے اتنی قیمت دے گا۔ دوسرے نے پوچھا اس کی کتنی قیمت ہے؟ اس نے کہا چالیس درخت۔ دوسرے نے کہا تو نے بہت بڑی قیمت لگائی ہے۔ پھر وہ خاموش ہو گیا اور اس سے کہا میں تجھے چالیس درخت دیتا ہوں اور کہا اگر تم سچے ہو تو گواہ لاؤ۔ پہلے نے اپنی قوم کے افراد بلا لئے جو اس کے گواہ بن گئے۔ پھر دوسرا آدمی جو اب مالک بن چکا تھا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اب وہ درخت میرا ہو چکا ہے۔ اب میں اسے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ حضور ﷺ اس محتاج کے پاس گئے، فرمایا اب یہ درخت تیرا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(1)۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن حجر سے انہوں نے اسحٰق بن نجیح رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے اسی کی مثل

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا

[illegible] یہ جب درخت [illegible] کے مالک نے حضور ﷺ سے شکایت کی [illegible] پڑوسی کے بچے کھجوریں چن [illegible] حضور ﷺ [illegible] یہ درخت جنت میں ایک درخت کے عوض میں [illegible] دے دو تو اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا [illegible] اس [illegible] ان [illegible] یہ [illegible] مفسرین نے بیان کیا ہے اور [illegible] یہ سورت ان سعیکم لشتی تک [illegible] حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور امیہ بن خلف رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں [illegible] یہ سورت [illegible] ابن [illegible] کا قول اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ سورت مدنی ہو [illegible] روایت [illegible] تو پھر [illegible] یہ [illegible] کے بارے میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے عطا کیا اور تقویٰ اختیار کیا جیسے ابو دحداح نے کیا [illegible] حضور ﷺ سے جو وعدہ کیا اس کی تصدیق کی تو ہم نے اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیا۔ جب آیت کو ختم [illegible] وعید [illegible] کیا اور فرمایا واما من بخل واستغنی۔ یہ آیت [illegible] میں بطور [illegible] نہیں کیونکہ [illegible] سے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ثواب اور جنت کی نعمتوں کے مستحق ہوں اور [illegible] ہوں [illegible] جہنم کا مستحق بنانے والی [illegible] فرض زکوٰۃ ادا [illegible] امر مخفی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ۝ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ۝

اور اس کے کسی کام نہ آئے گا اس کا مال جب وہ ہلاک ہوگا (گڑھے) میں [illegible] بے شک ہمارے ذمہ ہے راہ دکھانا ۔ اور بے شک آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں ۔

[illegible] اس میں [illegible] ما نافیہ ہے یا [illegible] استفہام [illegible] تردی باب تفعل سے [illegible] ردی سے مشتق [illegible] رحمۃ اللہ علیہ [illegible] مستحق ہوتا ہے [illegible] گڑھے میں [illegible] جہنم کی گہرائی میں [illegible] گیا (2)

[illegible] علینا [illegible] ہم نے اپنے [illegible] وعدے کے مطابق ہدایت [illegible]
ھدی سے مراد [illegible] اور شریعت کے احکام بیان کرنے [illegible] صرف رہنمائی [illegible] رحمۃ اللہ علیہ [illegible] یہ [illegible] پہنچا دے [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] ان سے وعلی اللہ قصد السبیل۔ اس کا معنی یہ ہے [illegible] اللہ تعالیٰ کا ارادہ [illegible] سیدھے راستہ [illegible] جو ہدایت کے راستہ پر چلے وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔

[illegible] آخرت اور دنیا ملک اور تخلیق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ [illegible] یہاں [illegible] مقدم [illegible] سے طلب کی اور [illegible] راستہ [illegible] ہدایت یافتہ لوگوں کو ہدایت کا ثواب [illegible] نقصان نہیں پہنچتا۔

فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ۝ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ۝ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝

[illegible] 2۔ [illegible]

''پس میں نے خبردار کر دیا ہے تمہیں ایک بھڑکتی آگ سے [1]۔ اس میں نہیں جلے گا مگر وہ انتہائی بدبخت [2]۔ جس نے (نبی کریم کو) جھٹلایا اور (آپ سے) روگردانی کی [3]''

[1] اس میں فاء سببیہ ہے کیونکہ آخرت اور دنیا جب اللہ تعالیٰ کی ہے تو یہ خوف دلانے کا سبب ہے۔ تلظی کی ایک تاء حذف ہے۔ یہ فعل نارا کی صفت ہے جس کا معنی روشن ہونا اور بھڑکنا ہے۔

[2] یہ جملہ نارا کی دوسری صفت ہے۔ یہاں اشقی شقی کے معنی میں ہے۔ یہ کافر اور ایسے فاسق کو بھی شامل ہے جس کی بخشش نہ ہوئی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت مابعد کلام سے بیان کی ہے۔

[3] یعنی جس نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی اور ایمان سے روگردانی کی اس پر اشقی کا اطلاق بعض افراد کی وجہ سے ہے۔ قید احترازی نہیں بلکہ عادت کے طور پر اور ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مومن شقی نہ ہو کیونکہ ایمان تقوی اور سعادت کا تقاضا کرتا ہے۔ بلکہ کافر جھٹلانے والا ہی حقیقت میں بدبخت اور غالباً نافرمان ہوتا ہے۔ تو یہاں شقی کی جو صفات تکذیب اور تولی سے لگائی گئی ہیں۔ وہ بطور عادت ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ۔ یا یہ تکذیب صریح تکذیب اور دلالۃ تکذیب سے عام ہے۔ صریح تکذیب سے مراد کفر ہے اور دلالۃ تکذیب سے مراد ایمان کی حالت میں محرمات کا ارتکاب کرنا جبکہ ان کے حرام ہونے کا اعتقاد بھی ہو یا یہ تکذیب زبان اور دل سے جھٹلانے دونوں کو عام ہے۔ تو اس صورت میں یہ کفر اور نفاق ہوگا۔ اسی طرح اسے بھی شامل ہوگا جو نفس امارہ سے صادر ہوتا ہے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہوتا ہے اور زبان اس کا اقرار کرتی ہے تو یہ ایمان ہوگا اور اس پر اسے بدلہ دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں اشقی اسم تفضیل کے معنی میں ہے اور اس سے مراد کافر ہے کیونکہ یہ فاسق سے زیادہ بدبخت ہے۔ مگر لا یصلھا مطلق نہیں بلکہ اس سے مراد جہنم میں ایسا داخل ہونا ہے جس میں دوام اور شدت پائی جائے۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لا یصلھا کا معنی یہ ہے اس کی سختیوں کو اشقی ہی ہمیشہ کے لئے برداشت کرے گا کیونکہ فاسق کو اگر نہ بخشا گیا تو وہ اس میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ اس لئے حصر میں کوئی نقص نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ لا یصلھا کی ضمیر منصوب نارا تلظی کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی دہکتی ہوئی آگ میں صرف کافر ہی داخل ہوگا۔ جہاں تک فاسق کا معاملہ ہے اسے جہنم میں تو داخل کیا جائے گا مگر اسے دہکتی ہوئی آگ میں داخل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے کافر کی بنسبت کمزور آگ میں داخل کیا جائے گا یہ جہنم کا اوپر والا طبقہ ہوگا۔

میرے نزدیک اشقی سے مراد کافر ہے جس طرح ظاہر ہے۔ اسی طرح آگ بھی عام ہے کیونکہ دنیا کی آگ کی صفت بھی تلھب (دھکنا) سے لگائی جاتی ہے۔ جہنم کی آگ اگرچہ کمزور ہی کیوں نہ ہو وہ بہر صورت دنیا کی آگ سے بہت سخت ہوگی۔ لیکن آیت میں حصر اضافی ہے۔ اس کا تعلق صرف ان مومنوں کے بارے میں ہے جو حضور ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے۔ اس لحاظ سے یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ کوئی بھی صحابی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔ یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جب تمام صحابہ عادل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمام کے ساتھ جنت کا وعدہ کیا ہے ارشاد فرمایا كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اور ارشاد فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جہنم کی آگ اس مسلمان کو نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا جس نے مجھے دیکھا اس کو اس نے دیکھا (1)۔ امام ترمذی

1۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 13، صفحہ 195 (العلمیہ)

رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے میرے صحابہ ستاروں کی مانند [illegible]
ہیں۔ ان میں سے جس کی بھی تم نے اقتدا کی تم ہدایت پا جاؤ گے۔ اسے رزین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر [illegible] سے
روایت کیا ہے۔ ان میں سے جس سے بھی گناہ صادر ہوا تو وہ شاذ و نادر کے حکم میں ہے اور انہیں عموماً توبہ کی توفیق [illegible]
[illegible] ایسی ہی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ اسے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے [illegible]
صورت میں نقل کیا ہے کیا اسے حضور ﷺ کی محبت کی [illegible] سے رحمت اسے ڈھانپ لیتی ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو [illegible] ﷺ نے
صحابہ کے حق میں فرمایا یہ ایسی قوم ہے جن کی صحبت میں بیٹھنے والے بدبخت نہیں ہوتے (1)۔ صحیحین کی حدیث میں [illegible]
[illegible] والے خائب و خاسر نہیں ہوتے۔ صحیحین اور ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے [illegible]
مجلس میں ایک زمانہ تک رہا ان کے بارے میں تیرا کیا گمان ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جب حضور ﷺ کے زمانہ میں لوگ دو جماعتوں میں منقسم تھے یا مومن متقی تھے جو دوسرے لوگوں سے زیادہ متقی تھے یا [illegible]
تھے۔ اس وجہ سے تم دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام انہیں دو جماعتوں کے بارے میں ہے بہت کم مومن [illegible]
میں [illegible] ہوگا کیونکہ وہ غائب موجود لوگوں کے بارے میں بحث کرتا ہے۔ اس آیت سے مرجئہ نے یہ استدلال [illegible]
فاسق بھی ہو تب بھی وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ ایمان کی موجودگی میں گناہ کبیرہ اور صغیرہ کوئی نقصان نہیں [illegible]
موجودگی میں نیکیاں کوئی فائدہ نہیں دیتیں۔ رافضیوں کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ اسی طرح معتزلہ کا بھی استدلال [illegible]
ارتکاب کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور وہ مومن نہیں۔ ان کے استدلال کی صورت یہ ہے کہ گناہ [illegible] جہنم میں [illegible]
ہونے کا سبب ہے اگرچہ مرجئہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا مومن ہے [illegible]
نہیں ہو سکتا اس وجہ سے وہ اس آیت کے حکم کے مطابق جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ اہلسنت نے اس آیت کی مختلف [illegible]
کی ہیں جو ہم نے ذکر کر دی ہیں۔ مقصود آیات میں تطبیق اور اتفاق پیدا کرنا ہے۔ [illegible] اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ [illegible]
معاف نہیں فرماتا۔ باقی دوسرے گناہ جس کے حق میں چاہتا ہے بخش دیتا ہے، وہ توبہ کرے یا توبہ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان [illegible]
[illegible] وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دیتا ہے [illegible]
[illegible] ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ ایک جگہ فرمایا [illegible]
[illegible] دیکھے گا۔ اس وجہ سے مومن کے لیے جہنم میں ہمیشہ رہنا جائز نہیں اگرچہ وہ ایسا فاسق ہو [illegible] حضور ﷺ کے
ارشاد سے ثابت ہے من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں [illegible] اللہ تعالیٰ کا
فرمان ہے جس نے ذرہ برابر عمل کیا اسے بھی دیکھے گا یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے اسے عذاب دینا چاہا [illegible]
[illegible] دیکھے گا۔ محرمات کا ارتکاب اور فرائض کا ترک جہنم میں داخل ہونے کا سبب نہ ہوتا [illegible]
[illegible] کا حکم [illegible] ہے اور منکر سے روکتی ہے تو سب فضول ہو جاتا۔ اس قسم کی بات کا [illegible] مجنون ہی کر سکتا ہے۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ﴿١٨﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ

1۔ [illegible] جلد 2 صفحہ 941 ([illegible])

تُجْزٰٓى ﴿١٩﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿٢١﴾

''اور دور رکھا جائے گا وہ نہایت پرہیزگار [1] جو دیتا ہے اپنا مال اپنے (دل) کو پاک کرنے کے لئے [2] اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو [3] بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طالب گار ہے [4] اور وہ ضرور (اس سے) خوش ہوگا [5]''

[1] اس کا عطف لا یصلھا پر ہے اور سین تحقیق کے لئے ہے۔ اتقی سے مراد وہ شخص ہے جو شرک جلی، شرک خفی، دل، جسم اور نفس کے معاصی سے بچا یہ نعمت نفس کے تزکیہ اور اطمینان کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے۔

[2] وہ اپنا مال فقراء، غلاموں کو آزاد کرانے اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کرتا ہے۔ یتزکی یہ یوتی سے بدل ہے۔ اعراب میں اس کا کوئی محل نہیں یا اس کے فاعل سے حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یعنی اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پاکیزہ ہو وہ ریاکاری اور شہرت کا ارادہ نہیں رکھتا۔ یا یہ زکوۃ سے باب تفعل کے وزن پر ہے۔ ہمارے نزدیک مفہوم مخالف معتبر نہیں۔ اس وجہ سے متقی کے جہنم میں داخل ہونے کی اس میں کوئی دلالت نہیں کیونکہ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ یہاں مقصود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان بیان کرنا ہے وہ انبیاء کے علاوہ باقی لوگوں میں سے زیادہ متقی ہیں۔ ہم نے انبیاء کے علاوہ لوگوں کو اس لئے خاص کیا کیونکہ عقل، اجماع اور نصوص اس پر دلالت کرتے ہیں۔ یہاں یہ قید احترازی (۱) نہیں اور نہ ہی یہ حکم لگانا مقصود ہے کہ متقی تو جہنم میں داخل ہوگا مگر اتقی داخل نہیں ہوگا۔ اگر ہم مفہوم مخالف کو تسلیم کر بھی لیں تو پھر متقی سے مراد وہ متقی ہوگا جو شرک سے تو بچتا ہے۔ مگر گناہوں سے نہیں بچتا اس لئے وہ جہنم میں داخل ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سات غلاموں کو آزاد کیا۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے کی وجہ سے اذیتیں دی جاتی تھیں۔ تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ میں کہتا ہوں اس صورت میں الف لام عہدی ہوگا۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے عامر بن عبداللہ سے انہوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور غلاموں کو آزاد کرتے ہو، کاش تم طاقتور غلام آزاد کرتے جو تیرا دفاع کرتے اور مصیبت کے وقت تیرے ساتھ کھڑے ہوتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے میرے والد محترم میں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر کا متمنی ہوں تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت بلال بنی جمح کے غلام تھے۔ ان کا نام بلال بن رباح تھا، والدہ کا نام حمامہ تھا۔ یہ سچے مسلمان اور پاکیزہ دل کے مالک تھے۔ جب دوپہر خوب گرم ہو جاتی تو امیہ بن خلف انہیں باہر لے جاتا۔ مکہ کی پتھریلی زمین پر انہیں پشت کے بل لٹا دیتا۔ پھر ایک بڑا پتھر آپ کے سینے پر رکھنے کا حکم دیتا جو آپ کے سینہ پر رکھ دیا جاتا پھر کہتا تو اسی طرح مر جائے گا یا تو حضور علیہ السلام کا ساتھ چھوڑ دے گا۔ تو اس آزمائش کے عالم میں بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ احد احد پکارتے۔

محمد بن اسحاق نے ہشام رحمہما اللہ تعالیٰ سے انہوں نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ

(۱) یہ اس قید اور صفت کو کہتے ہیں جس کا مقصد اپنی حقیقت کے افراد کو غیر سے ممتاز کرنا ہوتا ہے یعنی اس کے ذریعے غیر کو خارج کیا جاتا ہے۔ مترجم۔

بیان کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس وقت گزرے جب وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ سلوک کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گھر بھی اسی محلہ میں تھا۔ آپ نے امیہ سے فرمایا اس مسکین کے معاملہ میں تجھے اللہ کا خوف نہیں؟ کب تک ایسا کرے گا۔ امیہ نے کہا آپ ہی نے اسے خراب کیا ہے اور جو کچھ دیکھ رہے ہو اس سے اسے بچا لو۔ آپ نے فرمایا میں ایسا کرنے کو تیار ہوں، میرے پاس ایک سیاہ فام غلام ہے جو اس سے طاقتور ہے اور تیرے دین پر ہے، میں تمہیں دیتا ہوں۔ امیہ نے کہا مجھے منظور ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے اپنا غلام دے دیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ لے لیا اور انہیں آزاد کر دیا۔ آپ نے ہجرت سے پہلے چھ اور غلاموں کو بھی آزاد کیا جو مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ساتویں غلام تھے۔ ان میں سے ایک عامر بن فہیرہ تھے جو غزوہ بدر اور غزوہ احد میں شریک ہوئے اور بئر معونہ کے دن شہید ہوئے۔ ام عمیس جب اسے آزاد کیا ... ان کی بینائی جاتی رہی ... آپ نے آزاد کیا ... نہدیہ اور ان کی بیٹی کو بھی آزاد کیا ... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ... قسم ... ان کی عورت نے کہا تم نہیں آزاد کرو گے ... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ... عورت ... ان کی قیمت ... آپ ... ایک لونڈی ... ابن مؤمل کی جاریہ تھیں۔ آپ نے اسے خرید کر آزاد کر دیا۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جب آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خریدنے کا ارادہ کیا تو امیہ بن خلف نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا نسطاس غلام کے بدلے میں بیچتا ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس دس ہزار دینار، غلام، لونڈیاں اور مویشی تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نسطاس کو اسلام لانے کی ترغیب دی تھی ... اس شرط پر ... کی صورت میں ... نسطاس نے انکار کر دیا تھا ... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس سے ناراض ہو گئے تھے۔ جب امیہ بن خلف نے نسطاس غلام کے بدلے میں بیچنے کا ارادہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے غنیمت جانا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بدلے میں نسطاس کو بیچ دیا۔ مشرکین نے کہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے کسی احسان کے بدلے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کیا ہو گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (1)

... حضرت ... رضی اللہ عنہ ... غلام ... آپ ... ایمان لائی ... رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ... رضی اللہ عنہ سے ... روایت بیان کی ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں (2)۔ یہ جملہ ... ہے ... مستانفہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہو سکتا ہے جو مال دیتا ہے ... ... دینا چاہتا ہے۔

... الا ... مکی کے معنی میں ہے یعنی لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے رب کی رضا ... مستثنیٰ متصل ہو۔ پھر تقدیر کلام یہ ہو گی ... یا احسان کا بدلہ چکانے کے لئے اپنا مال نہیں دیتا ... اللہ ... کرتے ہیں۔

ے اللہ تعالیٰ ضرور اس کے عمل پر راضی ہوگا یا اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں جو جنت اور عزت عطا فرمائے گا اس پر ضرور راضی ہوں گے۔ اس کا عطف سیجنبھا پر ہے۔ یہ آیت بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں اسی طرح ہے جس طرح حضور ﷺ کے حق میں وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انبیاء کے بعد اتقی ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ آپ انبیاء کے بعد سب سے افضل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ اسی پر اجماع بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضور ﷺ کے زمانہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا کسی کو نہ سمجھتے تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ مسلم تھا، پھر اس کے بعد ہم باہم صحابہ میں فضیلت نہیں دیتے تھے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت محمد بن حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے پوچھا حضور ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ پوچھا اس کے بعد کون افضل ہے؟ فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ہم نے اس مسئلہ پر اپنی کتاب السیف المسلول میں مفصل گفتگو کی ہے۔ اس میں ہم نے احادیث، آثار اور اجماع کا ذکر کیا ہے تاکہ ان لوگوں کا قلع قمع ہو جائے جنہوں نے دین میں تفرقہ کیا ہے۔

حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے سورۃ اللیل اور والضحیٰ کی آیات کے سروں میں امالہ کیا ہے مگر سجی اس سے مستثنیٰ ہے۔ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے فتحہ دیا ہے۔ ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ نے عسری اور یسری میں امالہ کیا باقی کو بین بین پڑھا ہے۔ ورش نے تمام میں بین بین کیا ہے۔ باقی قراء نے تمام میں فتحہ پڑھا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

سورۃ الضحیٰ

آیاتہا ۱۱ | سورۃ الضحیٰ مکیۃ ۹۳ | رکوعہا ۱

سورۃ الضحیٰ مکی ہے اس میں ایک رکوع اور گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

شیخین نے صحیحین میں اور دوسرے محدثین نے جندب بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی طبیعت ناساز ہو گئی تو آپ ایک یا دو راتیں قیام نہ فرما سکے۔ ایک عورت نے آپ کے پاس آ کر کہا اے محمد! میرا خیال ہے تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے کیونکہ دو یا تین راتوں سے میں نے اسے تیرے قریب نہیں دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔(1)

وَالضُّحٰى ۙ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۗ

"قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے نہیں چھوڑا آپ کو آپ کے رب نے اور نہ وہ ناراض ہوا ہے"

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جندب نے جس عورت کا ذکر کیا وہ ام جمیل تھی جو ابولہب کی بیوی تھی۔ حاکم نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ پر چند دن وحی نازل نہ ہوئی تو ابولہب کی بیوی نے کہا میرا خیال ہے کہ تیرے ساتھی نے تجھے چھوڑ دیا ہے اور تجھ سے ناراض ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔(2)

سعید بن منصور اور دوسرے محدثین نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جبریل حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے تو مشرکوں نے کہا محمد (ﷺ) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن شداد سے نقل کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ سے عرض کیا میرا خیال ہے آپ کا رب آپ سے ناراض ہو گیا ہے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔(3) یہ دونوں روایتیں مرسل ہیں اور راوی ثقہ ہیں۔ حافظ ابن حجر نے کہا جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ باتیں ام جمیل اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہیں۔ ام جمیل نے یہ بات اس کیفیت پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کی جبکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دکھ کے ساتھ کہی ہے۔

ابن ابی شیبہ اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ایک غیر معروف راوی سے، وہ حفص بن میسرہ سے، وہ اپنی ماں سے روایت نقل کرتے ہیں جو حضور ﷺ کی خادمہ تھیں کہ ایک پلا (کتے کا بچہ) آپ کے گھر میں داخل ہو گیا اور آپ ﷺ کی چارپائی کے نیچے مر گیا تو حضور ﷺ پر چار روز تک وحی نہ آئی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے خولہ میرے گھر میں کیا بات ہو گئی ہے کہ جبریل میرے گھر میں نہیں آتا۔ تو میں نے اپنے دل میں کہا کاش میں گھر صاف کر دوں اور اس میں جھاڑو دوں۔ میں نے جھاڑو ...

1۔ صحیح بخاری، جلد 4، صفحہ 1904 (ابن کثیر) | 2۔ [illegible] | 3۔ [illegible]

کے نیچے تھی تو میں نے اس پلے کو باہر نکال دیا۔ حضور ﷺ گھر میں تشریف لائے جبکہ آپ ﷺ کی ریش مبارک میں رعشہ طاری تھا۔ جب بھی آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ پر یہی کیفیت ہوتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو ترضی تک نازل فرمایا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جبرئیل امین پلے کی وجہ سے نہ آئے۔ اگرچہ یہ مشہور ہے لیکن اس کا سبب نزول قرار دینا شاذ بلکہ مردود ہے جس طرح صحیح میں ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جتنے دن وحی رکی رہی اس میں اختلاف ہے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ بارہ دن تھے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ چالیس دن تھے تو مشرکوں نے کہا تھا محمد (ﷺ) کو اس کے رب نے چھوڑ دیا تھا اور آپ سے ناراض ہو گیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا(1)۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے جبرئیل تم نہیں آئے میں تو تیرا مشتاق ہو گیا ہوں۔ جبرئیل امین نے عرض کی میں آپ سے زیادہ مشتاق تھا مگر میں اللہ کے حکم کا پابند ہوں، ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہوتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ضحی سے مراد تمام دن ہے جو رات کے مقابل ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے بَیَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ... ضُحًى۔ قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ چاشت کا وقت ہے۔ یہ وہ ساعت ہے جس میں سورج بلند ہوتا ہے(2)۔ قسم کے لئے اس ساعت کو مختص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس وقت کلام کیا تھا اور اسی وقت جادوگر سجدے میں گر گئے تھے۔ یہ وہ گھڑی ہوتی ہے جس میں گرمی موسم گرما میں اور سردی موسم سرما میں اعتدال پر ہوتی ہے۔

واللیل اذا سجی میں ظرف یا تو فعل قسم کے متعلق ہے یا اللیل کا جو مضاف مقدر ہے اس کے متعلق ہے جو حصول یا مضاف کے مقدر ہونے کے ساتھ یہ اللیل کی صفت ہے اور اذا وقت کے معنی میں ہے اور ظرفیت سے خالی ہے اور اللیل سے بدل ہے جو مقسم بہ ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سجی کا معنی یہ ہے جب رات کے ساتھ آئے۔ یہی عوفی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ والبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سجی کا معنی ہے جب وہ چھا جائے۔ عطاء اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہما نے کہا جب وہ اپنی تاریکی کے ساتھ ہر چیز کو ڈھانپ لے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب وہ غالب آجائے۔ قتادہ اور ابن سکن رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا جب اس کی تاریکی قرار پکڑ جائے اس کے بعد مزید نہ بڑھے(3)۔ یا اس کا مطلب ہے کہ اس میں لوگ اور آوازیں خاموش ہو جائیں جب رات یا سمندر پرسکون ہو جائے تو لوگ کہتے ہیں لیل ساج، بحر ساج سابقہ سورت میں رات کو پہلے ذکر کیا وہ اصل کے اعتبار سے ہے۔ یہاں ضحی کا پہلے ذکر کیا یہ شرف کے لئے ہے۔ اس کا جواب قسم ماودعک ہے، یعنی اس نے تجھے نہیں چھوڑا اور نہ ہی تجھ سے ناراض ہوا۔ قلی کا مفعول حذف کر دیا گیا یا تو سابقہ مفعول کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا یا آیات کے سروں کی محافظت کی گئی۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میرے بعد میری امت کے لئے نعمتوں کی کشادگی ہونے والی تھی اسے مجھ پر پیش کیا گیا تو اس نے مجھے خوش کیا(4)۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیت کو نازل فرمایا۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿۴﴾ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۵﴾

"اور یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے (بدرجہا) بہتر ہے۔ اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا

دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔2

یہ بھی جائز ہے کہ اس آیت کا تعلق ماقبل کلام کے ساتھ ہو۔ اس کے اتصال کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی [illegible] بلکہ [illegible] قطعی بیان مفہوم ہو جو ضمن میں ہے ہوسکے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعے آپ سے تعلق و قیام رہے گا اور آپ اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں اس سے بڑھ کر کیا شرف ہو سکتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو خوشخبری دی کہ آخرت میں آپ [illegible] بہتر ہو گا کیونکہ آپ تمام انبیاء سے افضل ہیں اور آپ مقام محمود سے مختص ہیں [illegible] آپ کی امت سابقہ امتوں پر گواہ ہو گی [illegible] تلک الرسل میں حضور ﷺ کے ان فضائل [illegible] ہیں حضور ﷺ کے [illegible] ہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے [illegible] سند کے ساتھ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام [illegible] نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم جو اہل بیت ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے دنیا پر آخرت کو پسند کیا ہے۔ [illegible] آپ کی [illegible] حالت پہلی حالت سے بہتر ہوگی اور ہر آن انتہاء ابتداء سے بہتر ہوگی یعنی آپ کی رفعت و کمال کا [illegible] جاری رہے گا۔ [illegible] دونوں برابر ہوئے وہ خسارے میں ہے۔ امام [illegible] بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے دلائل میں اور ابن [illegible] رحمۃ اللہ علیہ اور [illegible] نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی امت پر جو فتوحات ہوں گی وہ [illegible] تھا وہ پیش کیا گیا تو آپ ﷺ خوش ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(1)

يُعْطِيكَ کے دوسرے مفعول کو حذف کیا گیا تاکہ اس سے عموم پر دلالت کرے یعنی اللہ تعالیٰ مدد، قدرت، مومنین کی [illegible] آپ کے دین کی اشاعت، آخرت میں شفاعت، ثواب کی زیادتی وغیرہ انعامات سے نوازے گا جن کی پوری حقیقت مخفی نہیں [illegible] مقامات سے بھی نوازے گا جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ سب سے بڑھ کر حبیب اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے جو حضور ﷺ کے کمال اور قرب کے درجات کے مطابق نصیب ہوگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک [illegible] جہنم میں ہوگا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ میرا رب مجھے ندا کرے گا اے محمد کیا تم راضی ہو؟ تو میں عرض کروں گا اے میرے رب میں راضی ہوں۔ [illegible] رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ **يُعْطِيكَ رَبُّكَ** سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مرتبہ شفاعت عطا کرے گا یہاں تک کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ یہی حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ عرض کریں گے **اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ** اور روئیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جبرئیل محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور انہیں کہو ہم تمہیں تمہاری امت کے بارے میں راضی کریں گے ہم تمہیں ناراض نہ کریں گے۔2 [illegible] رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حرب بن شریح نے روایت کیا ہے کہ میں نے ابو جعفر محمد بن علی کو یہ کہتے ہوئے سنا [illegible] کہتے ہیں قرآن حکیم کی سب سے امید والی آیت **يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ** ہے۔ [illegible] ہم اہل بیت کہتے ہیں کتاب اللہ میں سب سے امید والی آیت **وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى** ہے۔(3)

1۔ [illegible] جلد 7 صفحہ 293 (الضحیٰ)
2۔ تفسیر بغوی [illegible]
3۔ ایضاً

ایک قول یہ کیا گیا اس میں لام ابتدائیہ ہے جو مبتدا کے حذف کے بعد خبر پر داخل کیا گیا۔ تقدیر کلام یہ تھی وَلَانْتَ سَوْفَ يُعْطِيكَ۔ یہ قسم کے لئے نہیں کیونکہ یہ مضارع پر نون تاکید کے بغیر داخل نہیں ہوتا۔ سوف کے ساتھ اسے اس لئے جمع کیا گیا کہ یہ لام لام قسم ہے لام ابتدا نہیں۔ جبکہ یہ بات معروف ومشہور ہے کہ یہ لام ابتداء نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ سوف پر داخل ہے اور لام ابتداء سوف پر داخل نہیں ہوتا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کا ذکر کیا ہے جو آپ پر پہلے کی جا چکی تھیں تا کہ سابقہ نعمتوں پر مابعد کی نعمتوں کو قیاس کریں تو ارشاد فرمایا۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۞ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۞ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۞

”کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم پھر (اپنی آغوش رحمت میں) جگہ دی[1] اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا[2] اور اس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا[3]“

[1] اگر لم یجد اس وجد سے مشتق ہے جو علمت کے معنی میں ہے۔ تو یتیما مفعول ثانی ہوگا۔ اگر یہ مصادفہ کے معنی میں ہو تو یتیما حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہوگا۔ ہمزہ استفہام انکار کے معنی میں ہے اور نفی انکار کا مطلب اثبات ہوتا ہے۔ اس سے غرض یہ ہے کہ مخاطب اس کا اقراری ہے۔ معنی یہ ہوگا تجھے یتیم پایا یعنی تمہاری عمر چھوٹی تھی اور تم فقیر تھے کیونکہ آپ ﷺ کے والد فوت ہو گئے تھے اور تمہارے لئے کوئی مال اور جائے پناہ نہیں چھوڑی تھی اور اس صورت میں یہ جملہ ما ودعک کی تاکید ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے چچا کے ہاں تمہیں پناہ دی اور آپ ﷺ کو ان کے ساتھ ملا دیا یہاں تک کہ انہوں نے تمہاری کفالت کی۔

امام بغوی نے ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے عرضداشت کی میں پسند کرتا ہوں کہ کاش میں نے ایسا نہ کیا ہوتا۔ میں نے عرض کی اے میرے رب کہ آپ نے سلیمان بن داود کو عظیم ملک عطا فرمایا اور فلاں فلاں چیز عطا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تمہیں یتیم نہیں پایا پس تمہیں پناہ دی۔ میں نے عرض کی اے میرے رب بات اسی طرح ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تمہیں ضال نہیں پایا۔ پس میں نے تمہیں ہدایت سے نوازا میں نے عرض کی بات اسی طرح ہے اے میرے رب۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تمہیں عیال دار نہیں پایا تو میں نے تمہیں غنی کر دیا۔ میں نے عرض کی بات اسی طرح ہے اے ہمارے رب۔ بعض روایات میں یہ الفاظ زائد ہیں کیا ہم نے تیرے سینے کو نہیں کھولا اور تم سے بوجھ کو ہلکا نہیں کیا؟ میں نے عرض کی کیوں نہیں اے میرے رب۔ اکثر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس عرضداشت میں حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے مال اور کشادگی کا سوال کیا تھا کیونکہ حضور ﷺ مفلس تھے اور قریش اس بارے میں عار دلاتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے یہ بات بھی کی اگر تمہیں مال کی طلب ہے تو ہم تیرے لئے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم مکہ کے سب سے مالدار بن جاؤ گے تو حضور ﷺ سخت غمگین ہوئے اور آپ نے یہ گمان کیا کہ کفار نے آپ کے فقر کی وجہ سے آپ کی تکذیب کی ہے تو حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ عرضداشت کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ان نعمتوں کا شمار کیا اور آپ کی تسلی کے لئے غنا کا وعدہ کیا۔

یہ بات تسلیم کئے جانے کے قابل نہیں۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کی رفعت شان اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ آپ اپنے رب سے دنیا کا سوال کریں۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:

1۔ بلند پہاڑوں نے سونے کا بن کر حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا تو حضور ﷺ نے انہیں شان استغنا دکھائی۔

[illegible] نے حضور کے ذمہ کو اور مضبوط کر دیا کیونکہ [illegible] عصمت [illegible] نہیں [illegible]۔

[illegible] اللہ تعالیٰ کا فرمان ووجدک ضالا فھدی اس کا انکار کرتا ہے کیونکہ [illegible] ہو چکی ہے۔ جب تقاضا حاصل ہو چکی ہو اس کے بعد اس کا سوال محال ہوتا ہے۔ [illegible] حضور ﷺ [illegible] تو اللہ تعالیٰ ضرور عطا فرماتا جبکہ حضور ﷺ کے [illegible] بھی [illegible] نصیب [illegible] حضور ﷺ [illegible] جہان فانی سے پردہ فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے صحیحین میں [illegible] مروی ہے۔

صوفیا نے اس مقام کی تحقیق میں فرمایا کہ صوفی پر بھی [illegible] حالت طاری ہوتی ہے۔ وہ مخلوق سے [illegible] منقطع ہو [illegible] اللہ تعالیٰ کی [illegible] متوجہ ہوتا ہے۔ اس حالت کو وہ عروج، سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کہتے ہیں۔ [illegible] مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ مقصود لوگوں کی [illegible] اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا ہوتا ہے۔ [illegible] دیکھتا ہے کہ وہ مخلوق کی طرف متوجہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے منقطع ہے جبکہ وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے [illegible] منقطع [illegible] جب اس انقطاع کا صوفی کو علم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہ [illegible] پسند ہوتا ہے تو پھر وصال [illegible] کے حکم میں [illegible] درجہ ہوتا ہے۔ اسے صوفیہ نزول اور سیر من اللہ باللہ کا نام دیتے ہیں۔ [illegible] ایسے ہوتی ہے جیسے ایک مچھلی کو صحرا میں پھینک دیا جائے۔ یہ بات کئی دفعہ [illegible] ہے [illegible] عام ہوتی ہے۔ صوفیاء نے فرمایا حضرت نوح علیہ السلام [illegible] کے اعلیٰ [illegible] تھے۔ [illegible] ایمان لائے۔ وہ صرف کشتی میں سوار ہونے والے لوگ تھے جبکہ آپ تقریباً نوسو پچاس سال تک تبلیغ [illegible] حضور ﷺ مرتبہ نزول میں کمال پر فائز تھے اور انبیاء میں سے کوئی بھی اس مقام پر نہیں پہنچا۔ [illegible] آپ [illegible] تیئیس سال تک دعوت دی۔ اسی طرح آپ کا مقام عروج بھی بہت بلند تھا۔ [illegible] قاب قوسین [illegible]

شیخ [illegible] الدین ابن عربی نے فرمایا حضرت نوح علیہ السلام [illegible] قوم سے اس [illegible] حضرت نوح علیہ السلام [illegible] بہت ترقی تھا اور لوگوں نے حضور ﷺ کی دعوت اس سے قبول کی [illegible] جہتوں میں مناسبت تھی۔ [illegible] حضور ﷺ ہمیشہ مصیبت [illegible] برداشت کرتے رہے اور تمکین [illegible] حضور ﷺ [illegible] فرمان [illegible] کا بھی یہی مفہوم ہے (1)۔ اسے ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم [illegible] ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا [illegible] کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام نوسو پچاس [illegible] تک اذیتیں برداشت کرتے رہے حضرت [illegible] علیہ [illegible] یہاں تک کہ آپ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ حضرت یحیٰ علیہ السلام [illegible] انبیاء کو قتل بھی [illegible] والضحی اور الم نشرح اس لئے نازل ہوئیں تاکہ حضور ﷺ [illegible] میں تسلی دی جائے کیونکہ آپ [illegible] آپ کو یوں دیکھا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے منقطع ہیں اور مخلوق خدا کی طرف متوجہ ہیں [illegible]

1۔ [illegible] صفحہ 132 (ا[illegible] التراث الاسلامی)

کا سلسلہ منقطع بھی ہوا اور آپ سخت غمگین ہوئے۔ صحیح بخاری میں ہے ہمیں خبر پہنچی ہے آپ کئی دفعہ پہاڑ کی چوٹی پر تشریف لے گئے کہ وہاں سے اپنے آپ کو نیچے گرا دیں۔ جب آپ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تاکہ اپنے آپ کو گرا دیں تو جبرئیل امین ندا دیتے اے محمد آپ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں۔ اس سے آپ کو سکون حاصل ہوتا اور نفس میں قرار آ جاتا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا تھا میرا خیال ہے آپ کا رب آپ سے ناراض ہو گیا ہے کیونکہ آپ سخت غمگین ہیں۔ تو حضور ﷺ نے اس حالت کے ختم کرنے کا سوال کیا تھا جو حالت خالق سے انقطاع کا سبب تھی اور مخلوق کی طرف محتاج ہونے کا ذریعہ تھی جس کو آپ نے چھوڑنے اور ناراض ہونے پر محمول کیا تھا اس پر آپ سخت غمگین ہوتے تھے اور آپ نے اس وصال کا سوال کیا تھا جس میں انقطاع نہ ہو اور اس میں کبھی حجاب نہ ہو۔ تو اس صورت میں ان آیات کا معنی یہ ہوگا کہ وہ فراق جو آپ پر طاری ہوا ہے وہ چھوڑنا اور ناراض ہونا نہیں کہ آپ غمگین ہو جائیں بلکہ یہ معنوی طور پر عروج اور وصل کا کمال تھا اگرچہ صورت کے اعتبار سے یہ نزول اور فراق تھا۔ **وللاخرۃ خیر لک من الاولی** کا مطلب یہ ہے کہ ہر دوسری حالت جو آپ پر طاری ہوگی وہ پہلی سے بہتر ہوگی۔ آپ کے احوال میں کبھی کمی اور کوتاہی واقع نہ ہوگی یہاں تک کہ آخرت میں کلی طور پر دیدار اور وصل نصیب ہوگا۔ وہاں تبلیغ کے مکلف ہونے مخلوق کی طرف متوجہ ہونے اور فراق کی مشقت بالکل نہ ہوگی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں ایسی نعمتیں عطا فرمائے گا جنہیں آپ پسند کریں گے اور اس پر راضی ہو جائیں گے۔

ے اس جملے کا عطف **الم یجدک** کے معنی پر ہے کیونکہ اس کا معنی بھی وجدک ہے۔ اس وجہ سے خبر کا عطف خبر پر ہے انشاء پر نہیں آپ کو نبوت کی نشانیوں، شریعت کے احکام سے اور ایسی چیزوں سے بے خبر پایا جن کے حاصل ہونے کا ذریعہ صرف سماعت ہے۔ اسی معنی میں یہ آیت بھی ہے وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ۔ حضرت حسن بصری، ضحاک اور ابن کیسان رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ کو چھوٹی عمر میں مکہ مکرمہ کی گھاٹیوں میں گم پایا۔ یہ اس وقت ہوا جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو دودھ چھڑایا اور مکہ مکرمہ واپس لائیں تاکہ آپ کے دادا تک آپ کو پہنچائیں۔ ابوالضحیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے کہا حضور ﷺ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ سفر پر نکلے۔ اس قافلہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام میسرہ بھی تھے۔ ایک تاریک رات میں آپ اونٹنی پر سوار تھے۔ ابلیس آیا۔ اس نے آپ کی اونٹنی کی لگام پکڑی اور راستہ سے دور لے گیا۔ جبرئیل امین تشریف لائے۔ آپ نے ایک پھونک ماری جس سے ابلیس حبشہ جا پڑا اور حضور علیہ السلام کو قافلہ کی طرف لوٹا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ کو ایسی حالت میں پایا کہ آپ اپنے بارے میں نہیں جانتے تھے کہ آپ کون ہیں (1)۔ بعض صوفیاء نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کو ایسا محب اور عاشق پایا جو محبت اور عشق میں افراط سے کام لینے والا ہے جس کے نتیجہ میں انسان پر سکر طاری ہو جاتا ہے اور سکر کی وجہ سے انسان عموماً راستہ بھول جاتا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے کسی شے سے تیری محبت تجھے اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے۔ یہاں سبب کو مسبب کا نام دے دیا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے: اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ۔ یہاں رزق سے مراد بارش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے قول کی حکایت بیان کی ہے اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اور فرمایا اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ۔ اسی طرح ایک اور جگہ یہی اسلوب ہے وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

[illegible]

(3)

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ

[illegible]

2۔ مفسرین نے کہا وہ سائل جو تیرے دروازے پر آئے اسے نہ جھڑک آپ بھی تو فقیر اور محتاج تھے یا تو اسے کوئی چیز دے دو یا اسے نرمی سے واپس کر دو۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا گیا کہ آپ نے فرمایا جب کوئی طالب علم تجھ سے سوال کرے تو اسے نہ جھڑک (1)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس نے اپنے علم کو چھپایا قیامت کے روز اسے آگ کی لگام دی جائے گی۔ یہ جملہ دوسری تاویل (حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے قول) کی صورت میں **ووجد ضالا فهدى** کے ساتھ متصل ہے اور کلام لف نشر مرتب کے طریقہ پر ہوگی پہلی تاویل کی صورت میں **ووجدك عائلا** کے ساتھ متصل ہے۔

3۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو نعمتیں کی ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیے۔ یہ جملہ لف نشر مرتب کے طریقہ پر **ووجدك عائلا فاغنى** کے ساتھ متصل ہے۔

حضرت سنان بن سنہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کھانا کھانے والا اور اس پر شکر بجالانے والا صبر کرنے والے روزہ دار کی طرح ہے (2)۔ اسے امام احمد، ابن ماجہ اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ اشعث بن قیس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ شکر گزار بندہ وہ ہے جو بندوں کا زیادہ شکر ادا کرنے والا ہو۔ ایک روایت میں ہے جو لوگوں کا شکر نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتا۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اس کے راوی ثقہ ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی کسی پر احسان کرے وہ بھی اسے بدلہ دے۔ اگر بدلے میں احسان نہیں کر سکتا تو اچھے لفظوں میں اس کی تعریف کر دے کیونکہ جب اس نے تعریف کر دی گویا اس نے شکریہ ادا کر دیا۔ اگر اسے چھپا دیا تو ناشکری کی جس نے کوئی چیز نہ دی۔ مگر ظاہر یہ کرے کہ میں نے دی ہے تو وہ جھوٹ کا لباس زیب تن کرنے والا ہے اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر ارشاد فرماتے ہوئے سنا جو تھوڑے عطیہ پر شکر ادا نہیں کرتا وہ زیادہ عطیہ پر شکر ادا نہیں کرتا اور جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا ذکر شکر ہے اور اس کا چھوڑ دینا کفر ہے۔ اجتماعیت و اتفاق اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور فرقہ پرستی اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ یہ احادیث تقاضا کرتی ہیں کہ مشائخ اور اساتذہ کا شکریہ ادا کیا جائے اور ان کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا جائے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آیت میں نعمت سے مراد نبوت ہے (3)۔ بشیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے یہ روایت کیا زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو پسند کیا۔ معنی یہ ہوگا جو پیغام حق آپ کو دیا گیا ہے اس کی تبلیغ کیجئے اور جو نبوت کی نعمت آپ کو عطا کی گئی ہے اس کا تذکرہ کیجئے۔ لیث نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ یہی کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تو پھر اس کا معنی ہوگا کہ آپ قرآن پڑھا کریں (4)۔ اس تعبیر کی صورت میں یہ آیت **ووجدك ضالا فهدى** کے ساتھ متصل ہو گی۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا معنی یہ ہے ہم نے جو انعام پناہ عطا کرنے، ہدایت دینے، غنی کرنے کی صورت میں کئے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا ذکر بھی شکر ہے۔ یہ مفہوم زیادہ واضح ہے کیونکہ مذکورہ نعمت مطلق ہے۔ اس تخصیص کی کوئی وجہ

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا
2۔ سنن ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 369 (العلمیہ)
3۔ تفسیر [illegible]، زیر آیت ہذا
4۔ ایضاً

یعنی نعمت دینی ہو یا دنیوی ہو اس پر شکر بجالانا واجب ہے۔ اس تاویل کی صورت میں یہ آیت مذکورہ تینوں آیتوں سے مربوط نہیں ہے۔ سورۂ یٰسین میں امالہ اور فتحہ کے بارے میں جو اختلاف ذکر کیا گیا تھا وہ یہاں بھی مذکور ہے۔

مسئلہ:۔ ہر نعمت پر شکر بجالانا واجب ہے۔ شکر کا مطلب یہ ہے کہ نعمت کو انعام کرنے والے کی رضا میں صرف کیا جائے۔ مال کی نعمت کا شکر یہ ہوگا کہ اس نعمت کو اخلاص کے ساتھ حق کے راستہ میں صرف کیا جائے۔ بدن کی نعمت کا شکر یہ ہے کہ واجبات ادا کئے جائیں اور معاصی سے اجتناب کیا جائے علم وعرفان کی نعمت کا شکر یہ ہے کہ اوروں کو تعلیم دی جائے اور ان کی راہنمائی کی جائے۔

مسئلہ:۔ نعمت کا ذکر کرنا بھی شکر ہے۔ حضور ﷺ کا مذکورہ ذیل ارشاد بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتا ہے میں بنی نوع انسان کا سردار ہوں یہ فخر کی بات نہیں۔ اسی طرح کے دوسرے ارشادات بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم نے سورۂ بقرہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نے جو ارشاد فرمایا ہے وہ بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتا ہے:

وکل ولی له قدم وانی على قدم النبی بدر الکمال

ہر ولی کے لئے ایک قدم ہے میں حضور ﷺ کے قدم پر ہوں جو بدر کمال ہیں

اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان قدمی هذه على رقبة كل ولي الله۔ انہیں چیزوں میں سے ہے جو حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں ولایتوں کے قرب کے مدارج عطا کئے۔ نبوت ورسالت کے کمالات سے نوازا اور اولوالعزم رسولوں کے کمالات سے نوازا انبیاء کی اتباع میں عطا فرمائے اور وراثت کے طور پر بھی عطا فرمائے۔ اسی طرح بعض حقائق سے بھی نوازا اور یہ ذکر کیا کہ آپ کو حضور ﷺ کی مٹی سے پیدا کیا گیا۔ یا آپ مجدد اور قیوم کے منصب پر فائز ہوئے۔ جو کوئی ایسی ہستیوں کے اقوال کا انکار کرتا ہے گویا وہ اس آیت کریمہ کا انکار کرتا ہے مگر اس قسم کے ذکر میں یہ شرط ہے کہ ذکر کرنے والا نفس کی صفات سے مکمل طور پر پاک ہو ہر کسی کے لئے ایسی باتیں کرنا جائز نہیں تاکہ کہیں وہ اس مصیبت میں نہ پڑ جائے کہ شیطان نے کہا انا خیر منه خلقتنی من نار وخلقته من طین۔

فصل:۔ امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا اہل مکہ کی قرأت میں سنت یہ ہے کہ سورۂ والضحیٰ کے آغاز سے قرآن حکیم کے اختتام تک ہر سورت کے اختتام پر اللہ اکبر کہتے ہیں امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا میں نے امام مقری ابونصر محمد پر اسی طرح پڑھا انہوں نے اپنی سند ذکر کی۔ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ انہوں نے مجاہد رحمتہ اللہ پر پڑھا انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر پڑھا، انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر پڑھا، پھر انہوں نے ایک سند ذکر کی۔ جو ابن مصطفی اور یحییٰ بن عبادہ کی قرأت سے کہا جب میں سورۂ والضحیٰ پر پہنچا تو مجھے کہا اللہ اکبر کہو یہاں تک کہ تو ہر سورت کو ختم کرے یعنی ہم نے ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ پر اسی طرح پڑھا تھا انہوں نے ہمیں یہی حکم دیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر قرأت کی، انہوں نے بھی اسی چیز کا حکم دیا، انہوں نے بتایا کہ انہوں نے حضور ﷺ پر پڑھا تو آپ نے بھی حکم دیا۔ اس تکبیر کا سبب یہ تھا کہ جب وحی رک گئی تو مشرکوں نے کہا حضور ﷺ کو ان کے شیطان نے چھوڑ دیا نعوذ باللہ۔ حضور ﷺ ان کی باتوں سے غمگین ہوئے تھے۔ جب سورۂ والضحیٰ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے وحی کی خوشی میں نعرہ تکبیر بلند کیا تو اسے سنت بنا لیا۔(1)

1۔ ...

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ذکر کیا کہ سورت کے اختتام پر اللہ اکبر کہے جبکہ ابوعمرو دانی نے تیسیر میں یہ ذکر کیا ہے کہ سورت کے آغاز میں اللہ اکبر کہے جس کو امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اول میں ذکر کیا۔ دانی نے اس کو آخر میں ذکر کیا یعنی دانی نے بغوی رحمۃ اللہ علیہ کے برعکس ذکر کیا ہے کیونکہ انہوں نے کہا کہ بزی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ وہ سورۃ والضحیٰ کے آخر میں تکبیر کہتے۔ یہی طریقہ ہر سورت کے ساتھ ہوتا یہاں تک کہ وہ سورۃ الناس کے ساتھ بھی تکبیر کہتے۔ اگر سورت کا آخر متحرک ہوتا جیسے اذا حسد، الناس، الابتر تو اللہ اکبر کے ہمزہ کو حذف کر دیتے۔ اگر آخری حرف ساکن ہو جیسے فحدث، فارغب یا اس کے آخر میں تنوین ہو جیسے ترابا اور خبیر تو ساکن کو حرکت دیتے اور تنوین کے نون کو کسرہ دیتے اور تکبیر کے ساتھ اسے ملا دیتے۔ اگر قاری چاہے تو تکبیر پر قرأت ختم کر دے اور اس کے بعد جو سورت ہے بسم اللہ کو اس کے ساتھ ملا دے یا بسم اللہ کو الگ پڑھ لے اور اگر چاہے تو تکبیر کو بسم اللہ کے ساتھ ملا لے اور سورت کے اول حصہ کو بسم اللہ کے ساتھ ملا لے۔ جب تکبیر کو بسم اللہ کے ساتھ ملایا گیا ہو تو بسم اللہ پر قطع کرنا جائز ہے، یعنی جب تکبیر کو سورت کے ساتھ ملایا جائے تو چار احتمال ہیں۔ تکبیر اور بسم اللہ پر قطع کرنا، دونوں میں وصل کرنا پہلے پر قطع کرنا، دوسرے کے ساتھ وصل کرنا یا پہلے پر وصل کرنا اور دوسرے پر قطع کرنا۔ پہلی تین صورتیں جائز ہیں چوتھی صورت جائز نہیں۔ دانی نے کہا بعض اہل اداء سورت کے آخر پر قطع کرتے پھر تکبیر پڑھتے اور بسم اللہ کے ساتھ ملا لیتے۔ ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نقاش نے ابی ربیعہ سے اور انہوں نے بزی رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ فارسی پر انہوں نے اسی طرح پڑھا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے یہی ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں میں نے دونوں قرأتیں شیخ صالح مصری پر پڑھیں، انہوں نے شیخ القراء متاخرین کے مقتداء شیخ عبدالخالق پر پڑھیں۔ شیخ صالح مصری نے تکبیر کی صفت بزی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت پر یوں ذکر کی لا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ اگر سورۃ والضحیٰ کے آغاز میں تکبیر پڑھی تو سورۃ الناس کے بعد تکبیر نہ ملائے تو دو سورتوں کے درمیان تکبیر پر قطع نہ کرے۔ اگر اس نے پہلی صورت کے ساتھ تکبیر کو ملایا ہو، اگر اس نے پہلی سورت کے اختتام کے ساتھ تکبیر کو ملایا ہو تو تکبیر اور بعد والی سورت کے بسم اللہ اور سورت کے آغاز کے ساتھ ملانا واجب ہے اور اگر تکبیر کو سورت کے آخر سے الگ کیا تو پھر اسے اختیار ہے کہ تکبیر اور بسم اللہ اور بسم اللہ اور سورت کے درمیان وصل کرے یا قطع کرے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

سورۃ الم نشرح

آیاتھا ۸ | سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ ۹۴ | رکوعھا ۱

سورۃ الم نشرح مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ﴿۱﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ﴿۳﴾

”کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا[۱] اور ہم نے اتار دیا ہے آپ سے آپ کا بوجھ[۲] جس نے بوجھل کر دیا تھا آپ کی پیٹھ کو[۳]“

[۱] امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جس طرح روایت کیا یہ جملہ اور بعد والے جملے اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى کے ساتھ متصل ہیں، اگر یہ روایت درست ہے تو بہت بہتر۔ بصورت دیگر یہ سورت بھی اسی جیسی حالت میں نازل ہوئی کہ حضور ﷺ نے حقیقتاً سوال کیا یا مقدر سوال کیا۔ اس آیت کا معنی وہی ہو گا جس طرح ساتھ سورت میں گزر چکا ہے۔ یعنی ہم نے آپ کے سینے کو آپ کے لئے کھول دیا یہاں تک کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے علوم حقائق، معارف دینیہ کے سما جانے کی صورت پیدا ہو گئی جس کو عقلاء عقل سے حاصل نہیں کر سکتے نیز اس میں یہ استعداد بھی پیدا ہو گئی کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں (مقام عروج پر فائز ہیں) اور ساتھ ہی ساتھ لوگوں کو دعوت دینے کے لئے مرتبہ نزول پر بھی فائز ہیں۔ حالت نزول میں بھی آپ اللہ تعالیٰ سے منقطع نہیں کہ آپ تمکین ہوں۔

حضور ﷺ کے لئے شرح صدر کا واقعہ دو دفعہ ظاہراً واقع ہوا۔ ایک دفعہ بچپن کی عمر میں جس طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جبرئیل امین تشریف لائے جبکہ آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت جبرئیل امین نے آپ کو پکڑ لیا، آپ کو لٹایا، آپ کے دل کو چیرا، اس سے جما ہوا خون نکالا اور فرمایا یہ شیطان کا حصہ ہے۔ پھر آپ کے دل کو زمزم کے پانی سے ایک طشت میں دھویا۔ پھر اسے جوڑا اور اپنی جگہ میں اسے رکھ دیا۔ بچے دوڑتے ہوئے ان کی رضاعی ماں کے پاس آئے اور بتایا کہ محمد کو قتل کر دیا گیا ہے۔ لوگ آئے جب کہ آپ ﷺ کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں آپ کے سینے میں سلائی کے نشانات دیکھتا تھا(1)۔ دوسری دفعہ شق صدر معراج کی رات ہوا۔ جس طرح صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل امین آئے انہوں نے میرے سینے کو کھولا، پھر اسے زمزم کے پانی سے دھویا، پھر سونے کا ایک تھال لایا گیا جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا اسے میرے سینے میں انڈیل دیا۔ پھر اسے بند کر دیا(2)۔ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جسے وہ صعصعہ سے نقل کرتے

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 92 (قدیمی)
2۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 529 (وزارت تعلیم)

ہیں کہ حضور ﷺ نے بیان کیا کہ اس جگہ سے لے کر اس جگہ تک میرا سینا کھولا، پھر جبرئیل امین نے میرا دل نکالا، پھر سونے کا ایک تھال لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا، میرے دل کو دھویا، اس طشت کو میرے سینے میں انڈیلا گیا، پھر دل کو اپنی جگہ رکھ دیا گیا۔ ایک روایت میں ہے پھر زمزم کے پانی کے ساتھ پیٹ کو دھویا، پھر اسے ایمان اور حکمت کے ساتھ بھر دیا۔ میں کہتا ہوں جو جما ہوا خون حضور ﷺ کے دل سے نکالا گیا وہ عناصر، نفس اور دل کے رذائل تھے جو نفس کو نفس امارہ بنانے کے باعث ہوتے ہیں۔ اعضاء کو نافرمانیوں پر برانگیختہ کرتے ہیں۔ پھر **الم نشرح لک** جس مفہوم پر دلالت کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کے فرمان **ووضعنا عنک وزرک** کو معطوف کیا۔

۲؎ وزر کا اصل معنی پہاڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کلا لاوزر یعنی وہاں کوئی ایسا پہاڑ نہیں ہوگا جہاں پناہ لی جاسکے۔ لیکن یہاں استعارہ کے طریقہ پر اس سے مراد بوجھ ہے۔ اس ثقل سے مراد یا تو فراق کا غم اور چھوڑنے کا وہم ہے جس نے حضور ﷺ کو غمگین کر دیا اور آپ کی پشت کو بوجھل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ والضحیٰ اور الم نشرح کی آیات کو نازل فرما کر غم اور حزن کو دور کر دیا یہاں تک کہ آپ کی طبیعت کو سکون آ گیا نفس کو قرار آ گیا اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ وحی میں یہ انقطاع قطع تعلقی اور ناراضگی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حکمت اور منفعت کی وجہ سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس غم کو نعمت میں شمار کیا ہے یا اس وزر سے مراد دعوت حق، احکام کی تبلیغ، احکام کو بجالانے اور منہیات سے رکنے کی مشکل تکالیف ہیں کیونکہ شرعی امور کو بجالانا بہت ہی مشکل ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں نے اس بات کا انکار کر دیا کہ وہ اس نعمت کو اٹھائیں گے بلکہ وہ خوفزدہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یہ ڈرنے والوں پر بہت ہی بھاری ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے کو ایمان اور حکمت کے لئے کھول دیا شیطان کے حصے اور نفس کے ان رذائل کو زائل کر دیا جو نفوس کی فطرت میں موجود ہیں تو شرعی احکام آپ ﷺ کے لئے مرغوب اور پسندیدہ ہو گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے کہا میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے یہ مرتبہ جسے اللہ تعالیٰ نے بوجھ ہلکا کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ صوفیاء اسے ایمان حقیقی کہتے ہیں۔ صوفیاء کا جو قول ہے کہ صوفی سے تکلیف شرعی کو ساقط کر دیا گیا ہے اس کا بھی یہی مفہوم ہے، یعنی احکام شرعیہ بجالانا ان کے لئے مشکل نہیں ہوتا۔

شرح صدر اور بوجھ ہلکا کرنے کا مرتبہ حضور ﷺ کو تو ظاہر و باہر حاصل ہوا جس طرح ہم نے بیان کیا ہے آپ کی امت کے اولیاء کو باطنی طور پر وراثت کے انداز میں حاصل ہوتا ہے اور وہ بھی عالم مثال میں ظاہر ہوتا ہے لیکن یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب نفس فنا ہو جائے، عین اور اثر باقی نہ رہے، اس وقت صوفیاء کو خوشخبری دی جاتی ہے کہ انہیں شرح صدر اور ایمان حقیقی حاصل ہو گیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے اور ہم نے مشائخ کرام کے ملفوظات سے یہی سمجھا ہے۔ عبد اللہ بن یحییٰ اور ابو عبیدہ نے جو یہ کہا ہے کہ ہم نے آپ سے نبوت کے بوجھ کو ہلکا کر دیا اور اس کے فرائض بجالانے کو آسان کر دیا تو یہ بھی دوسری تاویل کے مناسب ہے۔ ہم نے جو دو تاویلیں ذکر کی ہیں وہ ان اقوال سے بہتر ہیں جو یہ کہے گئے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ دور جاہلیت میں جو آپ سے لغزشیں ہوئیں ان کو آپ سے ساقط کر دیا۔ یہ تاویل اس لئے درست نہیں کیونکہ حضور ﷺ اس سے بہت بلند ہیں۔ اسی طرح یہ قول کہ یہاں وزر سے مراد افضل کو ترک کرنا اور فاضل کو بجالانا ہے۔ اسی طرح کے دوسرے اقوال سب تکلفات ہیں۔

۳؎ اسے بوجھل کیا یہاں تک کہ اسے کمزور کیا یہاں تک کہ اس سے ایسی آواز آنے لگی جس طرح جب بوجھ زیادہ ہو تو کجاوے سے آواز آتی ہے۔ یہ اسم موصول وزرک کی صفت ہے۔ اگر وزر کا معنی فراق کا غم لیا جائے تو پھر کسی تکلف اور تاویل کی کوئی ضرورت باقی

سکتی تھی کیونکہ اسی فراق نے آپ کو غمگین کر دیا تھا۔ اگر وزر سے مراد احکام شرعیہ کی تکالیف ہیں جس طرح ہم نے وزر کی تعبیر کی ہے تو پھر اس کا معنی یہ ہوگا کہ اگر ہم آپ کے سینے کو نہ کھولتے اور آپ سے اس بوجھ کو ہلکا نہ کرتے جس نے آپ کی پشت کو بوجھل کر دیا تھا تو جو فرائض آپ پر لازم ہیں ان کو بجا لانے کی آپ کو طاقت نہ ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی تو نہ ہم ہدایت پاتے نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ ہی نماز پڑھتے۔ جب احکام شرعیہ کا وجوب دنیا میں پشت کو بوجھل کرنے والا اور واجبات کی ادائیگی میں مانع ہے تو انقض کو ماضی کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا جبکہ حضور ﷺ معصوم تھے تو اس حوالے سے مناسب نہ تھا کہ مستقبل کا صیغہ ذکر کیا جاتا کیونکہ نافرمانیاں تو آخرت ہی میں پشت کو بوجھل کرتی ہیں جب ان کی جزا دی جائے گی۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿٤﴾ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٥﴾ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٦﴾

"اور ہم نے بلند کر دیا ہے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو۔ پس یقیناً ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے جبریل امین سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جب میرا ذکر کیا جائے گا تیرا بھی میرے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں یہ آیت اور حدیث تقاضا کرتی ہیں کہ جب ملاء اعلیٰ کے فرشتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو ساتھ ہی حضور ﷺ کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ آپ کا نام عرش کے پائے پر لکھا ہوا ہے۔ یہ روایت سورہ بروج میں گزر چکی ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ لوح محفوظ کے درمیان لکھا ہے لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ دینہ الاسلام و محمد عبدہ و رسولہ۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد اذان، اقامت، تشہد اور منبر پر خطبوں میں حضور ﷺ کا ذکر ہے۔ اگر کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرے مگر یہ گواہی نہ دے کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اسے عبادت کوئی فائدہ نہ دے گی اور وہ کافر ہوگا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اغر علیہ بالنبوۃ خاتم | من اللہ مشہود یلوح ویشہد

اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبیین بنا کر عزت سے نوازا جس پر گواہی دی گئی جو آپ کا خاتم النبیین ہونا عام ہے اور وہ بھی اس پر گواہی دے رہا ہے۔

وضم الالٰہ اسم النبی باسمہ | اذا قال فی الخمس الاذان اشہد

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا دیا | جب مؤذن پانچوں اذانوں میں اشہد کہتا ہے

فشق لہ من اسمہ لیجلہ | فذو العرش محمود وہذا محمد

اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے آپ کا نام مشتق کیا | اللہ تعالیٰ محمود ہے جبکہ حضور ﷺ محمد ہیں ﷺ

یہ قول بھی کیا گیا کہ آپ کی رفعت سے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے آپ کے متعلق وعدہ لیا ان پر لازم کیا کہ وہ حضور ﷺ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی فضیلت کا اقرار کریں گے۔

۲؎ جس تنگی میں آپ ہیں اس کے ساتھ عظیم آسانی بھی ہے۔ یسرا کو نکرہ تعظیم کے لئے ذکر کیا ہے۔ یہ جملہ ایک محذوف جملہ کی علت کے طور پر ہے۔ اس کی تقدیر یہ ہوگی جو آپ کو تکلیف پہنچی ہے اس پر آپ غمگین نہ ہوں کیونکہ تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں وعدہ کی تاکید اور امید کی عظمت کے لئے نکرہ ذکر کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور سے وعدہ فرمایا کہ تنگی ایک آسانی کے ساتھ ملی ہوئی ہے کیونکہ عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں حاکم رحمتہ اللہ علیہ نے مستدرک میں اور بیہقی رحمتہ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں مرسل روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہیں خوشخبری ہو، تم تک آسانی پہنچ چکی ہے۔ ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی۔ ابن مردویہ رحمتہ اللہ علیہ نے اسے ضعیف سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی ایک شاہد بھی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے جسے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے موطا میں روایت کیا ہے اور حاکم رحمتہ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے اور کہا یہ سندوں میں سے صحیح ترین سند ہے۔

امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تنگی بل میں ہو تو آسانی اسے تلاش کرے گی یہاں تک کہ اس پر داخل ہو جائے گی کیونکہ ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں ہو سکتی۔ علماء لغت کہتے ہیں جب دوسری دفعہ معرف باللام اسم ذکر کیا جائے تو اس سے مراد بعینہ پہلے اسم کا مصداق ہوگا خواہ پہلا اسم نکرہ ہو یا معرفہ ہو کیونکہ اصل میں الف لام عہدی ہوتا ہے جب دوسری دفعہ اسے نکرہ ذکر کیا جائے تو اس صورت میں دوسرے اسم کا مصداق پہلے اسم کے مصداق سے مختلف ہوتا ہے۔ خواہ پہلا اسم نکرہ ہو یا معرفہ ہو کیونکہ کلام کو تکرار اور تاکید پر محمول کرنے کی بجائے اس سے مستقل معنی لینا زیادہ بہتر ہے۔ تنقیح الاصول میں ہے اگر کسی آدمی نے دو دفعہ ہزار کا اقرار کیا مگر اسے الف لام کے ساتھ مقید کیا تو اس پر صرف ایک ہزار واجب ہوں گے۔ اگر اس نے دو دفعہ اقرار کیا مگر اسے مقید نہ کیا تو پھر امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک دو ہزار لازم ہوں گے۔ ہاں ایک صورت میں ایک ہزار ہی لازم ہوگا۔ وہ صورت یہ ہے کہ مجلس ایک ہی ہو میں کہتا ہوں کہ جب کوئی ایسا قرینہ ہو جو اس بات پر دلالت کرے کہ دوسرے اسم سے مراد بھی پہلے اسم کا مصداق ہے تو پھر انہیں الگ الگ نہ سمجھا جائے گا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس قول میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ جب کسی نے کہا اِنَّ مَعَ الْفَارِسِ سَیْفًا اِنَّ مَعَ الْفَارِسِ سَیْفًا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شاہسوار تو ایک ہے مگر تلواریں دو ہیں۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں جب قرینہ پایا جائے تو اس صورت میں دوسرے اسم سے مراد بھی پہلے والا اسم ہوتا ہے اور اسے اتحاد پر ہی محمول کیا جائے گا۔ فارس اور سیف کی مثال بھی اسی قسم سے تعلق رکھتی ہے۔ آیت میں دو تاویلوں کی گنجائش ہے۔ لیکن حضور ﷺ اور صحابہ نے جو تاویل کی ہے وہ صحیح ہے۔ امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا اس ساری بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ ایک تنگی کے ساتھ دو آسانیاں ہیں لیکن یہ محض اس لئے نہیں کہ نکرہ کا تکرار آیا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فان مع العسر یسرا یہ سابقہ کلام کے ساتھ متصل ہے۔ اس کلام کا مقصود حضور ﷺ کو تسلی دینا ہے اور حضور ﷺ کے ساتھ آسانی اور غناء کا وعدہ کرنا ہے کہ یہ نعمت دنیا میں ہی فقر کے بعد جلد حاصل ہو جائے گی پھر اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا، بستیوں پر فتح نصیب فرمائی اور ہاتھ میں وسعت دی یہاں تک کہ حضور ﷺ دو دو سو اونٹ عطا فرماتے اور قیمتی تحائف سے نوازتے۔

۳؎ یہ نیا کلام ہے کیونکہ یہاں فاء اور واؤ کا نہ ہونا اس پر دلالت کرتا ہے۔ یہ تمام مومنوں کے ساتھ وعدہ ہے کہ دنیا میں تنگی دیکھنے کی صورت میں مومنوں کو آخرت میں آسانی کے ساتھ جزاء دی جائے گی۔ پس حضور ﷺ کے لئے ایک تنگی کے ساتھ دو آسانیاں بنا دی

گئی۔ ایک آسانی دنیا میں اور دوسری آسانی آخرت میں۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی۔ اگر دنیا کی ایک آسانی پر غالب آ بھی گئی تو وہ آخرت کی آسانی پر کسی صورت میں غالب نہیں آئے گی کیونکہ آخرت کی آسانی تو ان اور ابدی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ پہلے عسر میں لام عہدی ہے اور دوسرے میں جنسی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعض مفسرین نے کہا کہ یہاں عسر سے مراد فقر، شدت اور مشرکین کی طرف سے آزمائش ہے جس میں حضور ﷺ مبتلا تھے اور جس کے بارے میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور شکایت کی تھی۔ تو پہلی آسانی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس حالت کا زائل ہونا اور فقر کے بعد غناء کا حاصل ہونا ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہاں عسر سے مراد سینے کی تنگی، وہ بوجھ جو پشت پر تھا، قوم کی گمراہی اور ان کا اذیتیں دینا تھا اور پہلے یسر سے مراد شرح صدر، بوجھ کا اتار دینا، ہدایت اور اطاعت کی توفیق دینا ہے اور دوسرے یسر سے مراد سب کے نزدیک آخرت کا ثواب ہے۔ انہوں نے کہا کلام کا معنی یہ ہے کہ تنگی کے بعد آسانی ہے۔ کلام میں بعد کی جگہ مع کا لفظ ذکر کیا ہے۔ مقصود اس امر میں مبالغہ کا اظہار ہے کہ آسانی تنگی کے ساتھ ہے اور یہ دونوں اس طرح ملی ہوئی ہے جس طرح دو متقارب چیزیں ملی ہوتی ہیں۔ میرے نزدیک عسر سے مراد مقام نزول میں مخلوق کی طرف متوجہ ہونا ہے جو حزن اور غم کا موجب ہے پہلے یسر سے مراد مقام نزول میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ صوفی اگرچہ اس حالت میں ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ سے اعراض کرنے والا اور مخلوق کی طرف توجہ کرنے والا ہوتا ہے لیکن وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے اعراض کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس کے سینے میں دونوں قسم کی توجہ کی گنجائش اور استعداد پیدا ہو جاتی ہے بلکہ مخلوق کی طرف توجہ جب اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا کے مطابق ہوتی ہے تو وہ بھی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے اسی وجہ سے اس یسر کو سیر من اللہ باللہ کا نام دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے فرمان میں مع کا کلمہ اپنے حقیقی معنی میں ہوگا جس کا معنی مقارنہ (ملا ہوا ہونا) ہے۔ دوسرے جملہ میں مع کا کلمہ بغیر کسی شک کے مجازی معنی میں ہے۔ جس طرح علماء نے فرمایا اس تاویل کی صورت میں کلام کا معنی یہ ہوگا آپ غمگین نہ ہوں کیونکہ مخلوق کی طرف توجہ کی وجہ سے جو آپ کو تنگی کا سامنا ہے جو آپ کے حزن کا باعث ہے اس کے ساتھ آسانی ہے اور خالق کی طرف توجہ حاصل ہے۔ آخرت میں آپ کو حجاب اور غیبت کے شائبہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ حاصل ہوگی۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ﴿۷﴾ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾

”پس جب آپ (فرائض نبوت سے) فارغ ہوں تو (حسب معمول) ریاضت میں لگ جائیں[1] اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں[2]“

[1] مفسرین نے کہا یہاں نصب کا معنی تھکاوٹ ہے، یعنی جب آپ مخلوق کو دعوت دینے سے فارغ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جائیں تاکہ جو سابقہ نعمتیں آپ کی ہیں یا آئندہ آنے والے وقت آپ کے ساتھ نعمتوں کا وعدہ کیا گیا ہے ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں۔ یا اس کا معنی یہ ہے جب آپ ایک عبادت سے فارغ ہوں تو دوسری عبادت میں اپنے آپ کو مصروف کریں۔ اپنے کسی وقت کو ضائع نہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنتی کسی چیز پر حسرت نہ کریں گے مگر اس ساعت پر حسرت کریں گے جس گھڑی میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، ضحاک، مقاتل اور کلبی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا جب آپ فرض نماز سے

فارغ ہوں یا مطلق نماز سے فارغ ہوں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور سلام سے پہلے تشہد کے بعد یا سلام کے بعد دعا میں رغبت کریں۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب تم تشہد سے فارغ ہو جاؤ تو اپنی دنیا اور آخرت کے لئے دعا کرو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تم فرائض سے فارغ ہو جاؤ تو رات کے نوافل میں کھڑے ہو جاؤ۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اور زید بن اسلم نے کہا جب دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے رب کی عبادت میں شروع ہو جاؤ۔ حضور ﷺ کے ارشاد رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ کا بھی یہی معنی ہے، یعنی ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے۔ منصور نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے کہا جب تم دنیا کے امور سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ حبان نے کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے جب آپ رسالت کی تبلیغ سے فارغ ہو جائیں تو اپنے اور مومنین کے لئے استغفار کریں (1)۔ اس آیت کا ماقبل آیت کے ساتھ اتصال کی صورت یہ ہے کہ نعمتوں کا حصول شکر کا سبب ہے۔ ہماری تاویل کے مطابق آیت کا معنی یہ ہے جب آپ کامل نزول یعنی مخلوق کو دعوت دینے سے فارغ ہو جائیں تو عروج کے مدارج اور مقام مشاہدہ کی طرف بلند ہوں۔ صحاح میں ہے نصب الشیء اسے مناسب طریقہ پر رکھا ہے جیسے نصب الزرع والبناء والحجر۔ قاموس میں ہے نصب جیسے فرح اسی طرح یوں استعمال ہوتا ہے هم ناصب۔ اسی سے نصب الشی استعمال ہوتا ہے، یعنی اس نے چیز کو رکھا اور اسے اٹھایا۔ گویا یہ الفاظ اضداد میں سے ہیں۔ اسی طرح یہ یوں بھی استعمال ہوتا ہے نصبه فانتصب و تنصب۔ اسی طرح ناقة نصباء استعمال ہوتا ہے، ایسی اونٹنی کو کہتے ہیں جس کا سینہ اٹھا ہوا ہو۔ تنصب الغراب یعنی کوا بلند ہوا۔ اس تاویل کی بناء پر یہ آیت حضور ﷺ کو تسلی دینے کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ان مع العسر یسرا کے مرادف ہے۔

۲۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فانصب کا عطف تفسیری ہے یعنی اپنے رب سے سوال کرنے میں رغبت کیجئے، کسی اور سے سوال نہ کیجئے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے آگ سے بھاگتے ہوئے اور جنت کی رغبت رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور آہ و زاری کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اپنے تمام احوال میں اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں۔ زجاج نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت رکھئے (2)۔ جار مجرور محذوف کلام کے ساتھ متعلق ہے جس پر مابعد کلام دلالت کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی فَانْصَبْ وَ ارْغَبْ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ۔ میں کہتا ہوں یہاں رَغْبَتْ کے امر میں تکرار ہے کیونکہ پہلی رغبت سے مراد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی صفات کی طرف رغبت ہے اور دوسری رغبت سے مراد محض ذات کی طرف رغبت ہے جو اعتبارات سے ماوراء ہے مقام نزول میں سورۃ الم نشرح کا ورد اور مقام عروج میں سبح اسم ربک الاعلی کا ورد بڑا فائدہ مند ہے۔ ہم اس کا ذکر سبح اسم ربک الاعلی میں کر آئے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

سورۃ التین

آیاتہا ۸ | سُوْرَۃُ التِّیْنِ مَکِّیَّۃٌ ۹۵ | رکوعہا ۱

سورۃ التین مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ۙ﴿۱﴾ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ ۙ﴿۲﴾ وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ۙ﴿۳﴾

''قسم ہے انجیر اور زیتون کی [1] اور قسم ہے طور سینا کی [2] اور اس امن والے شہر (مکہ مکرمہ) کی [3]''

[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حضرت حسن بصری، ابراہیم، عطاء، مقاتل اور کلبی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا تین (انجیر) سے مراد تمہارا وہ پھل ہے جسے تم کھاتے ہو اور زیتون سے مراد وہ پھل ہے جس سے تم تیل نکالتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ تین کی قسم اس لئے اٹھائی گئی کیونکہ یہ ایک ایسا پھل ہوتا ہے جس کی گٹھلی نہیں ہوتی۔ یہ پھل جنت کے پھل کے مشابہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے انجیر کا پھل بواسیر کو ختم کر دیتا ہے اور جوڑوں کے درد میں فائدہ مند ہے۔ اسے ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے طب میں بیان کیا۔ یہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس کی سند مجہول ہے۔ زیتون ایک مبارک درخت ہے جس کا پھل تیل والا ہوتا ہے اور یہ تیل سالن کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ دونوں پہاڑ ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تین سے مراد وہ پہاڑ ہے جس پر دمشق کا شہر آباد ہے اور زیتون سے مراد بیت المقدس کی مسجد ہے۔ ابومحمد بن کعب نے کہا تین سے مراد اصحاب کہف کی مسجد ہے اور زیتون سے مراد ایلیا ہے۔ (1)

[2] طور سے مراد وہ پہاڑ ہے جو مصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے سینین کے بارے میں فرمایا یہ نبطی لغت ہے جس کا معنی حسین ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہر وہ پہاڑ جس میں پھلدار درخت ہوں اسے سینین کہتے ہیں اور نبط کی لغت میں سینا کہتے ہیں۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ اس جگہ کا نام ہے جہاں طور پہاڑ ہے (2)۔ سینہ بھی اسی جگہ کو کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ سریانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی گھنے درختوں والی جگہ۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ حبشی لغت ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی برکت ہے، یعنی مبارک درخت۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سینین کا معنی حسین ہے، یعنی خوبصورت پہاڑ۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی درخت ہے، یعنی ایسا پہاڑ جو درختوں والا ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ معین پتھر کا نام ہے پہاڑ کو اس کی طرف اس لئے مضاف کیا گیا کیونکہ پتھر اس پہاڑ کے قریب ہے۔

[3] امین سے مراد امن والا یعنی جو انسان بھی اس میں داخل ہوتا ہے اس کی یہ حفاظت کرتا ہے۔ جس طرح امین کے پاس جو امانت رکھی جائے اس کی وہ حفاظت کرتا ہے۔ یا امین اسم فاعل کے معنی میں ہے یا اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ یعنی جو بھی اس شہر میں داخل ہو،

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

اس کو یہ امن دیتا ہے یا اس میں جو بھی داخل ہوتا ہے وہ مامون ہو جاتا ہے۔ بلد امین سے مراد مکہ مکرمہ ہے، دور جاہلیت اور دور اسلام میں لوگ اس میں امن سے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی قسم اٹھائی کیونکہ تین اور زیتون جہاں (اگتے) ہیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ ہیں۔ یہی انبیاء کی رہائش گاہ اور وحی کے نازل ہونے کی جگہ رہی اور طور وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا کی گئی اور مکہ مکرمہ میں بیت اللہ یہاں ہی حضور ﷺ کی جائے پیدائش اور وحی کے نازل ہونے کی جگہ ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيٓ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ﴿٤﴾ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ أَسْفَلَ سٰفِلِينَ ﴿٥﴾

"بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (عقل و شکل کے اعتبار سے) بہترین اعتدال پر[1] پھر ہم نے لوٹا دیا اس کو پست ترین حالت کی طرف[2]"

[1] یہ جملہ جواب قسم ہے۔ الانسان سے مراد جنس انسان ہے۔ تقویم یہ قیام یا قوام سے تفعیل کے وزن پر ہے۔ صحاح میں ہے قیام اور قوام اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ وہ چیز قائم اور ثابت ہو۔ میں کہتا ہوں قوام اسے کہتے ہیں جس کے ساتھ وہ شے متحقق ہو، یعنی انسان کی حقیقت اور ماہیت کو بہترین بنایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں عالم امور کے لطائف، عالم خلق اور نفس ناطقہ کے عناصر جن پر عالم کبیر مشتمل ہے۔ انسان ان سب کو جامع ہے۔ اسی جامعیت کی وجہ سے اس میں کائنات کے تمام خصائص ظاہر ہوتے ہیں جیسے فرشتوں، درندوں، جانوروں اور شیطانوں وغیرہ کی صفات کا یہ مظہر ہے۔ اسی طرح انسان صفات کاملہ سے بھی متصف ہوتا ہے جو صفات الٰہیہ سے منعکس ہوتی ہیں جیسے حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور محبت جسے عشق کی بنیاد کا نام دیا جاتا ہے۔ انسان نور عقل سے مزین ہوتا ہے اور ظلی، صفاتی اور ذاتی تجلیات کی اس میں استعداد ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اسے خلافت کی خلعت عطا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ احسن تقویم کا معنی ہے کہ اس کو حسین بنایا کیونکہ تقویم مصدر ہے جس کا معنی تعدیل ہے۔ قاموس میں ہے قَوَّمْتُهُ فَهُوَ قَوِيمٌ وَّمُسْتَقِيمٌ یعنی میں نے اسے معتدل اور متناسب بنایا۔ یہاں مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے یا فعیل کے معنی میں ہے، یعنی انسان کو اچھی صورت والا بنایا کیونکہ جو بھی مخلوق پیدا فرمائی اس کو سیدھی قد و قامت والا نہیں بنایا بلکہ وہ منہ کے بل جھکا ہوا ہے مگر انسان کو سیدھی قد و قامت والا بنایا ہے، اس کا جسم ظاہر ہے اور یہ اپنے ہاتھ سے کھانا کھاتا ہے۔

[2] رددنا۔ صیرنا کے معنی میں ہے۔ یہاں اسفل سافلین میں ضمیر سیاق کلام کی وجہ سے نکرہ کے حکم میں ہے اور جنس کو شامل ہے۔ جس طرح یوں کہا جاتا ہے کہ کریم قائم اس کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت بھی کرتی ہے۔ اگر یہ جنس کو شامل نہ ہو تو یہ قضیہ مہملہ (۱) ہوگا جو جزئیہ کے حکم میں ہوگا تو اس صورت میں یہ جائز ہوگا۔ بعض سافلین اس سے بھی نیچے ہوں۔ اس آیت لَقَدْ خَلَقْنَا...... أَسْفَلَ سٰفِلِينَ کی موافقت حضور ﷺ کا ایک ارشاد بھی کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ إِلَّا يُوْلَدُ عَلٰى فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ الخ ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بناتے ہیں، متفق علیہ (1)۔ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مگر یہاں رد فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے افعال کا خالق ہے اور حدیث طیبہ میں والدین کی طرف جو نسبت ہے وہ کسب کے اعتبار سے ہے۔ سافلین سے مراد وہ لوگ بھی ہو سکتے

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 336 (قدیمی)

(۱) ایسا قضیہ جس میں یہ بیان نہیں کیا جاتا کہ حکم تمام افراد پر ہے یا بعض افراد۔ مترجم

WWW.NAFSEISLAM.COM

ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے پست استعداد والا بنایا ہے وہ کمالات کے حصول، قرب اور تجلیات رحمانیہ کے مراتب پر چڑھنے سے قاصر رہتے ہیں بلکہ وہ درندوں، حیوانوں، شیاطین اور جنوں کی صفات پر ہی رہتے ہیں۔ عقلاء کو غلبہ دینے کی وجہ سے جمع مذکر سالم کا صیغہ ذکر کیا۔ اس سے مراد شیاطین اور سرکش جن ہیں۔ انسان جب اپنی صلاحیت ضائع کر دیتا ہے، احسان کرنے والے کا شکر بجا نہ لاتا، چھوڑ دیتا ہے اور ایسے امور بجا نہیں لاتا جو اس کی کامیابی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث ہوتے ہیں بلکہ ایسے کام کرتا ہے جو کفر اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوتے ہیں تو اسے تمام خبیثوں سے خبیث بنا دیا جاتا ہے، اس کا مرتبہ ہر پست مرتبہ سے گر جاتا ہے، وہ کتوں اور خنزیروں سے بدتر ہو جاتا ہے بلکہ وہ شیطانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حدیث طیبہ میں آیا ہے جو حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کافر کے لئے جنت کی طرف ایک دریچہ کھول دیا جاتا ہے تو وہ جنت کی نعمتوں کو دیکھتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے ان چیزوں کو دیکھ جن سے اللہ تعالیٰ نے تجھے پھیر دیا ہے۔ پھر اس کے لئے جہنم کی طرف ایک دریچہ کھول دیا جاتا ہے۔ اسے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ایسا کرنے کی وجہ یہ ہے تاکہ مومن عمل خوشی حاصل کرے اور کافر حسرت حاصل کرے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا مگر جہنم میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جائے گا، یعنی اگر وہ گناہ کرتا۔ یہ اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ وہ شکر کرے اور کوئی آدمی جہنم میں داخل نہیں ہوگا مگر اسے جنت کا ٹھکانہ دکھایا جائے گا اگر وہ اچھے کام کرتا۔ تاکہ اس پر یہ چیز حسرت کا باعث ہو۔ رہے شیاطین ان کا معاملہ ایسا نہیں۔ ان کے لئے جنت میں ٹھکانہ نہیں ہوتا کیونکہ ان میں جنت میں داخل ہونے کی استعداد نہیں ہوتی۔ حضرت حسن بصری، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ثم رددناہ اسفل سافلین کا معنی یہ ہے کہ ہم اسے جہنم کی طرف پھیر دیتے ہیں کیونکہ جہنم کے بعض حصے دوسرے حصوں سے نیچے ہیں۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہم اسے انتہائی بدصورتی میں جہنم کی طرف لوٹا دیتے ہیں جیسے خنزیر وغیرہ (1)۔

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۞ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ ۞ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ ۞

”بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ پس کون جھٹلا سکتا ہے آپ کو اس کے بعد جزا و سزا کے معاملہ میں۔ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم؟“

WWW.NAFSEISLAM.COM

یہ انسان سے مستثنیٰ متصل ہے کیونکہ ان لوگوں کو رد کے حکم سے خارج کیا گیا کیونکہ انہیں جہنم کی طرف نہیں لوٹایا جاتا اور نہ ہی انتہائی بری حالت میں یہ لوگ ہوتے ہیں۔ فلھم میں ھم ضمیر سے مراد صالح مومن ہیں۔ ان لوگوں کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم نہیں ہوگا یا اس کی وجہ سے ان پر احسان نہیں جتلایا جائے گا۔ اس میں فاء سببیہ ہے۔ یہ جملہ مستثنیٰ سے تعلیل کے قائم مقام ہے اور اس سے معنی کی وضاحت ہو رہی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ احسن تقویم والی آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے انسان کو بہترین صورت اور بہت مضبوط حالت میں پیدا کیا ہے کہ انسان جس چیز کا ارادہ کرے وہ اس کے لئے آسان کر دی گئی ہے اور اس کے لئے حیوانات، خشکی، تری بلکہ جن اور شیاطین

1۔ تفسیر بغوی آیت ہذا

بھی اس کے لئے مسخر کر دیئے گئے۔ پھر ہم انہیں میں سے بعض انسانوں کو بوڑھا بنا دیتے ہیں۔ ارذل عمر سے مراد اسفل السافلین ہے۔ سافلون سے مراد یہاں کمزور اپاہج اور بچے ہیں کیونکہ جب انتہائی بوڑھے آدمی کی عقل زائل ہو جاتی ہے، اس کا بدن کمزور ہو جاتا ہے۔ اس پر مختلف عوارض اور امراض غالب آجاتے ہیں تو بہت ہی کمزور ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں الا الذین امنوا والا مستثنیٰ منقطع ہوگا اور یہ لکن کے معنی میں ہوگا جو استدراک اور اس وہم کو دور کرنے کے لئے ہے جو پیدا ہوا تھا وہ وہم یہ تھا۔ کہ بڑھاپے کے بعد مومن بھی کمزوری کے اعتبار سے برے حال میں ہوں گے اور اس حالت میں ان کے وجود ان کے لئے وبال جان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لیکن جو مومن ہیں اور جنہوں نے قوت اور جوانی کے عالم میں اچھے اعمال کئے تھے تو ان کے اجر ختم نہ ہوں گے۔ جس قسم کا وہ عمل کرتے رہے تھے۔ اسی حساب سے ان کی نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یعنی ان کے لئے عمل کے بغیر بھی اجر ہے (1)۔ ابن جریر نے عوفی رحمہما اللہ تعالیٰ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہ وہ جماعت ہے جنہیں حضور ﷺ کے زمانہ میں ہی بڑی عمر کی طرف پھیر دیا گیا تھا اور ان کی عقلوں نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ تو ان کے بارے میں صحابہ نے حضور ﷺ سے پوچھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عذر کے بارے میں یہ حکم نازل کر دیا کہ عقلیں جانے سے پہلے جو وہ عمل کرتے رہے ہیں انہیں ان اعمال کا اجر ملتا رہے گا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس شیخ کو اس کا بڑھاپا کوئی نقصان نہیں دے گا جب اس کا خاتمہ اچھے اعمال پر کر دیا۔ عاصم احول نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ الا الذین امنوا کا معنی یہ ہے مگر وہ لوگ جنہوں نے قرآن پڑھا تو انہیں اس ضعیف ترین عمر کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا (2)۔ جلال الدین محلی نے کہا جب ایک آدمی بڑھاپے کی اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اب وہ عمل کرنے سے عاجز آجاتا ہے تو اس کے لئے وہ عمل لکھے جاتے رہتے ہیں جو وہ پہلے عمل کیا کرتا تھا (3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی مومن جسمانی مرض کے ساتھ آزمایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتے سے فرماتا ہے وہ پہلے جو اچھے عمل کرتا تھا تو اس کے لئے وہی عمل لکھتا رہ (4)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح کی روایت مروی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں روایتوں کو شرح السنہ میں روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے اسی کی مثل مریض اور مسافر کے بارے میں بھی روایت کی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ بلاغت کا تقاضا تو یہ ہوتا ہے کہ مخاطب جتنا منکر ہو اس کے انکار کے مطابق کلام میں تاکید لائی جائے انسان کا بہترین صورت میں پیدا کیا جانا پھر اسے بڑھاپے کی طرف پھیر دیا جانا یہ ایک بدیہی امر ہے کوئی بھی اس کا انکار نہیں کرتا تو پھر اس کلام کو قسم اور لام تاکید اور قد کے ساتھ کیوں ذکر کیا۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جب انسان پر ان احوال کا تبدیل ہونا دوبارہ اٹھانے اور جزاء پر واضح دلیل ہے جبکہ کفار دوبارہ اٹھانے اور جزاء و سزا کا انکار کرتے تھے تو گویا انہوں نے انسان پر حالت کے بدلنے کا بھی انکار کیا کیونکہ جو انسان مدلول کا انکار کرتا ہے۔ گویا وہ واضح دلیل کا انکار کرتا ہے کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں۔

7۔ یہاں التفات کے طریقہ پر انسان کو خطاب کیا گیا ہے۔ یعنی اے انسان وہ کونسی چیز ہے جو تمہیں اس جزاء کو جھٹلانے پر برانگیختہ کرتی ہے اور کون سی چیز تجھے جھوٹا بنا دیتی ہے جب تو حق کے خلاف بات کرتا ہے اور تو کہتا ہے کہ نہ قیامت برپا ہوگی، نہ جزاء و سزا ہوگی جبکہ

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
2۔ ایضاً
3۔ تفسیر جلالین، جلد 2، صفحہ 502 (وزارت تعلیم)
4۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 441 (الفکر)

نیز ان آیات میں واضح دلائل موجود ہیں کہ اس نے تمہیں پیدا کیا تجھے قوت عطا کی پھر تمہیں کمزور کیا اور تمہیں موت عطا کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں دوبارہ اٹھانے اور اعمال کی جزا دینے پر بھی قادر ہے۔ یہاں استفہام توبیخ اور ناپسندیدگی کے اظہار کے لئے ہے یعنی تجھے کون جھٹلانے کا سبب نہیں دیتا یا اس کا مخاطب حضور ﷺ کی ذات ہے اور ما نفی یا استفہام انکاری کے لئے ہے۔ معنی ہوگا کون چیز تجھے نہیں جھٹلاتی یا کون سی چیز ہے جو تمہیں جھٹلاتی ہے۔ مراد یہ ہے جو آپ جزا کے بارے میں قول کرتے ہیں۔ وہ کون چیز ہے جو آپ کے جھٹلانے پر دلالت کرتی ہے جبکہ واضح دلائل آپ کی صداقت پر دیتے ہیں۔ اس آیت کی مثال: قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ما من کے معنی میں ہے اور یہاں استفہام تعجب کے معنی میں ہے۔ پھر معنی یہ ہوگا کون تجھے جھٹلاتا ہے جبکہ آپ کی صداقت پر بے شمار شواہد ہیں اس آدمی پر حد درجہ تعجب ہے۔

آیت میں استفہام انکاری ہے جو نفی کا معنی دے رہا ہے۔ جب نفی کی نفی کی جائے تو اسے مثبت بنا دیتی ہے۔ یہ ما قبل کلام کے معنی کی تثبیت اور وضاحت ہے۔ معنی یہ ہوگا کیا وہ ذات پاک جس نے پہلے پیدا کیا پھر اسے اسفل سافلین کی طرف پھیر دیا یہ صنعت و تدبیر میں احکم الحاکمین نہیں ہے۔ جو اس طرح ہو وہ دوبارہ اٹھانے اور جزا پر قادر ہے۔ کفار حضور ﷺ کو تنبیہ اور عذاب کی بات جھٹلاتے تھے۔ اس پر حضور ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے یا یہ کافروں کے لئے وعید ہے۔ معنی یہ ہوگا کیا اللہ تعالیٰ بہترین فیصلہ کرنے والا نہیں وہ تیرے اور جھٹلانے والوں کے درمیان فیصلہ کردے گا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قول کیا ہے (1)۔ یا یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان فما یکذبک کی تعلیل کی جگہ ہے۔ یعنی اے انسان جھٹلانا تیرے لئے مناسب نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہے جو تمہارے بارے میں عذاب کا فیصلہ کردے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو سورۃ التین کی آخر تک تلاوت کرے تو اسے کہنا چاہئے الیس اللہ باحکم الحاکمین۔ بلی وانا علی ذلک من الشاہدین۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (2) حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے آپ نے عشاء کی دو رکعتوں میں سے ایک میں سورۃ التین کی قرأت کی اسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (3) واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ تفسیر معالم التنزیل، زیر آیت ہذا
2۔ سنن ابی داؤد، جلد 4، صفحہ 101 (ارشد)
3۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 1739، زیر آیت ہذا

WWW.NAFSEISLAM.COM

سورۃ العلق

آیاتہا ۱۹ سُوْرَۃُ الْعَلَقِ مَکِّیَّۃٌ ۹۶ رکوعہا ۱

سورۃ العلق مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور انیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا سب سے پہلے اقرأ باسم ربک والی سورت نازل ہوئی اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی وہ اس کی ابتدائی پانچ آیات ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ابتداء میں حالت نیند میں سچی خوابوں کی صورت میں وحی آتی تھی۔ حضور ﷺ جو خواب بھی دیکھتے وہ یوں ظاہر و واضح سامنے آتا جیسے صبح روشن ہوتی ہے۔ پھر حضور ﷺ کی طبیعت خلوت نشینی کی طرف مائل ہوگئی۔ آپ ﷺ غار حراء میں خلوت نشین رہتے اور آپ گھر تشریف لائے بغیر وہاں عبادت کرتے رہتے آپ اپنے ساتھ زادراہ لے کر جاتے۔ پھر آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لاتے، اسی قسم کا زادراہ لیتے۔ یہ سلسلہ یوں ہی جاری وساری تھا کہ آپ پر وحی آئی۔ آپ اس وقت غار حراء میں تھے۔ فرشتہ آیا اس نے کہا اقرأ پڑھیے۔ میں نے کہا ما انا بقارئ میں پڑھنے والا نہیں ہوں اس نے مجھے پکڑ لیا۔ مجھے بھینچا یہاں تک کہ مجھے مشقت نے آلیا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ پھر کہا پڑھیے۔ میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں آپ نے فرمایا فرشتے نے مجھے پکڑ لیا۔ اس نے دوبارہ مجھے بھینچا یہاں تک کہ مجھے تکلیف پہنچی۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھیے۔ میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا فرشتے نے مجھے پکڑ لیا۔ مجھے تیسری دفعہ بھینچا اور کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝ حضور ﷺ گھر واپس تشریف لائے۔ (وحی کی ہیبت سے) آپ کا دل دہشت زدہ تھا۔ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمایا مجھے چادر اوڑھادو۔ گھر والوں نے آپ کو چادر اوڑھادی یہاں تک کہ اس کی ہیبت دور ہو گئی۔ تو آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تمام واقعہ سنایا۔ فرمایا مجھے تو اپنی جان کے بارے میں خوف لاحق ہوگیا تھا۔ تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم اللہ تعالیٰ کبھی آپ کو غمگین نہ کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، محتاجوں کو عطا کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لائیں جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچازاد بھائی تھے، انہوں نے دور جاہلیت میں نصرانیت کو قبول کر لیا تھا۔ آپ عبرانی زبان لکھنا جانتے تھے اور انجیل کو عربی میں منتقل کرتے جتنا اللہ تعالیٰ چاہتا۔ آپ انتہائی بوڑھے ہو چکے تھے، بینائی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ورقہ سے فرمایا اے میرے بھائی اپنے بھتیجے کی

بات سنو۔ ورقہ بن نوفل نے پوچھا اے بھتیجے تو نے کیا دیکھا۔ حضور ﷺ نے جو کچھ دیکھا سب بتایا۔ ورقہ نے کہا یہی وہ ناموس ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا، کاش میں اس وقت جوان ہوتا، کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو یہاں سے نکال دے گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا میری قوم مجھے یہاں سے نکال دے گی؟ ورقہ نے کہا ہاں، ایسا ہی ہوگا۔ جب بھی کوئی آدمی آپ جیسا پیغام لایا مگر اسے اذیتیں دی گئیں۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو میں آپ کی پوری قوت سے مدد کروں گا۔ ورقہ بن نوفل کچھ عرصہ بعد فوت ہو گیا اور وحی کا سلسلہ کچھ عرصے کے لئے منقطع ہو گیا۔ یہ روایت متفق علیہ ہے(1)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ سورۂ مدثر سب سے پہلے نازل ہوئی۔ ہم نے اس میں بحث کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے سورہ فاتحہ نازل ہوئی کیونکہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں روایت کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا اے عتیق آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے جاؤ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کو لے گئے اور سارا واقعہ ورقہ کو سنایا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جب میں تنہا ہوتا ہوں تو میں ایک آواز سنتا ہوں جس میں یہ ہوتا ہے یا محمد یا محمد تو میں بھاگنے لگتا ہوں۔ تو ورقہ نے کہا اس طرح نہ کیا کرو۔ جب وہ یہ کہے تو ٹھہر جاؤ یہاں تک کہ تم تمام کلام سن لو۔ پھر میرے پاس آؤ اور مجھے سب کچھ بتاؤ۔ پھر جب آپ تنہا ہوتے تو کسی نے آپ کو وہی ندا دی یا محمد۔ حضور ﷺ ٹھہر گئے تو اس نے کہا کہو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ الخ۔ پھر اس نے کہا لا الہ الا اللہ کہو جبکہ صحیح حدیث یہی ہے(2)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہی صحیح ہے اسی پر اسلاف اور بعد کے علماء کا اتفاق ہے۔ جو یہ کہا گیا کہ سب سے پہلی سورت یا ایہا المدثر ہے تو اسے وحی کے انقطاع کے بعد نازل ہونے والی سورت پر محمول کیا جائے گا اور سب سے پہلے جو مکمل سورت نازل ہوئی وہ سورت فاتحہ ہے۔ یا یہ کہا جائے گا کہ روایت اضافی ہے، یعنی سورہ علق اور مدثر کے بعد اکثر قرآن سے پہلے یہ نازل ہوئی۔

غار حراء میں خلوت نشینی کی مدت میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ ایک ماہ تک وہاں عبادت کرتے رہے۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت میں یہی بیان کیا ہے۔ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا کہ اس سے زیادہ مدت کا قول درست نہیں سوار بن مصعب نے کہا حضور ﷺ نے چالیس دن تک وہاں قیام کیا لیکن اس کی حدیث متروک ہے۔ حافظ مغلطائی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے اس کے بارے میں یہی کہا ہے۔ بعض علماء نے اس قول کو ترجیح دی وہ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عرصہ پر قیاس کرتے ہیں نیز حضور ﷺ کے ایک ارشاد سے بھی استدلال کرتے ہیں جس آدمی نے چالیس دن اپنے رب کے لئے خالص کئے تو حکمت کے چشمے اس کے دل سے اس کی زبان کی طرف ظاہر ہوتے ہیں۔ اسے ابونعیم نے ایوب رحمہما اللہ تعالیٰ سے حلیہ میں روایت کیا ہے۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدت پر قیاس کرنا بھی ضعیف ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عرصہ تیس دن تھا۔ ایک عارضہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے چالیس دن بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ وٰعَدۡنَا مُوۡسٰی ثَلٰثِیۡنَ لَیۡلَۃً وَّ اَتۡمَمۡنٰہَا بِعَشۡرٍ فَتَمَّ مِیۡقَاتُ رَبِّہٖۤ اَرۡبَعِیۡنَ لَیۡلَۃً۔ آپ کی اس عبادت کے بارے میں اختلاف ہے جو یہ کہا گیا کہ آپ حضرت نوح، حضرت ابراہیم یا حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے رہے اس کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ آپ امی تھے۔ صحیح یہ ہے آپ مخلوق سے الگ تھلگ ہوتے اور حق تک پہنچنے کی خواہش کرتے۔ اور غور و فکر کرتے یہی آپ کی عبادت تھی۔ قسطلا

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 739 (وزارت تعلیم)

2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2، صفحہ 158 (العلمیہ)

رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سابقہ حدیث میں جس خوف اور دلی دہشت کا ذکر کیا گیا ہے وہ جبرئیل امین سے خوف کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ حضور ﷺ کی شان اس سے بہت بلند تھی اور آپ سب سے مضبوط دل والے تھے۔ یہ ڈر اس وجہ سے تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ اور چیز میں مشغول ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ پر نبوت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے ہیبت طاری ہوئی۔ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرئیل اور میکائیل نے آپ کے سینے کو شق کیا، اسے دھویا پھر ان آیات کی تلاوت کی۔ یہ قصہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ بسم اللہ شریف ہر سورت کا جز نہیں۔ لیکن ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ جبرئیل امین سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم لے کر آئے اے محمد ﷺ اللہ عزوجل کی پناہ چاہو۔ تو حضور ﷺ نے کہا میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ پھر فرمایا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہو۔ پھر اس سورت کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی(1)۔ یہ روایت صحیح روایات کے مقابلہ میں شاذ ہے۔

فائدہ:۔ سہیلی نے ذکر کیا ہے کہ وحی اڑھائی سال منقطع رہی۔ تاریخ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے حضور ﷺ کی عمر چالیس سال تھی تو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام آیا اور تین سال تک حضرت اسرافیل اس ذمہ داری کو سرانجام دیتے رہے۔ وہ آپ کو کلمہ اور شے کے بارے میں بتاتے رہے۔ حضرت اسرافیل کی زبان سے آپ پر قرآن حکیم نازل نہیں ہوا۔ جب تین سال گزر گئے تو جبرئیل امین نے یہ ذمہ داری سنبھال لی۔ قرآن حکیم بیس سال تک ان کی زبان سے نازل ہوتا رہا۔ ہم نے سورۂ والضحیٰ میں وحی کے انقطاع کے دوران حضور ﷺ کے غمگین ہونے کا ذکر کیا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ ﴿۳﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ ﴿۵﴾

"آپ پڑھئے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا فرمایا۔ پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ پڑھئے آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے۔ اسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

اقرا قرأت سے امر کا صیغہ ہے۔ اس کا مفعول بہ محذوف ہے، جو القرآن ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے آغاز کرتے ہوئے اور اس سے برکت حاصل کرتے ہوئے قرآن کو پڑھئے باسم ربک یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لو پھر قرآن پڑھو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ باسم ربک مفعول ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہو اس میں باء زائدہ ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اقرا اسم ربک یہاں اللہ تعالیٰ نے اسم اللہ نہیں فرمایا کیونکہ لفظ اللہ واجب الوجوب ذات کا نام ہے اور ذات کی معرفت حاصل کرنے کا کوئی اور طریقہ نہیں۔ صرف یہی طریقہ ہے کہ آثار اور صفات میں تدبر کیا جائے۔ ہماری طرف نسبت کے اعتبار سے اس کی سب سے ظاہر صفات اس کی صفت خلق اور تربیت ہے جو ممکنات کے احوال کی متغیر ہونے پر آگاہ کرتی ہیں جو عالم کے حادث ہونے پر دلالت کرتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے عرفان تک پہنچانے والی ہیں جو خالق اور قدیم ہے، نقص اور زوال سے پاک ہے، اس میں ایک حالت سے دوسری حالت میں متغیر ہونے کا کوئی احتمال موجود نہیں ہوتا۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ صوفی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نام کے ذکر کو لازم پکڑے تاکہ اس کے ذریعے مسمّٰی تک پہنچے۔ لیکن صوفیاء نے اسماء میں سے اس کے اسم ذات کو اختیار کیا

1۔ غرائب القرآن مع تفسیر طبری، جلد 1، صفحہ 13 (الامیریہ)

ہے یا مذہب حقیقت کے راستے پر اس وقت چلا جا سکتا ہے جب وہ ذات واجب الوجود پر ایمان رکھتا ہو۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرات ان موزوں ہے کیونکہ وہ تمام صفات کو جامع ہے اگرچہ وہ مجمل طریقہ پر جامع ہو اور اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب مقصود قرات ہی ہوتی ہے۔ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بیان کیا ہے اس میں صرف قرات کا حکم ہے یہ کہ اس چیز سے جانا جاتا ہے۔ اس لئے مفعول بہ کے بغیر یہ فعل الف لام جنس کے قائم مقام ہے۔ باسم ربک میں با استعانت کے لئے ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے اس قول کے جواب میں ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا ما انا بقاری جس کا معنی یہ ہے کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ پہچان رہا ہے کہ پڑھنے والا نہیں بلکہ تیرے رب کی مدد اور اس کی قوت سے پڑھنے والا ہوں اور اس تعبیر کی صورت میں لفظ اسم زائد ہے۔ اس طرح سبح اسم ربک میں لفظ اسم زائد ہے۔

الذی خلق یہ لفظ رب کی صفت موضحہ ہے کیونکہ ربوبیت مخلوق کا تقاضا کرتی ہے اور تربیت نقصان سے کمال کی طرف لے جانے کا تقاضا کرتی ہے۔ خلق کے مفعول کو حذف کیا گیا تاکہ عمومیت پر دلالت کرے۔ معنی یہ ہوگا کہ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا وہ بیک قرات پر قدرت عطا کرتا ہے۔ خلق کا فعل متعدی ہو اور مفعول کی تجدید چاہتا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ خلق اور تکوین صفت کی صورت میں کسی اور کو اس صفت سے متصف کرنا ممکن نہیں۔

ظاہر تو یہ ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہے گویا یہ ایک مقدر سوال ما خلق کا جواب ہے۔ کئی وجوہ کی بنا پر یہاں الانسان کو خاص طور پر ذکر کیا۔ ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ اجزاء کے اعتبار سے انسان کامل ترین مخلوق ہے کیونکہ جو چیز عالم میں ہے وہ اس انسان میں بھی موجود ہے۔ اسی وجہ سے انسان کو عالم صغیر کہا جاتا ہے۔ اس کی ذات کے لئے یہ کہا کہ اس نے انسان کی تخلیق کی اور یہ بات ہے کہ اس نے عالم خلق اور عالم امر کی تمام مخلوقات کو پیدا کیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور تجلیات کو اخذ کرنے کی استعداد موجود ہے۔ یہ معرفت کا مستحق ہے اور یہی معرفت خداوندی اس کائنات کی تخلیق کا مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ اس کا معنی ہے کہ وہ مجھے پہچانیں۔ حدیث قدسی میں ہے لولاک لما خلقت الافلاک۔ اسی طرح یہ الفاظ بھی آئے ہیں لما اظہرت الربوبیۃ۔ یہاں حضور ﷺ کو خصوصا اس لئے ذکر کیا کہ آپ کی ذات معرفت میں کامل ترین ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے میں مخفی خزانہ تھا میں نے پسند کیا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ یہاں انسان کو خاص طور پر ذکر کیا۔ مقصود اس کی شرافت کو ظاہر کرنا ہے اور یہ بیان کرنا ہے کہ مخلوقات میں مقصود انسان ہی ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ شرعی احکام کا اہل ہے مخاطب اور مکلف ہے۔ وہ غیب کے احوال سے اپنے احوال سے زیادہ قریب ہے جن میں وہ جانتا ہے اس لئے اپنے حالات کے تغیرات سے اس کا صانع پر استدلال زیادہ مناسب اور معرفت کے حصول کے لئے زیادہ قریب ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے جملہ کا مفعول محذوف ہو جبکہ دوسرا جملہ مستانفہ ہو اور مقدر سوال کا جواب ہو مقدر سوال یہ ہو سکتا ہے من ای شیء خلقہ۔ اللہ تعالیٰ نے خلق الانسان فرمایا۔ الانسان جنس ہے۔ یہ انسان کے تمام افراد کو شامل ہے۔ چونکہ انسان کو جنس سے پیدا کیا گیا ہے اس لئے یہ مناسب ہوا کہ اس سے پیدا کیا گیا۔

یہ بھی احتمال موجود ہے کہ پہلے جملہ کا مفعول بہ الانسان محذوف ہو اور دوسرا جملہ اس کی تاکید ہو۔ ابہام کے بعد اس کی تفسیر ذکر کی تاکہ انسان کی تخلیق کی عظمت کا ذکر ہو۔ نیز اس کی وجہ یہ ہے کہ ابہام کے بعد اس کی تفسیر اذہان میں زیادہ راسخ ہوتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ الانسان سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہو۔ آپ کا ذکر خصوصا اس لئے کیا گیا کہ آپ کے شرف کا اظہار ہو جو اس کی مخلوق میں ہے۔

ہے کہ آپ ہی مخاطب ہیں۔

علق علقۃ کی جمع ہے۔ جمع کا صیغہ اس لئے ذکر کیا کیونکہ انسان جنس ہے جو جمع کے معنی میں ہے۔ یہاں خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اور مِنْ تُرَابٍ سے عدول اس لئے کیا تا کہ آیات کے سروں کی موافقت ہو۔ نیز تخلیق کے تمام مراحل کی طرف اشارہ ہو کیونکہ جب درمیانی مرحلہ کا ذکر ہو تو سب مراحل کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے کیونکہ سب سے پہلے انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا پھر غذاؤں سے جو مختلف مراحل سے گزر کر منی بنتی ہیں پھر مادہ منویہ جما ہوا خون بنتا ہے پھر جما ہوا خون گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے پھر گوشت کا لوتھڑا ہڈیاں بنتی ہیں پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس زیب تن کرایا جاتا ہے پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ درمیانی مرحلے کا ذکر پہلے اور مابعد مراحل کا شعور دلاتا ہے۔

3۔ یہ پہلے اقرأ کی تاکید اور مبالغہ کے اظہار کے لئے ہے یا پہلا اقرأ مطلق ہے اور دوسرا تبلیغ یا نماز کے لئے مختص ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ باسم ربک اس اقرأ کے ساتھ متعلق ہو اور پہلا اقرأ فعل لازم کے قائم مقام ہو اور دوسرا اقرأ جملہ مستانفہ ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی کہ قاری بن جاؤ تو حضور ﷺ نے فرمایا میں کیا پڑھوں کیسے پڑھوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھو یا اپنے رب کے نام کے ساتھ شروع کر کے قرآن پڑھو۔ اس تاویل کی بناء پر حضور ﷺ کے فرمان میں ما استفہام کے لئے ہوگا جو آپ نے حضرت جبرئیل کے اقرأ کہنے کے جواب میں مَا اَنَا بِقَارِئٍ فرمایا تھا۔ اہل مصر کے نزدیک خبر میں باء زائد ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ پہلی دفعہ جو حضور ﷺ نے مَا اَنَا بِقَارِئٍ فرمایا تھا اس میں ما نافیہ ہو اور بعد والے ارشادات میں ما استفہامیہ ہو۔

ربک یہ مبتداء ہے واؤ حالیہ ہے الاکرم یا تو مبتداء کی صفت ہے یا اس کی خبر ہے۔ الاکرم اسے کہتے ہیں جو کرم میں ہر اس کریم سے بڑھ کر ہو جس کے وجود کا تصور کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ بغیر کسی غرض کے احسان فرماتا ہے اور اس کے احسانات کو مقدار، کیفیت اور محل کے اعتبار سے شمار نہیں کیا جا سکتا۔ یا اس کا معنی ہے کہ وہ بندوں کی جہالت سے حلم فرماتا ہے یا تو انہیں معاف کر دیتا ہے یا جلدی عذاب میں مبتلا نہیں کرتا حالانکہ وہ علم رکھتا ہے اور جلدی انتقام لینے پر قادر بھی ہے۔ یہاں افضلیت بطور فرض ہے اگرچہ مفروض محال ہے۔ حقیقت میں وہی اکیلا کریم ہے، اس کی ذات اور صفات میں کوئی شریک نہیں۔ اسی وجہ سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو بیان کرنے کے لئے افعل یا فعیل کا صیغہ ذکر کیا جائے تو دونوں کا معنی ایک ہی ہوتا ہے۔ کریم، رحیم، سمیع، بصیر یا اس جیسی دوسری صفات کا جب اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور پر اطلاق کیا جائے تو وہ بطور مجاز ہوتا ہے کیونکہ دوسرا شخص تو صرف اللہ تعالیٰ کی صفت کرم اور رحمت وغیرہ کا آئینہ ہوتا ہے۔

4۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ بالقلم کا تعلق محذوف مفعول بہ کے ساتھ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے عَلَّمَ الْخَطَّ بِالْقَلَمِ تا کہ اس کے ذریعہ علوم اور آسمان سے نازل ہونے والی کتابوں کو محفوظ کیا جا سکے تو وہ زمانے گزرنے کے بعد بھی باقی رہیں اور دور رہنے والا آدمی بھی علم حاصل کر سکے۔ یہاں خط کی تعلیم کو خصوصاً ذکر کیا۔ مقصود اس کے شرف کو بیان کرنا ہے کیونکہ تعلیم کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ان علوم کی حفاظت کی جائے اور علوم باقی رہیں اور علوم کی حفاظت عموماً کتابت کے ذریعے ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام نے لکھا۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ بالقلم علم کے ساتھ متعلق ہے۔ معنی یہ ہوگا قلم کے ذریعے علوم سکھائے۔ اسے پہلے اس لئے ذکر کیا کیونکہ قلم کے ذریعے تعلیم دوسری تمام تعلیمات سے مقدم ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ(1)۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 67-166 (وزارت تعلیم)

WWW.NAFSEISLAM.COM

اس کا ذکر سورہ ن والقلم میں ہو چکا ہے۔ یہ موصول مل کر مبتدا کی پہلی خبر ہے یا خبر کے بعد دوسری خبر ہے یا صفت کے بعد دوسری صفت ہے جو اکرم کی وضاحت کرتی ہے کیونکہ اس کا کمال کرم یہ ہے کہ اس نے علوم کی تعلیم دی اور ان چیزوں کی تعلیم دی جن سے علوم مقید کیا جا سکتا ہے۔

یعنی عقلی قوت، دلائل معین کرنے، وحی، الہام، ذہنوں میں علم ضروری پیدا کرنے، کتابیں نازل کرنے، رسول مبعوث کرنے اور خبر کے متواتر آنے وغیرہ سے انسان کو وہ کچھ سکھایا جس کو پہلے وہ نہیں جانتا تھا۔ یہ جملہ مبتدا کی خبر ہوگا اگر سابقہ کلام الاکرم اور الذی اور ربک کی صفات مان لیا جائے۔ اگر انہیں خبر مانا جائے تو پھر یہ علم بالقلم سے بدل اشتمال ہوگا۔ اس میں علم فعل کو قلم کے ساتھ مقید کیا گیا ہے جبکہ عمومیت کا فائدہ دینے کے لئے اس کے مفعول کو حذف کر دیا گیا جب دوسری دفعہ علم فعل کا مفعول ذکر کیا گیا تو قلم کے ساتھ اس کی قید ذکر نہیں کی۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ عالمین کے علم انسانی علوم کا کچھ حصہ ہیں اور انسان کے علوم سے کم ہیں اگرچہ ان کا بعض اور اخص ہونا ہی وجہ کیوں نہ ہو کیونکہ ملائکہ کے علوم قلم کے واسطے سے ہیں جسے لوح محفوظ نے حاصل کیا ہے۔ اس نے چھوٹی بڑی اور خشک و تر میں سے کسی چیز کو بھی نہیں چھوڑا بلکہ ہر ایک کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ جہاں تک انسان کے علم کا تعلق ہے تو اس کا کچھ حصہ تو وہ ہے جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور کچھ وہ ہے جسے کتاب بھی محیط نہیں اور نہ ہی اسے قلم کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ اس حقیقت پر اللہ تعالیٰ کا فرمان وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا دلالت کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت کے بارے میں علم علم حصولی سے تعلق نہیں رکھتا۔ اگر ایسا ہوتا تو لوح محفوظ اسے محیط ہوتا اور قلم اسے لکھتا بلکہ اس کا تعلق علم حضوری سے ہے جو عالمین سے آگے اللہ تعالیٰ کی ماہیت کے علم کے بعد انسان کو ذات موہوم کا علم حاصل ہوتا ہے۔

اس مقام کے بارے میں بوصیری کا یہ شعر:

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْیَا وَ ضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

دنیا اور آخرت تیری سخاوت کا حصہ ہیں اور لوح و قلم کا علم تیرے علوم کا حصہ ہے

وربک الاکرم والا جملہ اقرا فعل کے فاعل سے حال ہے کیونکہ جب حضور ﷺ سے ارشاد فرمایا اقرا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا مَا اَنَا بِقَارِئٍ تو آپ کو کہا گیا اقرا وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم۔ یہاں الانسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی ذات ہے یا انسان کی جنس ہے جو تمام انبیاء کو شامل ہے تو پھر اللہ تعالیٰ آپ کو سکھائے گا اگرچہ وہ قاری نہ ہوگا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں انسان سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہو۔ جب حضور ﷺ نے فرمایا ما انا بقاری تو حضرت جبرئیل نے تین دفعہ آپ کو سینے سے لگایا یہاں تک کہ آپ کو مشقت محسوس ہوئی جبکہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ نے اس تین دفعہ کے معانقہ سے حضور ﷺ کو اولین و آخرین کا علم عطا فرما دیا۔ پھر انسان پر جو نعمت کی اس کا ذکر فرمایا اور کہا عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہاں ما لم یعلم کا قول لانے میں کیا حکمت کارفرما ہے جبکہ تعلیم ہوتی ہی اسی چیز کی ہے جو پہلے معلوم نہ ہو۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس کے لانے کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کے عجز کی وضاحت ہو جائے اور حصول علم سے پہلے وہ اپنی جہالت کا اعتراف کرے اور اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے۔ مواہب لدنیہ میں یہ روایت مذکور ہے کہ جبرئیل امین آغاز میں اچھی صورت اور بہترین خوشبو سے

ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ تجھے سلام فرماتا ہے اور کہتا ہے آپ جن وانس کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ انہیں لا الہ الا اللہ کے قول کی طرف دعوت دیجئے۔ پھر جبرئیل امین نے زمین پر اپنا پاؤں مارا۔ زمین سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ جبرئیل امین نے اس سے وضو کیا پھر آپ کو وضو کرنے کے لئے کہا پھر جبرئیل امین اٹھ کر نماز پڑھنے لگے اور آپ کو بھی کہا کہ میرے ساتھ نماز پڑھیں۔ اس طرح آپ کو نماز اور وضو کی تعلیم دی، پھر حضرت جبرئیل امین آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ حضور ﷺ واپس تشریف لائے۔ آپ جس بھی پتھر، مکان یا درخت کے پاس سے گزرتے تھے تو وہ یہ کہتا تھا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ یہاں تک کہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے۔ آپ کو سب کچھ بتایا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت خوش ہوئیں پھر آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وضو کرنے کا حکم دیا اور انہیں اسی طرح نماز پڑھائی جس طرح جبرئیل امین نے آپ کے لئے نماز پڑھی تھی۔ ابتداء میں آپ پر دو رکعات نماز فرض کی گئی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سفر میں اس نماز کا حکم دیا اور حالت اقامت میں نماز مکمل کر دی۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں کہا ہے معراج سے پہلے بھی حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ نماز تو پڑھتے تھے اور یہ یقینی بات ہے۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ کیا پانچ نمازوں سے پہلے کوئی نماز آپ پر فرض بھی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ سورج کے طلوع اور غروب سے پہلے نماز فرض تھی۔ قول ختم ہوا۔ علامہ نے کہا ابتداء میں شرک سے اجتناب اور توحید کی دعوت دینے کا حکم نازل ہوا پھر رات کے وقت عبادت کرنے کا حکم نازل ہوا جس کا ذکر سورۂ مزمل کے آغاز میں ہے پھر اس کے آخر والی آیات نے اس حکم کو منسوخ کر دیا پھر معراج کی رات پانچ نمازیں فرض کرنے کے ساتھ اس حکم کو بھی منسوخ کر دیا گیا۔ اس روایت میں جو یہ ذکر ہے کہ جبرئیل امین نے حضور ﷺ کو وضو کے بارے میں آگاہ کیا اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچایا۔ یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ معراج شریف سے پہلے وضو کا حکم ہو چکا تھا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ابو جہل نے کہا کیا محمد ﷺ تمہارے سامنے سجدہ کرتا ہے؟ تو اسے بتایا گیا ہاں ہمارے سامنے ایسا کرتا ہے۔ تو ابو جہل نے کہا لات و عزیٰ کی قسم اگر میں نے اسے ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو میں اس کی گردن روند ڈالوں گا اور اس کے چہرے کو مٹی میں رگڑ دوں گا(1) تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیات کو نازل فرمایا۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى ۙ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ﴿۷﴾ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ؕ﴿۸﴾
اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۙ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ؕ﴿۱۰﴾

"ہاں ہاں بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے ۱؎ اس بناء پر کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے ۲؎ (اے غافل) یقیناً تجھے اپنے رب کی طرف ہی پلٹنا ہے ۳؎ (اے حبیب) آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے ۴؎ ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے ۵؎"

۱؎ جو آدمی اپنی سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے اور نماز سے روکتا ہے۔ اگرچہ اس انکار اور روکنے کا پہلے ذکر تو نہیں لیکن سیاق کلام اور دلالت حال اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے کوئی التباس لازم نہیں آتا۔ یا یہ کلا حقا کے معنی میں ہے۔ الانسان سے

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 372 (قدیمی)

WWW.NAFSEISLAM.COM

مراد ابوجہل ہے جنس کا ذکر کیا لیکن مراد اس کا ایک فرد ہے وہ یقیناً کفر اور تکبر کی حد میں تجاوز کر گیا ہے۔

۲؎ قنبل رحمۃ اللہ علیہ نے راٰہ کے ہمزہ کو قصر کے ساتھ جبکہ باقی قراء نے مد کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی وہ اپنے آپ کو غنی خیال کرتا ہے۔ ان محل نصب میں ہے یا تو یہ مفعول لہ ہے یا یہ ظرف ہے۔ مفعول لہ ہونے کی صورت میں لام حرف جار محذوف ہوگا اور ظرف ہونے کی صورت میں وقت محذوف ہوگا۔ استغنی یہ راٰ کا دوسرا مفعول ہے کیونکہ یہ افعال قلوب میں سے ہے۔ [illegible] ہوتا تو اس صورت میں مرفوع اور منصوب ضمیر کا ایک ہی مرجع ہونا ممتنع ہوتا۔ جب ابوجہل کو مال ملتا تو وہ اپنے لباس، سواری اور [illegible] کے معیار کو بلند کر دیتا تھا۔

۳؎ رجعی بشری کی طرح مصدر ہے۔ یہاں کاف مکسور ہے اور جار مجرور ان کی خبر ہے۔ جملہ مستانفہ ہے اور ڈرانے کے لئے ہے [illegible] آیت ہو یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہو کہ عاقبۃ الطاغی اور التفات کے طریقے پر انسان سے خطاب ہو [illegible] تیرے رب کی طرف ہے۔ وہ تمہیں تمہاری سرکشی پر جزا دے گا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل آیا اس نے آپ کو نماز پڑھنے سے منع کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (1)

۴؎ تاء ضمیر سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے یہاں استفہام تقریری ہے۔ یہ قلت کے معنی میں ہے لیکن یقین [illegible] اس کا اقرار کرو یا رویت کے بارے میں استفہام کی غرض یہ ہے کہ مخاطب نے جو کچھ دیکھا ہے اس کے بارے میں [illegible] پر اس کا معنی ہوگا مجھے خبر دو یہ تعجب کی جگہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ رؤیت افعال قلوب سے تعلق رکھتا ہے دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جو اصل میں مبتدا اور خبر ہوتے ہیں۔ یہاں اس استفہام کی غرض یہ ہے کہ ان کے درمیان نسبت کو پختہ کیا جائے اور اس [illegible] کی طلب کی جائے۔

۵؎ [illegible] نہی کے ساتھ متعلق ہے۔ اسم موصول سے مراد ابوجہل ہے اور عبد سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ یہاں خطاب سے صیغہ غائب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خطاب کی ضمیر کی جگہ لفظ عبد ذکر کیا ہے۔ مقصود یہاں عبودیت [illegible] کی تعیین ہونے پر دلالت ہے کیونکہ عبودیت کا نتیجہ عبادت ہے۔ اسی طرح یہ اسلوب منع کرنے والے کی [illegible] کی قباحت پر بھی دلالت ہے۔ صلہ موصول ارایت کا ایک مفعول ہے اور اس کا دوسرا مفعول محذوف ہے جو مذکورہ [illegible] ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ارءیت الذی ینھی عبدا اذا صلی کیف یطغی۔

أَرَأَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ ﴿١١﴾ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ﴿١٢﴾ أَرَأَيْتَ إِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٣﴾ أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ﴿١٤﴾

"بھلا دیکھئے تو اگر وہ ہدایت پر ہوتا یا پرہیزگاری کا حکم دیتا (تو اس کے لئے کتنا بہتر ہوتا) ۲؎ (بھلا) دیکھئے تو اگر اس نے جھٹلایا اور روگردانی کی ۳؎ کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ (اسے) دیکھ رہا ہے ۴؎"

۱؎ تاء ضمیر سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ کان میں ھو ضمیر سے مراد العبد ہے یعنی عبد جب نماز پڑھتا [illegible]

1۔ [illegible] آیت ہذا

ے جب وہ لوگوں کو توحید اور نماز کی دعوت دے رہا ہو تو وہ تقویٰ کا حکم دینے والا ہو۔ ظاہر بات تو یہ ہے کہ نماز اور تقویٰ کا امر کرنے سے نہی اکٹھی تھی۔ پہلے جملے میں صرف ایک پر اکتفاء کیا گیا کیونکہ دوسری جگہ دونوں کا ذکر ہے نیز نماز عملاً دعوت ہی ہے نیز جب اس نے بندے کو نماز سے روکا تو یہ احتمال موجود ہے کہ اس کی یہ نہی نماز اور دوسرے اعمال سے بھی تھی اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ انسان کے عام احوال دو صورتوں میں ہی محصور ہیں: 1۔ اپنے نفس کی تکمیل جو عبادت سے ممکن ہے، 2۔ دوسروں کی تکمیل جو انہیں دعوت سے ہی ممکن ہے۔ یہ ایسی شرط ہے جس کی جزاء محذوف ہے۔ سیاق کلام کیونکہ حذف پر دلالت کرتا ہے اس لئے کوئی حرج نہیں۔ جزاء یہ ہو سکتی ہے هُوَ كَيْفَ يَنْهَاهُ، فَيَهْلِكُ النَّاهِيْ وَيَعُوْدُ الْعَبْدُ۔ یہ جملہ شرطیہ رایت کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

ے تاء ضمیر سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ اگر منع کرنے والا اس چیز کو جھٹلا رہا ہے جو حق ہے اور جھٹلانے والا ایمان سے اعراض کرنے والا ہے تو وہ کیسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پائے گا جبکہ وہ تو ہلاک ہو جائے گا۔ دونوں جملوں میں محذوف پر دلیل مابعد آیت ہے۔

ے اس میں استفہام انکاری ہے جو توبیخ اور وعید کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ نفی کا انکار اثبات ہوا کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی **قد علم، بان اللہ یری یعلم** کے متعلق ہے جو اس کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہیں۔ **یری، یعلم** کے معنی میں ہے۔ سابقہ کلام کی دلالت کی وجہ سے اس کا مفعول حذف کر دیا گیا، یعنی اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے جو ہدایت اور تقویٰ کے حکم سے منع کرتا ہے جبکہ منع کرنے والا حق کو جھٹلانے والا اور ایمان سے اعراض کرنے والا ہے جبکہ جس بندے کو وہ روک رہا ہے وہ ہدایت پر ہے اور تقویٰ کا حکم دینے والا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ علم رکھتا ہے تو جزاء بھی ضرور دے گا۔ جیسا اس کا علم ہوگا اس کی جزاء بھی ایسی ہی ہوگی۔ یہاں **یری** کا ذکر کیا اور مراد جزاء لی جس طرح ملزوم ذکر کر کے لازم مراد لیا جاتا ہے۔ پھر تقدیر کلام یہ ہوگی یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اللہ تعالیٰ منع کرنے والے اور بندے کو اپنے علم کے مطابق جزاء دے گا۔ یہ چاروں جملے ہیں صاحب بحر مواج نے بھی اسی طرح کہا جس طرح میں نے کہا۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ **الم یعلم** دوسری شرط کی جزاء ہے اور پہلی شرط کی جزاء محذوف ہے اور ایسا جملہ مقدر کیا جائے گا جس طرح دوسرے جملے کی جزاء ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰى اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ پہلے اور تیسرے ارایت میں خطاب حضور ﷺ کو ہے اور دوسرے ارایت میں خطاب کافر کو ہے۔ پھر معنی یہ ہوگا اے محمد ﷺ بتاؤ جب تو نماز پڑھتا ہے تو جو منع کرتا ہے تو کیا اس نے سرکشی نہیں کی اے ابو جہل بتاؤ اگر محمد ﷺ ہدایت پر ہوں یا تقویٰ کا حکم دیں تو تو اسے کیسے منع کرے گا اے محمد ﷺ بتاؤ اگر ابو جہل جھٹلائے اور حق سے روگردانی کرے تو وہ کیسے نجات پائے گا کیا وہ جانتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ جس طرح حاکم دو جھگڑا کرنے والوں کے درمیان میں جب فیصلہ کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت وہ کبھی ایک کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور کبھی دوسرے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ شیخ جلال الدین محلی نے کہا اس کا معنی یہ ہے اے مخاطب بڑے تعجب کی بات ہے کہ منع کرنے والا بندے کو نماز سے روکتا ہے جبکہ جسے منع کیا جا رہا ہے وہ ہدایت پر ہے اور تقویٰ کا حکم دیتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ منع کرنے والا جھٹلانے والا اور ایمان سے روگردانی کرنے والا ہے (1)۔ اس تعبیر کی صورت میں بھی جملے چار ہی رہیں گے۔ یا اس کا معنی ہے اے محمد ﷺ بتاؤ وہ آدمی جو بندے کو نماز پڑھنے سے روکتا تھا۔ ہم نے کیسے اسے آپ سے روک دیا۔

1۔ تفسیر جلالین زیر آیت ہذا

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بتاؤ اگر ابوجہل ہدایت پر ہوتا، نیکی کا حکم دینے والا ہوتا تو یہ اس کے حق میں بہت بہتر ہوتا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بتاؤ اگر ابوجہل جھٹلائے گا اور حق سے اعراض کرے گا۔ تو میں اسے ضرور عذاب دوں گا کیا وہ جانتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے جیسا عمل ہوگا اللہ تعالیٰ اسے ایسی ہی جزا دے گا۔ ارایت کے لفظ کو تین دفعہ مکرر ذکر کیا صرف پہلے پر ہی اکتفا نہیں کیا اور دوسرے کو والذی ینھی پر عطف بھی نہیں کیا۔ مقصود صدور تعجب کا اظہار کرنا ہے۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا الذی ینھی، ارایت کا مفعول اول ہے اور دونوں شرطیں اس کا دوسرا مفعول ہیں۔ دونوں شرطوں کی جزاء اللہ تعالیٰ کا فرمان الم یعلم بان اللہ یری ہے۔ پہلی شرط کی جزاء محذوف ہے کیونکہ دوسری کی جزاء پر اکتفا کیا گیا۔ آخری دونوں صورتوں میں ارایت کا لفظ پہلے ارایت کے تکرار کے لئے ہے۔ یہ دونوں مابعد میں عامل نہیں۔ معنی یہ ہوگا مجھے بتاؤ تو جو اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کو نماز سے روکتا ہے۔ اگر وہ منع کرنے والا منع کرنے میں ہدایت پر ہو یا وہ جو بات کے بارے میں جو وہ کہتا ہے اس میں وہ تقویٰ کا حکم دینے والا ہو جس طرح اس کا اعتقاد ہے یا اگر وہ حق کی تکذیب کرنے والا ہو اور حق سے روگردانی کرنے والا ہو جس طرح آپ کہتے ہیں تو کیا وہ منع کرنے والا یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھنے والا ہے اور اس کے ہدایت اور گمراہی پر ہونے کے بارے میں وہ مطلع ہے۔ تو اس تعبیر کی بناء پر یہ سب کلام ایک جملہ ہوگی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نظم کی تقدیر یہ ہوگی مجھے بتاؤ جو بندے کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے جبکہ وہ بندہ ہدایت پر ہے اور تقویٰ کا حکم دینے والا ہے جبکہ منع کرنے والا جھٹلانے والا ہے اور ایمان سے روگردانی کرنے والا ہے تو یہ کتنا ہی عجیب ہوگا۔ تو دونوں جملہ شرطیہ میں سے پہلا ینھی کے مفعول سے اور دوسرا ینھی کے فاعل سے حال ہوگا اور الم یعلم جملہ مستانفہ ہے جو وعید کے لئے ذکر کیا گیا ہے اور فاعل کی ضمیر الذی ینھی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۙ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۙ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩

ترجمہ: ہرگز نہیں اگر وہ (اپنی روش سے) باز نہ آیا تو ہم ضرور (سختی سے) گھسیٹیں گے اس کی پیشانی کے بالوں سے وہ پیشانی جو جھوٹی (اور) خطا کار ہے پس وہ بلا لے اپنے ہم نشینوں کو (اپنی مدد کے لئے) ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلا لیں گے ہاں ہاں اس کی ایک نہ سنیئے (اے حبیب) سجدہ کیجئے اور (ہم سے اور) قریب ہو جائیے۔

یعنی اس منع کرنے والے کو جھڑکا جا رہا ہے جس نے جھٹلایا اور حق سے روگردانی کی اگر وہ نیکی سے منع کرنے، حق کو جھٹلانے اور ایمان سے روگردانی کرنے سے باز نہ آیا تو ہم اس کے اگلے حصے کے بال پکڑیں گے۔ لنسفعا یہ لفظ قسم کا جواب ہے اور معنی شرط کا جواب ہے۔ نون خفیفہ کو الف کی صورت میں تنوین کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ سفع کا معنی کسی شے کو پکڑنا اور سختی کے ساتھ کھینچنا ہے یعنی ہم اسے جہنم کی طرف کھینچ کر لے جائیں گے۔ ناصیۃ سر کے اگلے حصے کو کہتے ہیں۔ یہاں ناصیۃ الناھی ذکر کرنے کی بجائے الناصیۃ ذکر کیا کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ اس منع کرنے والے کی ناصیہ ہے۔

یہاں ناصیۃ کی دو صفتیں ذکر کی گئی ہیں حالانکہ یہ دونوں انسان کی صفتیں ہیں ناصیۃ کی صفت نہیں۔ یہ مبالغہ کے اظہار کے لئے

بطور مجاز ذکر کی گئیں۔ ناصیة کاذبة یہ الناصیة سے بدل ہے کیونکہ ناصیة کی صفت ذکر کی گئی ہے اس لئے اسے بدل بنانا جائز ہے اور لئن لم ینته والا جملہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے ما یفعل اللّٰہُ بالطَّاغی. امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا اور اسے صحیح قرار دیا اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل آ گیا۔ اس نے کہا کیا میں نے تجھے نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے جھڑک دیا۔ ابوجہل نے کہا آپ کو معلوم ہے مجھ سے بڑھ کر یہاں کسی کے حمایتی نہیں (1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں اسے ذکر کیا انتهره رسول الله (زجره کی جگہ انتهره کے الفاظ ہیں) کہ حضور ﷺ نے ابوجہل کو جھڑک دیا تو ابوجہل نے کہا کیا تم مجھے جھڑکتے ہو، اللہ کی قسم میں تیرے خلاف اس وادی کو عمدہ گھوڑوں اور بہادر مردوں سے بھر دوں گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

نادی اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں لوگ اکٹھے بیٹھتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد مجلس والے ہیں، یعنی قوم اور قبیلہ۔ یہاں مضاف لفظوں میں محذوف ہے یا یہ مجاز عقلی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس سے جہنم کے داروغے مراد ہیں۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد فرشتے ہیں جو بڑے قوی اور سخت ہیں (2)۔ زبانیه زبنی یا زبنیه کی جمع ہے جس طرح عفرية ہوتا ہے۔ یہ زبن سے ماخوذ ہے جس کا معنی دور کرنا ہے یعنی سپاہی بلائیں گے (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس کا معنی یہ ہے اگر اس نے اپنی قوم کو بلایا تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اسے اعلانیہ پکڑ لیں گے۔ محلی نے ذکر کیا ہے یہ حدیث مرفوع ہے۔

اگر اس نے قوم بلائی تو سر کے بال پکڑنے اور داروغے بلانے کی بات حق ہے۔ وہ نماز کے بارے میں تمہیں جو حکم دیتا ہے اس میں اس کی اطاعت نہ کیجئے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہو سکتا ہے مَاذَا اَصْنَعُ حِیْنَ یَنْهٰی۔

واسجد کا عطف لاتطعه پر ہے۔ معنی کے اعتبار سے یہ اس کی تاکید ہے، یعنی اس کی بارگاہ اقدس میں سجدہ کیجئے اور نماز ادا کرنے کے ساتھ اس کا قرب حاصل کیجئے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ جب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اس لئے کثرت سے دعا کیا کرو (4)۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں لیطغٰی سے لے کر بان اللّٰہ یرٰی تک آیات کے آخری حروف میں امالہ کیا ہے۔ ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یرٰی میں امالہ کیا ہے، باقی میں بین بین پڑھا ہے۔ ورش نے تمام میں بین بین پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مفتوح پڑھا ہے ہم نے سورۃ انشقت میں سجدہ کی بحث ذکر کی تھی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسجد سجدہ تلاوت سے امر کا صیغہ ہے کیونکہ حضور ﷺ کا عمل اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے سورۃ انشقت اور سورۃ اقرأ میں سجدہ کیا۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (5)۔ جمہور علماء کا یہ نقطہ نظر ہے کہ اس آیت میں نماز پڑھنے کا حکم دیا جا رہا ہے، کل کو جزء کا نام دیا ہے کیونکہ اس کا عطف لا تطعه پر ہے۔ یہ عطف تفسیری ہے۔ تاہم حضور ﷺ کی اقتداء میں یہاں سجدہ کرنا سنت ہے جو وجوب کا تقاضا نہیں کرتا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 171 (وزارت تعلیم)　2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا　3۔ ایضاً

4۔ سنن ابی داؤد، جلد 4، صفحہ 82 (الرشد)　5۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 215 (العلمیہ)

سورۃ القدر

آیاتہا ۵ | سُوْرَۃُ الْقَدْرِ مَکِّیَّۃٌ ۹۷ | رکوعہا ۱

سورۃ القدر مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

امام ترمذی، حاکم اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے خواب دیکھا کہ بنو امیہ آپ کے منبر پر ہیں تو آپ کو اس سے تکلیف ہوئی تو یہ سورۂ کوثر اور سورۂ قدر نازل ہوئیں۔ قاسم بن فضل نے کہا ہم نے بنی امیہ کی حکومت کو شمار کیا تو وہ پورے ایک ہزار ماہ تھی، نہ زیادہ نہ کم (1)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ روایت غریب ہے۔ مزنی اور ابن کثیر رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ بہت ہی منکر ہے۔ ابن ابی حاتم اور واحدی نے مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کیا کہ حضور ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا ذکر کیا کہ اس نے ایک ہزار ماہ تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا۔ مسلمان یہ سن کر متعجب ہوئے تو یہ سورت نازل ہوئی (2)۔ ابن جریر نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا جو رات میں صبح تک قیام کرتا، دن کے وقت اللہ کے دشمنوں سے جہاد کرتا یہاں تک کہ شام ہو جاتی۔ اس نے یہ سلسلہ ایک ہزار ماہ تک جاری رکھا تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا (3)۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے ایک ثقہ آدمی سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلی امتوں کی عمریں دیکھیں تو آپ ﷺ نے اپنی امت کی عمروں کو مختصر جانا، اس لئے وہ اتنے عمل نہیں کر سکتے تھے جتنا عمل پہلی امتوں کے لوگ کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں لیلۃ القدر عطا فرما دی (4)۔ میں کہتا ہوں یہ روایت مرسل ہے لیکن اس باب میں جتنی روایات بھی مروی ہیں سب سے زیادہ صحیح ہے۔ اس میں یہ دلالت بھی ہے کہ لیلۃ القدر صرف اسی امت کی خصوصیت ہے۔ مالکیہ میں سے ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قول کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے جمہور اصحاب سے اسے نقل کیا ہے۔ لیکن نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کی تردید کرتی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ انبیاء کی موجودگی میں ہی رات رہتی ہے، جب ان کا وصال ہوتا ہے تو اسے اٹھا لیا جاتا ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ باقی رہتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ یہ رات سابقہ امتوں میں بھی تھی اور کہا جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت ذکر کی ہے اس میں تاویل کی گنجائش ہے۔ اور یہ مرفوع حدیث کے مقابل نہیں ہو سکتی۔ میں کہتا ہوں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اس مرفوع روایت سے زیادہ صحیح ہے جسے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کیونکہ مرفوع روایت کے جو یہ الفاظ ہیں بل ھی باقیۃ تو اس میں یہ احتمال موجود ہے کہ یہ رات ہمارے نبی حضور ﷺ کے بعد بھی باقی رہے گی۔ تاہم حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ان لوگوں کے قول کی مخالف ہے جس میں انہوں نے یہ کہا کہ یہ رات حضور ﷺ کے زمانے میں صرف ایک سال تھی۔ اسی طرح ان کے اقوال سے بھی یہ

1۔ امام ترمذی، جلد 6، صفحہ 629 (العلمیہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ موطا امام مالک، جلد 1، صفحہ 260، دارالحدیث

مخالف ہے کہ حضور ﷺ کے بعد اسے اٹھالیا گیا۔ اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔ آپ سے کہا گیا لوگوں کا گمان ہے کہ لیلۃ القدر کو اٹھا دیا گیا ہے۔ تو آپ نے جواب دیا جس نے یہ کہا ہے اس نے جھوٹ بولا ہے۔ اسے عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ راوی نے پوچھا میں نے کہا یہ ہر اس رمضان میں ہوگی جسے وہ پائے گا تو آپ نے جواب دیا ہاں بات اسی طرح ہے۔

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ① وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ ② لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ③

”بے شک ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے شب قدر میں ۱؎ اور آپ کچھ جانتے ہیں کہ شب قدر کیا ہے؟ ۲؎ شب قدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے ۳؎“

۱؎ ہ ضمیر سے مراد قرآن حکیم ہے ذکر کے بغیر اس کے لئے ضمیر کا ذکر کیا گیا۔ مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ قرآن کی اتنی عظمت ہے کہ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں کیونکہ ذہن اس کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کے نازل کرنے کو اپنی طرف منسوب کر کے اس کی عظمت بیان کی۔ جب جملہ فعلیہ خبر بن رہا ہے تو اس سے پہلے مسند الیہ کو مقدم کیا مقصود تاکید میں اضافہ کرنا ہے یا یہ اسلوب تخصیص کے لئے ہے پھر وقت کے اعتبار سے اس کی عظمت بیان کی۔ اللہ تعالیٰ اس رات میں اپنے بندوں اور شہروں کے بارے میں آنے والے سال کے معاملات کو مقدر کر دیتا ہے۔ حضرت حسین بن فضل رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کیا اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے مقادیر کا اندازہ معین نہیں کر دیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا ہاں تو ان سے سوال کیا گیا تو پھر لیلۃ القدر کا کیا معنی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا ان مقادیر کو اوقات کی طرف لے جانے اور مقدر فیصلوں کی تنفیذ کا اہتمام کرنا(2)۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور شہروں کے بارے میں جو فیصلہ کرتا ہے اس کے بارے میں وہ فرشتوں کو اطلاع کر دیتا ہے۔

عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مقادیر کا اندازہ اور امور کا فیصلہ شعبان کی درمیانی رات کو ہوتا ہے، اس میں مردوں کو زندوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ ان میں نہ زیادتی کی جاتی ہے اور نہ ہی ان میں کمی کی جاتی ہے۔ اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک موتوں کا فیصلہ کیا جاتا ہے یہاں تک کہ فلاں نکاح کرتا ہے، اس کا بچہ ہوتا ہے مگر اس کا نام مردوں میں شامل ہوتا ہے(3)۔ میں کہتا ہوں شاید نجات وغیرہ کے چند امور شعبان کی نصف رات کو جزوی طور پر مقدر کئے جاتے ہیں اور کلی طور پر ان کی تقدیر اور موکل فرشتوں کی طرف ان کی سپردگی یہ لیلۃ القدر کو ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سال بھر میں خیر، شر، رزق، موت یہاں تک کہ فلاں فلاں حج کرے گا لوح محفوظ سے لکھ لیا جاتا ہے(4)۔ ابوالضحیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شعبان کی نصف رات کو فیصلے فرماتا ہے اور لیلۃ القدر کی رات ان فرشتوں کے سپرد کرتا ہے جو ان امور کی تدبیر پر معین ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس رات کی عظمت اور شرف کی وجہ سے اس کا نام لیلۃ القدر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ، یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صحیح صحیح تعظیم نہیں کی۔ ایک قول یہ کیا گیا اس رات میں کیا گیا اچھا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی عظمت وشان اور اجر عظیم والا ہوتا ہے(5)۔ لیلۃ القدر کو قرآن حکیم کے نازل ہونے کی بات

1۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 4، صفحہ 255 (المجلس العلمی) 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 3۔ ایضاً۔ 4۔ ایضاً۔ 5۔ ایضاً۔

جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے سمجھی جا رہی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ لیلۃ القدر میں مکمل قرآن حکیم لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں بیت العزت کی طرف نازل ہوا۔ پھر حضرت جبریل امین بیس سال (1) تک تھوڑا تھوڑا حضور علیہ السلام کے پاس لاتے رہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد مواقع النجوم کا یہی مفہوم ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے وہ حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ صحف ابراہیمی رمضان کی تیسری رات میں جبکہ ایک روایت میں رمضان کی پہلی رات میں نازل ہوئے۔ تورات چھ رمضان، انجیل تیرہ رمضان، زبور اٹھارہ رمضان اور قرآن چوبیس رمضان کو نازل ہوا (1)۔ امام احمد اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے واثلہ بن اسقع سے روایت کی ہے کہ صحف ابراہیم پہلی رمضان، تورات چھ رمضان، انجیل تیرہ رمضان اور قرآن چوبیس رمضان کو نازل ہوئے۔ یہی قول حضرت ابن مسعود، شعبی، حضرت حسن بصری اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی ہے ان کے قول کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کی ہے کہ لیلۃ القدر چوبیس رمضان کو تلاش کرو (2) اس سند میں ابن لہیعہ ہے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابن لہیعہ نے اسے مرفوع کہنے میں غلطی کی ہے۔ میں کہتا ہوں اگر یہ احادیث صحیح ہیں تو بھی یہ بات ثابت نہیں کہ ہر سال لیلۃ القدر چوبیسویں رات کو ہوتی ہے بلکہ اس کی صورت یہ ہوگی کہ جس سال قرآن حکیم لوح محفوظ سے بیت العزت کی طرف نازل ہوا اس سال لیلۃ القدر چوبیسویں رات کو تھی یا جس کا ذکر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کیا ہے اس سال لیلۃ القدر چوبیسویں رات کو تھی۔

فائدہ:۔ علماء نے لیلۃ القدر کی تعیین میں اختلاف کیا ہے۔ اس میں ان کے چالیس قول ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں یہ رات منتقل ہوتی رہتی ہے۔ یہ قول اس لئے درست ہے تاکہ صحیح احادیث میں تطبیق ہو سکے اور ان کی جو مخالف روایات ہیں ان سے اعراض کیا جا سکے۔

ان احادیث میں سے ایک حدیث یہ ہے جسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے شعبان کے آخری دن خطبہ ارشاد فرمایا اے لوگو تمہارے اوپر ایک عظیم مبارک مہینہ آ رہا ہے، اس مہینہ میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے (ل)۔ یہ حدیث اور رمضان کے فضائل سورۃ بقرہ میں گزر چکے ہیں، یہ حدیث اس قول کو رد کرتی ہے جس میں یہ کہا گیا کہ لیلۃ القدر رمضان شریف اور دوسرے مہینوں میں بھی ہو سکتی ہے۔ قاضی خان نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اسی طرح نقل کیا ہے۔ اس حدیث کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شاید اس سال لیلۃ القدر رمضان شریف میں ہوئی تھی جس سال قرآن حکیم نازل ہوا یا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جس لیلۃ القدر کا ذکر کیا ہے وہ رمضان شریف میں ہوئی تھی۔ اس حدیث اور آیت سے یہ قول لازم نہیں آتا کیونکہ ہم کہتے ہیں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں رمضان شریف کی کئی صفات ذکر کی گئی ہیں کیونکہ اس حدیث میں آپ نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزوں کو فرض قرار دیا اور اس کی راتوں کے قیام کو نفل قرار دیا جس نے اس مہینہ میں نفل ادا کئے وہ اس آدمی جیسا ہے جس نے فرض ادا کیا۔ جس نے اس میں فرض ادا کیا وہ اس آدمی کی طرح ہے جس نے ستر

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 107 (صادر) 2۔ کنز العمال، جلد 8، صفحہ 537 (التراث الاسلامی)

3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 222 (الفکر)

(1) قرآن کے نزول کا دورانیہ بائیس سال سے کچھ اوپر بنتا ہے، تاہم یہ تعبیر اس صورت میں درست ہو سکتی ہے کہ پہلے تین سال وحی فترت کے ہیں ان کو نکال دیں۔ (مترجم)

فرض ادا ئیے۔ یہ صبر اور مواسات کا مہینہ ہے۔ ان صفات میں سے کوئی صفت بھی ایسی نہیں جو اس رمضان کے ساتھ خاص ہو۔ اسی لیلۃ القدر کو اسی رمضان کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ انہیں احادیث میں سے ایک حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام رمضان کے آخری عشرہ میں اتنی کوشش کرتے جتنی محنت کسی اور مہینے میں نہیں فرماتے تھے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ آپ فرماتی ہیں جب آخری عشرہ ہوتا تو آپ کمر کس لیتے اس کی راتوں میں قیام کرتے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کرتے۔ یہ روایت متفق علیہ ہے(2)۔ آپ کا یہ فرمان بھی ہے کہ آپ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے اس جہاں سے پردہ فرمایا پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات اعتکاف کرتی رہیں یہ روایت متفق علیہ ہے(3)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ بھی فرمان ہے کہ آپ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے اور فرماتے رمضان کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر تلاش کرو۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(4)۔ انہیں احادیث میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے پہلا عشرہ میں اعتکاف کیا پھر ایک ترکی خیمہ میں درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا۔ پھر حضور علیہ السلام نے خیمہ سے اپنا سر باہر نکالا اور کہا میں نے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا تا کہ لیلۃ القدر کو تلاش کروں۔ پھر میں نے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا پھر میرے پاس فرشتہ آیا اور مجھے بتایا گیا کہ یہ رات تو آخری عشرہ میں ہے۔ اس لئے جس نے میری معیت میں اعتکاف کیا تھا وہ آخری عشرہ میں اعتکاف کرے۔ مجھے یہ رات دکھائی گئی۔ میں نے اس کو پالیا۔ میں اس کی صبح اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہا ہوں۔ اس لئے آخری عشرہ کی طاق رات میں اسے تلاش کرو۔ راوی نے کہا اس رات بارش ہوئی مسجد چھپر نما تھی۔ اس لئے اس کی چھت ٹپکی میری نظر حضور علیہ السلام کے چہرے پر پڑی جبکہ آپ کی پیشانی پر پانی اور مٹی کے نشانات تھے۔ یہ اکیسویں رمضان کی صبح تھی۔ یہ روایت معنوی اعتبار سے متفق علیہ ہے۔(5)

امام مسلم نے ابوسعید رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے رمضان کے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا۔ مقصود لیلۃ القدر تلاش کرنا تھا۔ جب درمیانی عشرہ ختم ہو گیا تو آپ نے خیمہ اکھاڑنے کا حکم دیا خیمہ اکھاڑ لیا گیا پھر آپ کو وہ رات بھول گئی جبکہ یہ آخری عشرہ میں تھی تو آپ نے دوبارہ خیمہ لگانے کا حکم دیا تو خیمہ دوبارہ لگا دیا گیا پھر حضور علیہ السلام لوگوں کے پاس تشریف لائے، فرمایا اے لوگو مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی تھی۔ میں تمہیں بتانے کے لئے باہر نکلا تو دو آدمی آ گئے جن کے ساتھ شیطان تھا تو مجھے رات بھول گئی۔ لیلۃ القدر رمضان کی آخری طاق راتوں میں تلاش کرو۔ ستائیسویں، ساتویں اور پانچویں شب میں تلاش کرو۔ میں نے پوچھا اے ابوسعید تم ہماری بنسبت عدد کو زیادہ جانتے ہو تو انہوں نے جواب دیا ہم تمہاری بنسبت اس کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ فرمایا رمضان کے اکیس دن گزر جائیں اس کے بعد والا دن بائیسواں ہو تو یہ نویں رات ہے۔ جب رمضان کے تیئس دن گزر جائیں تو جو رات اس کے ساتھ ملی ہوتی ہے وہ ساتویں ہوتی ہے۔ جب پچیس دن گزر چکے ہوں تو اس کے ساتھ جو رات ملی ہوتی ہے وہ پانچویں ہوتی ہے(6)۔ طیالسی نے ابوسعید رحمہما اللہ تعالیٰ سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ لیلۃ القدر رمضان شریف کی چوبیسویں رات ہے(7)۔ انہیں احادیث میں حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی پھر مجھے بھلا دی گئی۔ مجھے اس کی صبح میں یوں دکھایا گیا کہ میں مٹی

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 372 (قدیمی) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 271 (وزارت تعلیم)
5۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 181 (وزارت تعلیم) 6۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 370 (قدیمی) 7۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 8، صفحہ 3822 (ابن حزم)

WWW.NAFSEISLAM.COM

اس رات میں سجدہ کر رہا ہوں۔ راوی نے کہا تئیسویں رات کو بارش ہوئی۔ حضور ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی۔ حضور ﷺ سے واپس ہوئے تو کیچڑ یعنی پانی اور مٹی کا اثر آپ کی پیشانی اور ناک پر تھا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (1)۔

انہی سے ایک روایت مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا میں جنگل میں رہتا ہوں۔ مجھے ایک رات بتائیے کہ میں اس میں مسجد نبوی میں آ جایا کروں تو حضور ﷺ نے تئیسویں رات آنے کا ارشاد فرمایا۔ انہی سے یہ روایت مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے اکیسویں رات کی صبح کو لیلۃ القدر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا گزر گئی۔ پھر انہوں نے تئیسویں کے بارے میں پوچھا تو فرمایا یہی یا آنے والی رات ہے (2)۔ انہیں احادیث میں سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو اس رات کو تلاش کرنا چاہے وہ اسے ستائیسویں رات میں تلاش کرے۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (3)۔ اور ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی ہم معنی روایت نقل کی۔ اسی طرح جابر بن سمرہ کی حدیث ہے جسے ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ انہیں میں سے ایک معاویہ بن ابی سفیان کی حدیث ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے لیلۃ القدر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا یہ رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ ابی بن کعب نے قسم اٹھا کر یقین سے کہا ہے کہ یہ رمضان میں ستائیسویں کی رات ہے۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا اے ابو منذر تم کس وجہ سے یہ قول کرتے ہو تو انہوں نے جواب دیا اس نشانی کی وجہ سے میں یہ قول کرتا ہوں جو علامت حضور ﷺ نے ہمیں بتائی ہے کہ اس روز سورج طلوع ہوگا تو اس کی شعاع نہ ہوگی۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (5)۔ یہی قول ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہے انہوں نے حضرت عمر، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما اور کئی صحابہ سے روایت کیا ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو گفتگو کی روایت کی ہے اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ ہم نے آپس میں لیلۃ القدر کے بارے میں گفتگو کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کون یاد رکھتا ہے جب چاند یوں طلوع ہوا تھا جس طرح آدھے تھال کا شگاف ہوتا ہے (6)۔ ابوالحسن فارسی نے کہا اس سے مراد ستائیسویں رات ہے کیونکہ اس رات چاند اس طرح طلوع ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت پورا ہو چکا ہوتا ستائیسویں کی رات تھی۔ حدیث سے یہ ظاہر ہے کہ جس طرح سورج اس دن شعاع کے بغیر طلوع ہوتا ہے اسی طرح چاند بھی اس رات شعاع کے بغیر طلوع ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ چاند کا وقت پورا ہو جاتا ہے بلکہ اس کی وجہ اور ہوتی ہے۔

جو احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ لیلۃ القدر ستائیسویں شب ہوتی ہے ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر ستائیسویں سے نہیں ہٹتی ہے آگے پیچھے نہیں ہوتی۔ ان احادیث میں سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک آدمی نے ستائیسویں شب کو لیلۃ القدر دیکھی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا آخری عشرہ میں میں تمہارے خوابوں کو موافق پاتا ہوں اسے طاق راتوں میں تلاش کرو۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (7)۔ انہیں میں سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ مرفوع روایت ہے۔ آپ نے فرمایا اسے ستائیسویں رات میں تلاش کرو۔ اسے عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (8)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 370 (قدیمی) 2۔ سنن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 284-85 ([illegible])
3۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 157 (صادر) 4۔ سنن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 290 ([illegible]) 5۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ [illegible] (قدیمی)
6۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 371 7۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 369 8۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 4، صفحہ [illegible]

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کی روایت نقل کی ہے، یعنی بیس کے بعد ساتویں یا باقی ماندہ راتوں میں سے ساتویں ہے۔ انہیں احادیث میں سے ایک نعمان بن بشیر کی مرفوع روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں سابعة تمضی اور سابعة تبقی یعنی گزرتی ہوئی ساتویں یا باقی رہتی ہوئی ساتویں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ یہ رات آخری دس راتوں میں ہے نو میں جو گزر جاتی ہیں یا سات میں جو باقی رہتی ہیں۔ تسع یمضین کے الفاظ کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں اسے آخری عشرہ میں تلاش کرو نویں میں جو باقی ہو ساتویں میں جو باقی ہو پانچویں میں جو باقی ہو(1)۔ انہیں احادیث میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ تشریف لائے تا کہ لیلۃ القدر کے بارے میں بتائیں تو دو مسلمان الجھ پڑے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں اس لئے نکلا تھا تا کہ تمہیں لیلۃ القدر کے بارے میں بتاؤں تو فلاں اور فلاں الجھ پڑے تو وہ اٹھالی گئی ممکن ہے۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہو اسے نویں، ساتویں اور پانچویں میں تلاش کرو(2) انہیں میں ایک حدیث حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لیلۃ القدر کو تلاش کرو جب نو دن باقی ہوں یا پانچ دن باقی ہوں یا تین دن باقی ہوں یا آخری رات میں تلاش کرو اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(3)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبادہ بن صامت کی حدیث اسی کی مثل روایت کی ہے۔

انہیں احادیث میں سے ایک یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ایک صحابی نے لیلۃ القدر آخری سات راتوں میں دیکھی تو حضور ﷺ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب آخری سات راتوں میں موافق ہوتے ہیں۔ جو کوئی اس کی تلاش کرنا چاہتا ہے وہ اسے آخری سات راتوں میں تلاش کرے، متفق علیہ (4)۔ ایک روایت میں ہے کچھ لوگوں کو آخری سات راتوں میں لیلۃ القدر دکھائی گئی اور کچھ کو آخری دس راتوں میں دکھائی گئی تو حضور ﷺ نے فرمایا آخری سات راتوں میں اسے تلاش کرو(5)۔ انہیں روایات میں سے ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ اگر تم کسی وجہ سے مغلوب ہو جاؤ تو آخری سات راتوں میں مغلوب نہ ہوا۔ سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث ہے کہ اسے آخری دس راتوں میں اسے تلاش کرو اگر تم میں سے کسی کو ضعف یا عجز لاحق ہو تو باقی ماندہ سات راتوں میں مغلوب نہ ہو۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(6)۔ ان تمام احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کی آخری دس راتوں میں ہوتی ہے، کبھی اکیسویں کی رات ہوتی ہے جس طرح ابو سعید کی روایت سے ثابت ہے، کبھی تیئیسویں کی رات ہوتی ہے جس طرح حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے، کبھی چوبیسویں کی رات ہوتی ہے جس میں قرآن نازل ہوا کبھی ستائیسویں کی رات ہوتی ہے جس طرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر اس کی علامت ظاہر ہوئی، کبھی بائیسویں کی رات ہوتی ہے، کبھی چھبیسویں کی رات ہوتی ہے، کبھی اٹھائیسویں کی رات ہوتی کبھی انتیسویں کی رات ہوتی ہے کبھی تیسویں کی رات ہوتی ہے۔ اس تاویل کی بناء پر احادیث میں تعارض نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے لیلۃ القدر کی فضیلت میں قرآن کو نازل کیا۔

ما ادرىک میں ما استفہامیہ ہے اور انکار کے لئے آیا ہے۔ استفہام کا مقصود تعظیم اور تعجب کا اظہار ہے ما لیلة القدر میں بھی یہی

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 271 (وزارت تعلیم) 2۔ ایضاً 3۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 98 (وزارت تعلیم)

4۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 270 (وزارت تعلیم) 5۔ ایضاً 6۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 369 (قدیمی)

تاویل ہے ما لیلۃ القدر مفرد کی تاویل میں ہو کر ادرٰک کا مفعول ثانی ہے۔ معنی یہ ہے کس چیز نے آپ کو لیلۃ القدر کی عظمت اور نسبت بتائی ہے کیونکہ اس کی عظمت اور فضیلت ادراک سے بڑھ کر ہے۔ یہ جملہ معترضہ ہے پھر اللہ تعالیٰ نے جملہ مستانفہ سے اس کی فضیلت اور عظمت بیان فرمائی ہے اور فرمایا۔

یعنی جس نے عبادت کے ذریعے اسے زندہ کیا ہے اس کے لئے اس آدمی کے اجر جیسا اجر ہے جس نے ایک ہزار ماہ تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ایمان اور ثواب کی نیت سے لیلۃ القدر کو قیام کیا اللہ تعالیٰ اس کے پہلے گناہ بخش دیتا ہے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(1)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ ہیں من یقم لیلۃ القدر فیوافقھا جس نے لیلۃ القدر کو قیام کیا تو اس کا یہ قیام لیلۃ القدر کے موافق ہو گیا یعنی یہ لیلۃ القدر تھی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث اس طرح ہے جو اس رات کو اٹھا پھر اس کا قیام لیلۃ القدر کے موافق ہو گیا تو اس نے حقیقت میں اس کی موافقت کر لی یعنی اس نے لیلۃ القدر کو پا لیا تو اسے بخش دیا گیا۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۟ۙ سَلٰمٌ ۛ۫ هِیَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۟۠

"اترتے ہیں فرشتے اور روح (القدس) اس میں اپنے رب کے حکم سے ہر امر (خیر) کے لئے۔ یہ سراسر (امن و) سلامتی ہے یہ رہتی ہے طلوع فجر تک۔"

تنزل میں ایک تاء کو حذف کر دیا گیا ہے۔ روح کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔ فیھا میں ھا ضمیر سے مراد وہ رات ہے جس میں فرشتے اور روح الامین آسمان سے زمین پر آتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب لیلۃ القدر ہوتی ہے تو جبریل امین فرشتوں کی فوج کے ساتھ نازل ہوتے ہیں۔ ہر ایسے بندے کو سلام کرتے ہیں جو کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہو(2)۔ باذن ربھم یہ تنزل کے ساتھ متعلق ہے۔ تنزل یہ لیلۃ القدر کی خبر کے بعد خبر ہے جو اس کی ایک اور فضیلت کو بیان کرتی ہے یا یہ خبر کی علت بیان کر رہا ہے۔ ہر اس امر کے لئے جو اس رات میں مقدر کیا گیا ہے وہ نازل ہوتے ہیں۔

سلام یہ تو یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ھو سلام اور جملہ امر کی صفت ہوگا۔ یا اس کا معنی یہ ہے فرشتے اور روح سلامتی کے لئے نازل ہوتے ہیں۔ اس صورت میں سلام کے لفظ کا ذکر مبالغہ کے لئے ہوگا جس طرح زید عدل میں عدل مصدر کا ذکر مبالغہ کے لئے ہے یا اس کا مضاف محذوف ہے یعنی ایسے امر کے ساتھ وہ نازل ہوتے ہیں جو ہر ناپسندیدہ چیز سے سلامتی کا سبب ہوتا ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ اس امر سے مراد رحمت اور برکت ہے جو اعمال کے اجر کے طور پر متحقق ہوگی اس طرح اس سے مراد وہ سکینت ہے جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے مومنوں پر نازل ہوگی۔

ھی مبتدا ہے اور مابعد اس کی خبر ہے۔ ضمیر لیلۃ کی طرف لوٹ رہی ہے مگر مطلقاً نہیں کیونکہ رات کا فجر تک ثابت ہونا کوئی امر معتد بہ نہیں بلکہ یہ اس کی صفت اور فرشتوں کے نازل ہونے کے ساتھ مقید ہے۔ یا یہ قول کیا جائے گا کہ ھی مبتدا ہے اور سلام اس کی خبر مقدم ہے اور حتی مطلع الفجر یہ خبر کے بعد خبر ہے۔ خبر کو مبتدا پر اس لئے مقدم کیا تاکہ حصر کا فائدہ دے یعنی رات نہیں ہے مگر ساری سلام اور خیر ہے اس میں شر نام کی کوئی چیز نہیں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ اس رات میں شر کو مقدر نہیں فرماتا اور اس میں سلامتی کا ہی فیصلہ کیا جاتا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ایسی رات ہے جس میں شیطان کوئی برا عمل نہیں کر سکتا نہ ہی کسی کو اذیت دے سکتا ہے(3)۔ ایک قول یہ ہے

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 270 (وزارت تعلیم) 2۔ الدر المنثور، زیر آیت ہذا 3۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

گیا کہ یہ صرف سلام ہی سلام ہے کیونکہ فرشتے کثرت سے مومنوں کو سلام کریں گے۔ اس صورت میں حتی مطلع الفجر یا تو سلام کے مفہوم کے ساتھ متعلق ہوگا جو تسلیم کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہوگا یہ رات صبح تک سلام سے بھری ہوئی ہے یا یہ ظرف مستقر ہے اور مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی تلک حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ یہ جملہ لیلۃ القدر کی ایک اور خبر ہوگی یا یہ تنزل کے متعلق ہوگی۔ ان دونوں تاویلوں کی صورت میں سلام جملہ معترضہ ہوگا۔ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے مطلع کو لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یا تو یہ طلوع سے مصدر میمی ہے یا یہ ظرف زمان ہے اور اس سے طلوع کا وقت مراد ہے۔

فائدہ:۔ ایک قول یہ کیا گیا اس رات ہر چیز سجدہ میں دکھائی دیتی ہے، ہر جگہ نور پھیلا ہوا ہوتا ہے، فرشتوں کی طرف سلام اور خطاب سنائی دیتا ہے۔ یہ چیز بعض اکابر پر بذریعہ کشف ظاہر ہوتی ہے۔ ہر کسی پر یہ حقیقت ظاہر نہیں ہوتی ثواب کے حصول کے لئے اس میں سے کسی چیز کا ظاہر ہونا ضروری نہیں۔ اگر ان چیزوں کا ظہور امر کلی ہوتا یا اکثر ایسا ہوتا تو امت پر اس کے مخفی یا مبہم ہونے کا تصور نہ ہوتا خصوصاً صحابہ تابعین، تبع تابعین اور اکابر اولیاء پر یہ مخفی نہ ہوتا لیکن لیلۃ القدر کے ثواب کو حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت ضروری ہے جس پر حضور ﷺ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے جس نے ایمان کی حالت میں لیلۃ القدر کو قیام کیا اور حضور ﷺ کا ارشاد فرشتے ہر اس بندے کے لئے دعائیں کرتے ہیں جو کھڑے یا بیٹھے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں۔

مسئلہ:۔ جس نے اس رات عشاء اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی تو اس نے اس رات کا ثواب پا لیا جس نے عمل میں اضافہ کیا اللہ تعالیٰ اس کے اجر میں اضافہ کر دے گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی گویا اس نے نصف رات قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز بھی جماعت کے ساتھ ادا کی تو گویا اس نے ساری رات نماز پڑھی۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(1)۔ تو گویا دونوں میں سے ہر ایک نماز جب جماعت کے ساتھ ادا کی تو وہ نصف رات کے قیام کی مثل ہوگئی کیونکہ یہ دونوں رات کے فرض ہیں۔ جہاں تک مغرب کی نماز کا تعلق ہے وہ دن کے وتر ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ انسان لیلۃ القدر میں زیادہ نماز پڑھے، اے اللہ تو بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے مجھے بھی معاف فرما دے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے مجھے بتایئے اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ لیلۃ القدر ہے تو میں اس میں کیا کہوں تو فرمایا تو کہہ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ(2)۔ اسے امام احمد، ابن ماجہ اور ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 232 (قدیمی)
2۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 313 (العلمیہ)

سورۃ البینہ

آیاتہا ۸ | سورۃ البینۃ مدنیۃ ۹۸ | رکوعہا ۱

سورۃ القدر مکی ہے۔ اس میں ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۙ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۞ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۞

"جن لوگوں نے اہل کتاب میں سے کفر کیا (وہ) اور مشرکین (کفر سے) الگ ہونے والے نہ تھے جب تک کہ نہ آتی ان کے پاس ایک روشن دلیل (یعنی) ایک رسول اللہ کی طرف سے جو انہیں پڑھ کر سنائے پاک صحیفے جن میں لکھی ہوئی ہیں اور درست باتیں ہیں اور نہیں بٹے فرقوں میں اہل کتاب مگر اس کے بعد کہ آگئی ان کے پاس روشن دلیل"

... حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے جنہوں نے کفر کیا۔ میں کہتا ہوں کہ جو اسم موصول کی وضاحت کر رہا ہے۔ ان کا کفر یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں تحریف کرتے اور حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے۔

مشرکین سے مراد بت پرست ہیں۔ ان کا عطف اہل کتاب پر ہے۔ یعنی اہل کتاب اور مشرکوں میں سے کفار اس دین کو چھوڑنے والے نہیں جس پر وہ پہلے سے قائم تھے۔ منفکین کا صلہ حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ الذین کا صلہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ حتی تاتیہم میں صیغہ مضارع کا ذکر کیا گیا جبکہ مراد ماضی ہے یعنی ان کے پاس ایسی دلیل آچکی جو حق کو باطل سے ممتاز کرنے والی ہے۔ رسول سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے جو البینۃ سے بدل ہے۔ یتلوا صحفا یہ جملہ رسول کی صفت ہے۔ حضور ﷺ اُمّی تھے مگر جب آپ کا تلاوت کردہ کلام الٰہی صحیفوں میں لکھا جاتا ہے تو گویا آپ صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں۔ یہ صحیفے باطل اور شیطان کے تصرفات سے پاک ہیں یا بے وضو، جنبی (جس پر غسل فرض ہوتا ہے) اور حائضہ کے لئے انہیں چھونا ممنوع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لا یمسہ الا المطہرون یعنی اس کے آگے سے اور پیچھے سے باطل نہیں ہو سکتا اور اسے پاک لوگ ہی چھوتے ہیں۔

یعنی ان صحیفوں میں ایسی چیزیں لکھی ہوئی ہیں جو مبنی برحق ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کا رسول ان کے پاس تشریف لے آیا تو ان پر راہ ہدایت کو ظاہر فرمایا ان کی جہالت کو ان سے زائل فرمایا اور انہیں ایمان کی طرف دعوت دی۔ پس جسے اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق دی اور اس کے لئے سعادت کو مقدر کیا وہ کفر سے دور ہو گیا۔

تھے جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے حضور ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کے ساتھ کفر کرنے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کیا مگر جب ان کے پاس واضح دلیل آچکی تھی۔ بعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ میں ما مصدریہ ہے۔ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے ظرف ہونے کی حیثیت میں محل نصب میں ہے اور تفرق کے ساتھ متعلق ہے۔ یعنی ان لوگوں نے حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد آپ کے بارے میں اختلاف کیا جبکہ اس سے پہلے حضور ﷺ کی تصدیق پر سب متفق تھے، آپ کی آمد کے منتظر تھے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ۔ ان کا یہ انکار حسد اور عناد کی وجہ سے تھا۔ ما تفرق کا عطف لم یکن پر ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں الحاد کرتے اور اس کی طرف بچے کی نسبت کرتے۔ تاہم وہ حضور ﷺ کے بارے میں متفق تھے کیونکہ ان کی کتابوں میں معاملہ بالکل واضح تھا۔ حضور ﷺ کی تصدیق پر اتفاق کیونکہ اہل کتاب کے ساتھ خاص تھا۔ شرک اس میں شامل نہ تھے۔ اس وجہ سے آیت میں ان کا خصوصی ذکر آیا تاکہ اہل کتاب میں سے جو ابھی تک کفر پر باقی ہیں تاکہ ان کی بدبختی کی زیادتی کا اظہار ہو۔ پہلی آیت ان اہل کتاب اور مشرکوں کے بارے میں تھی جو ایمان لے آئے تھے اور دوسری آیت ان اہل کتاب کے بارے میں ہے جو کفر پر باقی رہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بعض علماء لغت نے منفکین کا معنی ہلاک ہونے والے کیا ہے جس طرح عرب کہتے ہیں انفکّ صَدْرُ الْمَرْاَةِ عِنْدَ الْوِلَادَةِ یعنی ولادت کے وقت عورت کا سینہ کھل گیا پھر جڑ نہ سکا اور وہ ہلاک ہوگئی۔ اس آیت کا معنی یہ ہوگا یعنی نہ وہ ہلاک ہوں گے اور نہ ہی انہیں عذاب دیا جائے گا۔ مگر اس صورت میں جب ان پر رسول مبعوث کرنے اور کتابیں نازل کرنے کے بعد ان پر حجت تمام کر دی گئی۔

وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ وَيُقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ ٱلْقَيِّمَةِ ﴿٥﴾

"حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے بالکل یکسو ہو کر اور قائم کرتے رہیں نماز اور ادا کرتے رہیں زکوۃ اور یہی نہایت سچا دین ہے[1]"

[1] ھم ضمیر سے مراد تمام کافر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا لیعبدوا میں لام زائدہ ہے اور فعل ان مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے۔ ان کو حذف کیا گیا اور لام زائد کر دیا گیا۔ جملہ محل نصب میں ہے کیونکہ امروا کا مفعول بہ ہے۔ معنی یہ ہوگا انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا مفعول بہ محذوف ہے اور لام لام کی (تعلیل) ہے۔ جملہ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ انہیں عبادت کے سوا کسی چیز کا بھی حکم نہیں دیا گیا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ انہیں حضور ﷺ کی زبان پر اچھی چیز کا حکم دیا گیا جس کے حسن پر دلائل عقلیہ دلالت کرتے ہیں۔ سابقہ کتابوں میں بھی انہیں انہیں چیزوں کا حکم دیا گیا تھا تو ان انکار کرنے والوں پر تعجب ہے کہ وہ کیسے انکار کرتے ہیں اور آپ کے بارے میں تفرقہ کرتے ہیں۔

مخلصین یہ یعبدوا کے فاعل سے حال ہے۔ لہٗ کی ہ ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ دین کا معنی اعتقاد ہے۔ حنفاء یہ حال مرادف ہے یا حال متداخل ہے، یعنی اس حال میں کہ وہ تمام باطل دینوں سے منہ موڑنے والے ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان لوگوں کو تورات اور انجیل میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنی عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مختص کریں اور

WWW.NAFSEISLAM.COM

ان [illegible] پر کامل یقین رکھیں۔(1)

یقیموا کا عطف یعبدوا پر ہے۔ الصلوۃ سے مراد فرض نمازیں یعنی [illegible] وقت [illegible] وقت [illegible] وقت [illegible] سے [illegible] ہوتے [illegible] آ رہی [illegible] تھی [illegible] کا انہیں حضور ﷺ کی طرف سے بھی حکم دیا گیا تھا۔ [illegible] امت [illegible] یعنی [illegible] اور ان کے ساتھ چیز وکاروں کا طریقہ رہا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے [illegible] سے [illegible] اللہ تعالیٰ کے فرمان ذلک دین القیمۃ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا [illegible] [illegible] کی طرف نسبت مجازاً ہے۔ گویا اصل میں یہ امت کی صفت ہے۔ دین قیمہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی [illegible] آیت [illegible] بالقیمۃ یہ کتب کی صفت ہے جن کتابوں میں مذکور [illegible] الذین اوتوا الکتاب [illegible] نون [illegible] اس کا معنی ہے۔ یہ ملت قیمہ اور شریعت حق کا راستہ ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے [illegible] قیمہ [illegible] یہ لفظ [illegible] مختلف ہیں لیکن معنی ایک ہے۔ قیمۃ [illegible] ملت قیمہ [illegible] کافر [illegible] دونوں کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے [illegible] وعدہ اور وعید [illegible]

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ اُولٰٓىٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓىٕكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ؕ

"بے شک جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب سے (وہ) اور مشرکین آتش جہنم میں ہوں گے (اور) اس میں ہمیشہ رہیں گے یہی [illegible] بدترین مخلوق ہیں۔ (اور) یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہی ساری مخلوق سے بہتر ہیں"

[illegible] اپنے [illegible] کے ساتھ [illegible] کا [illegible] ہے۔ خلدین ظرف کے فاعل سے حال ہے یعنی فی نار جھنم [illegible] سے متعلق ہو کر خبر ہے۔ اس کے فاعل سے یہ حال ہے۔ شر البریۃ یعنی تمام مخلوقات یہاں تک کہ [illegible] اولئک شر البریۃ [illegible] یہ دوسری خبر ہے۔ ھم ضمیر فصل ہے۔ نافع اور ابن ذکوان [illegible] البریۃ [illegible] کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے [illegible] یاء مشددہ کے ساتھ [illegible] پڑھا ہے۔

[illegible] وہ تمام مخلوقات یہاں تک کہ فرشتوں سے بھی بہتر ہیں۔ اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے [illegible] سے [illegible] افضل ہیں [illegible] بشر یعنی صالح مومنین جو [illegible] والے ہیں وہ عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ جہاں تک [illegible] مومن [illegible] الحین کے ساتھ مل تو جائیں گے یا تو بخشش کی وجہ سے انہیں گناہوں سے پاک کر دیا جائے گا [illegible] گناہوں سے پاک کیا جائے گا اور انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ۝

"ان کی جزا ان کے پروردگار کے ہاں ہیشگی کی جنتیں ہیں رواں ہوں گی جن کے نیچے نہریں وہ ان میں [illegible]

(1) [illegible] زیر آیت ہذا

اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی یہ (سعادت) اس کو ملتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے [1]''

[1] جزاء ھم مبتدا ہے عند ربھم جزاء کی ظرف ہے۔ جنت عدن یہ مبتدا کی خبر ہے۔ تحتھا میں ھا سے مراد محلات اور درخت ہیں۔ الانہار یہ تجری کا فاعل ہے اور مجاز کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے۔ مکمل جملہ جنات کی صفت ہے۔ خالدین یہ جزاء ھم کی ضمیر سے حال ہے۔ فیھا میں ھا ضمیر سے مراد جنات ہیں۔ ابدا یہ خالدین کی ظرف ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس آیت میں کئی مبالغے ہیں۔ مدح کو مقدم کیا۔ جزاء کا ذکر فرمایا جو اس بات کی خبر دے رہا ہے۔ انہیں جو کچھ عطا کیا جا رہا ہے وہ ان صفات کا بدل ہے جن سے وہ متصف ہیں اس میں یہ ذکر ہے کہ یہ جزاء ان کے رب کی طرف سے ہے جنات کو جمع ذکر کیا اسے عدن کی طرف مضاف کیا۔ اس کی صفت ایسی چیز سے لگائی جو نعمتوں میں اضافہ کا ذکر کرتی ہے۔ ابدا کے ساتھ اس کے ہمیشہ رہنے کو مؤکد کیا۔

اللہ تعالیٰ کی رضا جنات اور ان میں جو کچھ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ان سے بڑھ کر نعمت ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا اے جنتیو۔ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم حاضر ہیں، سعادت مندیاں اور خیر سب تیرے قبضہ میں ہے اللہ تعالیٰ پوچھے گا کیا تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم کیوں راضی نہ ہوں تو نے ہمیں وہ عطا کیا ہے جو کسی اور مخلوق کو عطا نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں تمہیں اس سے بھی افضل چیز عطا نہ کروں؟ تو وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب کونسی چیز اس سے افضل ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں اپنی رضا تم پر نازل کرتا ہوں، اب اس کے بعد میں تم سے ناراض نہیں ہوں گا، متفق علیہ (1)۔ شاید حدیث کے الفاظ میں مَا لَمْ يُعْطِ اَحَدٌ مِّنْ خَلْقِكَ سے مراد یہ ہے جو فرشتوں کو عطا نہیں کیا گیا کیونکہ جنتیوں کے علاوہ تو پھر جہنمی ہی ہیں ان پر فضیلت کا قول کرنا جائز نہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا رضا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کا صلہ باء آتا ہے، دوسرے کا صلہ عن آتا ہے۔ جب صلہ باء آئے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو رب اور مدبر ماننے پر راضی ہے جب صلہ عن آئے تو اس کا معنی ہے وہ اس کی قضا اور تقدیر پر راضی ہے۔

میں کہتا ہوں اس پر راضی ہونے کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر عمل حقیقت میں بہترین ہے اگرچہ اس کا حسین ہونا ہم پر مخفی ہو رضا کی یہ قسم بندوں پر واجب ہے خواہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اس کے لئے پسندیدہ ہو یا پسندیدہ نہ ہو۔ اگر کسی سے نافرمانی صادر ہو یا کسی دوسرے شخص سے نافرمانی صادر ہو تو وہ کفر اور معصیت پر راضی نہ ہو کیونکہ اس کا صدور بندے کی طرف سے ہوا ہے اور بندے کی طرف سے کفر اور معصیت کا صدور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں اگرچہ انسان سے اس کا صدور اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور تخلیق سے ہوا ہے۔ رضا کی اس قسم کے واجب ہونے کا دارومدار عقل اور استدلال پر ہے کیونکہ عقل مند جب یہ ملاحظہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا مالک ہے اور مالک اپنی ملک میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے اس کے عمل پر اعتراض تو تب کیا جا سکتا ہے۔ جب وہ غیر کی ملک میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرے۔ نیز عقل مند اس بات کو بھی دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے وہ وہی عمل کرتا ہے جو اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے۔ اگر انسان کے ذہن میں کوئی شک و شبہ پیدا ہوتا ہے تو یہ اس کی عقل، دین اور نفس میں باقی ماندہ کفر کی وجہ سے ہے جو برائی کا حکم دیتا ہے۔ رضا کی اسی قسم کی طرف سری سقطی نے اشارہ کیا ہے جب تو اللہ تعالیٰ سے راضی نہیں تو تو اس سے رضا کا مطالبہ کیسے کرتا ہے۔ رضا کی ایک قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ اس

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 969 (وزارت تعلیم)

سے ہاں پسندیدہ اور مرغوب ہو اگرچہ وہ اس کی خواہش کے خلاف ہو اس کا نام عشق اور محبت الٰہی ہے کیونکہ حقیقی محبت یہ ہے کہ محبوب کا فعل اور مراد اپنی مراد سے زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے۔ اسی کے بارے میں شاعر نے کہا اگرچہ میں نے اس سے ... بھی ... اس کی ایک قسم یہ ہے کہ اس مراد کو پالینا جو اس کی انتہائی خواہش تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرمان میں ... یعطیک ربک فترضی۔ حضور ﷺ نے اس آیت کے نزول کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میری امت کا ایک فرد بھی جہنم میں ہوگا(1)۔ یہ حدیث سورۂ والضحیٰ میں گزر چکی ہے۔ مذکورہ جزا اور رضا ان کے لئے ہے ... ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا خوف تمام امور کا خلاصہ ہے ... بھلائی پر برانگیختہ کرنے والا اور ہر برائی اور نافرمانی سے روکنے والا ہے۔

ذلک لمن خشی ربہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان جزاؤھم کی صفت بیان کرتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن حکیم سناؤں۔ ایک روایت میں ہے کہ میں تمہیں یہ سورت لم یکن الذین سناؤں تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کی کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے میرا نام لیا ہے۔ فرمایا ہاں انہوں نے عرض کی میرا ذکر رب العالمین کی بارگاہ اقدس میں ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ متفق علیہ(2)۔ میں کہتا ہوں حدیث میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی جو حالت ذکر کی گئی ہے وہ عشاق کی حالت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ تفسیر قرطبی، جلد 5، صفحہ 601 (التراث العربی)
2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 741 (وزارت تعلیم)

سورۃ الزلزال

آیاتہا ۸	سورۃ الزلزال مدنیۃ ۹۹	رکوعہا ۱

سورۃ الزلزال مدنی ہے، اس میں ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ﴿۱﴾ وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ﴿۲﴾ وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ﴿۳﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ﴿۴﴾

''جب تھرتھرانے لگے گی زمین پوری شدت سے [1] اور باہر پھینک دے گی زمین اپنے بوجھوں (یعنی دفینوں) کو اور انسان (حیران ہو کر) کہے گا اسے کیا ہو گیا؟ [2] اس روز وہ بیان کر دے گی اپنے سارے حالات [3]''

[1] زمین کی عظمت کے مطابق جتنی حرکت اور اضطراب اس کے لئے مناسب ہو گا اتنا اسے جھنجھوڑا جائے گا یا جتنا حکمت تقاضا کرے گی اتنا ہی اسے جھنجھوڑا جائے گا یا جتنا زلزلہ اس کے لئے ممکن ہے اتنا اس میں زلزلہ واقع ہو گا یا جتنا زلزلہ زمین کے لئے مقدر کیا گیا اتنا اس میں زلزلہ برپا ہو گا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ زمین کی نیچی والی جانب سے اس میں حرکت برپا ہو گی (1)۔ اس زلزلہ میں اختلاف ہے کیا یہ زلزلہ دوسرے نفخہ کے بعد ہو گا جبکہ لوگ اپنی قبروں سے باہر آ چکے ہوں گے یا جب دنیا میں قیامت کی علامات ظاہر ہو رہی ہوں گی تو پہلے نفخہ سے پہلے یہ زلزلہ برپا ہو گا۔ حلیمی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے پہلے قول کو پسند کیا جبکہ ابن عربی اور دوسرے علماء نے دوسرے قول کو پسند کیا وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہیں يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى۔ پہلے قول کے قائلین نے یہ جواب دیا کہ یہ کلام تمثیل اور مجاز کے طور پر ہے۔ مقصود اس کی ہولناکی بیان کرنا ہے۔ یہ اپنے حقیقی معنی میں نہیں وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے عمران سے نقل کیا اور اسے صحیح قرار دیا کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ تھے تو یہ آیت نازل ہوئی: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ۔ حضور ﷺ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ وہ کونسا دن ہے یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا اٹھو (2)۔ اس کی کئی سندیں ہیں۔ صحیحین میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے کہے گا اٹھو اور اپنی اولاد میں سے جہنم کا حصہ بھیجو تو حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے اے میرے رب جہنم کا کتنا حصہ ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ تو ہزار میں سے باقی ایک بچے گا۔ یہ کلام سن کر چھوٹی عمر کا آدمی بوڑھا ہو جائے گا۔ حاملہ جاندار اپنا حمل گرا دے گی۔ تم لوگوں

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 146 (وزارت تعلیم)

[illegible] بوڑھا ہو جائے گا [illegible] وہ بے ہوش نہ ہوں گے۔ جس وجہ یہ ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا سخت ہے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ ایک آدمی ہم میں سے کون ہو گا فرمایا یاجوج ماجوج میں سے ایک ہزار اور تم میں سے ایک ہو گا۔ امتوں میں تمہاری مثال یوں ہے جیسے سفید بیل میں ایک سیاہ بال ہو یا سیاہ بیل میں ایک سفید بال ہو۔(1)

دوسرا قول کرنے والے یہ کہتے ہیں یہ حدیث اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ زلزلہ اس وقت برپا ہو گا جب جہنم کا حصہ بھیجنے کا حکم [illegible] زلزلہ پہلے واقع ہو گا اور جہنم کا حصہ بھیجنے کا حکم بعد میں ہو گا کیونکہ حضور ﷺ نے [illegible] حضور ﷺ نے اس دن کی بڑی بڑی مصیبتوں کا بھی ذکر [illegible] صحیحین کی حدیث [illegible] اس میں یہ الفاظ ہیں کہ جہنم کا حصہ بھیجنے پر چھوٹا بچہ بوڑھا ہو جائے گا اور حاملہ [illegible] اللہ تعالیٰ کا عذاب [illegible] یہ بھی جائز ہے کہ زلزلہ دوبارہ واقع ہو ایک اس وقت جب قیامت کی علامات ظاہر ہوں [illegible] جہنم کا حصہ بھیجنے کا حکم ہو۔

[illegible] زمین کی طرف نسبت مجازی ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے [illegible] جب زمین مردے باہر نکال دے گی(2)۔ فریابی نے مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہی قول نقل کیا ہے [illegible] اس صورت میں [illegible] دوسرے نفخہ کے بعد ہو گا۔

ابن ابی حاتم نے عطیہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ زمین اپنے خزانوں کو نکال دے گی(3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے [illegible] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زمین اپنے جگر کے ٹکڑوں کو باہر نکال دے گی۔ سونا اور چاندی ستونوں کی شکل [illegible] قاتل آئے گا کہے گا میں نے اس کی وجہ سے قتل کیا قطع رحمی کرنے والا آئے گا کہے گا میں نے ان خزانوں کی وجہ سے قطع رحمی کی [illegible] کہے گا اس میں میرا ہاتھ کاٹا گیا پھر وہ اسے چھوڑ دیں گے اور اس میں سے کوئی بھی چیز نہ لیں گے(4)۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ صحیحین میں انہیں سے ایک مرفوع روایت مروی ہے قریب ہے کہ فرات [illegible] سونے کا [illegible] جو اس پر حاضر ہو وہ کوئی چیز نہ لے گا(5)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک روایت ہے کہ قیامت برپا نہ ہو گی یہاں تک کہ فرات [illegible] لوگ اس پر آپس میں جھگڑ پڑیں گے ننانوے قتل ہو جائیں گے ان میں سے ہر ایک [illegible] نجات پا جاؤں(6)۔ میں کہتا ہوں [illegible] قتل و غارت ابتداء میں ہو پھر نتیجہ یہ ہو گا ان میں سے کوئی بھی اسے نہ لے۔

[illegible] تعجب سے کہے گا اس زمین کو کیا ہو گیا ہے کہ اس میں ایسے شدید زلزلے برپا ہیں اور وہ سب کچھ باہر پھینک رہی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسان سے مراد کافر ہے یہ اس وقت کہے گا جب اسے دوبارہ اٹھایا جائے گا [illegible] جبکہ مومن وہ کہے گا کہ یہی وہ چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔

[illegible] تعجب سے کہے گا اسے کیا ہو گیا ہے کہ اس پر جو کچھ عمل کیا گیا ہے اس کی یہ خبر دے رہی ہے۔ یومئذ [illegible] تحدث ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یومئذ بدل نہ ہو بلکہ یہ مستقل کلام ہو تو اس صورت میں اذا ایک مستقل [illegible] کی صورت یہ ہوگی تمہارا ضرور محاسبہ ہو گا جب زمین میں زلزلہ برپا ہو گا۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 967 (وزارت تعلیم)　2۔ الدر المنثور، زیر آیت ہذا　3۔ ایضاً
4۔ ایضاً　5۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 391 (قدیمی)　6۔ ایضاً

WWW.NAFSEISLAM.COM

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی۔ تلاوت کی آپ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو وہ کیا خبریں دے گی؟ لوگوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا اس کی خبر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر جو کچھ عمل کیا گیا زمین ہر مرد اور عورت کے بارے میں گواہی دے گی۔ وہ کہے گی فلاں فلاں نے یہ عمل کیا۔ یہی اس کی خبریں ہیں۔ اسے امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا(1)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا۔ نیز امام نسائی، ابن حبان اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے نقل کیا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ربیعہ حرشی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زمین سے محتاط رہو، یہ تمہاری ماں ہے۔ اس پر جس نے بھی اچھا یا برا عمل کیا وہ اس کے بارے میں خبر دے گی(2)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت کیا ہے۔

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵ يَوْمَىٕذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ۬ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝۶
فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸

''کیونکہ آپ کے رب نے اسے (یونہی) حکم بھیجا ہے [1] اس روز پلٹ کر آئیں گے لوگ گروہ در گروہ تا کہ انہیں دکھا دیئے جائیں ان کے اعمال [2] پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا [3] اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا [3]''

1۔ لها میں لام جار الی کے معنی میں ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اوحی ربک الیها ان تخبر کہ تیرے رب نے زمین کی طرف وحی (اشارہ) کی کہ وہ سب کچھ بتا دے یا اس کو اجازت دی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ بان ربک، اخبارها سے بدل ہو۔ پھر معنی یہ ہوگا کہ میں نے یہ خبر دی۔ اس صورت میں یہ انسان کے قول ما لها کا جواب ہوگا، یعنی وہ زمین کہے گی تیرے رب نے میری طرف وحی کی اور حکم دیا کہ اپنے اندر زلزلہ برپا کروں اور اپنے تمام خزانے نکال دوں۔

2۔ یومئذ مابعد فعل کی ظرف ہے۔ پیشی کے بعد لوگ حساب کی جگہ سے الگ الگ لوٹیں گے۔ دائیں سمت والے جنت میں جائیں گے اور بائیں سمت والے جہنم میں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے يَوْمَىٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ۔

لیروا یصدر کے متعلق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی ہے کہ وہ اپنے اعمال کی جزاء دیکھیں گے یعنی وہ حساب کی جگہ سے پلٹیں گے تا کہ جنت یا جہنم میں اپنے ٹھکانے پر پہنچیں(3) اور یومئذ یصدر والا جملہ جملہ مستانفہ ہے۔

3۔ یہاں سے لے کر آخر تک لیروا کی تفصیل ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ تو مسلمانوں کا یہ خیال ہوا کہ اگر انہوں نے کوئی تھوڑی چیز دی تو انہیں کوئی اجر نہیں دیا جائے گا۔ دوسروں کی رائے یہ تھی کہ چھوٹے گناہ پر کوئی گناہ نہ ہوگا جیسے معمولی جھوٹ، نامحرم کو دیکھنا اور اسی طرح کی دوسری چیزیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے اعمال کا ذکر کیا ہے(4) تو یہ آیت نازل ہوئی۔ وہ عمل چھوٹی چیونٹی کے وزن کا ہو یا اس سے بھی کم وزن کا ہو خیرا یہ مثقال ذرة سے تمیز ہے۔ ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے یرہ میں دونوں جگہ ہ کو ساکن پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اشباع کی صورت میں پڑھا ہے، یعنی وہ اس چھوٹے عمل کی جزاء دیکھے گا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ اسے چھوٹی نیکی کی رغبت دلاتا ہے۔ ممکن

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 171 (وزارت تعلیم)
2۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا
3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
4۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا

ے تک بڑی ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے پاکیزہ رزق میں سے کھجور کے برابر بھی صدقہ کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ پاکیزہ رزق کو ہی قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس صدقہ کو دائیں ہاتھ میں لیتا ہے پھر اس کے مالک کے لئے اس کی پرورش کرتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔ متفق علیہ(1)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی بھی ... [illegible] اگرچہ وہ ... [illegible] منہ ہو ... سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔ یہ آیت معتزلہ کے خلاف اس حق کی دلیل ہے کہ مومن ... [illegible] بھی ہو تو وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہتا بلکہ آخرکار جنت میں پہنچ جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ذرہ برابر نیکی کا بدلہ دینے کا وعدہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ خلافی محال ہے۔ ایمان تمام نیکیوں کا سردار اور تمام عبادات کی بنیاد ہے تو پھر کیا ہو سکتا ہے کہ ... [illegible] ضائع ہو جاتی ہے۔ جزا دیکھنے کا محل جنت ہے۔ مومن اگرچہ فاسق ہو اور توبہ کے بغیر مر جائے تو وہ آخرکار جنت میں جائے گا۔ یہ علماء کا اجماع ہے۔ حضور ﷺ سے اس بارے میں متواتر روایات آئی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے لا الہ الا اللہ پڑھا ہو گا اور اس کے دل میں ذرہ برابر خیر اور ایمان ہو گا تو وہ جہنم سے نکلے گا۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے(3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں مروی ہے جو آدمی اس حال میں مرا کہ وہ جانتا تھا لا الہ الا اللہ تو وہ جنت میں داخل ہو گا(4)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت ہے جو آدمی اس حال میں مرا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا تھا تو وہ جہنم میں داخل ہو گا اور جو آدمی اس حال میں مرا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا تھا تو وہ جنت میں داخل ہو گا(5)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عبادہ بن صامت سے یہ روایت یوں مروی ہے جس نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دی اللہ تعالیٰ اس پر آگ حرام کر دیتا ہے(6)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ صحیحین میں عتبان بن مالک سے مروی ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے وہ آدمی جہنم میں داخل نہیں ہو گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو گا(7)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس پر جہنم کا دائمی عذاب حرام کر دیا ہے اور وہ جہنم میں ہمیشہ کے لئے داخل نہیں ہو گا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے بھی لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو گا۔ میں نے عرض کی اگرچہ وہ بدکاری اور چوری کرے؟ حضور ﷺ نے فرمایا اگرچہ وہ بدکاری اور چوری کرے۔ میں نے پھر عرض کی اگرچہ وہ بدکاری اور چوری کرے؟ حضور ﷺ نے فرمایا اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے۔ میں نے پھر عرض کی اگرچہ وہ بدکاری اور چوری کرے؟ آپ نے فرمایا اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے اور ابوذر کی ناک بھی خاک آلود ہو۔ متفق علیہ(8)۔ امام ... [illegible] رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اسی کی مثل روایات مروی ہیں۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس میں احادیث متواتر ہیں۔ ... [illegible] یہ سوال پیدا ہو جائے یہ آیت ان افراد کو جامع ہے جو اچھے اعمال کرتے ہیں۔ جس طرح اپنا مال خرچ کرنا ... [illegible]

1۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 189 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 329 (قدیمی)
3۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 1[illegible] (وزارت تعلیم)
4۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 41 (قدیمی)
5۔ ایضاً، جلد 1 صفحہ 66
6۔ ایضاً، جلد 1 صفحہ 43
7۔ ایضاً، جلد 1 صفحہ 65
8۔ ایضاً، جلد 1 صفحہ 66

ہی کیوں نہ ہو جبکہ نصوص اور اجماع اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں یہ آیت کفار کو شامل نہیں کیونکہ نیک اعمال کو قبول ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اخلاص عمل ضروری ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ(1)۔ اگر شرط ان سے فوت ہوگئی تو مشروط بھی نہ رہا کفار کے نیک اعمال ایسے ہی ہیں جس طرح وضو کے بغیر نماز پڑھی جائے کیونکہ یہ حقیقت میں نماز نہیں بلکہ یہ تو استہزاء اور نافرمانی ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا جس نے حالت کفر میں نماز، روزے اور اعتکاف کی نذر مانی پھر اس نے اسلام قبول کیا تو اس پر نذر کا پورا کرنا واجب نہ ہوگا کیونکہ کافر کی طرف سے نماز، روزہ اور اعتکاف خالص اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں بلکہ یہ تو کفر اور معصیت ہے، یہ طاعت نہیں اور معصیت کی کوئی نذر نہیں ہوتی ان کے اعمال سراب کی مانند ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ الخ۔

ہے اگر گناہ پر بخشش نہ ہوتی تو اس کی جزاء ضرور دیکھے گا۔ اس شرط کی دلیل آیات اور احادیث ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ توبہ کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ گناہ بخش دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ۔ اس کا فرمان ہے مَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ اسی طرح کی دوسری آیات بھی ہیں۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ایسی عام مغفرت فرمائے گا کہ ابلیس بھی اس طرف متوجہ ہوگا۔ وہ اس کی طرف آئے گا تاکہ مغفرت پالے (لیکن نہ پاسکے گا)۔ اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اس باب میں بے شمار احادیث ہیں جو تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ یہ آیت مرجئہ کے خلاف اہل سنت کی دلیل ہے۔ مرجئہ کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو عذاب نہیں دے گا اگرچہ مومن فاسق ہی کیوں نہ ہو۔ مومن کو کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا جس طرح کافر کو کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی۔ وہ مومن جنہوں نے چھوٹے یا بڑے گناہ کئے ہیں ان کے عذاب کے بارے میں بھی بے شمار آیات اور احادیث ہیں جو حد و شمار سے باہر ہیں۔ اگر ان کا ذکر کیا جائے تو بحث بہت طویل ہو جائے گی۔ تو اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حق وہی ہے جو اہل سنت نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو عدل کرتے ہوئے چھوٹے گناہ پر عذاب دے اور اگر چاہے تو فضل کرتے ہوئے بڑے گناہ کو بخش دے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قیامت کے دن گناہ گار کی نظر میں چھوٹا گناہ بھی پہاڑ سے بڑا نظر آئے گا(2)۔ حضرت سعید بن جبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ غزوۂ حنین سے فارغ ہوئے، ہم ایک بے آباد جگہ اترے جہاں کوئی چیز بھی نہ تھی تو حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس جو کچھ ہوا سے جمع کر کے لے آؤ تو چند گھڑیاں بھی نہ گزری تھیں لوگ جمع کر کے لے آئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم یہ دیکھتے ہو تمہارے گناہ بھی اسی طرح تم پر جمع کئے جاتے ہیں جس طرح تم نے ان چیزوں کو جمع کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو کوئی بھی چھوٹا بڑا گناہ نہ کرے کیونکہ اس کا شمار ہو رہا ہے۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(3)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا چھوٹے گناہوں سے بچو کیونکہ ان کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطالبہ کرنے والا ہوگا(4)

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 2 (وزارت تعلیم)
2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
3۔ معجم کبیر، جلد 6، صفحہ 52 (العلوم والحکم)
4۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 232 (العلمیہ)

سے نسائی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے تم ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے بھی زیادہ باریک ہیں۔ ہم حضور ﷺ کے زمانے میں انہیں ہلاک کر دینے والے اعمال خیال کرتے تھے اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی اس کی مثل روایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا قرآن حکیم میں سب سے جامع آیت یہی ہے پھر آپ نے اس مذکورہ آیت کی تلاوت کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کو یگانہ اور جامع فرمایا۔(2)

ربیع بن خثیم نے کہا ایک آدمی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا جو اس آیت کی تلاوت کر رہا تھا۔ جب آیت کے اختتام تک پہنچا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے لئے یہ کافی ہے تو نے نصیحت کی انتہا کر دی (3)۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا عرض کی مجھے کچھ پڑھائیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ان تین سورتیں پڑھا کرو۔ اس نے عرض کی میں بوڑھا ہو گیا ہوں، دل سخت ہو گیا ہے اور زبان بھی بھاری ہو گئی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا حم والی تین سورتیں پڑھا کرو۔ اس آدمی نے پھر وہی باتیں کیں اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے ایک جامع سورت بتائیے تو حضور ﷺ نے سورۂ زلزال کی تلاوت کی یہاں تک کہ آپ اس سے فارغ ہوئے یعنی اسے مکمل پڑھا۔ آدمی نے عرض کی اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میں کبھی بھی اس سے زیادہ نہیں پڑھوں گا۔ پھر وہ آدمی چلا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ آدمی کامیاب ہو گیا۔ آپ ﷺ نے رویجل تصغیر کا لفظ استعمال کیا (4)۔ اسے امام احمد اور ابو داؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورت نصف قرآن کے ہم پلہ ہے اور سورۂ اخلاص قرآن کے تیسرے حصے کے برابر ہے اور سورۂ کافرون قرآن کے چوتھائی حصے کے ہم پلہ ہے (5) اسے امام ترمذی اور بغوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ امام ترمذی اور ابن ابی شیبہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ سورۂ زلزال قرآن کے چوتھائی حصے کے برابر ہے (6)۔ جذری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کے چوتھائی حصے کے برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سورت حساب پر مشتمل ہے۔ اس لحاظ سے یہ زندگی، موت، بعث اور حساب کی طرف نسبت کے اعتبار سے چوتھائی ہے (کیونکہ قرآن میں ان چار چیزوں کا ذکر ہے)۔ اس کے نصف قرآن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سورت آخرت کے احوال پر مشتمل ہے اور آخرت کے احوال دنیا کے احوال کے مقابلہ میں نصف ہیں جبکہ قرآن دونوں پر مشتمل ہے۔ اس لئے یہ ایک اعتبار سے نصف اور دوسرے اعتبار سے چوتھائی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک انتہائی ضعیف سند کے ساتھ یہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے سورۂ زلزال کو چار دفعہ پڑھا اس نے گویا مکمل قرآن حکیم پڑھا، واللہ تعالیٰ اعلم۔(7)

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 961 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 319 (قدیمی)
3۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا
4۔ سنن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 304 (الرشد)
5۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 113 (وزارت تعلیم)
6۔ ایضاً
7۔ تفسیر کشاف، جلد 6، صفحہ 651 (العلمیہ)

سورۃ العادیات

آیاتھا ۱۱ — سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ۱۰۰ — رکوعھا ۱

سورۃ العادیات مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

بزاز، دار قطنی، حاکم اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے گھڑ سوار دستہ روانہ کیا۔ وہ ایک ماہ تک باہر ٹھہرا رہا۔ اس کے بارے میں آپ ﷺ کو کوئی خبر نہ آئی تو یہ آیات نازل ہوئیں۔(1)

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝۱ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝۲ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝۳ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝۴
فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝۵ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝۶ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝۷

"قسم ہے تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی جب وہ سینہ سے آواز نکالتے ہیں ۱؎ پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں سم مار کر ۲؎ پھر اچانک حملہ کرتے ہیں صبح کے وقت ۳؎ پھر اس سے گرد وغبار اڑاتے ہیں ۴؎ پھر اسی وقت (دشمن کے) لشکر میں گھس جاتے ہیں ۵؎ بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر گزار ہے ۶؎ اور وہ اس پر (خود) گواہ ہے ۷؎"

۱؎ ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے تاء اور ضاد میں بڑے ادغام کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہاں غازیوں کے گھوڑوں کی قسم اٹھائی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دوڑتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، حضرت حسن بصری، کلبی، قتادہ، مقاتل، ابوالعالیہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے مفسرین نے یہی کہا ہے(2)۔ اس تاویل اور جو ہم نے سبب نزول ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے کیونکہ ہجرت سے پہلے تو جہاد وغیرہ نہیں تھا۔ یہ بھی جائز ہے کہ ان کے ساتھ قسم اس لئے اٹھائی گئی کہ یہ آئندہ زمانے میں ہوں گے اس صورت میں یہ مکی ہوگی۔

ضبحا مصدر ہے جو فعل کے قائم مقام ہے اور مکمل جملہ عادیات کے فاعل سے حال ہے۔ ضبحا دوڑ کے وقت گھوڑوں کے سانسوں کی آواز ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا گھوڑے، کتے اور لومڑی کے علاوہ حیوانات کی سانسوں کی آواز کو ضبح نہیں کہتے اور ان کی آواز کو ضبح اس وقت کہتے ہیں جب وہ تھک جائیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا عادیات سے مراد اونٹ ہیں جو حج کے موقع پر عرفات سے مزدلفہ اور مزدلفہ سے منیٰ کی طرف دوڑتے ہیں اور آپ نے فرمایا اسلام میں سب سے پہلا جہاد غزوۂ بدر تھا اور ہمارے ساتھ صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا اور ایک حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا تو اس لئے وہ عادیات کس طرح ہو سکتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 651 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

نعمان حسن، محمد بن کعب اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی نقطہ نظر ہے (1)۔ اس صورت میں صبحا کا معنی یہ ہوگا کہ اونٹ جب دن کو چلتے ہیں۔

2۔ وہ گھوڑے جو آگ کی چنگاریاں نکالتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ رات کے وقت پتھریلی زمین پر دوڑتے ہیں تو سم سے پتھروں میں رگڑ کے ذریعے آگ نکالتے ہیں۔

3۔ ابو عمرو، خلاد رحمہما اللہ تعالیٰ نے تاء کو صاد میں ادغام کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہے جو صبح کے وقت دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ مغیرہ کا معنی تیز دوڑنا ہے۔ صبحا یہ مغیرات کی ظرف ہے۔ اکثر مفسرین کی رائے یہی ہے کہ اس سے مراد گھوڑے ہیں جبکہ حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد وہ اونٹ ہیں جو یوم نحر کی صبح کے وقت مزدلفہ سے منیٰ کی طرف آتے ہیں۔ یہی سنت ہے بلکہ واجب ہے کہ دسویں ذی الحجہ کی نماز فجر کے بعد مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جائیں (2)۔ حضور ﷺ نے عورتوں اور کمزوروں کو طلوع فجر ہونے سے پہلے جانے کی رخصت دی۔

4۔ اس میں فا عطف صلہ کے مضمون پر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اللاتی عدون فاغرن فاثرن یعنی وہ غبار اڑاتے ہیں۔ بہ میں با فی کے معنی میں ہے اور ضمیر اس زمانہ کی طرف لوٹ رہی ہے جو صلہ کے مضمون میں ضمناً پایا جا رہا ہے۔ یعنی جب وہ دشمن پر حملہ کرتے ہیں تو اس وقت غبار اڑاتے ہیں یا ضمیر اس مکان کی طرف لوٹ رہی ہے جو بطور اقتضاء النص اس سے سمجھ آ رہا ہے۔ یعنی وہ اس جگہ میں غبار اڑاتے ہیں۔ نقعا اثرن کا مفعول بہ ہے جس کا معنی غبار ہے۔

5۔ یہاں بھی ضمیر وقت یا مکان کی طرف لوٹ رہی ہے جس وقت اور مکان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے تو وہ گھوڑے اس وقت اس جگہ یا اس وقت دشمنوں کی صفوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جمعا سے مراد دشمن کے لشکر ہیں۔ ان تمام قسموں کا جواب مابعد کلام ہے۔

6۔ یہاں الانسان سے مراد جنس ہے۔ اکثر افراد کو پیش نظر رکھتے ہوئے جنس کا ذکر کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے و قلیل من عبادی الشکور۔ اس آیت میں بہ جار مجرور مابعد کے متعلق ہے۔ آیت کے سروں کی رعایت کرتے ہوئے ظرف کو مقدم کیا۔ مضر کی لغت میں کنود کا معنی نعمتوں کی ناشکری کرنے والا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ انسان اپنے رب کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے۔ کندہ کی لغت میں اس کا معنی نافرمان ہے۔ بنی مالک کی لغت میں اس کا معنی بخیل ہے۔ ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے جس میں خیر نہ ہو۔ ارض کنود اسے کہتے ہیں جو کوئی چیز نہ اگائے (3)۔

7۔ ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا انه کی ضمیر الانسان کے لئے ہے (4)۔ یعنی انسان اپنے ناشکرا، نافرمان اور بخیل ہونے پر گواہ ہے۔ جب وہ تھوڑا سا بھی غور و فکر کرتا ہے تو وہ اپنے خلاف گواہی دیتا ہے کیونکہ اس کا اثر اس پر ظاہر ہوتا ہے۔ یا اس کا معنی ہے قیامت میں اپنے خلاف گواہی دے گا اور اپنے گناہ کا اعتراف کرے گا۔ وہ کہے گا لم نک من المصلین ۔۔۔ و کنا نخوض مع الخائضین۔ اکثر مفسرین نے کہا انه کی ضمیر رب کی طرف راجع ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کے ناشکر ہونے پر گواہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کی ناشکری مخفی نہیں۔ وہ ضرور مواخذہ کرے گا۔ اس صورت میں یہ دھمکی ہے۔

وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌؕ۝۸ اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِۙ۝۹ وَ حُصِّلَ

1۔ معالم التنزیل، زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

مَا فِي الصُّدُوْرِ ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

''اور بلاشبہ وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے[۱] کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب نکال لیا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے[۲] اور ظاہر کر دیا جائے گا جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے[۳] یقیناً ان کا رب ان سے اس روز خوب باخبر ہوگا[۴]''

[۱] ہ ضمیر سے مراد انسان ہے۔ خیر سے مراد مال ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں خیر سے مراد ہے۔ ان ترک خیرا یعنی انسان مال سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔ وہ نعمت پر شکر بجالانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا یا ہ ضمیر بخیل کے لئے ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ بخیل بہت ہی سخت دل ہے کیونکہ اسے مال سے بہت محبت ہے۔ اس صورت میں لحب الخیر پر لام تعلیل کے لئے ہوگا۔ پہلی صورت میں لام صلہ کے طور پر ہے۔

[۲] ہمزہ استفہام تعجب کے لئے ہے۔ اس میں فاء عاطفہ ہے اس کا عطف محذوف کلام پر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اَلَا يَنْظُرُ الْاِنْسَانُ فَلَا يَعْلَمُ معنی اس کا یہ بنے گا اسے غور و فکر کرنا چاہئے تاکہ وہ آج ہی اس چیز کو جان لے جسے وہ کل جانے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے آگاہ ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔ قیامت کے روز انہیں ان اعمال کی جزاء دے گا اور جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے وہ ظاہر فرما دے گا۔

مافی القبور سے مراد مردے ہیں من کی جگہ ما کا لفظ ذکر کیا تاکہ یہ مافی الصدور کا ہم وزن ہو جائے۔ یا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مردہ ہے اور اس حالت میں وہ عقل نہیں رکھتا اس لئے اسے جمادات کے ساتھ ملحق کر دیا گیا۔

[۳] یعنی انسانوں کے سینوں میں خیر اور شر جو کچھ ہے اسے جمع کیا جائے گا یا تمیز دی جائے گی یا اسے ظاہر کیا جائے گا۔ یہاں اعضاء کے اعمال کا ذکر نہیں کیا ما فی الصدور کو خاص کیا کیونکہ یہی اصل ہے۔ اذا بعثر شرط ہے، اس کی جزاء محذوف ہے کیونکہ یہ شرط ایسے جملے کے درمیان واقع ہے جو جواب پر دلالت کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ يَعْلَمُ. درمیان میں جملہ معترضہ دھمکی دینے اور اس کی ہولناکی بیان کرنے کے لئے ہے۔

[۴] یہ جملہ یعلم کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ انّ اس لئے پڑھا گیا کیونکہ اس کی خبر پر لام مفتوح ہے یا یہ قول کیا گیا کہ اس کے دونوں مفعول محذوف ہیں جن پر یہ جملہ دلالت کرتا ہے، یعنی ہم انہیں اس روز بدلہ دیں گے۔ یومئذ خبیر کے مضمون کے متعلق ہے۔ اس دن کو خصوصی طور پر اس لئے ذکر کیا کیونکہ جزاء اسی دن واقع ہوگی اور پتہ چلے گا کہ وہ خبیر ہے جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ وہ تمام زمانوں کا علم رکھتا ہے یا یہ کہا جائے گا کہ خبیر کا لفظ مجازی (جزا دینے والا) سے مجاز ہے۔ معنی یہ بنے گا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس روز جزاء دے گا۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

سورۃ القارعہ

آیاتہا ۱۱	سورۃ القارعۃ مکیۃ ۱۰۱	رکوعہا ۱

سورۃ القارعہ مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝

"(دل) ہلا دینے والی) کھڑکھڑانے والی (واقعہ) کیا ہے؟ اور آپ کو کیا معلوم کہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے، جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے[1] اور پہاڑ رنگ برنگی دھنکی ہوئی اون کی مانند ہو جائیں گے"[2]

[1] اس کا بیان سورۂ حاقہ میں گزر چکا ہے۔ اس کے آخر میں ۃ ساعت کی تانیث کی وجہ سے ہے یا قطعیت میں مبالغہ کے لیے ہے۔

یوم ظرف ہے مضمر فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس پر قارعۃ کا فعل دلالت کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی تقرع الناس یوم یکون الناس یا یوم کالفراش میں فتحہ ہے کیونکہ یہ جملہ کی طرف مضاف ہے اور محل رفع میں ہے کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہو گی ہی یوم یکون الناس تو اس صورت میں یہ جملہ القارعۃ کا بیان ہوگا۔

[2] اس کا عطف یکون پر ہے۔ عھن اس اون کو کہتے ہیں جو مختلف رنگوں والی ہو اس تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ پہاڑ بھی مختلف رنگوں کے ہوتے ہیں۔ یعنی پہاڑ دھنکی ہوئی رنگ دار اون کی طرح فضا میں اڑتے ہوں گے اور ان کے اجزاء بکھرے ہوئے ہوں گے۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝

"پھر جس کے (نیکیوں کے) پلڑے بھاری ہوں گے تو وہ دل پسند عیش (و مسرت) میں ہوگا[3] اور جس کے (نیکیوں کے) پلڑے ہلکے ہوں گے[4] تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا[5] اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ ہاویہ کیا ہے؟ بھڑکتی ہوئی آگ ہے"[6]

[3] لوگوں کی حالت جو مجمل تھی اس کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ اس کا عطف یکون الناس پر ہے۔ موازین موزون کی جمع ہے یعنی اعمال جن کے سامنے وزن کئے جائیں گے۔ یہاں اعمال سے مراد اعمال صالحہ ہیں یعنی جس کے اعمال صالحہ ...

میزان کی جمع ہے۔ اس صورت میں اس سے مراد نیکیوں والا پلڑہ ہے۔ یہ درست ہے کہ وہ میزان اسی طرح ہوگا جس طرح دنیا میں ترازو ہوتا ہے۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے زہد میں، آجری اور ابوالشیخ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہی نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس ترازو کے دونوں پلڑے زمین و آسمان جتنے بنائے ہیں۔(1)

موازین کا لفظ جمع ذکر کیا کیونکہ من ثقلت معنی کے اعتبار سے جمع ہے اور مفرد کی ضمیر اس کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے ذکر کی۔ جب جمع کا جمع سے مقابلہ ہو تو یہ آحاد کو آحاد پر منقسم ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ لیکن یہ تاویل دلالت کرتی ہے کہ ہر ایک آدمی کے لئے ترازو علیحدہ علیحدہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ ترازو تو ایک ہی ہو لیکن جب وہ افراد بے شمار ہیں جن کے نامہ اعمال تولے جانے ہیں تو موازین کا لفظ جمع ذکر کیا۔

2۔ ھو ضمیر من کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے مفرد ذکر کی رضا کی نسبت عیشۃ کی طرف مجازاً کی گئی ہے یا یہ اس آدمی کی صفت ہے جو یہ زندگی گزار رہا ہے۔ جس طرح ناصیۃ کاذبۃ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں ہے، یعنی عیشۃ مرضیۃ یعنی مجاز عقلی کا قاعدہ ہے۔ اس کے بالکل برعکس وعدا ماتیا ہے یا یہ ذات رضی کے معنی میں ہے۔

3۔ یہاں بھی موازین سے مراد اس کے اعمال صالحہ ہیں یا اعمال صالحہ کا پلڑا ہے۔ یہاں من کافر کو بھی شامل ہے جس کا ایمان نہ ہونے کی وجہ سے کوئی نیکی بھی نہ ہوگی کیونکہ اعمال صالحہ کے لئے ایمان شرط ہے۔ وہ مومن جو فاسق ہو اور اس کی برائیاں اچھائیوں پر غالب ہوں تو اس کا معاملہ ان مومنوں کے الٹ ہوگا جن کا ذکر من ثقلت موازینہ سے کیا گیا تھا کیونکہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو یا تو معصوم ہوں گے یا ان کے گناہ بخش دیئے گئے ہوں گے یا ان کی نیکیاں برائیوں پر غالب آجاتی ہوں گی۔

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہمارے علماء نے کہا لوگوں کے آخر میں تین طبقات ہوں گے۔ ایک متقین کی جماعت ہوگی جس کے گناہ کبیرہ نہ ہوں گے، ان کی نیکیاں منور پلڑے میں ہوں گی۔ وہ پلڑا اوپر نہیں اٹھے گا اور تاریک پلڑا خالی پلڑے کی طرح اوپر اٹھ جائے گا۔ دوسری جماعت کفار کی ہوگی ان کا کفر اور اعمال کا بوجھ تاریک پلڑے میں رکھا جائے گا۔ اگر ان کا کوئی اچھا عمل ہوا جس طرح صلہ رحمی وغیرہ تو اسے دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا مگر یہ پلڑا گناہوں والے پلڑے کے برابر نہ ہوگا۔ اسے لئے نیکیوں والا پلڑا خالی پلڑے کی طرح اٹھ جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز ایک بھاری بھرکم آدمی لایا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا وزن مچھر کے پر جتنا بھی نہ ہوگا۔ پھر حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا متفق علیہ (2)۔ یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ایک جماعت فاسق مومنوں کی ہوگی ان کی نیکیاں روشن پلڑے میں رکھی جائیں گی اور برائیاں تاریک پلڑے میں رکھی جائیں گی۔ اگر اس کی نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوگا تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، اگر برائیوں والا پلڑا بھاری ہوا تو جس طرح اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوئی ایسا ہی ہوگا، یعنی اگر وہ چاہے گا تو اسے جنت میں داخل کردے گا۔ اگر چاہے گا تو اسے بخش کر جنت میں داخل کردے گا۔ اگر دونوں پلڑے برابر ہوئے تو اسے اعراف میں رکھا جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہوگا جب اس نے ایسے گناہ کبیرہ کئے ہوں گے جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہوں۔ اگر وہ گناہ کبیرہ بندوں کے حقوق سے تعلق رکھتے ہوں

1۔ کنز العمال، جلد 14، صفحہ 382 (التراث الاسلامی) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 370 (قدیمی)

تو بغیر حساب کے اس کی نیکیاں حق دار کو دے دی جائیں گی۔ اگر وہ پوری نہ ہوں تو حق دار کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اس سب کے بدلے میں عذاب دیا جائے گا۔ احمد بن حرث رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قیامت کے روز لوگوں کو تین جماعتوں میں اٹھایا جائے گا۔ ایک جماعت ایسی ہوگی جن کے پاس اعمال صالحہ کثرت سے ہوں گے، دوسری جماعت ایسی ہوگی جو اعمال صالحہ میں فقیر ہوں گے اور تیسری جماعت وہ ہوگی جو اعمال صالحہ میں غنی تو ہوں گے پھر لوگوں کے حقوق کی وجہ سے فقیر ہو جائیں گے۔ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ تیرے اور تیرے رب کے درمیان ستر گناہ ہوں تو یہ اس سے بہتر ہے اس سے کہ تیرے اور دوسرے انسان کے درمیان ایک گناہ ہو، یعنی حقوق اللہ میں سے ستر ادا نہ کئے ہوں تو ان پر تیری گرفت نہ ہو جتنی گرفت حقوق العباد میں سے ایک حق پامال کرنے پر گرفت ہوگی۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کا محاسبہ کیا جائے گا۔ جس کی ایک نیکی بھی زائد ہوگی وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی انہیں اعراف میں رکھا جائے گا، وہ پل صراط پر قدم رکھیں گے یہاں تک کہ اس کی بعض برائیوں کا بدلہ پورا ہو جائیگا اور اس کی نیکیاں بڑھ جائیں گی تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایسا متقی جس کا کوئی گناہ نہ ہوگا اس کے اعمال اس کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے تولے جائیں گے اور کافر کے اعمال اسے ذلیل کرنے کے لئے تولے جائیں گے۔ قرآن حکیم میں عموماً کفار کی جزا کے مقابلہ میں متقین کی جزا مذکور ہے۔ جن مومنوں کے اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ خلط ملط ہیں قرآن ان کے بارے میں عموماً خاموش ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں جس موازنہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو کافر ہیں۔ مابعد حکم انہیں کے بارے میں ہے۔

یعنی اس کا مسکن ہاویہ ہوگا۔ مسکن کو ام کا نام دیا ہے کیونکہ اولاد کو سکون ماں کی آغوش میں ہوتا ہے۔ ہاویہ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس کی گہرائی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ جب کوئی آدمی سخت مصیبت میں گر پڑتا تو عرب کہتے هوت امه اس کی ماں گر پڑی۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں ام سے مراد سر ہے، یعنی انہیں سر کے بل جہنم میں گرایا جائے گا(1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قتادہ اور ابو صالح رحمہما اللہ تعالیٰ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ میں کہتا ہوں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں متقین کے مقابل جن کا ذکر ہے اس سے مراد کافر ہیں۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے ابن آدم کو لایا جائے گا اور ترازو کے دونوں پلڑوں کے درمیان ایک فرشتہ کھڑا ہوگا اگر اس کے اعمال حسنہ کا پلڑا بھاری ہوگا تو فرشتہ بلند آواز سے ندا کرے گا کہ تمام مخلوقات سن لیں فلاں ایسی سعادت سے فیض یاب ہوا کہ وہ بعد میں کبھی بھی بد بخت نہیں ہوگا، اگر اس کے اچھے اعمال کا پلڑا ہلکا ہوگا تو فرشتہ بلند آواز سے ندا کرے گا جسے تمام مخلوقات سنے گی فلاں ایسا بد بخت ہوا کہ اس کے بعد کبھی سعادت مند نہ ہوگا۔ جن کے اچھے اور برے اعمال خلط ملط ہوں گے اس کے بارے میں حدیث میں خاموشی ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ فرشتہ ان کے بارے میں کوئی آواز نہیں لگائے گا۔ اسی وجہ سے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔

فائدہ: قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ترازو ہر ایک کے لئے نہیں لگایا جائے گا کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ اسی طرح کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جنہیں حساب کے بغیر جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان یُعرَف

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

اَلْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ میں انہیں کا ذکر ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ کافر جن کے اعمال تولے جائیں گے لیکن ان میں کوئی وزن نہ ہوگا۔ انہیں منافقوں کے ساتھ خاص کرنے کا احتمال بھی موجود ہے۔ جب ہر جماعت اپنے معبود کے پیچھے پیچھے چل پڑے گی تو یہ منافق مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوں گے۔ یہ دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ ریاکاری کے طور پر نماز پڑھتے اور روزے رکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ میزان کے ذریعے خبیث کو پاکیزہ سے الگ کرے گا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ستر ہزار ایسے مومن ہیں جو حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے، نہ ان کے لئے ترازو رکھا جائے گا اور نہ ہی وہ صحیفے لیں گے بلکہ ان کے لئے ایک برأت نامہ ہوگا جو انہیں دیا جائے گا۔ اس میں یہ لکھا ہوگا یہ فلاں کا برأت نامہ ہے۔ اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ترازو نصب کئے جائیں گے۔ نمازیوں کو لایا جائے گا۔ ترازو کے ذریعے انہیں پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ حاجیوں کو لایا جائے گا انہیں ترازو کے ذریعے پورا اجر دیا جائے گا۔ اہل امتحان کو لایا جائے گا ان کے لئے ترازو نصب نہیں کئے جائیں گے اور نہ ہی ان کے لئے دیوان کھولے جائیں گے۔ ان پر اجر بغیر حساب کے انڈیلا جائے گا یہاں تک کہ عافیت والے تمنا کریں گے کہ کاش ان کے جسم دنیا میں قینچی کے ساتھ کاٹے جاتے جس کے باعث اہل امتحان یہ فضیلت لے گئے (1)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صبر کرنے والوں کو بغیر اجر کے حساب دیا جائے گا۔

طبرانی اور ابویعلیٰ رحمہما اللہ تعالیٰ نے ایسی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے جس میں کوئی قدغن نہیں، قیامت کے روز شہید کو لایا جائے گا۔ حساب کے لئے ترازو نصب کیا جائے گا۔ پھر صدقہ کرنے والے کو لایا جائے گا تو حساب کے لئے ترازو نصب کیا جائے گا۔ پھر اہل امتحان کو لایا جائے گا ان کے لئے نہ ترازو نصب کیا جائے گا اور نہ ہی صحائف کو کھولا جائے گا۔ اجر ان پر انڈیلا جائے گا یہاں تک کہ دنیا میں عافیت سے رہنے والے لوگ یہ آرزو کریں گے کاش ہمارے جسم قینچیوں کے ساتھ کاٹے جاتے تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ثواب ملتا۔ (2)

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ جو لوگ حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے وہ صوفیاء ہیں۔ یہاں اہل امتحان سے مراد بھی شائد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عاشق اور محب ہیں جو اس کی طرف سے امتحان پر اسی طرح راضی ہیں جس طرح وہ اس کی عطاء پر راضی تھے۔ حضور ﷺ کے ارشاد میں بقاء کا بھی یہی معنی ہے۔ ہر چیز کے لئے ایک مقدار اور ترازو ہے مگر آنسو کے لئے کوئی ترازو نہیں کیونکہ اس ایک آنسو کے ذریعے آگ کے سمندر بجھا دیئے جائیں گے۔ اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے معقل بن یسار سے روایت کیا ہے کہ اس آنسو سے مراد عشاق کا رونا ہے۔ ورنہ احادیث میں ثابت ہے کہ مصیبت زدہ لوگوں کے اعمال کو بھی تولا جائے گا۔ جس طرح حضور ﷺ کے ارشاد میں ہے واہ کیا بات ہے واہ کیا بات ہے میزان میں پانچ چیزوں سے بڑھ کر کوئی وزنی چیز نہیں لا اله الا الله، سبحان الله، الحمد لله، الله اكبر، ایسا صالح بچہ جو کسی مسلمان کا مر جائے اور وہ صبر کرے (3)۔ اسے امام نسائی، ابن حبان، حاکم، بزار، احمد اور طبرانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بچے کی وفات بھی بڑی

1۔ تفسیر قرطبی، جلد 15، صفحہ 241 (دار الکتب المصریۃ)　2۔ مجمع الزوائد، جلد 3، صفحہ 34 (الفکر)
3۔ معجم کبیر، جلد 22، صفحہ 348 (العلوم والحکم)

آزمائش ہے۔ وہ شہادت جس کا ذکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے وہ بھی آزمائش ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اگر یہ سوال کیا جائے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز ترازو رکھے جائیں گے۔ ایک آدمی کو لایا جائے گا اور اسے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا۔ پھر اس کے نیک اعمال بھی رکھے جائیں گے تو اس کے اعمال بد والا پلڑا جھک جائے گا اور اسے جہنم کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ جب اسے پیچھے سے پکارا جائے گا تو کوئی چیخنے والا چیخے گا کہ اس کے بارے میں جلدی نہ کرو، اس کا ایک عمل باقی رہ گیا ہے۔ ایک پرچہ لایا جائے گا جس میں لا الہ الا اللہ لکھا ہوگا۔ اسے آدمی کے ساتھ رکھ دیا جائے گا تو اس پرچے کے ساتھ اس کا پلڑا جھک جائے گا۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ نیز ابن حبان اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ان سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔[1] حضرت ابو سعید، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دوسرے محدثین سے ایک روایت مروی ہے جو اس روایت کی تائید کرتی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی تھی کہ مومن کا اچھے اعمال والا پلڑا کیسے ہلکا ہو سکتا ہے کیونکہ مومن تو لا الہ الا اللہ سے خالی نہیں ہوتا اگرچہ زندگی میں اس نے ایک دفعہ ہی کہا ہو۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں آخرت کے اکثر احکام قضایا مہملہ (۱) میں سے ہوتے ہیں ان میں قضیہ جزئیہ کی قوت ہوتی ہے۔ ان میں شاذ و نادر ہی کلیہ ہوتا ہے جبکہ آخرت کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے اور اعمال کا دارومدار اخلاص پر مبنی ہے۔

ﮥ حمزہ نے وصل کی صورت میں ماھیہ کو آخری ھاء کے بغیر پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے دونوں حالتوں میں ساکن ھاء پڑھی ہے۔ ضمیر ہاویہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یہاں استفہام ہولناکی بیان کرنے کے لئے ہے۔ ما ادراک والا جملہ معترضہ ہے۔ مقصود عظمت شان کو بیان کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان نار، ھاویہ سے بدل ہے یا اس کا بیان ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

ﮦ حامیہ ذات حمی کے معنی میں ہے یعنی وہ گرمی میں انتہا کو پہنچی ہوا ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

1۔ جامع ترمذی، جلد2، صفحہ88 (وزارت تعلیم)

(۱) یہ منطق کی اصطلاح ہے، یعنی ایسا قضیہ جس میں کل اور بعض کا حصر نہ ہو یعنی نہ حکم کلی ہوتا ہے اور نہ ہی جزئی۔ ہم ایک میں تو حکم یقینی ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

سورۃ التکاثر

ركوعها ١	سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ ١٠٢	اٰیاتها ٨

سورۃ التکاثر مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

اَلۡهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ كَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡيَقِيۡنِ ؕ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِيۡمَ ۙ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيۡنَ الۡيَقِيۡنِ ۙ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسۡـئَلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ ﴿۸﴾

''غافل رکھا تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی ہوس نے ۱۔ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے ۲۔ ہاں ہاں تم جلد جان لوگے ۳۔ پھر ہاں ہاں تمہیں (اپنی کوششوں کا انجام) جلد معلوم ہو جائے گا ۴۔ ہاں ہاں اگر تم (اس انجام کو) یقینی طور سے جانتے (تو ایسا ہرگز نہ کرتے) ۵۔ تم دیکھ کر رہو گے دوزخ کو ۶۔ پھر آخرت میں تم دوزخ کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لوگے ۷۔ پھر ضرور پوچھا جائے گا تم سے اس دن جملہ نعمتوں کے بارے میں ۸''

۱۔ مال کی کثرت، جاہ و مرتبہ کی زیادتی اور تعداد کی کثرت پر فخر و مباہات نے تمہیں باطل میں مشغول کر دیا ہے۔ لھو کا معنی باطل ہے یا ایسی چیز جو قابل ذکر فائدہ نہ دے۔ یا اس کا معنی ہے کہ اس عمل نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور ان اعمال سے غافل کر دیا جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچانے والے ہیں۔

۲۔ یہاں تک کہ تمہیں موت نے آلیا اور تمہیں قبروں میں دفن کر دیا گیا۔ ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کثرت کی خواہش نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل کر دیا یہاں تک کہ تمہیں موت نے آلیا(1)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہودی اپنی کثرت پر فخر کرتے تھے اور کہتے تھے ہم فلاں خاندان سے زیادہ ہیں۔ انہیں اس چیز نے غافل کئے رکھا یہاں تک کہ انہیں موت نے آلیا(2)۔ یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی اس وجہ سے یہاں حتی غایت کے لئے ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن بریدہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت دو قبیلوں کے بارے میں نازل ہوئی، ایک قبیلے کا نام بنی حارثہ اور دوسرے کا نام بنی حارث تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے پر فخر کیا اور کثرت کا اظہار کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا کیا تم میں فلاں فلاں کی مثل ہے۔ دوسروں نے بھی اسی قسم کی بات کی۔ وہ زندہ لوگوں کے بارے میں جب فخر و مباہات کر چکے تو پھر کہا آؤ ہم مردوں کے بارے میں مقابلہ کرلیں۔ ایک قبیلہ کے لوگ کہتے تھے کیا تم میں فلاں فلاں کی مثل ہے اور قبروں کی طرف اشارہ کرتے(3)۔ کلبی رحمۃ

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا　2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا　3۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 8، صفحہ 3846 (ابن حزم)

اللہ علیہ نے کہا یہ قریش کے دو قبیلوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان میں سے ایک بنی عبد مناف تھا اور دوسرا بنی سہم تھا۔ ان میں سے ہر ایک نے یہی دعویٰ کیا ہم سرداری میں، عزت دار ہونے میں اور تعداد میں ہم زیادہ ہیں۔ بنی عبد مناف کی جب تعداد زیادہ ہوگئی تو بنی سہم نے کہا ہم اپنے مردوں کو شمار کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ قبروں کے پاس چلے گئے انہیں شمار کیا اور کہا یہ فلاں کی قبر ہے، یہ فلاں کی قبر ہے۔ تو بنو سہم ان پر بڑھ گئے کیونکہ دور جاہلیت میں ان کی تعداد زیادہ تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(1)۔ ان دونوں روایتوں کی بنا پر حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ کا معنی یہ ہوگا کہ جب تم زندوں کو شمار کر چکے تو تم نے کثرت حاصل کرنے کے لئے مردوں کو شمار کیا تو یہاں مجازاً مردوں کی تعداد شمار کرنے کو زیارت قبور سے تعبیر کیا۔ یا یہاں زیارت قبور کا حقیقی معنی مراد ہوگا کیونکہ وہ قبرستان کی طرف گئے تھے۔ تو اس صورت میں حتی سببیت کے لئے ہوگا۔ عبد اللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ سورۂ تکاثر کی تلاوت کر رہے تھے۔ تو آپ نے فرمایا انسان کہتا ہے ہائے میرا مال، ہائے میرا مال، تیرا مال تو وہی ہے جو تو نے کھایا اور اسے فنا کر دیا، اسے پہن لیا اور بوسیدہ کر دیا، یا صدقہ کر دیا اور اسے آگے بھیج دیا۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تین چیزیں میت کے ساتھ ہوتی ہیں، دو واپس آ جاتی ہیں اور ایک ساتھ رہتی ہے اس کے گھر والے، اس کا مال اور اس کا عمل اس کے پیچھے ہوتے ہیں۔ اس کے گھر والے اور مال لوٹ آتے ہیں اور اس کا عمل باقی رہتا ہے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔ عیاض بن حمار مجاشعی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تواضع کرو، کوئی ایک بھی دوسرے پر فخر نہ کرے اور نہ ایک دوسرے پر بغاوت کرے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔(3)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اقوام کو چاہیے کہ وہ اپنے ان آباؤ اجداد پر فخر کرنے سے رک جائیں جو فوت ہو چکے ہیں۔ بے شک وہ جہنم کا ایک کوئلہ ہوں گے۔ ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کیڑے سے بھی زیادہ حقیر ہوں گے جو اپنے ناک کے ساتھ گندگی کو لڑھکا رہا ہوتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی حمیت اور آباء پر فخر کرنے کو ختم کر دیا ہے۔ لوگ یا تو مومن متقی ہیں یا فاجر شقی ہیں۔ سب بنو آدم ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے تھے(4)۔ اسے امام ترمذی اور ابو داؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے یہ نسب ایک دوسرے پر فضیلت کا باعث نہیں ایک صاع دوسرے صاع جیسا ہی ہوتا ہے۔ ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ اور دین کی وجہ سے فضیلت ہے ایک آدمی کے لئے یہی برائی کافی ہے کہ وہ بدزبان، بیہودہ گو اور بخیل ہو(5)۔ اسے امام احمد اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا روز ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایک ندا کرنے والے کو حکم دے گا خبردار میں نے ایک نسبت بنائی اور تم نے بھی ایک نسبت بنائی، میں نے تم سے معزز ترین تم میں سے سب سے زیادہ متقی کو بنایا تو تم نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ تم نے یہ کہا فلاں ابن فلاں، فلاں بن فلاں سے بہتر ہے۔ آج میں اپنے نسب کو بلند کروں گا اور تمہارے نسب کو پست کروں گا۔ متقین کہاں ہیں۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اوسط میں روایت کیا ہے(6)۔

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا
2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 964 (وزارت تعلیم)
3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 385 (قدیمی)
4۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 234 (وزارت تعلیم)
5۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 145 (صادر)
6۔ مجمع الزوائد، جلد 8، صفحہ 1-160-6

سے باہم فخر کرنے اور مال کو جمع کرنے پر جھڑکا جا رہا ہے۔ تعلمون کا مفعول حذف کر دیا گیا کیونکہ سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے۔ معنی یہ ہوگا جب تمہیں عذاب دیا جائے گا تو اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ باہم فخر کرنے اور مال وعدد میں زیادتی کا دعویٰ کرنے کا ایک برا انجام ہے۔

ے پہلی وعید کا تکرار ہے یا نئی وعید کا ذکر ہے۔ ثم کے لفظ میں یہ دلالت موجود ہے کہ دوسری وعید پہلی وعید سے سخت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ پہلی وعید موت یا قبر کے بارے میں ہے اور دوسری وعید اٹھانے کے بعد کے بارے میں ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ہم عذاب قبر کے بارے میں شک کرتے تھے یہاں تک کہ سورۂ تکاثر کلا سوف تعلمون تک ہوئی۔ یہ عذاب قبر کے متعلق ہے۔(1)

ے یہ تاکید کے بعد جھڑکنے کے لئے کلا کا لفظ آیا ہے، کاش تم آنے والے احوال کا ایسا علم رکھتے جس طرح تمہارے ہاں ایسی چیز کا علم ہوتا ہے جو یقینی ہوتی ہے اور تمہارے پاس موجود ہوتی ہے۔ لو کا جواب محذوف ہے۔ مقصود اس کی عظمت بیان کرنا ہے۔ جواب یہ ہے لَشَغَلَكُمْ ذٰلِكَ عَنْ غَيْرِهٖ یا لَمَا تَكَاثَرْتُمْ۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہم آپس میں باتیں کرتے تھے کہ علم یقین اسے کہتے ہیں کہ انسان یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ ضرور دوبارہ اٹھائے گا(2)۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد ایسا علم غیب ہے جو استدلال سے حاصل ہو۔

ے اسے شرط کا جواب بنانا جائز نہیں کیونکہ اس کا وقوع یقینی ہے بلکہ یہ محذوف قسم کا جواب ہے۔ وعید کو اس کے ساتھ موکد کیا جس چیز سے پہلے انہیں ڈرایا تھا اور اسے مبہم ذکر کیا گیا تھا اب اس کا تفصیلاً ذکر کیا گیا۔ مقصود اس کی عظمت شان بیان کرنا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ بھی جائز ہے کہ لو اذا سے مجاز ہے، یعنی تم موت کے وقت یقینی طور پر جان لو گے تو تم ضرور جہنم دیکھو گے مگر اس کا علم تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گا کیونکہ اب ازالہ کا وقت گزر چکا ہے۔ ابن عامر اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے یہ اریت الشیئ سے ماخوذ ہے جبکہ باقی قراء نے اسے تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہاں رؤیت سے مراد معرفت اور علم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں رؤیت سے مراد قبروں میں دیکھنا ہو کیونکہ کفار کو صبح و شام قبروں میں آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ جس طرح ہم نے وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔

ے فعل کو تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اسی پر سب کا اتفاق ہے۔ یعنی پھر دوبارہ اٹھنے کے بعد جہنم کو ضرور دیکھو گے۔ عین الیقین مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اگرچہ فعل اور مصدر کے الفاظ مختلف ہیں مگر معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔ اس لئے وہ احتمال بھی ختم ہو جائے گا جو یہ ذکر کیا جا رہا تھا کہ یہاں رؤیت علم کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہوگا تم ایسا دیکھنا دیکھو گے جو تمہیں یقین عطا کرے گا۔ اسی وجہ سے علم یقین اس علم کو کہتے ہیں جو دیکھنے اور مشاہدہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ رؤیت عمل کا قوی ترین سبب ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے خبر آنکھوں دیکھی جیسی نہیں ہو سکتی۔ خطیب نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ احمد اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ اور کچھ زائد روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ اس کی قوم بچھڑے کی پوجا کرنے لگی ہے تو انہیں نے تختیاں نہ پھینکیں۔ جب خود آنکھوں سے دیکھا تو تختیاں پھینک دیں اور وہ ٹوٹ گئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا عین الیقین محذوف مصدر کی صفت ہے، یعنی یہ دیکھنا ہی یقین ہے۔ اس میں مبالغہ کا اظہار ہے۔

1۔ تفسیر طبری زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

یعنی پھر اس روز ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے نعمتوں کا شکر ادا کیوں نہیں کیا اور ان کی ناشکری کیوں کی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قیامت کے روز ان سے ان تمام چیزوں کے بارے میں پوچھا جائے گا جو انہیں دنیا میں حاصل تھیں۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دنیا میں مالدار اور اچھی حالت میں تھے (1)۔ انہوں نے اپنے رب کا شکر ادا نہ کیا بلکہ غیر اللہ کی عبادت کرتے رہے۔ اس لئے قیامت کے روز ناشکری کرنے کی وجہ سے انہیں عذاب دیا جائے گا۔ یہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ مرفوع روایت مروی ہے۔ یہاں خطاب کفار کے ساتھ خاص ہے جنہیں کثرت کی خواہش نے غافل کر دیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ لترون الجحیم سے لے کر آخر تک خطاب تمام مومنوں کو ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا۔ حدیث طیبہ میں گزر چکا ہے کہ مومن کو پہلے قبر میں جہنم میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جائے گا جس کو اب جنت میں بدل دیا گیا ہے تاکہ وہ مسرور ہو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

فائدہ: سیاق کلام اور آیت کی ایک تاویل کی وجہ سے نعمتوں کے بارے میں اگرچہ سوال کثرت کی خواہش رکھنے والوں کے ساتھ خاص ہے لیکن متواتر احادیث سے یہ ثابت ہے کہ سوال عام ہے، کافروں اور مومنوں سب سے سوال و جواب ہوگا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ امن اور صحت کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا(2)۔ اسی طرح اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے بدن، کان اور آنکھوں کی صحت کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ بندوں سے پوچھے گا کہ انہوں نے کن مقاصد کے لئے انہیں استعمال کیا(3)۔ فریابی اور ابونعیم نے مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ سے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت کی ہے دنیا کی ہر لذت کے بارے میں سوال ہوگا(4)۔ عبدالرزاق نے قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس آیت کی تفسیر میں کہا اللہ تعالیٰ ہر نعمت کے بارے میں اس سے پوچھے گا جو اس پر کی گئی تھی(5)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے زہد میں ابو قلابہ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں روایت کیا ہے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ گھی اور شہد ملیدہ بناتے ہیں اور اسے کھاتے ہیں تو ان سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا(6)۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے حضور ﷺ سے عرض کی ہم سے کس نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا، ہمارے پاس تو کھانے پینے کو کھجوریں اور پانی ہے، دشمن ہمارے سامنے تیار ہیں ہمارے کندھوں پر تلواریں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کے بارے میں بھی تم سے عنقریب پوچھا جائے گا(7)۔ ابن ابی حاتم نے حسن رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے پوچھا ہم کن نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں ہم تو جو کی آدھی روٹی کھاتے ہیں اور وہ بھی پیٹ بھر کر نہیں ہوتی۔ تو آپ کی طرف حکم نازل ہوا کیا تم جوتے نہیں پہنتے اور ٹھنڈا پانی نہیں پیتے۔ یہ بھی تو نعمت ہے(8)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس نے گندم کی روٹی کھائی اس نے آرام کرنے کے لئے سایہ دار گھر لیا اور وہ میٹھا پانی پیتا ہے تو یہی وہ نعمت ہے جس کے بارے میں اس سے سوال کیا جائے گا(9)۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ حضور ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم ابوالہیثم کے گھر تشریف لے گئے۔ ابوالہیثم نے آپ کو کھجور، گوشت کھلایا اور پانی پلایا تو حضور ﷺ نے فرمایا یہی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں تم سے قیامت کے روز سوال کیا

1۔ تفسیر معالم، زیر آیت ہذا
2۔ الدر المنثور، زیر آیت ہذا
3۔ ایضاً
4۔ ایضاً
5۔ ایضاً
6۔ ایضاً
7۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 171 (وزارت تعلیم)
8۔ الدر المنثور، زیر آیت ہذا
9۔ ایضاً

Nafse Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

جائے گا۔ جب یہ چیز آپ کے صحابہ پر شاق گزری اور انہوں نے تکبیر کہی تو حضور ﷺ نے فرمایا جب تم اس قسم کی چیز حاصل کرو اور اپنے ہاتھوں سے روٹی کھاؤ تو یہ کلمات کہا کرو بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ۔ جب تم سیر ہو جاؤ تو کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ جس نے ہمیں کھلایا، ہمیں پلایا، ہم پر انعام کیا اور ہم پر اپنا فضل فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی قصہ مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم کے معاملہ میں ایک دوسرے سے اخلاص کے ساتھ کام کیا کرو۔ تم میں سے کوئی کسی دوسرے سے کوئی بات نہ چھپائے کیونکہ انسان کے علم میں خیانت اس کے مال میں خیانت سے زیادہ سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ تم سے اس بارے میں بھی باز پرس کرے گا(1)۔ اسے طبرانی اور اصبہانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بندے سے سب سے پہلے یہ سوال کیا جائے گا کہ تو نے اپنے علم میں سے کس چیز پر عمل کیا۔ اسے امام احمد اور ابن مبارک رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت مروی ہے کہ جس طرح ایک انسان سے اس کے جاہ و مرتبہ کے بارے میں محاسبہ کیا جائے گا۔ اسی طرح اس کے مال کے بارے میں بھی اس سے سوال کیا جائے گا۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انسان جو قدم بھی اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے اس سے کیا ارادہ کیا تھا(2)۔ اسے ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت مروی ہے کہ قیامت کے روز مومن سے اس کی تمام کاوشوں کے بارے میں پوچھا جائے گا یہاں تک کہ اس نے آنکھ میں سرمہ لگایا تھا اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اسے ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے بندہ جو خطبہ دے گا اللہ تعالیٰ اس سے اس بارے میں پوچھے گا کہ اس نے اس سے کیا ارادہ کیا تھا۔ یہ روایت مرسل ہے، اس کی سند عمدہ ہے۔ اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(3)۔ آیت میں ثم کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ یہ سوال و جواب جہنم کو دیکھنے کے بعد ہوگا۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے یہ سوال پل صراط پر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے انہیں روکو، ان سے سوال کئے جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ابھی بندے کے قدم پل صراط پر ہوں گے کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اس کی عمر کے بارے میں سوال کیا جائے کہ اس نے اپنی عمر کہاں فنا کی، جسم کے بارے میں سوال ہوگا کہ کس چیز میں اس نے اسے بوسیدہ کیا، علم کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اس نے اس سے کیا کام لیا، مال کے بارے میں پوچھا جائے گا کہاں سے کمایا اور کس میں خرچ کیا(4)۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ امام ترمذی اور ابن مردویہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کی۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیات عام ہیں۔ تاہم احادیث کے ذریعے ان لوگوں کو خاص کر دیا گیا جنہیں حساب کے بغیر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا تم میں سے ایک آدمی دن میں ہزار آیات پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔ لوگوں نے عرض کی حضور ﷺ ایسا کون ہے جو دن میں ایک ہزار آیات کی تلاوت کرے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی الھکم التکاثر کو تلاوت کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتا۔ اسے حاکم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے(5)، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ کنز العمال، جلد 15، صفحہ 411 (التراث الاسلامی) 2۔ ایضاً، جلد 10، صفحہ 192

3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 64 (وزارت تعلیم) 4۔ مستدرک حاکم، جلد 1، صفحہ 755 (العلمیہ)

سورة العصر

آیاتھا ۳ | سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۰۳ | رکوعھا ۱

سورۃ العصر مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳

"قسم ہے زمانہ کی[1] یقیناً ہر انسان خسارہ میں ہے[2] بجز ان (خوش نصیبوں) کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے[3]"

[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا عصر سے مراد زمانہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کی قسم اس لئے اٹھائی کیونکہ زمانہ میں نظر و فکر کرنے والوں کے لئے عبرتیں موجود ہوتی ہیں۔ ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عصر سے مراد رات اور دن ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا سورج کے ڈھلنے سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک کے وقت کو عصر کہتے ہیں (1)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دن کے آخری پہر کو عصر کہتے ہیں۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ یہی صلوٰۃ وسطیٰ ہے جس کو ہم نے سورۃ بقرہ میں ذکر کیا ہے۔

[2] الانسان سے مراد جنس ہے۔ خسر کو نکرہ ذکر کیا۔ مقصود اس کی عظمت بیان کرنا ہے، یعنی وہ بہت بڑے خسارہ میں ہے کیونکہ خسارے کا مطلب راس المال کا ضائع ہو جانا ہے۔ انسان اپنے آپ کو، اپنی عمر کو اور اپنے مال کو ایسی چیزوں میں بلاتا ہے جو اسے اخروی زندگی میں کوئی فائدہ نہ دے گا۔

شعر:۔ جس نے اپنی آخرت کو دنیا کے بدلے میں بیچ دیا اس کی نقد اور ادھار بیع میں خسارہ واضح ہے۔

[3] اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے آخرت کو جو قوی ہے اور باقی رہنے والی ہے دنیا کے بدلے میں خرید لیا۔ اس لئے ان کی تجارت نفع بخش ہوگئی۔ وہ باہم نیکی کی تاکید کرتے ہیں۔ حضرت حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا حق سے مراد قرآن ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد ایمان اور توحید ہے (2)۔ اور وہ باہم صبر کی تاکید کرتے ہیں۔ صبر کا مطلب ہے نفس کو برائیوں سے روکنا اور ایسی خواہشات سے روکنا جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ طاعات، مصائب اور منکرات کو چھوڑنے پر صبر کرنا۔ یہاں تمام صالحات بھی یا تو مطلق ہیں تو اس صورت میں خاص کا عطف عام پر ہوگا اور یہ مبالغہ کے لئے ہوگا۔ یا اس سے مراد بعض ہوں گے

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا
2۔ ایضاً

ہیں جو کمال کا سبب بنتے ہیں تو اس صورت میں مواصات سے مراد ایسی چیزیں ہوں گی جو تکمیل نفس کا باعث ہیں۔ باقی سب نقصان کا باعث ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب انسان دنیا میں زیادہ عمر والا اور بوڑھا ہو جاتا ہے تو وہ نقصان میں ہو جاتا ہے۔ مگر مومنوں کی یہ حالت نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنی صحت اور جوانی میں جو اعمال کرتے رہے تھے ان کا اجر اب بھی انہیں دیا جاتا رہتا ہے۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ الخ۔(1)

مسئلہ:۔ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا واجب ہے۔ جس نے ایسا نہ کیا وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو برائی دیکھے وہ اسے زور بازو سے تبدیل کرے، اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے اسے بدلے، اگر اس کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو دل سے ایسا کرے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔(2)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنہ میں حضور ﷺ سے روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے برے اعمال کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا یہاں تک کہ برائی ان سب میں عام نظر آنے لگے اور لوگ اس برائی کو ختم کرنے پر قادر ہوں اور وہ اس برائی کو نہ روکیں۔ جب لوگ ایسا کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ عام اور خاص لوگوں کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کی ایک مرفوع روایت نقل کی ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی جس قوم میں نافرمانیاں ہوں، لوگ اس کو بدلنے پر قادر ہوں پھر اسے نہ بدلیں تو ممکن ہے کہ ان سب پر عذاب نازل کر دیا جائے(3)۔ اس بارے میں بے شمار احادیث ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 51 (قدیمی)
3۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 403 (العلمیہ)

سورۃ الھمزۃ

آیاتہا ۹ | سُوْرَۃُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ ۱۰۴ | رکوعہا ۱

سورۃ الھمزہ مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور نو آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۙ ۝۱ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗۙ ۝۲ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗۚ ۝۳
كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝۴ۖ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝۵ؕ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُۙ ۝۶ الَّتِيْ
تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝۷ؕ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌۙ ۝۸ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝۹

"ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لئے جو (روبرو) طعنے دیتا ہے (پیٹھ پیچھے) عیب جوئی کرتا ہے ۱ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے ۲ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اسے لافانی بنا دیا ہے ۳ ہرگز نہیں وہ یقیناً حطمہ میں پھینک دیا جائے گا ۴ اور تم کیا جانو کہ حطمہ کیا ہے؟ ۵ وہ اللہ کی آگ ہے خوب بھڑکائی ہوئی ۶ جو دلوں تک جا پہنچتی ہے ۷ بے شک وہ (آگ) ان پر بند کر دی جائے گی ۸ (اس کے شعلے) لمبے لمبے ستونوں کی صورت میں ہوں گے ۹"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا **ھمزہ** اور **لمزہ** کا معنی یہ ہے وہ جو چغل خوری کرتے ہیں، دوستوں میں تفریق کرتے ہیں یا جو لوگوں پر عیب لگاتے ہیں۔ ان دونوں لفظوں کا معنی ایک ہے، یعنی عیب لگانے والے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا **ھمزہ** اسے کہتے ہیں جو منہ پر عیب لگائے اور **لمزہ** اسے کہتے ہیں جو عدم موجودگی میں عیب لگائے۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے برعکس معنی بیان کیا ہے۔(1)

سعید بن جبیر اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا **ھمزہ** سے مراد وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے ہیں اور ان کی غیبت کرتے ہیں اور **لمزہ** سے مراد وہ لوگ ہیں جو طعنہ زنی کرتے ہیں۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا **ھمزہ** سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہاتھ سے تکلیف پہنچاتے ہیں اور عیب لگاتے ہیں اور **لمزہ** سے مراد وہ لوگ ہیں جو زبان سے تکلیف دیتے ہیں اور عیب لگاتے ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے کہا **ھمزہ** جو اپنی زبان اور **لمزہ** جو آنکھ سے عیب جوئی کرے۔ ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا **ھمزہ** سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے لفظوں سے اپنے ساتھی کو اذیت دے اور **لمزہ** جو آنکھوں، سر اور آبرو سے اشارہ کر کے اذیت دے(2)۔ میں کہتا ہوں اصل میں **ھمزہ** کا معنی توڑنا اور چبھونا ہے۔ حدیث میں ہے وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ اور لمز

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا | 2۔ ایضاً

کا معنی طعن کرنا ہے۔ پھر یہ دونوں الفاظ لوگوں کی عزتوں کو پامال کرنے اور ان میں طعن کرنے میں عام ہو گئے۔ یہ وزن ایسے کاموں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو کثرت سے کئے جائیں جیسے ضحکۃ، شجرۃ، لعھۃ، ھمزۃ اور لمزۃ ان لوگوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو کثرت سے اس فعل کو کرے اور اس کا عادی ہو۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے ہم ہمیشہ یہ سنتے تھے کہ ویل لکل ھمزۃ یہ ابی بن خلف کے حق میں نازل ہوئی۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ آیات اخنس بن شریق کے حق میں نازل ہوئیں (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اہل رقہ کے ایک آدمی سے نقل کیا ہے کہ یہ جمیل بن عامر کے حق میں نازل ہوئیں (2)۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ امیہ بن خلف جمحی جب حضور ﷺ کو دیکھتا تو زبان اور آنکھ دونوں سے عیب جوئی کرتا تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیات ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئیں وہ پیٹھ کے پیچھے حضور ﷺ کی غیبت کرتا تھا اور سامنے طعنہ زنی کرتا تھا (3)۔ آیات اپنے الفاظ کے اعتبار سے ہر اس آدمی کو شامل ہیں جس میں یہ صفات موجود ہوں، اگرچہ نازل تو مذکورہ افراد میں سے ایک کے بارے میں ہوئی ہوں۔

۲۔ جعفر، ابن عامر اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے جمع کو باب تفعیل سے پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مجرد سے پڑھا ہے۔ اسم موصول یا تو کل سے بدل ہے یا مذمت کی وجہ سے منصوب ہے یا مرفوع ہے اور مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ھو الذی جمع۔ یعنی جو مال جمع کرتا ہے اور اسے شمار کرتا ہے یا اسے مصائب سے بچاؤ کے لئے توشہ بناتا ہے اور اسے بار بار گنتا ہے۔

۳۔ ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر یحسب کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ اس کا گمان یہ ہے کہ اس کا مال ہمیشہ کے لئے اسے زندہ رکھے گا، اس کی خوشحالی کی وجہ سے اسے موت نہیں آئے گی۔ گویا وہ یہ گمان کرتا تھا کہ جس کے پاس مال نہ ہو وہ بھوک کی وجہ سے مرجاتا ہے اور جس کے پاس مال ہو وہ نہیں مرتا۔ یہ اصل میں اس کی لمبی امیدوں، موت سے غفلت اور مال کی محبت سے کنایہ ہے یہاں اس کا حقیقی معنی مراد نہیں کیونکہ ان میں سے کئی ایسے لوگ بھی تھے جو یہ گمان نہیں کرتے تھے کہ وہ ہمیشہ نہیں مریں گے۔ یا اس میں اشارہ سے بات کی گئی ہے کہ ہمیشہ کی زندگی عطا کرنے والی چیز تو ایمان اور اعمال صالحہ ہیں مال نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مربع شکل کا خط کھینچا، اس کے درمیان باہر کو نکلتا ہوا ایک خط کھینچا اور درمیانی خط کی طرف دونوں طرف سے چھوٹے چھوٹے خط کھینچے اور کہا یہ درمیان والا خط انسان ہے، مربع شکل کا خط اس کی موت ہے باہر کو نکلنے والا حصہ اس کی آرزو ہے، چھوٹے چھوٹے خط اس کی اغراض ہیں۔ جب وہ ایک سے بچتا ہے تو دوسری جانب والا اسے نوچ لیتا ہے (4) اگر اس سے بچتا ہے تو دوسری سمت والا نوچ لیتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے خطوط کھینچے اور فرمایا یہ انسان کی آرزو ہے اور یہ اس کی موت ہے۔ انسان ان کے درمیان ہی ہوتا ہے کہ اچانک اسے موت آجاتی ہے۔ محدثین میں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔ (5)

۴۔ ھمزہ اور لمزہ مال کی محبت اور لمبی آرزوؤں جیسی کی مذکورہ خصلتوں سے اسے جھڑکا جا رہا ہے۔ لینبذن یہ محذوف قسم کا جواب ہے یہ بھی جائز ہے کہ کلا حقا کے معنی میں ہو جو قسم کے معنی کا فائدہ دے۔ اس صورت میں یہ مذکورہ قسم کا جواب ہوگا۔ حطمہ جہنم کا ایک نام ہے اسے حطمہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس میں جو چیز بھی پھینکی جاتی ہے اسے توڑ پھوڑ دیتی ہے۔ پھر بعد والی آیت میں اس کی شدت کو

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا　　2۔ تفسیر طبری زیر آیت ہذا　　3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

4۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 950 (وزارت تعلیم)　　5۔ ایضاً

بیان کیا۔

یہاں ما استفہام جہنم کی عظمت بیان کرنے اور اس کی ہولناکی بیان کرنے کے لئے ہے۔ یہ جملہ معترضہ ہے، اور اس کی عظمت بیان کرتا ہے یعنی تم اس کی شدت کو نہیں جانتے کیونکہ یہ ادراک سے بہت ہی ماوراء ہے۔ ابہام کے بعد اس کی تفسیر بیان کی۔

نار اللہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام هي نار الله ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نار کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی مقصود اس کی عظمت بیان کرنا ہے کیونکہ جہنم کی آگ اللہ تعالیٰ کے قہر کا مظہر ہے اللہ تعالیٰ کی صفات جمالیہ ہوں یا جلالیہ سب مرتبہ میں انتہا تک پہنچی ہوئی ہیں ان سے مزید بلندی کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ان کی قدر معلوم کی جا سکتی ہے۔ موقدة یہ نار کی صفت ہے اور اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنی وہ آگ جسے اللہ تعالیٰ نے روشن کیا اور جس آگ کو اللہ تعالیٰ روشن کرے کوئی اور اسے بجھا نہیں سکتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جہنم کی آگ کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا جائے گا تو وہ سرخ ہو گی پھر ہزار سال تک جلایا جائے گا تو وہ سفید ہو گی پھر ہزار سال تک جلایا جائے گا تو وہ سیاہ ہو گی۔ وہ آگ سیاہ تاریک ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔(1)

یہ وہ آگ دلوں تک پہنچے گی۔ اطلاع اور بلوغ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ عرب کہتے ہیں متی اطلعت ارضنا یعنی تو ہماری زمین تک کب پہنچا۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے خالد بن عمران سے اپنی سند کے ساتھ حضور ﷺ سے نقل کیا ہے کہ جہنم کی آگ جہنمیوں کو کھائے گی یہاں تک کہ جب دل تک پہنچے گی تو رک جائے گی پھر جہنمی اسی طرح ہو جائے گا(2) جس طرح وہ پہلے تھا پھر آگ اسے کھائے گی دل تک پہنچے گی تو پھر پہلے والا معاملہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ کا یہی معنی و مفہوم ہے۔ قرطبی اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔ میں کہتا ہوں یہاں فواد ذکر اس امر پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ عذاب دائمی ہو گا کیونکہ جہنم کی آگ جب کسی کو جلاتی ہے تو اسے مار ڈالتی ہے جبکہ ابھی وہ دل تک نہیں پہنچتی جبکہ جہنم کا معاملہ مختلف ہے یا فواد کو اس لئے ذکر کیا کیونکہ بدن میں وہ سب سے لطیف جزء ہے اور سب سے شدید درد اس میں ہی ہوتا ہے۔ یا اس لئے ذکر کیا کیونکہ یہ فاسد عقائد کا محل اور قبیح اعمال کا منشا ہے۔ گویا جہنم کی آگ کا یہی منبع ہے۔

انھا علیھم ضمیر کل کے معنی کی رعایت کرتے ہوئے ذکر کی علیھم والی ضمیر مابعد کے متعلق ہے۔ مؤصدة جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ مقدر سوال کا جواب ہے جو یہ ہے ما بالهم لا يخرجون ولا يفرون تو یہ جواب دیا جائے گا کیونکہ یہ آگ انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے(3) کہ حضور ﷺ نے فرمایا وہ آگ ان پر بند ہو گی یہ اوصدت الباب سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اس کے ایک کواڑ کو دوسرے کواڑ پر بند کرے۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جب جہنم میں وہ شخص باقی رہ جائے گا جس نے جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے تو اسے لوہے کے تابوتوں میں رکھا جائے گا جس کے کیل لوہے کے ہوں گے پھر ان تابوتوں کو لوہے کے تابوتوں میں رکھا جائے گا پھر جہنم کے سب سے نچلے درجے میں پھینک دیا جائے گا۔ کوئی بھی دوسرے کا عذاب نہ ...

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 83 (وزارت تعلیم)　2۔ تفسیر قرطبی، جلد 20، صفحہ 185 (دار الکتب المصریہ)　3۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا

دیکھے گا۔ ابونعیم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے سوید بن غفلہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

9۔ ظرف محذوف شبہ فعل کے متعلق ہے جو حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی موثقین فی عمد۔ یہ بھی جائز ہے کہ جار مجرور موصدۃ کے متعلق ہو تو اس صورت میں آگ ان ستونوں کے اندر ہوگی۔ حمزہ، کسائی اور ابوبکر رحمہم اللہ تعالیٰ نے عین اور میم دونوں کو مضموم پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے میم کو مفتوح پڑھا ہے۔ یہ دونوں عمود کی جمع ہیں جیسے ادیم کی جمع اُدُم اور اُدُم ہوتی ہے۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قول کیا ہے۔ ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ عماد کی جمع ہے جس طرح اہاب کی جمع اُہب آتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ تعالیٰ انہیں ستونوں میں داخل کرے گا تو ان پر ایک ستون تان دیا جائے گا ان کی گردنوں میں زنجیریں ہوں گی اور ایک ستون کے ذریعے ان پر دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہمیں یہ خبر پہنچی ہے یہ وہ ستون ہیں جہنم میں جن کے ذریعے انہیں عذاب دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ کواڑوں کے کیل ہیں جو جہنمیوں پر بند کر دیئے جائیں گے، یعنی لمبے لمبے کیلوں کے ذریعے انہیں بند کر دیا جائے گا۔ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت میں بعمد کے الفاظ ہیں۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان پر دروازے بند کئے جائیں گے پھر آگ کے لوہے کی کیلوں کے ذریعے انہیں بند کیا جائے گا، نہ کوئی دروازے سے باہر آ سکے گا اور نہ ہی اس میں سے اندر آ سکے گا۔ ممددۃ یہ عمد کی صفت ہے، یعنی وہ ستون طویل ہوں گے۔ اسی وجہ سے وہ چھوٹے کیلوں کی بنسبت زیادہ مضبوط ہوں گے (1)، واللہ تعالیٰ اعلم۔

نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

سورۃ الفیل

آیاتہا ۵ | سورۃ الفیل مکیۃ ۱۰۵ | رکوعہا ۱

سورۃ الفیل مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيْلِ ﴿١﴾ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ
تَضْلِيْلٍ ﴿٢﴾ وَّأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيْلَ ﴿٣﴾ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ
سِجِّيْلٍ ﴿٤﴾ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ ﴿٥﴾

"کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ۱۔ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر و فریب کو ناکام نہیں بنا دیا؟ ۲۔ اور (وہ یوں کہ) بھیج دیئے ان پر ہر سمت سے پرندے ڈاروں کے ڈار ۳۔ جو برسا رہے تھے ان پر کنکر کی پتھریاں ۴۔ پس بنا ڈالا ان کو جیسے کھایا ہوا بھوسہ ۵۔"

یہ خطاب حضور ﷺ کو ہے اور استفہام انکاری ہے۔ نفی کا انکار اثبات ہوا کرتا ہے۔ یہاں مقصود تقریر اور اثبات ہے۔ یعنی اے محمد ﷺ یقیناً آپ نے دیکھا۔ حضور ﷺ نے اس واقعہ کا مشاہدہ تو نہ کیا تھا مگر اس کے آثار دیکھے تھے اور اس کے واقعات تواتر سے سنے تھے۔ گویا آپ نے انہیں خود دیکھا تھا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں رؤیت علم کے معنی میں ہو۔ کیف فعل ربک یہ الم تر کے دو مفعولوں سے متعلق ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ بھی وہی معاملہ کرے گا جو اس نے اصحاب فیل کے ساتھ کیا۔ کیف فعل میں استفہام تعجب کے اظہار کے لئے ہے۔ اسی وجہ سے مافعل نہیں فرمایا۔ یہ امور واضح ترین دلائل ہیں جو اللہ تعالیٰ کے کمال علم، اس کی قدرت، اس کے گھر کی عزت اور حضور ﷺ کے شرف پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ ارہاصات (۱) سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ اصحاب فیل کا قصہ حضور ﷺ کی نبوت کی تمہید، آپ کے ظہور اور بعثت کا مقدمہ تھا۔ ورنہ اصحاب فیل تو اہل کتاب میں سے نصرانی تھے۔ جس طرح ابن نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ ان کا دین اہل مکہ کے دین سے بہتر تھا کیونکہ اہل مکہ تو بت پرست تھے۔ ہاتھی اتوار کے دن محرم کی سترہ تاریخ کو آئے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی ذکر کیا ہے۔ علماء کی ایک جماعت سے اسی پر اتفاق نقل کیا گیا ہے اور کہا گیا کہ اس کے برعکس جو بھی قول نقل کیا گیا ہے وہ وہم ہے۔ اس سال اس ماہ کے بعد ربیع الاول کے مہینہ میں حضور ﷺ کی ولادت ہوئی۔ اکثر علماء کی یہی رائے ہے۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔ یہ قول بھی کیا گیا ہے کہ اس واقعہ سے

۱۔ ارہاصات سے مراد خلاف عادت واقع ہونے والے واقعات جو کسی ایسی ہستی سے ظہور پذیر ہوں جس نے ابھی نبوت کا دعویٰ نہ کیا ہو کیونکہ نبوت سے پہلے کے ہوتے ہیں۔ (مترجم)

تیس سال بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس واقعہ سے چالیس سال بعد ولادت ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ستر سال بعد ولادت ہوئی۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تیئس سال بعد ولادت ہوئی(1) جبکہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ خلاصہ سیر میں اسی طرح ہے۔

اصحاب فیل سے مراد ابرہہ اور اس کے ساتھی ہیں جو یمن کا بادشاہ تھا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہاتھی اسی تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا بڑے ہاتھی کے علاوہ بارہ تھے(2)۔ بڑے ہاتھی کو محمود کہتے۔ یہاں فیل واحد ذکر کیا کیونکہ باقی ہاتھی بھی اس کی طرف منسوب تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ واحد کا لفظ محض آیات کے سروں کی وجہ سے ذکر کیا۔ اصحاب فیل کا واقعہ جسے محمد بن اسحاق نے بعض علماء سے جنہوں نے اسے سعید بن جبیر اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اور واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ نجاشی نے ارياط کو یمن کی طرف بھیجا۔ اس نے یمن پر قبضہ کر لیا۔ ایک آدمی اس کے مخالف اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا نام ابرہہ تھا۔ یہ ارياط سے سرداری کے بارے میں حسد کرتا تھا تو اس طرح حبشی دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک جماعت ارياط کی طرف ہوگئی اور دوسری جماعت ابرہہ کے ساتھ ہوگئی۔ وہ آپس میں لڑ پڑے تو ابرہہ نے ارياط کو قتل کر دیا۔ تمام حبشی ابرہہ کے گرد جمع ہو گئے۔ ابرہہ یمن پر قابض ہو گیا اور نجاشی کو اس کے بارے میں آگاہ کیا۔ پھر ابرہہ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ حج کے ایام میں بیت اللہ کے حج کے لئے مکہ مکرمہ جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو اس نے صنعاء میں ایک کنیسہ بنایا۔ اس نے نجاشی کو خط لکھا کہ میں نے تمہارے لئے صنعاء میں ایک کنیسہ بنایا ہے۔ کسی بھی بادشاہ کے لئے ایسی عبادت گاہ نہیں بنائی گئی۔ تم یہاں آؤ تا کہ میں عربوں کے حج کو اس طرف پھیر دوں۔ بنی مالک بن کنانہ کے ایک آدمی نے اس بارے میں سنا، وہ رات کے وقت اس کنیسہ کی طرف نکلا، اس میں قضاء حاجت کی اور اس کے قبلہ کو آلودہ کر دیا۔ یہ خبر ابرہہ تک پہنچی۔ ابرہہ نے قسم اٹھائی کہ وہ ضرور کعبہ پر حملہ کرے گا اور اسے گرائے گا۔ اسی نے نجاشی کو خط لکھ بھیجا تا کہ اس کو اس کے بارے میں آگاہ کرے اور یہ بھی لکھ بھیجا کہ محمود ہاتھی بھی بھیج دے۔ اس جیسا بڑا ہاتھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ نجاشی نے ہاتھی اس کی طرف بھیج دیئے۔ ابرہہ مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کی نیت سے نکل پڑا۔ عربوں نے اس بارے میں سنا تو یہ چیز ان پر شاق گزری۔ انہوں نے خیال کیا کہ اب ان پر جنگ کرنا فرض ہو چکا ہے۔ یمن کا بادشاہ جسے ذونفر کہتے، ابرہہ کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ ابرہہ نے اسے شکست دی۔ ذونفر کو پکڑ لیا، اسے قتل نہ کیا بلکہ اسے باندھ دیا۔ پھر وہ چلتا رہا یہاں تک کہ جب خثعم کے علاقہ کے قریب پہنچا تو نفیل بن حبیب خثعمی نکلا۔ یمن کے قبائل کو اس نے جمع کیا اور ابرہہ سے جنگ کی۔ ابرہہ نے نفیل کو پکڑ لیا۔ نفیل نے کہا میں عرب کی سرزمین کے بارے میں راہنمائی کروں گا تو ابرہہ نے اسے قتل نہ کیا۔ نفیل راستہ بتاتے ہوئے چل پڑا۔ جب وہ طائف کے پاس سے گزرا تو مسعود بن ثقفی ثقیف کے لوگوں کے ساتھ اس کے لئے نکلا۔ اس سے کہا اے بادشاہ ہم تیرے غلام ہیں، ہمارا تیرے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں تو اس گھر پر حملہ کرنا چاہتا ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے، ہم تیرے ساتھ ایسے آدمی بھیجتے ہیں جو تیری راہنمائی کریں گے۔ انہوں نے اپنا غلام ابورغال ساتھ بھیج دیا۔ جب وہ مغمس کے مقام پر پہنچا تو ابورغال مر گیا۔ یہی وہ شخص ہے جس کی قبر پر پتھر مارے جاتے ہیں۔ مغمس سے ابرہہ نے ایک حبشی کو بھیجا جسے اسود کہا جاتا کہ جاؤ حرم کے جانور ہانک لاؤ۔ وہ حضرت

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا　　2۔ ایضاً

WWW.NAFSEISLAM.COM

عبدالمطلب کے دوسو اونٹ ہانک لایا پھر ابرہہ نے حناطہ حمیری کو مکہ والوں کی طرف بھیجا اور کہا کہ ان کے سردار کے بارے میں پوچھ کر اسے بتاؤ کہ میں تم سے جنگ کرنے کے لئے نہیں آیا، میں تو اس گھر کو گرانے آیا ہوں حناطہ گیا اور مکہ مکرمہ میں داخل ہو گیا اور حضرت عبدالمطلب سے ملا اور ابرہہ کا پیغام دیا۔ عبدالمطلب نے کہا ہمارے اندر اس سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں اور اب ہم اس کے ارادہ میں حائل ہونے سے کنارہ کشی اختیار کریں اور کہا یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور خلیل اللہ کا گھر ہے، اگر وہ اسے محفوظ رکھے تو یہ اس کا گھر اور حرم ہے۔ اگر ابرہہ کے لئے راستہ کو خالی چھوڑ دے تو ہمارے اندر تو اس سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں۔ عبدالمطلب اونٹوں کے مطالبہ کے لئے لشکر میں آئے۔ ذونفر آپ کا دوست تھا۔ آپ ذونفر کے پاس آئے۔ ذونفر نے کہا میں تو ایک قیدی ہوں لیکن میں تمہیں انیس کے پاس بھیجتا ہوں کیونکہ وہ میرا دوست ہے۔ ذونفر نے انیس سے کہا یہ قریش کا سردار اور مکہ مکرمہ سے لائے گئے اونٹوں کا مالک ہے جو میدانوں میں لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے اور پہاڑوں میں وحشی جانوروں کو کھانا کھلاتا ہے۔ وہ بادشاہ سے ملاقات کی خواہش مند ہے وہ بادشاہ سے کا ارادہ رکھتے ہیں اور نہ ہی یہ تمہاری مخالفت کرنے والے ہیں۔ ابرہہ نے ملاقات کی اجازت دے دی حضرت عبدالمطلب بڑے خوبصورت اور جسیم انسان تھے۔ جب ابرہہ نے آپ کو دیکھا تو آپ کی تعظیم کی اور اسے ناپسند کیا کہ انہیں ساتھ تخت پر بٹھائے اور یہ بھی ناپسند کیا کہ انہیں نیچے بٹھائے۔ اس لئے خود نیچے قالین پر بیٹھ گیا۔ پھر آپ کو بلایا اور ساتھ بٹھایا۔ اپنے ترجمان سے کہا ان سے پوچھو! اسے بادشاہ سے کیا کام ہے؟ حضرت عبدالمطلب نے کہا میری غرض تو صرف دوسو اونٹ ہیں۔ ابرہہ نے کہا جب میں نے تجھے دیکھا تھا تو تو نے مجھے بہت ہی خوش کیا تھا لیکن اب تو میری نظروں سے گر چکا ہے۔ میں اس گھر کو گرانے آیا ہوں جو تیرا اور تیرے آباء کا دین ہے۔ یہ تمہارا شرف اور تمہاری عصمت ہے۔ تم نے اس بارے میں مجھ سے کیوں بات نہ کی۔ تم نے صرف دوسو اونٹوں کے بارے میں بات کی تو حضرت عبدالمطلب نے کہا میں ان اونٹوں کا مالک ہوں اس گھر کا مالک اور ہے۔ وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔ ابرہہ نے کہا وہ مجھ سے اس گھر کو نہیں بچا سکے گا۔ ابرہہ نے حضرت عبدالمطلب کے اونٹ واپس کرنے کا حکم دیا جو آپ کو واپس مل گئے۔ حضرت عبدالمطلب قریش کے پاس تشریف لائے، انہیں سب کچھ بتایا اور حکم دیا کہ گھاٹیوں میں بکھر جاؤ اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر اپنی حفاظت کرو تا کہ حبشی تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ قریش نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عبدالمطلب کعبہ کے پاس آئے اور دروازے کے حلقہ کو پکڑا اور یہ التجا کرنے لگے:

ترجمہ: اے میرے رب، تیرے سوا کوئی امید نہیں
اے میرے رب ان سے اپنے حرم کی حفاظت کر
بے شک اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے
انہیں اپنی بستی کو اجاڑنے سے روک دے

آپ نے یہ اشعار بھی پڑھے:

ان کی صلیب اور مکروفریب تیری تدبیر پر کبھی غالب نہ آئے
وہ اپنے لشکر اور ہاتھی تیرے گھر کے خادموں کو گرفتار کرنے آئے ہیں
انہوں نے جہالت کی وجہ سے مکروفریب کے ساتھ تیرے حرم کا قصد کیا اور تیرے جلال سے خوفزدہ نہ ہوئے
اگر تو انہیں اور ہمارے کعبہ کو یونہی چھوڑنے والا ہے تو جو چاہے کر

پھر حضرت عبدالمطلب نے حلقہ چھوڑا اور اپنی قوم کے سرداروں کے ساتھ کہیں چلے گئے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

ابرہہ نے مغمس کے مقام پر مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی تیاری کی، اپنے لشکر کو تیار کیا، ہاتھی تیار کئے۔ اس ہاتھی جیسا طاقتور اور بڑا ہاتھی پہلے نہ دیکھا گیا تھا۔ اس کے ساتھ بارہ اور ہاتھی بھی تھے۔ نفیل بڑے ہاتھی کی طرف گیا۔ اس کے کان کو پکڑا اور کہا اے محمود بیٹھو اور جہاں سے آیا ہے اسی کی طرف پلٹ جاؤ کیونکہ تو بلد حرام میں ہے۔ ہاتھی بیٹھ گیا۔ انہوں نے اسے اٹھایا مگر اس نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے اس کے سر پر کدال ماری تو اس نے پھر بھی انکار کر دیا۔ انہوں نے آنکڑے اس کی آنکھوں کے نیچے داخل کئے۔ اسے خوفزدہ کیا تاکہ وہ اٹھے تو اس نے پھر بھی انکار کر دیا۔ انہوں نے اسے یمن کی طرف موڑتے ہوئے اٹھایا تو وہ تیزی سے اٹھ گیا۔ انہوں نے شام کی طرف اس کا منہ کیا تو اس نے اسی طرح جلدی کی۔ مشرق کی طرف منہ کیا تب بھی اس نے جلدی کی۔ جب انہوں نے حرم کی طرف اسے پھیرا تو اس نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ نفیل تیزی سے پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں جیسے پرندے سمندر کی جانب سے بھیجے۔ ہر پرندے کے ساتھ تین سنگریزے تھے۔ دو ان کے پاؤں میں اور ایک ان کی چونچ میں تھا جو چنے یا مسور کے دانے جتنا تھا۔ جب وہ ابرہہ کے لشکر تک پہنچے تو ان پتھروں کو ان پر برسا دیا وہ سنگریزہ جس آدمی کو بھی لگا تو وہ ہلاک ہو گیا۔ تمام قوم کو وہ پتھر نہ لگے تھے۔ اس لئے وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ نفیل کو تلاش کر رہے تھے تاکہ انہیں یمن کا راستہ بتائے۔ نفیل ایک پہاڑ سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ لوگ راستوں پر گرتے پڑتے بھاگ رہے تھے اور ہر گھاٹ پر مر رہے تھے۔ کوئی بھی صحیح راستہ پر نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کو ایک مرض لگا دی۔ اس کے پورے گر پڑتے۔ جب بھی کوئی پورا گرتا تو ایک عرصہ تک اس سے خون اور پیپ بہتی رہتی۔ آخر کار صنعاء پہنچ گیا تو اس کی حالت پرندے کے چوزے کی طرح تھی۔ کچھ ساتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ اسے موت نہ آئی یہاں تک کہ سامنے سے اس کا سینہ پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا محمود نامی ہاتھی نجاشی کا ہاتھی تھا۔ اس نے حرم پر چڑھائی نہیں کی تھی اس لئے بچ گیا۔ دوسرے ہاتھیوں نے کیونکہ چڑھائی کی تھی اس لئے ان کو سنگریزے لگے۔

مقاتل بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے یہ گمان کیا ہے کہ اصحاب فیل کے حملہ کا سبب یہ تھا کہ قریش کی ایک جماعت تجارت کی غرض سے نجاشی کے علاقہ میں گئی۔ وہ سمندر کے کنارے کے قریب پہنچے پھر ایک گرجا کے قریب گئے جسے قریش ہیکل کہتے۔ وہاں انہوں نے پڑاؤ کیا آگ جلائی اور گوشت بھونا۔ جب وہاں سے کوچ کیا تو آگ کو یونہی چھوڑ دیا جبکہ اس رمز تیز ہوا چل رہی تھی۔ گرجا کو آگ لگ گئی۔ اس کی فریاد نجاشی کو پہنچی تو وہ گرجا کی وجہ سے تحت غضبناک ہوا۔ اس نے ابرہہ کو بیت اللہ گرانے کا حکم دیا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ان دنوں سعید ثقفی مکہ مکرمہ میں تھا۔ اس کی بینائی نہ تھی۔ وہ موسم گرما طائف میں گزارتا اور موسم سرما مکہ مکرمہ میں گزارتا تھا وہ بڑا ہی دانا آدمی تھا۔ اس کی رائے سے معاملات درست ہو جاتے تھے۔ وہ حضرت عبدالمطلب کا دوست تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے اس سے کہا آج تیری کیا رائے ہے؟ بتا تاکہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ابو مسعود نے کہا مجھے حراء کی طرف لے چلو۔ وہ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ابو مسعود نے حضرت عبدالمطلب سے کہا سو اونٹ لو، انہیں اللہ تعالیٰ کے لئے مختص کرو، ان کے گلے میں جوتے ڈالو۔ پھر انہیں حرم میں بھیج دو۔ شائد ان حبشیوں میں سے کوئی انہیں مار ڈالے تو اس گھر کا مالک ان پر غضبناک ہو اور انہیں پکڑ لے۔ عبدالمطلب نے ایسا ہی کیا۔ حبشی ان اونٹوں کی طرف اٹھے ان پر حملہ کیا اور بعض کو مار ڈالا۔ حضرت عبدالمطلب لگاتار دعا کر رہے تھے۔

ابو مسعود نے کہا اس گھر کا مالک اس کی حفاظت کرے گا کیونکہ اس سے پہلے تبع یہاں آیا تھا اور اس گھر کے ... ے تھے اور اس نے اسے گرانے کا قصد کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا تھا اور اسے ایک آزمائش میں ڈال دیا تھا ... تب اس پر تاریکی چھائی رہی۔ جب تبع نے یہ دیکھا تو بیت اللہ پر سفید مصری کپڑے کا غلاف چڑھایا۔ اس کی تعظیم میں ... اونٹ ذبح کئے۔ ابو مسعود نے سمندر کی طرف دیکھا تو کوئی چیز محسوس ہوئی۔ اس نے عبدالمطلب سے کہا سمندر کی طرف دیکھو ... عبدالمطلب نے سمندر کی طرف دیکھا؟ کہا میں سفید پرندے دیکھتا ہوں جو سمندر کی جانب سے آرہے ہیں۔ ابو مسعود نے کہا ... دیکھتے رہو یہ کہاں ٹھہرتے ہیں؟ وہ پرندے ان کے سروں پر چکر کاٹنے لگے۔ ابو مسعود نے کہا کیا تم انہیں پہچانتے ہو؟ عبدالمطلب نے کہا اللہ کی قسم میں انہیں نہیں پہچانتا۔ نہ یہ نجد کے ہیں نہ تہامہ کے ہیں نہ عرب کے ہیں نہ شام کے ہیں ... سکتے ہیں؟ حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا شہد کی مکھیوں جیسے ہیں۔ ان کی چونچوں میں ایک ایک کنکر ... رات کی مانند آگے بڑھتے چلے آرہے ہیں۔ ان سے آگے آگے پرندے جس کی چونچ سرخ ... تک کہ انہوں نے لشکر کو گھیر لیا اور اس پر ٹھہر گئے۔ جب تمام لوگوں کے اوپر ہو گئے تو ان کنکریوں کو پھینک دیا ... اس کا نام لکھا ہوا تھا جس پر اسے گرایا جا رہا تھا۔ پھر جہاں سے آئے تھے واپس چلے گئے۔ جب صبح ہوئی تو ... نیچے اترے تو ایک پہاڑی پر گئے۔ وہاں بھی کوئی زندگی کے آثار نہ تھے۔ پھر وہ ... چلے گئے۔ وہاں ... کہ شاید قوم سو رہی ہے کیونکہ رات انہوں نے جاگتے ہوئے گزاری۔ جب قوم کے لشکر کے قریب گئے تو ... پتھر ان کے خودوں میں لگا تھا۔ اسے پھاڑ کر دماغ میں لگا۔ اسی طرح ... اور جانوروں کو لگا اور ختم ... حضرت عبدالمطلب اٹھے، انہیں کی ایک کدال لی ایک گہرا گڑھا کھودا اسے ... لشکر کے سونے جواہر ... نے بھی ایک گڑھا کھودا، اسے بھی لشکر کے سامان سے بھر دیا۔ ابو مسعود سے کہا آپ چاہو تو میرا گڑھا ... دونوں لے لو۔ ابو مسعود نے کہا جو چاہو لے لو۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا میں نے اپنے گڑھے میں عمدہ مال ... چھوڑ دی تھی اب وہ تمہارا ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے گڑھے پر بیٹھ گیا اور حضرت عبدالمطلب نے قریش ... باقی ماندہ مال جمع کیا یہاں تک کہ وہ مال ان کے قابو سے باہر ہو رہا تھا۔ حضرت عبدالمطلب اسی مال کی وجہ سے ... قریش نے انہیں اپنی قیادت (۱) عطا کی۔ حضرت عبدالمطلب اور ابو مسعود کی مال کی وجہ سے گھر میں خوشحالی ... اور اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر سے دشمنوں کو دور بھگا دیا۔ (۱)

یہ اس میں استفہام انکاری ہے جس طرح الم تر میں استفہام انکاری تھا۔ کید سے مراد ان کا مکر اور بیت اللہ کی تخریب کرنے کی کوشش ہے۔ **فی تضلیل** یعنی ان کی کوشش ضائع اور باطل ہے۔

۱۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

(۱) پہلا قول زیادہ صحیح اور مناسب ہے کیونکہ آپ بنی ہاشم میں سے تھے اور اپنے اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے قریش میں معزز ... تھے ... تو یہ ترتیب ... لگتی ہے۔ مترجم۔

۳؎ اس جملے کا عطف الم یجعل کے مضمون یعنی جعل پر ہے۔ ابابیل طیر کی صفت ہے، یعنی بہت زیادہ پرندے جن کی ایک جماعت دوسری جماعت کے پیچھے آ رہی ہے۔ عرب کہتے ہیں جاءَ تِ الْخَیْلُ اَبَابِیْلَ مِنْ ھٰھُنَا وَمِنْ ھٰھُنَا۔ یہ ابالہ کی جمع ہے جس کا معنی بڑا گٹھا ہے۔ پرندوں کی ایک بڑی جماعت کو گٹھے کے ساتھ تشبیہ دی کیوں کہ وہ پرندے بھی لکڑیوں کی طرح جمع تھے۔ ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا واحد نہیں۔ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ابول کی جمع ہے جس طرح عجول کی جمع عجاجیل آتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ ابل کی جمع ہے۔(1)

۴؎ ترمیھم میں ھم ضمیر سے مراد حبشہ کا لشکر ہے۔ یہ جملہ بھی طیر کی صفت ہے۔ سجیل یہ سنگ گل سے عربی زبان میں منقول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ سجل سے مشتق ہے جس کا معنی بڑا ڈول ہوتا ہے یا یہ اسجال سے مشتق ہے جس کا معنی ٹھکانہ ہے یا یہ سجل (مہر) سے مشتق ہے۔ معنی یہ ہوگا یہ بھی اس عذاب میں سے تھیں جو ان کے لئے عذاب لکھا جا چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ ایسے پرندے تھے جن کی چونچیں پرندوں کی تھیں اور ہاتھ کتے کے ہاتھوں جیسے تھے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان کے سر درندوں کے سروں جیسے تھے۔ ربیع نے کہا ان کی داڑھیں درندوں کی داڑھوں جیسی تھیں۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ سبز پرندے تھے جن کی زرد چونچیں تھیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ سیاہ پرندے تھے جو سمندر کی جانب سے جماعت در جماعت آئے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا پتھر کے ساتھ ایک ورقہ بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بھیجا اس نے زور سے پتھر پھینکا۔ وہ پتھر جس آدمی کو بھی لگتا تو اس کی دوسری جانب سے نکل جاتا۔ اگر کسی کے سر پر لگا تو اس کی دبر سے نکل گیا۔(2)

۵؎ اس جملے کا عطف ارسل پر ہے۔ کعصف ماکول جعل کا دوسرا مفعول ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی کھیتی اور گھاس کی طرح بنا دیا جسے جانوروں نے کھا لیا ہو اور گوبر بنا دیا ہو۔ فوجیوں کے اعضاء کو الگ الگ کر دینے کو گوبر کے اجزاء کے الگ الگ کر دینے سے تشبیہ دی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عصف گندم کے درخت کے پتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد تنکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد وہ چھلکا ہے جو گندم کے دانے پر غلاف کی مانند ہوتا ہے(3)۔ ماکول کا معنی ہے جسے جانوروں نے کھا لیا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

سورۂ قریش

سورۃ قریش مکیۃ ۱۰۶ — آیاتھا ۴ — رکوعہا ۱

سورۂ قریش مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور چار آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ﴿۲﴾ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ﴿۳﴾ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾

''اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے دلوں میں الفت پیدا کر دی[1] الفت تجارتی سفر کی جاڑے اور گرمی کے موسم میں۔ پس چاہیے کہ وہ عبادت کیا کریں اس خانہ (کعبہ) کے رب کی جس نے انہیں رزق دے کر فاقہ سے نجات بخشی اور امن عطا فرمایا انہیں (فتنہ و) خوف سے''

[1] ابن عامر رحمۃ اللہ علیہ نے یاء کے بغیر **لالف** پڑھا ہے۔ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے ہمزہ کے بغیر **لیلاف** پڑھا ہے۔ باقی نے ہمزہ اور یاء دونوں کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس **ایلاف** سے پہلے جو لام ہے امام کسائی اور اخفش رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ تعجب کے معنی میں ہے اور محذوف فعل کے متعلق ہے، یعنی **عَجَبُوْا لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ**۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اپنے مابعد فعل کے متعلق ہوگا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی **فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ**(1)، **فَلْيَعْبُدُوْا** میں فاء جزائیہ ہے کیونکہ کلام شرط کے معنی میں ہے۔ یہ معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر تم ساری نعمتوں کا شکر بجا نہیں لاتے تو صرف اس نعمت کا ہی شکر بجا لاؤ۔ انہیں اس پر اعتراض پیدا ہوتا ہے جو جملہ جزا بن رہا ہو وہ ماقبل میں عمل نہیں کرتا۔ اس صورت میں یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ فاء زائدہ ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ اس کا تعلق ماقبل سورت کے ساتھ ہو جس طرح شعر میں ہوتا ہے کہ دوسرے مصرعہ کا پہلے مصرعہ کے ساتھ ایسا تعلق ہوتا ہے کہ اس کا معنی اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک اسے ساتھ نہ ملایا جائے۔ پھر معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کو ہلاک کیا اور انہیں کھائے ہوئے چارہ کی مانند بنا دیا تاکہ قریش کے لئے موسم سرما اور موسم گرما کا سفر مانوس بنا دیا جائے اور یہ ان کے ذریعے اصحاب فیل کی ہلاکت کا سنیں۔ پھر اس کی وجہ سے ان کی تعظیم بجا لائیں تاکہ دونوں سفروں میں ان سے کوئی بھی سفر میں ان پر زیادتی نہ کرے۔ اسی تعلق کی وجہ سے بعض علماء نے یہ کہا کہ سورۂ فیل اور سورۂ قریش ایک سورت ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی ہیں جن کے مصحف میں ان دونوں کے درمیان کوئی فصل نہیں۔ اس صورت میں لام محذوف فعل کے متعلق ہوگا۔ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد ہے۔ جو نضر کی اولاد ہیں انہیں قریش کہتے ہیں اور جو اس کی اولاد نہیں وہ قریش نہیں

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

نہیں کہتے۔ یہ لفظ قرش یا تقرش سے مشتق ہے جس کا معنی کمانا اور جمع کرنا ہے۔ عرب کہتے ہیں فُلَانٌ یَقْرُشُ لِعِیَالِہٖ وَیَتَقَرَّشُ لِعِیَالِہٖ یعنی وہ اپنے گھر والوں کے لئے محنت کرتا ہے یہ لوگ تاجر تھے اور مال و شرف جمع کرنے کے بڑے حریص تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا قریش نام کی وجہ کیا ہے، انہوں نے جواب دیا سمندر میں ایک بڑا جانور ہوتا ہے جسے قریش کہتے ہیں۔ وہ جس سمت سے گزرتا ہے ہر چھوٹے بڑے جانور کو کھا جاتا ہے۔ یہ دوسروں کو تو کھا جاتا ہے لیکن کوئی اسے نہیں کھاتا یہ اوروں پر تو غالب آتا ہے مگر اس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا۔ قاموس میں ہے قَرَشَہٗ اَیْ قَطَعَہٗ وَجَمَعَہٗ مِنْ ھٰھُنَا وَھٰھُنَا اسے کاٹا اور یہاں وہاں سے جمع کیا اور ایک دوسرے کے ساتھ ملا لیا اسی سے قریش ہے کیونکہ یہ سب حرم میں جمع تھے۔ یہ تجارتی سامان جمع کرتے اور اسے خرید کر لاتے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ نضر بن کنانہ ایک روز اپنے کپڑے میں جمع کر ہو کر بیٹھا تھا تو لوگوں نے کہا تقرش۔ یا اس کی وجہ یہ ہے وہ اپنی قوم کے پاس آیا تو قوم کے افراد نے کہا گویا یہ تو مضبوط اونٹ ہے۔ یا اس نام کی وجہ یہ ہے کہ یہ حاجیوں کو جمع کرتے تھے یا یہ قریش کی تصغیر ہے۔ قریش ایک سمندری جانور ہے جس سے تمام سمندری جانور ڈرتے ہیں۔

فائدہ:۔ واثلہ بن اسقع سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل سے کنانہ کو منتخب کیا، بنی کنانہ سے قریش کو منتخب کیا قریش سے، بنی ہاشم کو منتخب کیا اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب کیا۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں لوگ قریش کے پیروکار ہوں گے، مسلمان مسلمان کے اور کافر کافروں کے متفق علیہ (1)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے لوگ اچھائی اور برائی میں قریش کے تابع ہیں۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ میں کہتا ہوں شائد پہلی حدیث سے مراد قریش کی قوت اور استعداد مراد ہے۔ اسی وجہ سے افضل ترین صحابہ اور اکثر اولیاء انہیں میں سے ہوئے اور دوسری حدیث سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قریش میں سے خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا گویا وہی ابتداء میں شرعی احکام اور ایمان لانے کے مخاطب بنے، باقی سب لوگ ان کی تبع میں تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ ان قریش میں سے جو ایمان لایا اس نے حضور ﷺ کی اتباع کی۔ ایک سنت قائم کی تو ان کے لئے اپنے عمل کا اجر ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کے عمل کا بھی اجر ہے جو بعد میں ایمان لائے اور ان کے راستہ پر چلے۔ اسی وجہ سے انبیاء کے بعد وہ لوگوں میں سے افضل ترین ہوتے جس نے ان میں سے کفر کیا اور حضور ﷺ کی مخالفت کی اور اسی حالت پر مر گیا تو اس پر اپنے کفر کا وبال ہے اور اسی طرح ان لوگوں کے کفر کا بھی وبال ہے جو بعد میں کافر ہے جس طرح قابیل نے سب سے پہلے قتل کیا تو جہنم میں جتنے قاتل ہوں گے ان کا عذاب بھی اس کے حصہ میں آئے گا مگر ان کے عذاب میں کمی نہ ہو گی۔ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ سورۃ والشمس میں ایک حدیث گزر چکی ہے کہ قابیل بدبخت ترین انسان ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت مروی ہے جب تک قریش میں سے دو آدمی بھی باقی رہیں گے یہ معاملہ انہیں میں رہے گا، متفق علیہ۔ (3)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جب تک قریش ایمان پر قائم رہیں گے یہ امر انہیں میں رہے گا، جو آدمی بھی ان سے دشمنی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و رسوا کرے گا۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 119 (قدیمی)   2۔ ایضاً   3۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 550 (وزارت تعلیم)

WWW.NAFSEISLAM.COM

نے روایت کیا(1)۔ میں کہتا ہوں یہاں امر سے مراد خلافت ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قریش خلافت کے مستحق ہیں اس سے مقصود مابعد کی خبر دینا نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مطلب یہ ہے جو آدمی عادل قریشی خلیفہ کے خلاف بغاوت کرے اس کے لئے بددعا ہے۔ حضرت سعد حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں جو آدمی قریش کو ذلیل کرنے کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ذلیل ورسوا کرے گا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے قریش کو سات ایسی چیزوں میں فضیلت عطا کی ہے جو چیزیں اور فضیلتیں کسی اور کو نہ پہلے عطا کیں اور نہ ہی بعد میں عطا کی جائیں گی۔ 1۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کو یہ فضیلت عطا کی کہ میں ان میں سے ہوں، 2۔ نبوت ان میں ہے، 3۔ بیت اللہ شریف کی دربانی انہیں حاصل ہے، 4۔ حاجیوں کو پانی پلانے کا شرف انہیں حاصل ہے، 5۔ دشمنوں کے خلاف اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی، 6۔ ابتدائی دس سالوں میں قریش کے علاوہ کسی نے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کی، 7۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق ایک سورت نازل فرمائی جس میں ان کے علاوہ کسی کا ذکر نہیں وہ سورۂ قریش ہے(3)۔ اسے حاکم، طبرانی اور بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے تاریخ میں روایت کیا ہے۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے لیکن اس میں یہ ذکر نہیں کہ میں ان میں سے ہوں بلکہ اس میں یہ مذکور ہے کہ قریش میں نبوت، خلافت، دربانی، پانی پلانا اور تین یہ ہیں۔ اصحاب فیل کے خلاف فتح، قریش نے دس سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور انہیں میں سورۂ قریش نازل ہوئی۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں روایت کیا ہے۔(4)

یہ پہلے ایلاف سے بدل ہے۔ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ سب کا اتفاق ہے کہ ہمزہ کے بعد یاء پڑھنے میں تو ہو گی لیکن لکھنے میں نہ ہو گی مگر عبدالوہاب بن فلیح نے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے الاف کو لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ پہلا ایلاف مطلق ہے بعد میں بدل کے ساتھ اسے مقید کر دیا گیا۔ مقصود اس کی عظمت بیان کرنا ہے کیونکہ ان پر یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حرم پاک ایک خشک وادی ہے جہاں نہ کھیتی باڑی ہو سکتی ہے اور نہ ہی جانور پالے جا سکتے ہیں۔ اگر تجارت کے ذریعے یہ سفر نہ ہوتے تو ان کے لئے وہاں رہنا اور زندگی بسر کرنا ممکن نہ ہوتا اگر اللہ تعالیٰ مکہ کو حرم نہ بناتا تو وہ ادھر ادھر سفر نہ کر سکتے کیونکہ مکہ مکرمہ کے اردگرد تو لوٹ مار ہوتی جبکہ قریش کے بارے میں لوگ یہ کہتے یہ اللہ تعالیٰ کے حرم کے مکین ہیں اور اس کے گھر کے رکھوالے ہیں۔ وہ موسم سرما میں یمن کی طرف تجارتی سفر کرتے کیونکہ یہ گرم علاقہ ہے اور موسم سرما میں شام کی طرف سفر کرتے کیونکہ وہ سرد علاقہ ہے وہ تجارت کرتے اور نفع کماتے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے قریش سخت مصیبت اور بھوک کا شکار تھے۔ حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ نے انہیں تجارتی سفروں پر آمادہ کیا۔ وہ فقیر اور غنی میں اپنا نفع تقسیم کرتے تھے یہاں تک کہ ان کا فقیر غنی کی طرح ہو گیا۔(5)

کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سب سے پہلے جو شام سے گندم لایا وہ حضرت ہاشم تھے(6)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان لوگوں پر

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 497 (وزارت تعلیم)
2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 230 (وزارت تعلیم)
3۔ مجمع الزوائد، جلد 9، صفحہ 753 (الفکر)
4۔ ایضاً، جلد 9، صفحہ 754
5۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
6۔ ایضاً

شام اور یمن کا سفر مشکل پڑتا تھا۔ ملک یمن میں تبالہ اور حرش کا علاقہ بڑا سرسبز و شاداب تھا۔ ساحلی علاقہ کے لوگ سامان سمندر کے ذریعے جدہ کے ساحل پر پہنچا دیتے اور خشک علاقوں کے لوگ اونٹوں اور گدھوں پر محصب پہنچا دیتے۔ شام کا علاقہ بھی سرسبز و شاداب تھا۔ شام کے لوگ غلہ ابطح پہنچا دیتے تھے تو اس طرح قریش قریب سے غلہ لے لیتے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سفروں سے انہیں چھٹکارا دلایا اور گھر کی مالک کی عبادت کا حکم دیا۔

۳۔ اگر ایلاف کا لام ماقبل کے متعلق ہو یا تعجب کے لئے ہو تو فاء عاطفہ اور سببیہ ہو گی۔ اگر وہ مابعد کے متعلق ہو تو یہ زائدہ ہے یا یہ مقدر شرط کا جواب ہے۔ ھذا البیت سے مراد کعبہ ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر صفت ربوبیت سے کیا بیت کی طرف اس کی اضافت اس لئے کی کیونکہ ان کے امن کا باعث یہی گھر تھا۔

۴۔ اصحاب فیل کے خوف سے انہیں امن دیا اپنے شہروں میں ڈاکے اور سفر میں ڈاکے سے انہیں امن دیا کیونکہ قریش کو اہل حرم سے بنا دیا۔ ضحاک، ربیع اور سفیان رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا بستی کو تباہ ہونے سے امن دیا(1) کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اے اللہ اس شہر کو امن عطا فرما اور یہاں کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق عطا فرما۔ اس لئے وہ ایسی آفت سے محفوظ رہے جو تمام لوگوں کو پہنچتی۔

ابوالحسن قزوینی سے ایک موقوف روایت مروی ہے اگر دشمن یا کسی اور چیز کا خوف ہو تو سورۂ قریش کی قرأت اس کے لئے ہر تکلیف اور مصیبت سے امان ہوتی ہے۔ جزری نے حصن حصین میں ذکر کیا کہ یہ نسخہ مجرب ہے۔ میں کہتا ہوں میرے شیخ اور میرے امام نے ہر مصیبت اور تکلیف سے بچنے کے لئے سورۂ قریش پڑھنے کا حکم دیا اور کہا یہ ایک مجرب وظیفہ ہے۔ میں کہتا ہوں میں نے خود اس کا کئی دفعہ تجربہ کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

سورة الماعون

ایاتها ۷ سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ ۱۰۷ رکوعها ۱

سورۃ الماعون مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور سات آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۝١ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ۝٢ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝٣ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝٤ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝٥ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝٦ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝٧

''کیا آپ نے دیکھا ہے اس کو جو جھٹلاتا ہے (روز) جزاء کو ۱۔ پس یہی وہ (بدبخت) ہے جو دھکے دے کر نکالتا ہے یتیم کو ۲۔ اور نہ ہی برانگیختہ کرتا ہے (دوسروں کو) کہ غریب کو کھانا کھلائیں ۳۔ پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لئے ۴۔ جو اپنی نماز (کی ادائیگی) سے غافل ہیں ۵۔ وہ جو ریاء کاری کرتے ہیں ۶۔ اور (مانگے بھی) نہیں دیتے روزمرہ استعمال کی چیز ۷۔''

۱۔ استفہام تعجب کے لئے ہے اور رؤیت ابصار (دیکھنا) اور معرفت (پہچاننا) کے معنی میں ہے۔ اسی وجہ سے اس کا ایک مفعول ہے جو موصول اور صلہ ہے۔ صاحب البحر المواج نے کہا یہاں استفہام تقریر کے معنی میں ہے اور رؤیت علم کے معنی میں ہے اور اسم موصول مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اَرَاَیْتَ ذٰلِکَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیات عاص بن وائل سہمی کے حق میں نازل ہوئیں۔ سدی، مقاتل اور ابن کیسان رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا یہ ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ عمرو بن عائذ مخزومی کے حق میں نازل ہوئیں ان اقوال کی روشنی میں سورت کا ابتدائی حصہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اور سورت کا آخری حصہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوا۔ اسی طرح کا ایک قول موجود ہے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ سورت ایک منافق کے حق میں نازل ہوئی (1)۔ اس صورت میں اسم موصول سے مراد معین شخص ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اسم موصول جنس کے معنی میں ہے۔ الدین سے مراد اسلام ہے یا جزاء ہے۔

۲۔ ذٰلک اسم اشارہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام اسی طرح ہے فھو ذلک اور فاء سببیہ ہے اور جملہ سابقہ جملہ کے لئے تعلیل کے قائم مقام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس میں فاء جزائیہ ہے اور اس کی شرط محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی کیا آپ نے اسے پہچان لیا ہے جو روز جزاء کو جھٹلاتا ہے۔ اگر تم اسے نہیں پہچانتے تو وہ یہ ہے جو یتیم پر ظلم کرتا ہے اور اسے حق سے محروم کر دیتا ہے۔ دع کا

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

معنی سختی کے ساتھ دور کرنا ہے۔

3۔ یعنی وہ اپنے آپ کو، گھر والوں کو اور دوسروں کو اس بات پر برانگیختہ نہیں کرتا کہ وہ انہیں کھانا کھلائیں کیونکہ وہ روز جزاء کو جھٹلاتا ہے۔

4، 5۔ فویل میں فاء جزائیہ ہے۔ معنی یہ بنے گا جب یتیم سے لاپرواہی کرنا دین کی کمزوری اور مذمت کا باعث ہے تو نماز جو دنیا کا ستون ہے۔ اس سے غفلت اور ریاء جو کفر کا ایک حصہ ہے اور زکوٰۃ جو اسلام کا پل ہے اسے ادا نہ کرنا۔ اس کی وجہ سے وہ زیادہ مذمت اور توبیخ کا مستحق ہے۔ اسی وجہ سے فاء کے بعد ویل کا ذکر کیا۔ اسم ضمیر کی جگہ **مصلین** کا لفظ ذکر کیا تاکہ اس امر پر دلالت ہو کہ خالق و مالک کے ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے۔ **ساھون** کا معنی ہے کہ وہ غافل ہیں اور وہ کوئی پرواہ نہیں کرتے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت مصعب بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ **ھم عن صلوتھم ساھون** کا کیا مطلب ہے تو آپ نے فرمایا وقت میں نماز ادا نہ کرنا۔ ابن جریر اور ابو یعلی رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت میں ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کرتے ہیں (1)۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ نماز کو اپنے وقت میں ادا نہیں کرتے اور نہ ہی اپنا رکوع و سجود مکمل کرتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ اس چیز کی کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ اس نے نماز پڑھی یا نہ پڑھی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اگر وہ نماز پڑھیں تو انہیں ثواب کی کوئی امید نہیں ہوتی۔ اگر چھوڑ دیں تو انہیں سزا کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ نماز پڑھتے ہوئے بھی اس سے غافل ہوتے ہیں اور سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد وہ آدمی ہے جو نماز پڑھے تو ریاکاری سے کام لے اور اگر نماز فوت ہو جائے تو اس پر شرمندہ نہ ہو۔ (2)

6۔ یراءون یہ رویت سے باب مفاعلہ ہے کہ وہ لوگوں کو اپنے اعمال اس لئے دکھاتے ہیں تاکہ لوگ ان کی تعریف کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے ریاکاری کرتے ہوئے نماز پڑھی تو اس نے شرک کیا جس نے ریاکاری کرتے ہوئے روزہ رکھا تو اس نے شرک کیا جس نے ریاکاری کرتے ہوئے صدقہ کیا تو اس نے شرک کیا۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے شداد بن اوس سے روایت کیا۔ (3)

7۔ قطرب نے کہا ماعون کا معنی تھوڑی چیز ہے۔ یہاں اس سے مراد زکوٰۃ ہے۔ حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم، قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ زکوۃ کو ماعون اس لئے کہا کیونکہ کثیر مال سے تھوڑا سا حصہ دینا ہوتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ماعون سے مراد کلہاڑی، ڈول، ہنڈیا اور اس جیسی چیزیں ہیں۔ یہی سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ماعون سے مراد ادھار مانگی ہوئی چیز ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کی بلند ترین صورت زکوٰۃ اور ادنیٰ صورت ادھار کی چیز ہے۔ محمد بن کعب اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ماعون سے مراد وہ چیز ہے جو لوگ ایک دوسرے کو دیتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ماعون سے مراد وہ چیز ہے جس کو روکنا حلال نہیں سمجھا جاتا جیسے پانی، نمک اور آگ (4)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پانی کی تو خیر نمک اور آگ کی کیا حیثیت ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اے حمیرا جس نے آگ دی گویا اس نے وہ تمام چیزیں صدقہ کیں جو

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا
2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 126 (صادر)
4۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

اس آگ پر پکائی گئیں، جس نے نمک دیا اس نے وہ تمام چیزیں صدقہ کیں جن میں وہ نمک ملایا گیا، جس نے کسی کو ایسی جگہ پانی پلایا جہاں پانی مل جاتا ہے تو گویا اس نے ایک غلام صدقہ کیا اور جس نے ایسی جگہ کسی کو پانی پلایا جہاں پانی نہیں ملتا تو گویا اس نے اسے زندہ کیا۔ اسے ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے ابی طلحہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ **فویل للمصلین** والی آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی، جب وہ حاضر ہوتے تو مسلمانوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھتے اور جب غائب ہوتے تو نماز نہ پڑھتے اور کوئی چیز ادھار نہ دیتے(1)۔ مدارک میں ہے حضرت انس اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے تمام تر تعریفیں ہیں اس ذات پاک کی جس نے **عن صلاتهم ساهون** فرمایا ہے **فی صلاتهم** نہیں فرمایا(2) کیونکہ **عن الصلوۃ سہو** کا معنی ترک کرنا، اس سے اعراض کرنا اور اس کی طرف توجہ نہ کرنا ہے۔ یہ منافقوں کا عمل ہے۔ **فی الصلوۃ سہو** کا معنی نفس اور شیطان کا وسوسہ ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہے اور جتنی طاقت رکھتا ہو اس وسوسہ کو دور کرے اور جس کی طاقت نہ رکھتا ہو اس پر معافی کا خواستگار ہو۔ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ شیطان میرے اور میری نماز اور میری قرأت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور اسے میرے او پر خلط ملط کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شیطان ہے جسے خنزب کہتے ہیں۔ جب تجھے محسوس ہو تو اس کے شر سے اللہ کی پناہ چاہو اور اپنی بائیں جانب تین دفعہ تھوک دو۔ میں نے ایسے ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مجھ سے دور کر دیا۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(3)۔ قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ مجھے نماز میں وہم ہو جاتا ہے اور بہت زیادہ ہوتا ہے۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز جاری رکھو کیونکہ یہ سلسلہ تیری نماز کے مکمل ہونے تک جاری رہے گا اور تو کہے گا میں نے اپنی نماز مکمل نہیں کی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 2۔ تفسیر ابن کثیر زیر آیت ہذا 3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 224 (قدیمی)

سورۃ الکوثر

ایاتہا ۳ | سُوْرَۃُ الْکَوْثَرِ مَکِّیَّۃٌ ۱۰۸ | رکوعہا ۱

سورۃ الکوثر مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک روز حضور ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ کو اونگھ آئی۔ پھر حضور ﷺ نے مسکراتے ہوئے اپنا سر اوپر اٹھایا۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کس چیز نے آپ کو ہنسایا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا مجھ پر ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے۔ تو آپ نے اس سورت کو تلاوت کیا۔ حضور ﷺ نے آپ سے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ کوثر کیا ہے؟ ہم نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ ایک نہر ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، اس پر خیر کثیر ہے۔ یہ ایک حوض ہے، قیامت کے روز میری امت اس پر وارد ہوگی، اس کے برتن ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں۔ ایک بندہ کو اس حوض سے الگ کر دیا جائے گا۔ میں عرض کروں گا یہ میری امت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا تو کیا جانے کہ اس نے تیرے بعد کیا کیا(1)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند سے ابوایوب سے روایت نقل کی ہے کہ جب حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا وصال ہوا تو مشرک ایک دوسرے کے پاس گئے اور کہا کہ اس بے دین (نعوذ باللہ) کی آج رات نسل کا خاتم کر دی گئی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا(2)۔ ابن منذر نے ابن جریج رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے شمر بن عطیہ سے نقل کیا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط کہا کرتا تھا کہ حضور ﷺ کا بیٹا کوئی نہیں بچا۔ اس لئے اس کی نسل ختم ہوگئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے عقبہ کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کی تفسیر کے بارے میں نقل کیا ہے کہ یہ آیت حدیبیہ کے روز نازل ہوئی۔ حضرت جبریل آئے اور کہا جانور ذبح کرو اور واپس پلٹ جاؤ۔ آپ اٹھے قصر (بال کٹوانا) اور نحر (قربانی ذبح کرنا) کے بارے خطبہ ارشاد فرمایا۔ پھر آپ نے دو رکعت ادا کیں۔ پھر آپ قربانی کے جانوروں کی طرف متوجہ ہوئے، انہیں ذبح کیا(3)۔ یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے راویوں نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ کعب بن اشرف مکہ مکرمہ آیا تو قریش مکہ نے کہا تو مدینہ کا سردار ہے، ہمیں قوم سے الگ تھلگ ہونے والے شخص کے بارے میں بتاؤ جو یہ گمان کرتا ہے کہ ہم مجرم ہیں جبکہ ہم بیت اللہ کا حج کرتے ہیں، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور بیت اللہ کے خادم ہیں۔ تو کعب بن اشرف نے کہا تم اس سے بہتر ہو۔ تو یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔(4)۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 172 (قدیمی) 2۔ معجم کبیر، جلد 4، صفحہ 179 (العلوم والحکم)

3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 90-689 (العلمیہ) 4۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 690

WWW.NAFSEISLAM.COM

علیہ نے مصنف میں اور ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ جب حضور ﷺ کی طرف وحی کی گئی تو قریش نے کہا محمد ﷺ ہم سے کٹ گئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ ابن ابی حاتم نے سدی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے جب کسی آدمی کے بچے فوت ہو جاتے تو عرب کہتے فلاں کی نسل ختم ہوگئی۔ جب حضور ﷺ کا بچہ فوت ہوا تو عاص بن وائل نے کہا حضرت محمد ﷺ کی نسل ختم ہوگئی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں اسی کی مثل محمد بن علی بن حسین سے نقل کیا اور بچے کا نام قاسم لیا۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی جس نے یہ کہا تھا میں محمد ﷺ کا دشمن ہوں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ عاص بن وائل سہمی نے حضور ﷺ کو مسجد سے نکلتے ہوئے دیکھا جبکہ وہ اس میں داخل ہو رہا تھا۔ دونوں کی ملاقات بنی سہم کے دروازے پر ہوئی۔ دونوں نے گفتگو کی جبکہ قریش کے سردار مسجد میں بیٹھے ہوتے تھے۔ جب عاص ان کے پاس گیا تو سرداروں نے کہا تو کس کے ساتھ بات کر رہا تھا؟ تو اس نے جواب دیا اس کے ساتھ جس کی نسل ختم ہو چکی ہے۔ ان دنوں حضور ﷺ کا ایک بیٹا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے ہوا تھا، فوت ہو گیا تھا۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے یزید بن رومان سے نقل کیا ہے کہ جب حضور ﷺ کا ذکر ہوتا تو وہ کہتا اسے چھوڑ و اس کی تو کوئی نسل ہی نہیں۔ جب یہ خود فوت ہو جائے گا تو اس کا ذکر ختم ہو جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا۔ (2)

میں کہتا ہوں میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ان آیات کا نزول حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت قاسم کی وفات پر نہیں ہوا کیونکہ حضرت قاسم کا وصال ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہو گیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کا وصال اعلان نبوت سے بھی پہلے ہوا۔ محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ سے جو روایت مروی ہے وہ جابر جعفی کی روایت ہے جو کذاب ہے جبکہ حضرت ابراہیم کا وصال سن دس ہجری کو ہوا۔ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو یقین کے ساتھ ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ منگل کا دن تھا اور ربیع الاول کی دسویں تاریخ تھی۔ سبیل الرشاد میں بھی اسی طرح ہے۔ اس سورت کے نزول کے بارے میں صحیح روایت وہ ہے جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی کہ جب کعب بن اشرف مکہ مکرمہ آیا اور اس نے وہ بات کی جو ذکر ہو چکی ہے تو یہ سورت نازل ہوئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴿١﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿٢﴾ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿٣﴾

"بے شک ہم نے آپ کو (جو کچھ عطا کیا) بے حد و حساب عطا کیا۔ پس آپ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لئے اور قربانی دیں (اسی کی خاطر) ۲۔ یقیناً آپ کا جو دشمن ہے وہی بے نام و نشان ہوگا ۳۔"

۱۔ اہل لغت نے کہا کوثر کثرت سے فوعل کا وزن ہے جس طرح نوفل نفل سے ہے۔ عرب ہر ایسی چیز کو کوثر کہتے ہیں جو تعداد اور قدر و شان میں کثیر ہو۔ اسی وجہ سے وہ روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو بشر اور عطاء بن سائب رحمہما اللہ تعالیٰ سے، انہوں نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ کوثر کا معنی خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو عطا کیا۔ ابو بشر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کوثر سے مراد جنت کی ایک نہر ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا جنت کی نہر تو ان میں سے ایک ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو خیر کثیر

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 91-690 (العلمیہ)   2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 635 (الفکر)

عطا کیا(1)۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الکوثر کا الف لام جنسی قرار دیا اور یہ گمان کیا کہ حوض تو اس خیر کثیر میں سے ایک ہے۔ اسی طرح جس نے اس کی تفسیر نبوت اور قرآن سے کی زیادہ مناسب یہ ہے کہ الف لام کو عہد خارجی پر محمول کیا جائے۔ اس کی تفسیر وہی ہے جس کی وضاحت حضور ﷺ نے کی جس طرح ہم نے وہ روایت ذکر کی جو حضرت مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں جنت میں داخل ہوا تو اچانک میں ایک نہر پر پہنچا جس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے خیمے تھے جس میں پانی چل رہا تھا۔ اس میں میں نے ہاتھ ڈالا تو خالص مشک کی طرح خوشبودار تھا۔ میں نے پوچھا اے جبرئیل یہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا یہی وہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے(2)۔ امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مرفوع روایت مروی ہے فرمایا وہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔ اس میں ایسے پرندے ہیں جن کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں جتنی لمبی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ تو بڑے نرم اور ملائم ہوں گے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا اے عمر ان کا کھانا اس سے بھی نرم و ملائم ہوگا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسامہ بن زید سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت حمزہ بن مطلب رضی اللہ عنہ کی بیوی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ کو جنت میں ایک نہر عطا کی گئی ہے جسے کوثر کہتے ہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا ہاں اس کی زمین یاقوت، مرجان، زبرجد اور موتی کی ہے موتی اتنا بڑا ہوگا جتنا ایلہ اور صنعاء کا درمیانی فاصلہ ہے۔ اس میں ستاروں کی تعداد کے برابر لوٹے ہوں گے۔(3)

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حذیفہ سے اس آیت کے بارے میں نقل کیا ہے کہ یہ جنت میں ایک بڑی نہر ہے جس میں سونے اور چاندی کے برتن ہیں جن کی تعداد اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی نہیں جانتا(4)۔ امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے نقل کیا اور اسے صحیح قرار دیا اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کوثر جنت میں ایک نہر ہے جس کے کنارے سونے کے ہیں اور پانی موتی پر چل رہا ہے(5)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آپ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ جنت میں ایک نہر ہے جو تمہارے نبی کو عطا کی گئی(6)۔ حوض کا ذکر پچاس سے اوپر صحابہ سے مروی ہے جن میں خلفاء اربعہ، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت حسن بن علی، حضرت حمزہ بن عبد المطلب، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے صحابہ ہیں۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بدور سافرہ میں ستر کے قریب روایات نقل کی ہیں۔

2۔ اس میں فاء سببیہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ عطا کیا ہے اس پر شکر بجالاتے ہوئے اخلاص کے ساتھ نماز پڑھئے، نہ کہ ان لوگوں کی طرح جو اوروں کے لئے نماز پڑھتے ہیں اور قربانیاں کرتے ہیں کیونکہ نماز شکر کی تمام اقسام کو جامع ہے، یعنی زبان، دل اور اعضاء کے ذریعے شکر کرنے کو شامل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ ہمیشہ نماز پڑھو اور اونٹ ذبح کیجئے کیونکہ عربوں کے نزدیک یہی سب سے بہترین مال ہے اور اسے یتیموں اور مسکینوں پر صدقہ کیجئے، نہ کہ ان لوگوں کی طرح معاملہ کیجئے جو یتیموں اور

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 724 (وزارت تعلیم)
2۔ مستدرک حاکم، جلد 1، صفحہ 152 (العلمیۃ)
3۔ معجم کبیر، جلد 3، صفحہ 152 (العلوم والحکم)
4۔ معجم اوسط، جلد 2، صفحہ 580 (المعارف)
5۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 172 (وزارت تعلیم)
6۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 742 (وزارت تعلیم)

مسکینوں کو دور بھگاتے ہیں اور ضرورت کی چیزیں دینے سے انکار کردیتے ہیں۔ یہ سورت ماقبل سورت کے مقابلہ کی طرح ہے۔

عکرمہ، عطاء اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی یہ ہے یوم نحر کو عید کی نماز پڑھو اور اپنی قربانیاں کرو۔ اس صورت میں نماز عید اور قربانی کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا فرض نماز پڑھو عرفات میں اور منیٰ میں جانور قربان کرو۔ ابن جوزاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت مروی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی گئی کہ اس کا معنی یہ ہے اپنے رب کی نماز پڑھو اور نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھو۔(1)

شانئ سے مراد دشمن اور بغض رکھنے والا ہے۔ یعنی آپ کے دشمن کا کوئی نام ونشان نہ رہے گا، یعنی اس کا حسن ذکر نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی طرف سے اس پر لعنت ہوتی رہے گی۔ اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ وائل کے تو دو بیٹے تھے، ایک کا نام عمرو اور دوسرے کا ہشام تھا۔ تو اس کے لئے نسل کے ختم ہونے کی بات کس طرح درست ہوسکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے یہ دونوں مسلمان ہوگئے تھے۔ اس لئے وائل اور اس کے بیٹوں کے درمیان تعلق ختم ہوگیا بلکہ وہ تو اس کے وارث بھی نہیں بن سکتے کیونکہ وہ اب حضور ﷺ کے ابناء میں شمار ہوگئے اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات ان کی مائیں بن گئیں ان کی خبر کو معرف باللام ذکر کیا گیا اور درمیان میں ضمیر فصل ذکر کی گئی تاکہ حصہ پر دلالت ہو۔ معنی یہ ہوا کہ آپ ابتر نہیں بلکہ آپ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہمیشہ رہے گا اور آپ کی اچھی شہرت اور فضیلت کے آثار ہمیشہ باقی رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے آپ ﷺ کی ہر اگلی ساعت پہلی ساعت سے بہتر ہوگی اور آپ ﷺ کی امت کے مومنین کا ذکر فرشتوں اور مومنین کی زبانوں پر ہوگا کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، وَاللہ تعالیٰ اعلم۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

سورة الکافرون

سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ ١٠٩ — اٰیاتھا ٦ — رکوعھا ١

سورۃ الکافرون مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور چھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

طبرانی اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قریش نے حضور ﷺ کو یہ پیشکش کی کہ وہ آپ کو اتنا مال دیں گے کہ آپ اہل مکہ میں سے سب سے مالدار بن جائیں گے، جس عورت سے چاہیں گے اس سے آپ کی شادی کر دیں گے اور ہم یہ کہیں گے اے محمد یہ سب کچھ آپ کا ہے۔ پس تم ہمارے معبود کو برا بھلا کہنا چھوڑ دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو ایک سال ہمارے معبودوں کی عبادت کرو، ہم ایک سال تیرے معبودوں کی عبادت کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اپنے رب کے حکم کا انتظار کرتا ہوں (1)۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے وہب سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کو نقل کیا ہے کہ قریش نے کہا کہ اگر تمہیں یہ خوش کرے کہ ہم ایک سال آپ کی پیروی کریں اور ایک سال کے لئے آپ ہماری طرف پلٹ آئیں (تو ہم ایسا کرنے کو تیار ہیں) (2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن دینار سے نقل کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب اور امیہ بن خلف حضور ﷺ سے ملے۔ انہوں نے کہا اے محمد آؤ جس کی ہم عبادت کرتے ہیں تم بھی اس کی عبادت کرو اور ہم اس کی عبادت کریں گے جس کی تم عبادت کرتے ہو، ہم سب اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا (3)۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ﴿۱﴾ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۚ﴿۳﴾ وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ﴿۴﴾ وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ؕ﴿۵﴾ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ﴿۶﴾

''آپ فرما دیجئے اے کافرو! میں پرستش نہیں کیا کرتا (ان بتوں کی) جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس (خدا) کی جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ اور نہ ہی میں کبھی عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم پوجا کیا کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین۔''

۱، ۲۔ یہ اس مخصوص جماعت کو خطاب ہے۔ جنہوں نے حضور ﷺ سے صلح کی بات کی تھی ان سے کافرون کے لفظ کے ساتھ اس لئے خطاب کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ما سے مراد بت ہیں۔ اس آیت میں اس امر کی نفی ہے کہ میں زمانہ مستقبل میں تمہارے ساتھ بتوں کی عبادت میں موافقت نہیں کروں گا تاکہ یہ سوال کے مطابق ہو جائے کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 692 (العلمیہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

سے یہی مطالبہ کیا تھا کہ زمانہ مستقبل میں صلح اور مصالحت ہو جائے جبکہ زمانہ حال میں تو مخالفت ظاہر اور واضح تھی اور جس طرح امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لا صرف اس مضارع پر داخل ہوتا ہے جو مستقبل کے معنی میں ہو۔ جس طرح ما صرف اس مضارع پر داخل ہوتا ہے جو حال کے معنی میں ہو۔

4۔ تم زمانہ مستقبل میں اس ذات کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ یہ معنی اس لئے کیا کیونکہ یہ لا اعبد کے مقابلہ میں ہے۔ یہاں ما کو من کی جگہ ذکر کیا تا کہ ماقبل کے کلام کے موافق ہو جائے۔ یا یہاں اس سے صفت مراد ہے۔ گویا کلام یہ فرمائی میں باطل کی پوجا نہیں کرتا اور نہ ہی تم حق کی پوجا کرو گے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ ما مصدر یہ ہے۔

5،4۔ ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں جگہ عابدون اور عابد کو امالہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اکثر علماء معانی کا یہ قول ہے کہ قرآن حکیم عربی زبان اور ان کے اسلوب خطاب پر نازل ہوا۔ عربوں کے اسلوب میں تکرار کے یہ مقاصد ہیں کہ کلام میں تاکید لائی جائے اور مخاطب کو بات سمجھائی جائے۔ جس طرح اختصار کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تخفیف اور اختصار کا ارادہ کیا جائے یہاں تکرار تاکید کے لئے ہے۔ قتیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کلام میں تکرار وقت کے تکرار کی وجہ سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا اگر آپ کو یہ بات خوش کرے کہ ہم ایک سال تک آپ کے دین میں داخل ہو جائیں تو ایک سال کے لئے آپ ہمارے دین میں داخل ہو جائیں تو یہ سورت نازل ہوئی۔ گویا دونوں وقتوں میں مشارکت کی نفی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا پہلے دونوں ما کے کلمات الذی کے معنی میں ہیں اور دوسرے دونوں مصدری معنی میں ہیں۔ یہاں مقصود معبود کی حیثیت میں مشارکت کی نفی ہے، عبادت کی کیفیت میں مشارکت کی نفی نہیں۔

6۔ یعنی جس دین پر تم ہو اس کو تم کبھی نہیں چھوڑو گے اور جس دین پر میں ہوں میں اسے کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ تو یہ خبر ہے۔ جس طرح مابعد کلام خبر ہے، یعنی جس دین پر میں ہوں میں اسے کبھی بھی نہیں چھوڑوں گا ان شاء اللہ۔ اس میں نہ کفر کی اجازت کا مسئلہ ہے اور نہ ہی جہاد سے روکنے کا حکم ہے۔ بلکہ یہ کلام سابقہ کلام کی تذئیل اور تاکید ہے۔ خبر کو مقدم اس لئے ذکر کیا تا کہ حصر کا فائدہ دے۔ اس میں یہ حکم لگانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ اس آیت کا حکم آیت قتال سے منسوخ ہو گیا ہے۔ اس کی تفسیر ایک دوسرے کو چھوڑنے اور ایک دوسرے کو اپنے دین پر قائم رکھنے کی تفسیر کرنا جائز نہیں کیونکہ حضور ﷺ لگاتار انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہے جب تک وہ حضور ﷺ اور مومنوں کو اذیتیں دیتے رہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ لکم دینکم کا معنی کیا جائے کہ تمہارے لئے تمہارے اعمال کی جزاء ہے اور میرے لئے میرے اعمال کی جزاء ہے۔

نافع، حفص اور ہشام رحمہم اللہ تعالیٰ نے دین میں نون کو کسرہ اور باقی قراء نے اسے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ بزی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی روایت مشہور ہے۔ دالانی نے بھی اسے ہی اپنایا ہے اذا زلزلت کی تفسیر میں حضور ﷺ کا فرمان جو حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیثوں میں مروی تھا گزر چکا ہے کہ سورۂ یا ایہا الکافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے(1)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ فرماتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ دو سورتیں کتنی اچھی ہیں جو فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتوں (سنتوں) میں پڑھی جاتی ہیں۔ وہ سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص ہے(2)۔ اسے ابن ہشام رحمۃ

1۔ تفسیر قرطبی، جلد 20، صفحہ 224 (دار الکتب المصریہ)
2۔ سنن ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 49 (العلمیہ)

اللہ علیہ نے روایت کیا۔ فروہ بن نوفل بن معاویہ سے مروی ہے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسی چیز سکھا دیں جسے میں بستر پر لیٹتے ہوئے پڑھا کروں تو حضور ﷺ نے فرمایا سورۂ یاایھا الکافرون پڑھا کرو کیونکہ یہ شرک سے برأت کا اظہار ہے(1)۔ اسے امام ترمذی، ابوداؤد اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے جبیر کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ جب تو سفر پر نکلے تو لوگوں سے حیثیت میں سب سے اعلیٰ اور سب سے زیادہ زادراہ والا ہو۔ تو میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں میں اسے پسند کرتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا ان پانچ سورتوں کو پڑھا کرو **قل یاایھا الکافرون، اذاء جاء نصر اللّٰہ، قل ھو اللّٰہ احد، قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس**۔ ہر سورت کے آغاز میں **بسم اللّٰہ** شریف پڑھا کرو اور اسی پر اسے ختم کیا کرو۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں غنی تھا اور وافر مال رکھتا تھا۔ جب سفر پر جاتا تو سب سے کمزور حیثیت اور کم زادراہ والا ہوتا۔ جب سے میں نے حضور ﷺ سے یہ سبق سیکھا تو میں نے اسے نہ چھوڑا۔ میں انہیں پڑھا کرتا تو میری حیثیت سب سے اعلیٰ ہو گئی اور میرے پاس زادراہ بھی زیادہ ہوتا یہاں تک کہ میں اپنے سفر سے واپس آ جاتا(2)۔ اسے ابویعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بچھو نے حضور ﷺ کو ڈنگ مارا۔ آپ ﷺ نے پانی اور نمک منگایا اور ڈنگ والی جگہ اسے بہایا جبکہ آپ ﷺ اس جگہ اپنا ہاتھ پھیر رہے تھے اور ساتھ ساتھ سورۂ **یا ایھا الکافرون**، سورۂ **قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس** پڑھ رہے تھے(3)، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 176 (وزارت تعلیم) 2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 695 (العلمیة) 3۔ ایضاً

WWW.NAFSEISLAM.COM

سورۃ النصر

آیاتہا ۳ | سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۰ | رکوعہا ۱

سورۃ النصر مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں معمر رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ جب فتح مکہ کے سال حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو حضور ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کے زیریں علاقہ کی جانب سے بھیجا۔ قریش کے لشکروں نے ان کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دے دی۔ پھر حضور ﷺ نے جنگ روک دینے کا حکم دیا تو جنگ روک دی گئی تو قریش نے اسلام قبول کر لیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا۔(1)

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳

''جب اللہ کی مدد آ پہنچے اور فتح (نصیب ہو جائے) ۱۔ اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج در فوج ۲۔ تو (اس وقت) اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے اور (اپنی امت کے لئے) اس سے مغفرت طلب کیجئے بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے ۳۔''

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمنوں پر غلبہ عطا فرمایا اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ یہ سورت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تو اس صورت میں اذا اذ کے معنی میں ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے حَتّٰى إِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے حَتّٰى إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ۔

فتح سے مراد فتح مکہ ہے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے روز یہ ارشاد فرمایا یہ وہ فتح ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا تھا پھر آپ نے إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کی تلاوت کی(2)۔

فتح مکہ کا قصہ جو تاریخ دانوں نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر قریش سے اس بات پر صلح کی کہ دس سال تک جنگ نہ ہوگی جس میں لوگ امن سے رہیں گے۔ جو قبیلہ حضور ﷺ کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہونا چاہے گا وہ اس میں داخل ہو سکتا ہے اور جو قریش کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہونا چاہتا ہے وہ ان کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہو جائے۔ بنو بکر نے قریش سے دوستی کا معاہدہ کیا اور بنو خزاعہ نے حضور ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیا۔ ان دونوں قبیلوں کے درمیان پرانی دشمنی تھی۔ پھر بنی بکر میں سے

1۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 5، صفحہ 378 (المکتب الاسلامی) 2۔ مجمع الزوائد، جلد 8، صفحہ 592 (الفکر)

WWW.NAFSEISLAM.COM

بنی نفاثہ نے بنی خزاعہ پر حملہ کیا۔ انہیں میں سے نوفل بن معاویہ دیلمی نے بنو خزاعہ پر وتیر کے مقام پر جو مکہ مکرمہ کا نشیبی علاقہ ہے، میں شب خون مارا۔ ان سے جنگ کی یہاں تک کہ بنو خزاعہ حرم میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے جنگ ختم نہ کی۔ قریش نے بنی بکر کی اسلحہ کی صورت میں مدد کی بعض قریش نے رات کی تاریکی میں چھپ کر جنگ میں بھی حصہ لیا۔ ان میں صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو، شیبہ بن عثمان، خویطب بن عبداللہ اپنے غلاموں کے ساتھ شریک ہوئے۔ پھر قریش وعدہ خلافی پر شرمندہ ہوئے اور ایک دوسرے کو ملامت کی جنگ کے بعد سالم خزاعی چالیس سواروں کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ تمام واقعہ بتائیں اور مدد کی درخواست کریں۔ ان کی طرف سے خبر پہنچنے سے پہلے ہی بنی نفاثہ اور بنی خزاعہ کی جنگ کی خبر آپ کو پہنچ گئی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ اسی معاملہ کے لئے وعدہ توڑتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کر رکھا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی وہ معاملہ خیر کا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا معاملہ خیر کا ہے۔ محمد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت میمونہ سے اسی جیسی روایت نقل کی ہے جب عمرو بن سالم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا حضور ﷺ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے کھڑے ہوئے اور فرمایا اے عمرو اگر میں تیری اس قوت کے ساتھ مدد نہ کروں جس کے ساتھ میں اپنی مدد کرتا ہوں تو میری مدد نہ کی جائے۔ یہ شعبان کا مہینہ تھا اور صلح حدیبیہ کو بائیس ماہ گزر چکے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ (ا) کو قریش کی طرف بھیجا کہ تین باتوں میں سے ایک بات کا انتخاب کرنا ہوگا:۔

1۔ خزاعہ کے مقتولوں کی دیت ادا کرو، وہ تئیس مقتول تھے۔

2۔ جنہوں نے وعدہ کی خلاف ورزی کی ہے اس سے اپنا معاہدہ توڑ دیں، یعنی بنو نفاثہ سے اپنا تعلق ختم کر دیں۔

3۔ ہمارا تمہارا معاہدہ ختم۔

پہلے قریش نے ان باتوں میں باہم اختلاف کیا۔ آخر کار صلح حدیبیہ ختم کرنے پر اتفاق کیا۔ حضرت حمزہ (ا) صلح ختم کرنے کی خبر لے کر واپس آئے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صلح اور نرمی کا مشورہ دیا اور عرض کی وہ آپ کی قوم ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ خیال کر رہے تھے کہ شائد آپ ان کی رائے کو مان لیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنگ کا مشورہ دیا اور عرض کیا یہ کفر کے سرغنے ہیں۔ انہوں نے گمان کیا کہ آپ جادوگر کاہن اور جھوٹے ہیں۔ جو کچھ کفار آپ کے متعلق کہتے تھے سب کا ذکر کیا۔ اور عرض کیا عرب اس وقت اطاعت نہیں کریں گے جب تک قریش اطاعت نہیں کریں گے۔ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند فرمایا۔ حضور ﷺ نے اپنے معاملہ کو مخفی رکھا اور عربوں کو اس پر برانگیختہ کیا۔ بنو اسلم، بنو غفار، بنو مزینہ، بنو حرقہ، بنو اشجع اور بنو سلیم آ گئے۔ ان میں سے کچھ تو مدینہ طیبہ پہنچ گئے اور کچھ راستے میں ساتھ ملے۔ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد دس ہزار تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا وہ بارہ ہزار تھی۔ ان دونوں میں تطبیق اس طرح دی گئی کہ جب لشکر مدینہ طیبہ سے روانہ ہوا تو اس کی تعداد دس ہزار تھی اور دو ہزار راستہ میں مل گئے تھے۔ پھر قریش صلح ختم کرنے پر شرمندہ ہوئے اور اپنے سردار ابو سفیان کو بھیجا۔ وہ اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے۔ جب ابو سفیان نے

(ا) متن میں حمزہ کا نام لکھا ہوا ہے، شائد کتابت کی غلطی ہے کیونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ اس صحابی کا نام حضرت ضمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ مترجم

حضور ﷺ کے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ بستر لپیٹ دیا اور کہا یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے۔ تو ابوسفیان نے کہا اے بیٹی میرے بعد تجھ میں بہت بڑی خرابی آ گئی ہے۔ تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی دعوت دی، اے میرے ابا تو قریش کا سردار اور رئیس ہے، تم سے اسلام لانے کا حکم کیسے ساقط ہو سکتا ہے جبکہ تو ایسے پتھروں کی پوجا کرتا ہے جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔ ابوسفیان حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا اور حضور ﷺ سے گفتگو کی۔ آپ نے ابوسفیان کو کوئی جواب نہ دیا پھر وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور آپ سے بات چیت کی اور عرض کی کہ آپ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بات کریں تو انہوں نے جواب دیا میں ایسا نہیں کر سکتا۔ پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا آپ سے گزارش کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر میرے پاس درا کے علاوہ کوئی اور ہتھیار نہ ہو تو میں اس کے ساتھ بھی تم سے لڑوں گا۔ پھر وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا جبکہ ان کے پاس حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما تھے اور عرض کی اے علی تم رشتہ داری میں میرے سب سے قریبی ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں ہماری سفارش کریں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے ابوسفیان تیرے لئے افسوس ہے حضور ﷺ نے پختہ عزم کر لیا ہے کوئی بھی آپ سے گفتگو نہیں کر سکتا۔ تو ابوسفیان حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف متوجہ ہوئے، عرض کی کیا آپ اپنے والد ماجد سے کچھ گزارش کر سکتی ہیں جس کے نتیجہ میں حضور ﷺ لوگوں میں صلح بحال کر دیں تو انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ ابوسفیان نے کہا اے ابوالحسن مجھ پر معاملہ بہت سخت ہو گیا ہے مجھے کوئی نصیحت ہی کیجئے۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم میں کوئی ایسی بات نہیں جانتا جو تجھے فائدہ دے لیکن تو بنی کنانہ کا سردار ہے، اٹھو اور لوگوں کے درمیان ان کا اعلان کر دو اور واپس چلے جاؤ۔ ابوسفیان نے پوچھا تیری کیا رائے ہے؟ کیا یہ مجھے کچھ نفع دے گا؟ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن میرے ذہن میں اس کے علاوہ کوئی بات نہیں۔ ابوسفیان مسجد میں کھڑا ہوا اور کہا اے لوگو میں نے لوگوں کے درمیان امن جاری کر دیا۔ پھر اپنے اونٹ پر سوار ہو گیا اور چلا گیا۔ قریش کے پاس آیا اور تمام واقعہ بیان کر دیا تو قریش نے کہا اللہ کی قسم! حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو صرف تم سے دل لگی کی۔

حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ پر حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ یہ قول صحیح ہے۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ بدھ کے روز دس رمضان شریف سنہ 8 ہجری کو مدینہ طیبہ سے نکلے۔ اس کے علاوہ بھی قول کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا کی اے اللہ مخبروں اور جاسوسوں کو قریش سے روک دے، یعنی قریش کو خبر نہ ہونے پائے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور ﷺ نے مجھے، حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو بھیجا فرمایا جاؤ یہاں تک کہ تم روضہ خاخ (جگہ کا نام) پہنچو گے۔ وہاں ایک عورت ہو گی جس کے پاس ایک رقعہ ہو گا، وہ اس سے لے لینا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں ہم اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے چل پڑے یہاں تک کہ ہم روضہ خاخ میں پہنچے تو وہاں ایک عورت کو پایا۔ ہم نے کہا خط نکال دو۔ اس نے کہا میرے پاس تو کوئی خط نہیں۔ ہم نے اس سے کہا یا تو خط نکال دو ورنہ تیرے کپڑے اتار دیئے جائیں گے۔ اس نے خط بالوں کے جوڑے سے نکال دیا۔ ہم وہ خط حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں لے آئے۔ اس میں یہ تحریر تھا کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی

جانب سے مشرکین مکہ کے نام ہے جس میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے حضور ﷺ کے ارادہ کے بارے میں بتایا تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت حاطب سے پوچھا اے حاطب یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی یا رسول اللہ مجھ پر کوئی فیصلہ جلدی میں نہ کیجئے، میں ایک ایسا آدمی ہوں جو قریش کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہوں (میرا نسب قریش سے نہیں)۔ آپ کے ساتھ جتنے بھی مہاجرین ہیں وہاں ان کی رشتہ داریاں ہیں جو ان کے رشتہ داروں اور اموال کی حفاظت کرتے ہیں۔ جب میرا ان میں نسب نہیں تو میں نے اس بات کو پسند کیا کہ میں ان پر ایک احسان کردوں جس کی وجہ سے وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں۔ میں نے یہ عمل دین چھوڑنے کی وجہ سے نہیں کیا، نہ ہی اسلام لانے کے بعد کفر کو اپنانے کی وجہ سے کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس نے تم سے سچی بات کہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کا سر قلم کردوں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ غزوۂ بدر میں شریک ہوا، اے عمر کیا تم جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کے اعمال پر مطلع تھا جو غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ اس نے فرمایا اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ جو چاہو کرتے رہو، میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ الخ(1)۔

رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھا۔ لوگوں نے بھی ساتھ ہی روزہ رکھا۔ جب آپ کدید کے مقام پر پہنچے تو حضور ﷺ نے روزہ افطار کیا۔ ساتھ ہی صحابہ نے بھی روزہ افطار کیا۔ پھر افطار ہی کرتے رہے یہاں تک کہ پورا رمضان شریف نکل گیا۔ حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کی نیت سے مکہ مکرمہ سے چلے اور حضور ﷺ کو جحفہ کے مقام پر ملے۔ اس سے قبل آپ مکہ مکرمہ میں ہی مقیم تھے اور حضور ﷺ کی رضامندی سے حاجیوں کو پانی پلایا کرتے تھے۔ ابواء کے مقام پر آپ کو ابوسفیان بن حارث جو آپ کے چچازاد بھائی تھے اور ان کا بیٹا جعفر بن ابی سفیان ملے۔ یہ دونوں حضور ﷺ کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ کو عبداللہ بن امیہ جو آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، ملے۔ حضور ﷺ نے دونوں سے اعراض کیا، فرمایا مجھے ان سے کوئی غرض نہیں، انہوں نے میری عزت کو پامال کیا انہوں نے میرے بارے میں جو کچھ کہا۔ انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے گزارش کی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی سفارش کی تو حضور ﷺ نے ان دونوں کو اجازت دے دی۔ جب آپ قدید کے مقام پر تھے تو آپ نے جھنڈے باندھے اور قبائل کو عطا فرمائے۔ حضور ﷺ کا جھنڈا حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا پھر آپ عشاء کے وقت مرالظہر ان میں اترے۔ ابھی تک قریش کو کوئی خبر نہ تھی۔ اس رات ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقہ خبر لینے کے لئے نکلے۔ حضور ﷺ نے دس ہزار جگہ آگ روشن کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا قریش کی صبح برباد ہو گئی، اللہ کی قسم اگر حضور ﷺ صبح زبردستی مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے تو قریش ہمیشہ کے لئے برباد ہو جائیں گے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور ﷺ کے خچر پر سوار ہو کر نکلے تا کہ کوئی لکڑہارا، دودھ والا یا ضرورت مند مکہ مکرمہ جاتے ہوئے دیکھیں جو حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بارے میں قریش مکہ کو بتائیں تا کہ حضور ﷺ کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے آپ سے امان لے لیں تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ابوسفیان کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا میں نے اس رات جیسی آگ نہیں دیکھی۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا تو ہلاک ہو۔ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں وہ ایسا لشکر لائے ہیں جس کا سامنا کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ تو ابوسفیان نے پوچھا اب بچنے کی تدبیر کیا ہے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 612 (وزارت تعلیم)

فرمایا اے ابوسفیان اگر انہوں نے تجھے پکڑ لیا تو تیری گردن اڑا دی جائے گی اس خچر پر میرے پیچھے سوار ہو جاؤ تا کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ تک لے چلوں تا کہ تو آپ سے امان طلب کر لے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما واپس پلٹے۔ جب بھی وہ کسی آگ کے پاس سے گزرتے تو لوگ آپ کو دیکھتے اور کہتے یہ حضور ﷺ کے چچا ہیں جو حضور ﷺ کے خچر پر سوار ہیں یہاں تک کہ اس آگ پر سے گزرے جسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روشن کر رکھا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوسفیان کو دیکھا تو فرمایا یہ ابوسفیان ہے جو اللہ کا دشمن ہے۔ الحمد للہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جس نے بغیر کسی وعدہ کے اسے ہمارے قابو میں دیا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جلدی سے حضور ﷺ کی طرف گئے اور ابوسفیان کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت حاضر ہو گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا اے عمر تم ابوسفیان کے بارے میں اس لئے یہ سب کچھ کر رہے ہو کیونکہ یہ بنی عبد مناف کا ایک فرد ہے اگر یہ بنی کعب میں سے ہوتا تو تم ایسا نہ کرتے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے عباس ٹھہریئے، جس دن تم مسلمان ہوئے تمہارا اسلام لانا میرے لئے میرے باپ خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے عباس اسے اپنے ٹھکانے پر لے جاؤ۔ جب صبح ہوئی تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہو کیا ابھی تجھے علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو ابوسفیان نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کتنے حلم والے ہیں، کتنے کرم والے ہیں اور کتنے صلہ رحم ہیں، اللہ کی قسم میرا گمان ہے اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتا تو اب کچھ فائدہ بھی دیتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے ابوسفیان تجھ پر افسوس، کیا۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تو یہ جانتا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ تو ابوسفیان نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کتنے حلیم، کتنے کریم اور کتنے ہی رشتہ کا خیال رکھنے والے ہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے اس بارے میں میرے دل میں کچھ تردد ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ویحک (تو ہلاک ہو) اسلام قبول کر لے ورنہ تیری گردن اڑا دی جائے گی تو اس نے کلمات شہادت کو پڑھا اور اسلام لے آیا۔ حکیم اور بدیل تو پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ یہ اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے جو صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوسفیان پیلو کے درخت کے پاس ہے اسے پکڑ لو۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں روایت اسی طرح ہے۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو حضور ﷺ کے انصاری پہریداروں نے پکڑا تھا۔ اس رات نگہبانوں میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا اسے قید کر دو۔ صحابہ نے اسے قید کر دیا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ روایت بھی ہے کہ ابوسفیان نے کہا میری حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں راہنمائی کرو۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس موقع پر پہرہ دینے والوں میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے جو انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تھا جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہے، جو مسجد حرام میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہے، جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا وہ امن میں ہے۔ ابوسفیان نے مسجد حرام میں جا کر بلند آواز سے یہ اعلان کیا تھا اے قریش یہ حضرت محمد ﷺ ہیں۔ وہ اتنا بڑا لشکر لائے ہیں جس کا مقابلہ کرنے کی تم میں ہمت نہیں۔ تو لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور مسجد حرام میں چلے گئے۔ جب حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء مسلمان ہو گئے اور بیعت کر لی تو حضور ﷺ نے دونوں کو قریش کی طرف بھیجا کہ وہ انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ حضور ﷺ نے زبیر کو بھیجا، انہیں جھنڈا عطا کیا اور انہیں مہاجرین وانصار کے شاہسواروں پر امیر مقرر کیا اور حکم دیا کہ بالائی مکہ

WWW.NAFSEISLAM.COM

میں جحون کے مقام پر جھنڈا لگا دیں۔ فرمایا اس وقت تک اپنی جگہ نہیں چھوڑنی جب تک میں تمہیں حکم نہ دوں۔ اسی سمت سے حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ وہاں حضور ﷺ کے لئے ایک خیمہ قبا نما نصب کیا گیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنی قضاعہ اور بنی سلیم کے لئے مسلمانوں پر امیر بنایا اور حکم دیا کہ وہ مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقوں سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں جہاں بنو بکر رہتے تھے جنہیں قریش اور بنو حارث نے انہیں مکہ مکرمہ سے نکال دیا تھا۔ اسی طرح احابیش کو قریش نے کہا تھا کہ وہ مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقوں میں جا کر رہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت خالد بن ولید اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حکم دیا تھا کہ دونوں صرف ان سے ہی جنگ کریں جو مسلمانوں سے جنگ کریں۔

حضور ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ بعض لوگوں کے ساتھ کداء سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں۔ حضور ﷺ نے انہیں جھنڈا عطا کیا تھا تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے داخل ہوتے وقت کہا تھا آج جنگ کا دن ہے، آج اس شہر کی حرمت حلال ہوگئی۔ تو ایک مہاجر نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات سن لی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات سنئے، انہیں قریش پر یہ شوکت کہاں سے حاصل ہوگئی؟ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملو اور ان سے جھنڈا لے لو جھنڈا لے کر مکہ میں داخل ہو جاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھنڈا لے کر تشریف لے گئے اور اسے رکن کے پاس گاڑ دیا۔ ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں جھنڈا عطا فرمایا۔ حضور ﷺ دو جھنڈوں کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے مکہ کے بالائی علاقوں سے کوئی داخل نہیں ہوا تھا۔ جہاں تک حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق ہے تو جب آپ مکہ کے زیریں علاقوں سے داخل ہوئے تھے تو وہاں جو قریش اور دوسرے مشرک تھے۔ انہوں نے آپ کو روکا تھا۔ انہوں نے اسلحہ سونت لیا اور تیر چلائے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو للکارا اور ان سے جنگ کی جس میں قریش کے چوبیس اور ہذیل کے چار آدمی مارے گئے۔ ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مشرکوں میں سے بائیس یا تئیس آدمی مارے گئے اور بری طرح شکست کھائی۔ وہ ہر طرف بھاگ رہے تھے اور سانس پھول جانے کی وجہ سے بھی وہ مارے گئے۔ ایک جماعت پہاڑوں پر چڑھ گئی۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ مسلمانوں میں سے صرف ایک جہینہ قبیلہ کا شخص شہید ہوا جسے سلمہ بن میلاء کہا جاتا جو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھڑ سواروں میں سے تھا۔ دو اور آدمی شہید ہوئے جن کا نام کرز بن جابر فہری اور جیش بن خالد بن ربیعہ تھا یہ دونوں بھی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھڑ سوار دستے سے تعلق رکھتے تھے یہ دونوں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے الگ ہوگئے تھے اور آپ کے راستہ سے مختلف راستہ اپنایا تھا اور دونوں قتل ہوگئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمان امراء سے وعدہ لیا تھا کہ جب وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے کہ ایسے شخص سے جنگ کریں گے جو ان پر حملہ کرے گا۔ ہاں چند افراد کا آپ نے خاص طور پر نام لیا جن کو حضور ﷺ نے قتل کا حکم دیا اگرچہ وہ غلاف کعبہ کے نیچے چھپے ہوں۔ ان میں عبد اللہ بن سرح تھا۔ یہ پہلے مسلمان ہوا تھا پھر مرتد ہو گیا تھا۔ فتح مکہ کے روز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی سفارش کی تھی تو اس کی جان بخشی ہوگئی۔ یہ بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ حضور ﷺ نے اس کے اسلام کو قبول کیا تھا۔ ایک حریث بن نقیر تھا جو حضور ﷺ کو اذیتیں دیا کرتا تھا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے قتل کیا۔ ایک مقیس بن صبابہ تھا۔ یہ

مسلمان ہوگیا تھا پھر ایک انصاری پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا تھا۔ انصاری نے اس کے بھائی ہشام کو غزوۂ ذی قردہ میں غلطی سے قتل کیا تھا۔ انصاری نے اسے دشمن کا آدمی سمجھا تھا۔ مقیس آیا۔ اس نے انصاری سے بھائی کی دیت وصول کر لی پھر مرتد ہوگیا۔ اسے اسی کے قوم کے ایک فرد نمیلہ بن عبداللہ نے قتل کر دیا۔ ایک ہبار بن اسود تھا۔ یہ مسلمانوں کو سخت اذیتیں دیتا تھا۔ اسی نے حضور ﷺ کی لخت جگر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا راستہ روکا تھا اور آپ کو نیزہ مارا تھا جس کی وجہ سے آپ کا حمل گر گیا تھا۔ آپ اس کی وجہ سے بیمار رہیں یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ اس نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس لئے اسے معاف کر دیا گیا۔ ان میں سے ایک حارث بن طلال خزاعی تھا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے قتل کیا تھا۔ ابو معشر نے یہ ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک کعب بن زہیر شاعر تھا۔ یہ ہجو کیا کرتا۔ اس نے اسلام قبول کیا اور بعد میں حضور ﷺ کی مدح کہی تھی۔ ایک وحشی بن حوب تھا جس نے غزوۂ بدر میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ علیہ کو شہید کیا تھا۔ یہ طائف کی طرف بھاگ گیا تھا۔ پھر مسلمان ہو کر واپس آیا۔ ایک عبداللہ بن خطل تھا۔ اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضور ﷺ نے اس کا نام عبداللہ رکھا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے عامل زکوۃ بنا کر بھیجا تھا اور بنی خزاعہ کا ایک آدمی بھی اس کے ساتھ بھیجا۔ وہ عبداللہ کے لئے کھانا پکایا کرتا تھا اور اس کی خدمت کرتا تھا۔ یہ دونوں ایک جگہ اترے اور عبداللہ نے خزاعی کو کہا کہ اس کے لئے کوئی جانور ذبح کرے اور اس کے لئے کھانا تیار کرے۔ وہ دوپہر کو اٹھا خزاعی کو جگایا۔ اس نے کھانا تیار نہ کیا تھا۔ اس پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔ پھر مرتد ہوگیا اور مکہ مکرمہ بھاگ گیا۔ اس کی دو لونڈیاں تھیں جو گانا گاتیں اور حضور ﷺ کی ہجو کیا کرتی تھیں۔ حضور ﷺ نے دونوں لونڈیوں کو بھی اس کے ساتھ قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان میں ایک کو قتل کر دیا گیا اور دوسری بھاگ گئی۔ عبداللہ کو سعید بن حریث مخزومی اور ابو برزہ اسلمی نے قتل کیا یہ دونوں اس کے قتل میں شریک ہوئے۔ جو لونڈی بھاگ گئی تھی وہ بعد میں مسلمان ہوگئی تھی۔ ایک عمر بن ہاشم کی لونڈی تھی۔ یہ گانا گاتی اور نوحہ کرتی تھی۔ یہ وہی عورت تھی جس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا خط تھا۔ یہ مسلمان ہوگئی تھی۔ ایک ہند بنت عتبہ تھی جو ابوسفیان کی بیوی تھی جس نے حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا۔ یہ مسلمان ہوگئی تو حضور ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ ایک صفوان بن امیہ تھا جو جدہ کی طرف بھاگ گیا تھا تا کہ کشتی میں سوار ہو کر یمن چلا جائے۔ عمیر بن وہب نے اس کے لئے امان چاہی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے دو ماہ کی مہلت چاہی۔ حضور ﷺ نے اسے چار ماہ کی مہلت دے دی۔ پھر بعد میں یہ مسلمان ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر عمامہ تھا اسے امام احمد، امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ اور چار دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ صحیحین میں ہے کہ آپ کے سر مبارک پر خود تھا۔ اس میں تطبیق یوں دی گئی کہ پہلے حضور ﷺ کے سر مبارک پر خود تھا پھر آپ نے خود اتارا اور عمامہ (پگڑی) باندھا۔ آپ اس وقت سورۂ فتح کی تلاوت کر رہے تھے۔ آپ کی قرأت کی آواز لوٹ لوٹ کر آ رہی تھی۔ صحیحین میں اسی طرح ہے۔

حضور ﷺ حجون کے مقام پر چمڑے کے ایک خیمہ میں فروکش ہوئے۔ آپ کے ساتھ حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھیں۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں قریش اور بنو کنانہ نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف معاہدہ کیا تھا کہ نہ ان کے ساتھ شادیاں کریں گے اور نہ ہی ان کے ساتھ خرید و فروخت کریں گے یہاں تک کہ وہ حضور ﷺ کو ان کے حوالے کر دیں گے۔ آپ سے عرض کی گئی کیا آپ شعب ابی طالب میں اپنے گھر میں قیام نہیں کریں گے تو آپ نے فرمایا کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی گھر چھوڑا ہے۔

عقیل نے حضور ﷺ اور اپنے بھائی بہنوں کے گھر بیچ دیئے تھے۔ آپ سے عرض کی گئی آپ اپنے گھر کے علاوہ کسی اور گھر میں قیام فرمائیں تو آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں گھروں میں داخل نہیں ہوں گا۔ آپ حجون سے ہر نماز کے لئے مسجد میں تشریف لاتے تھے۔ آپ اپنی رہائش گاہ پر دن کی کچھ گھڑیاں ٹھہرے۔ آپ نے غسل کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو پردہ کیا۔ آپ نے چاشت کے آٹھ نوافل ادا کئے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے گھر میں غسل کیا نماز پڑھی پھر سواری پر سوار ہوئے، کعبہ شریف میں آئے، اپنی چھڑی کے ساتھ رکن کو سلام کیا، زبان سے تکبیر کہی۔ مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کے الفاظ کہے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ نعرہ تکبیر سے گونجنے لگا۔ حضور ﷺ صحابہ کو پرسکون رہنے کا اشارہ کر رہے تھے جب کہ مشرک پہاڑوں پر چڑھ کر یہ منظر دیکھ رہے تھے پھر آپ نے اپنی سواری پر سوار ہو کر بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور سات چکر لگائے۔ آپ اپنی چھڑی کے ساتھ رکن (حجر اسود) کو سلام کرتے۔ کعبہ شریف کے اردگرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے جنہیں سکے کے ساتھ مضبوط کیا گیا تھا۔ ہبل سب سے بڑا بت تھا۔ وہ کعبہ کے سامنے دروازے پر نصب تھا۔ اساف اور نائلہ کے بت تھے۔ یہ وہاں نصب تھے جہاں لوگ جانور قربان کرتے۔ حضور ﷺ جب بھی کسی بت کے پاس سے گزرتے۔ آپ اس کی طرف اشارہ کرتے اور اس کی آنکھ میں کچوکہ مارتے اور فرماتے حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا بے شک باطل بھاگنے والا ہے۔ آپ جس بت کی طرف بھی اشارہ کرتے وہ منہ کے بل گر پڑتا یا پشت کے بل گر پڑتا جبکہ آپ ﷺ کی چھڑی اسے مس بھی نہ کرتی۔ فضالہ بن عمر لیثی نے حضور ﷺ کو اس وقت شہید کرنے کا ارادہ کیا جب آپ طواف کر رہے تھے۔ جب وہ حضور ﷺ کے قریب ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے فضالہ۔ اس نے عرض کی جی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا سوچ رہے ہو؟ اس نے عرض کی میں تو کچھ بھی نہیں سوچ رہا، میں تو اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا استغفر اللّٰہ۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھا۔ فضالہ کہا کرتے تھے اللہ کی قسم حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے سینے سے نہیں ہٹایا تھا مگر آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے۔ جب آپ ﷺ طواف سے فارغ ہوئے تو آپ اپنی سواری سے لوگوں کے ہاتھوں پر نیچے اترے۔ آپ نے مسجد میں اونٹنی بٹھانے کی جگہ نہ پائی۔ آپ نے مسجد سے باہر اونٹنی کو بٹھایا پھر آپ مقام ابراہیم پر پہنچے جبکہ وہ کعبہ میں شامل تھا۔ زرہ اور خود آپ زیب تن کئے ہوئے تھے جبکہ عمامہ آپ کے کندھوں کے درمیان تھا۔ آپ نے دو رکعات نماز ادا کی پھر آپ چاہ زمزم پر تشریف لے گئے۔ آپ اس میں جھانکے اور فرمایا اگر بنو عبد المطلب کے غلبہ کا خوف نہ ہوتا تو میں خود اس میں سے ایک ڈول نکالتا۔ تو حضرت عباس یا حارث بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس میں سے ڈول نکالا تو آپ ﷺ نے اس سے پانی پیا اور وضو کیا۔ مسلمان آپ کے استعمال شدہ پانی کو حاصل کرنے میں جلدی کرتے اور اسے اپنے منہ میں ڈالتے جبکہ مشرک یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور حیران ہو رہے تھے اور کہہ رہے تھے ہم نے تو ایسا کوئی بادشاہ نہیں دیکھا اور نہ ہی اس کے بارے میں سنا تو اس کے پیروکار اس سے اتنی وارفتگی رکھتے ہوں پھر حضور ﷺ نے ہبل کو توڑنے کا حکم دیا تو اسے توڑ دیا گیا۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا بیٹھ جاؤ تو میں کعبہ کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ کھڑے ہو گئے۔ فرمایا اے علی میرے کندھوں پر سوار ہو جاؤ۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب آپ نے مجھے اٹھایا تو مجھے یوں خیال ہوا اگر میں چاہوں تو آسمان کے افق تک پہنچ جاؤں۔ میں کعبہ کے اوپر چڑھ گیا۔ آپ نے فرمایا بڑے بت کو توڑ دو۔ وہ تانبے کا تھا اور لوہے کی

سلاخوں سے اسے زمین میں گاڑھا گیا تھا۔ فرمایا اسے پکڑلو اور خود یہ تلاوت کرنے لگے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ میں نے اس بت کو گرادیا۔ حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عثمان بن طلحہ کی طرف بھیجا کہ وہ کعبہ کی چابی لے آئے۔ عثمان نے کہا وہ میری ماں کے پاس ہے عثمان نے چابی منگوائی تو اس کی ماں نے کہا لات وعزیٰ کی قسم میں تمہیں چابی کبھی بھی نہ دوں گی تو عثمان نے کہا نہ لات رہا اور نہ ہی عزیٰ۔ اگر تو چابی نہیں دے گی تو مجھے اور میرے بھائی کو قتل کر دیا جائے گا۔ عثمان نے دیر کی جبکہ حضور ﷺ انتظار کر رہے تھے۔ تو حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھیجا۔ جب اس کی ماں نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی آواز سنی تو کہا اے بیٹے چابی لے لو، اگر تو لے لے تو یہ میرے لئے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میرے دشمن مجھ سے یہ لیں۔ عثمان نے وہ چابی لے لی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ حضور ﷺ نے چابی لے لی، اپنے ہاتھ سے بیت اللہ شریف کے دروازے کو کھولا عثمان اور طلحہ کہا کرتے تھے کعبہ کو وہ ہی کھول سکتے ہیں (جبکہ اب ان کا دعویٰ باطل ہو گیا)۔ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ آپ کے داخل ہونے سے پہلے بیت اللہ شریف کو تمام تصویروں سے پاک کردیں۔ مسلمانوں نے تہبند کے علاوہ تمام کپڑے اتار دیئے۔ انہوں نے ڈول پکڑ لئے اور رجز پڑھتے ہوئے چاہ زمزم پر آئے اور کعبہ کو اندر باہر سے غسل دینے لگے۔ انہوں نے مشرکوں کا کوئی اثر اس میں نہ چھوڑا بلکہ اسے مٹا دیا۔ پھر حضور ﷺ، حضرت اسامہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اندر داخل ہوئے۔ دروازہ بند کر دیا۔ حضور ﷺ نے ایک ستون اپنی دائیں جانب، دو ستون بائیں جانب اور تین ستون دروازے کی طرف اپنے پیچھے رکھے جبکہ آپ اور بیت اللہ شریف کی دیوار کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ تھا یا دو ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ آپ نے وہاں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور قبلہ شریف کی طرف دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ پھر فرمایا یہ قبلہ ہے پھر آپ ﷺ بیت اللہ شریف کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ وحدہ لاشریک ہے، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی، خود ہی تمام قبائل کو شکست فاش دی۔ خبردار ہر استحقاق خون یا مال کا دعویٰ وہ میرے ان دو قدموں کے نیچے ہیں۔ سب سے پہلے میں ربیعہ بن حارث کا خون معاف کرتا ہوں۔ مگر بیت اللہ شریف کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کی ذمہ داری اس سے مستثنیٰ ہیں مگر جیسے سوٹے یا چھڑی سے قتل کیا جائے یا خطاءً قتل ہو جائے یا شبہ عمد کی صورت ہو تو اس میں دیت مغلظہ ہو گی، اس میں سو اونٹنیاں ہیں، چالیس کے پیٹوں میں بچے ہونے ضروری ہیں۔ وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ بچہ اس کا ہو گا جس کے ساتھ عورت کا عقد نکاح ہے اور بدکار کے لئے پتھر ہے۔ عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر مال عطا کرے۔ غیر مسلموں کے مقابلہ میں تمام مسلمان ایک ہاتھ کی طرح ہیں۔ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ذمی کو کافر کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ دو دینوں پر ایمان رکھنے والے ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔ زکوٰۃ وعشر وصول کرنے والا نہ اپنے پاس مال منگوائے اور نہ کسی عورت سے اس کی پھوپھی پر، نہ اس کی خالہ پر نکاح کیا جائے گا۔ گواہ پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے اور قسم اس پر لازم ہو گی جو انکار کرے۔ عورت اپنے ذی رحم محرم کے ساتھ سفر کرے۔ عصر اور فجر کے فرض پڑھنے کے بعد کوئی (نفل) نماز نہیں۔ میں تمہیں عید الفطر اور عید قربان پر روزے رکھنے سے منع کرتا ہوں۔ دو قسم کے لباسوں سے بھی منع کرتا ہوں کوئی بھی ایک کپڑے میں احتباء نہ کرے۔ احتباء کا مطلب یہ ہے کہ آدمی سرین پر اس طرح بیٹھے کہ گھٹنے کھڑے کر کے اپنے سینے کے ساتھ ملالے اور قدموں کو سرین کے ساتھ ملالے۔ اس میں ستر کھلنے کا امکان ہوتا

WWW.NAFSEISLAM.COM

ہے یا وہ اعضاء نمایاں نظر آتے ہیں۔ دوسرا لباس یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے اوپر یوں چادر یا کمبل لپیٹ لے کہ اس کے ہاتھ اندر ہوں اور وہ انہیں حرکت بھی نہ دے سکے۔ اے جماعت قریش اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور اپنے آباء پر فخر کرنے کو ختم کر دیا ہے۔ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے تھے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى۔ اے اہل مکہ کیا تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے کہا بہتری کی امید ہے آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ فرمایا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ اذْهَبُوْا فَاَنْتُمْ طُلَقَآءُ۔ تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے، وہ ارحم الراحمین ہے، تم جاؤ، تم آزاد ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا۔ وہ یوں حرم سے باہر نکلے گویا وہ قبروں سے اٹھائے گئے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فتح کے سال بنی خزاعہ نے ایک ایسے آدمی کو قتل کر دیا جس نے دور جاہلیت میں ان کے ایک آدمی کو قتل کیا تھا۔ حضور ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں کو مکہ مکرمہ سے روکا اور اپنے رسول اور مومنین کو اس پر غلبہ عطا فرمایا خبردار نہ یہ مجھ سے قبل کسی کے لئے یہ حلال ہوا اور نہ ہی میرے بعد یہ شہر کسی کے لئے حلال ہوگا۔ میرے لئے بھی دن کی چند ساعتوں میں حلال ہوا تھا۔ یہ شہر حرام ہے، اس کے کانٹے کو نہ روندا جائے، اس کے درخت کو نہ کاٹا جائے اور نہ ہی یہاں گری ہوئی چیز کو اٹھایا جائے۔ ہاں صرف اس صورت میں کہ اس کے اعلان کا ارادہ ہو۔ جس کا کوئی آدمی قتل کیا گیا اس کی دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہوگا، چاہے تو دیت لے لے، چاہے قصاص لے لے۔ ایک یمنی آدمی نے آپ سے عرض کی جسے ابوشاہ کہا جاتا مجھے یہ چیزیں لکھ دو۔ حضور ﷺ نے حکم دیا اسے لکھ دو۔ قریش میں سے ایک آدمی اٹھا، اس نے عرض کی اس کی حرمت سے اذخر کو مستثنیٰ کر دیں تو حضور ﷺ نے اذخر کو مستثنیٰ کر دیا(1)۔ ایک روایت میں ہے ایک آدمی اٹھا، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے دور جاہلیت میں ایک عورت داشتہ بنا کر رکھی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے دور جاہلیت میں کسی عورت سے داشتہ والے تعلقات رکھے جس کا وہ مالک نہ تھا یا وہ کسی اور کی لونڈی تھی پھر اس نے بعد میں اس کے بچے کا دعویٰ کیا۔ یہ اس کے لئے جائز نہ ہوگا نہ یہ اس بچے کا وارث ہوگا اور نہ ہی بچہ اس کا وارث ہوگا۔ میرا خیال ہے تم باتوں کو اچھی طرح سمجھ گئے ہو: اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَكُمْ۔ پھر حضور ﷺ کی طرف سے ایک منادی کرنے والے نے مکہ مکرمہ میں اعلان کیا جو آدمی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنے گھروں میں رکھے بتوں کو توڑ دے۔ جب ظہر کا وقت ہوا تو حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ بیت اللہ شریف کی چھت پر چڑھ کر اذان کہے جس سے مشرک غیض و غضب میں مبتلا ہوں۔ اس وقت قریش پہاڑوں پر تھے۔ خود چھپے ہوئے تھے۔ اور چہرے سامنے تھے ابوسفیان، خالد بن اسید اور حارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ خالد بن اسید نے کہا اللہ تعالیٰ نے اسید کو عزت دی کہ اس نے یہ آواز نہ سنی۔ حارث نے کہا اللہ کی قسم اگر مجھے اس کے حق ہونے کا یقین ہوتا تو میں ضرور اس کی اتباع کرتا۔ سعید بن عاص کے ایک آدمی نے کہا اللہ تعالیٰ نے سعید کو عزت دی کہ اس کالے حبشی کو کعبہ پر دیکھنے سے پہلے ہی موت دے دی۔ ابوسفیان نے کہا میں تو کچھ بھی نہ کہوں گا، اگر میں نے کوئی بات کی تو یہ سنگریزے بھی آپ کو اطلاع کر دیں گے۔ جبریل امین حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے جو باتیں کی تھیں

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 22 (وزارت تعلیم)

سب کچھ بتا دیں۔ حضور ﷺ نے انہیں وہ باتیں بتائیں جو انہوں نے کی تھیں تو انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اہل مکہ مسلمان ہو گئے۔ ایک مسلمان نے ابو قحافہ کو پتھر مارا اور اسے زخمی کر دیا اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار لے لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں اس حال میں پایا کہ ان کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے چہرے سے خون صاف کیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس شیخ کو وہیں کیوں نہیں چھوڑ دیا یہاں تک کہ میں اس کے پاس آتا۔ حضور ﷺ نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا تو وہ مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابو قحافہ کا سر اور داڑھی ثغامہ (پھول) کی طرح سفید تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسے کسی چیز سے تبدیل کر دو مگر سیاہ خضاب نہ لگانا۔ حضور ﷺ صفا پہاڑی پر تشریف فرما ہوئے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیچے تھے جو لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ پر بیعت لے رہے تھے۔ بڑے چھوٹے مرد اور عورتیں سب آئیں اور انہوں نے بیعت کی۔ جب مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو عورتوں سے بیعت لی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کسی عورت نے بیعت کرتے ہوئے حضور ﷺ کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ آپ گفتگو کے ذریعے بیعت لے رہے تھے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ جب طواف سے فارغ ہوئے تو صفا پہاڑی پر تشریف لائے آپ اس پر چڑھے یہاں تک کہ بیت اللہ شریف نظر آنے لگا۔ آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اللہ تعالیٰ کی حمد کی، اس کا ذکر کیا اور جو پسند کرتے تھے وہ دعا کی جبکہ انصار نیچے تھے۔ بعض نے بعض سے کہا آپ کو رشتہ داروں کی رغبت اور قبیلہ کی شفقت نے اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ آپ پر وحی آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے انصار۔ عرض کی لبیک یا رسول اللہ ﷺ فرمایا تم نے یہ بات کی۔ انہوں نے عرض کی جی حضور کی ہے۔ فرمایا حاشا وکلا میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں نے اللہ اور تمہاری طرف ہجرت کی۔ میری زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے۔ وہ روتے ہوئے حضور ﷺ کی طرف بڑھے اور کہہ رہے تھے اللہ کی قسم ہم نے یہ بات صرف اس لئے کی تھی کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں بخیل ہیں، یعنی ہم نہیں چاہتے کہ آپ یہاں رہ جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہاری سچائی کی وجہ سے تمہارا عذر قبول کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے قریش کے تین آدمیوں سے قرض لیا، صفوان بن امیہ سے پچاس ہزار درہم، عبد اللہ بن ربیعہ سے چالیس ہزار درہم اور حویطب بن عبد العزیٰ سے چالیس ہزار درہم اور مالی لحاظ سے کمزور صحابہ میں اسے تقسیم کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہوازن پر فتح نصیب فرمائی تو اس قرض کو واپس کر دیا اور فرمایا قرض کا بدلہ شکریہ اور اس کی ادائیگی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اب مکہ مکرمہ پر حملہ نہ کیا جائے اور فتح مکہ کے بعد ہجرت کی ضرورت نہیں۔ ابو یعلیٰ اور ابو نعیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو شیطان بلند آواز سے رونے لگا تو اس کی آل اولاد سب جمع ہو گئے۔ اس نے کہا اب اس چیز سے مایوس ہو جاؤ کہ حضور ﷺ کی امت شرک کی طرف لوٹے گی۔ ابن ابی شیبہ نے مکحول رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے جب حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو جن آپ کو ملے جو آپ کی طرف انگارے پھینک رہے تھے۔ تو جبرئیل امین نے عرض کیا اے محمد ﷺ ان کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہیں:

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ الَّتِیْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَمِنْ شَرِّ مَا بَثَّ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمِنْ شَرِّ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ يَطْرُقُ اِلَّا طَارِقٍ يَطْرُقُ بِخَيْرٍ

یَارَحْمٰنُ۔

میں اللہ تعالیٰ کے مکمل تام کلمات کی پناہ چاہتا ہوں جن سے نیک اور برا تجاوز نہیں کر سکتے، ہر اس شر سے جو آسمان سے نازل ہو یا آسمان کی طرف بلند ہو، زمین میں جو کچھ پھیلا ہوا ہے اس کے شر سے اور جو اس سے نکلتا ہے اس کے شر سے اور رات اور دن کے شر سے اور ہر طارق کے شر سے مگر جو خیر لاتا ہے یا رحمٰن۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابی بزی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو ایک حبشی عورت منہ نوچتے ہوئے آئی اور ہلاکت ہلاکت پکار رہی تھی۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ ہم نے گھنگھریالے بالوں والی ایک حبشی عورت دیکھی ہے جو منہ نوچ رہی ہے اور ہلاکت ہلاکت پکار رہی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا وہ یہ کہہ رہی ہے کہ وہ اب مایوس ہو چکی ہے کہ تمہارے شہروں میں اب بتوں کی پوجا کی جائے (1)۔ فتح مکہ کے روز ہی یہ حکم نازل ہوا اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا۔ حضور ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا، چابی اسے دی، فرمایا اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے پاس رکھو، ظالم کے سوا تجھ سے کوئی یہ نہ لے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے گھر کی امانت سونپی ہے۔ اس گھر کی خدمت سے جو تمہیں حاصل ہو اس کو نیکی کے انداز میں کھاؤ۔ ایک روایت یہ بھی بیان کی گئی کہ جبرئیل امین آئے اور فرمایا جب تک یہ گھر قائم ہے اس کی ولایت اس کے خاندان میں رہے گی۔ چابی اور بیت اللہ کی دربانی آل عثمان میں رہی۔ چابی اس کے پاس ہوتی۔ جب وہ فوت ہو گیا تو چابی اس کے بھائی شیبہ کو مل گئی۔ چابی اور بیت اللہ کی خدمت اس کے خاندان میں رہے گی حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں انیس دن رہے۔ آپ وہاں نماز میں قصر کرتے تھے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے سترہ دن تک رہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اٹھارہ دن رہے۔ ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ انیس دن اس صورت میں بنیں گے جب مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور اس سے نکلنے والے دن کو شمار کر لیا جائے۔ سترہ دن اس صورت میں بنیں گے جب ان دونوں کو شمار نہ کیا جائے اور اٹھارہ پہروں کا اعتبار کرتے ہوئے بنیں گے جو پندرہ دن کا قول کیا گیا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے خلاصہ میں اسے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو عربوں نے ایک دوسرے کو کہا جب محمد ﷺ نے اہل حرم پر غلبہ پا لیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اصحاب فیل سے پناہ دی تھی۔ اب تمہارے لئے کوئی چارہ کار نہیں۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں جماعت در جماعت داخل ہونے لگے جبکہ اس سے پہلے وہ ایک ایک یا دو دو کر کے داخل ہوتے تھے مابعد فرمان کا یہی مفہوم ہے۔

یدخلون والا جملہ رایت کے مفعول الناس سے حال ہے۔ یہ اس صورت میں ہو گا جب رؤیت ابصار کے معنی میں ہو۔ اگر یہ علم کے معنی ہو تو یہ جملہ مفعول ثانی بنے گا۔ افواجا یہ یدخلون کے فاعل سے حال ہو گا۔ مقاتل اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہاں الناس سے مراد یمن کے لوگ ہیں (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ یمن والے رقیق القلب اور ایمان کے لئے سب سے نرم دل والے ہیں۔ حکمت یمنی ہے فخر اور تکبر اونٹ پالنے والوں میں ہے، سکون اور وقار بکریاں پالنے والوں میں ہے، متفق علیہ (4)۔ اذا کا جواب مابعد کلام ہے۔

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 5، صفحہ 75 (العلمیہ)
2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 615 (وزارت تعلیم)
3۔ تفسیر قرطبی زیر آیت ہذا
4۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 630 (وزارت تعلیم)

3۔ اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرو، یعنی سبحان اللہ وبحمدہ کہو۔ یہ کلمات خوش ہو کر اور اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس کی حمد بیان کرتے ہوئے کہو کیونکہ کسی کے دل میں یہ گمان بھی نہ تھا کہ کوئی بزور بازو اس شہر میں داخل ہو سکتا ہے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل سے محفوظ رکھا تھا۔ حضرت انس رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے آپ کی بڑی عزت کی حضور ﷺ نے عاجزی کرتے ہوئے اپنا سر کجاوے کی لکڑی پر رکھ دیا۔ اسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ سند کے ساتھ بیان کیا ہے (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ کا سر کجاوے کے درمیانی حصہ کو چھو رہا تھا اور اس کے قریب ہو رہا تھا۔ آپ یہ عمل تواضع کے طور پر کر رہے تھے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح اور مسلمانوں کی کثرت دیکھ رہے تھے۔ پھر آپ نے یہ دعا کی اے اللہ زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ اسے ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

تواضع کرتے ہوئے، اپنے نفس کو مطیع کرنے کے لئے، اپنے اعمال کی بخشش کے لئے اور جو آپ نے افضل عمل نہ کیا محض اسی وجہ سے کہ آپ نے امت پر شفقت کرنے کے لئے فاضل عمل کو ترجیح دی تھی اس کا ازالہ کرنے کے لئے اپنے رب سے بخشش طلب کریں۔ یا اس کا معنی ہے اپنی امت کے لئے بخشش طلب کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ہر روز ستر بار اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہوں (2)۔ ایک روایت میں ہے ستر سے زیادہ دفعہ بخشش طلب کرتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے سو دفعہ بخشش طلب کرتا ہوں۔ اسے امام بخاری، امام نسائی، ابن ماجہ، طبرانی اور ابو یعلی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس اور شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا پہلے تسبیح پھر حمد پھر استغفار یہ بطریق نزول (۱) ہے، یعنی خالق سے مخلوق کے ذکر کی طرف منتقل ہونا ہے۔ یہی دعا کا طریقہ ہے۔ نبی کے علاوہ جب کوئی دعا کرے تو اس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ دعا سے پہلے حضور ﷺ پر درود و سلام پڑھے۔

جب سے اللہ تعالیٰ نے بخشش طلب کرنے والوں کو پیدا کیا ہے وہ ان کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ امام ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ نے اس کی تلاوت کی تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔ حضور ﷺ نے پوچھا تم کیوں روتے ہو؟ عرض کی آپ نے تو اپنی وفات کی خبر دی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا بات وہی ہے جو تم نے کہی ہے (3)۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس آیت سے حضور ﷺ کے وصال کے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دعوت کے مکمل ہونے اور دین کے مکمل ہونے پر دلالت موجود ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ۔ یا استغفار کا حکم اس لئے دیا گیا کیونکہ آپ کے اس جہان فانی سے پردہ فرمانے کا وقت قریب آ گیا تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے بدری صحابہ میں شامل کرتے۔ بعض نے کہا آپ اس نوجوان کو ہمارے ساتھ کیوں شامل کرتے ہیں جبکہ ہمارے بیٹے اس کی عمر کے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ ان میں سے ہے جنہیں تم خوب جانتے ہو۔ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے اور بدری صحابہ کو طلب فرمایا مجھے محض اس لئے بلایا کہ انہیں میری حیثیت بتائیں۔ آپ نے حاضرین سے پوچھا جب سورۂ فتح نازل ہوئی تو

1۔ مستدرک حاکم، جلد 3، صفحہ 50 (العلمیہ)
2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 933 (وزارت تعلیم)
3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 812 (دار الکتب العربیۃ)
(۱) پہلے اعلیٰ و برتر کا ذکر ہو پھر ادنیٰ کا ذکر ہو، مترجم۔

آپ نے کیا سمجھا؟ بعض نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور اس سے بخشش طلب کریں کیونکہ اس نے ہماری مدد کی اور ہمیں فتح عطا کی۔ بعض نے کہا ہم تو کچھ بھی نہیں جانتے بعض نے کوئی بات نہ کی۔ آپ نے مجھ سے پوچھا اے ابن عباس تم بھی وہی کہتے ہو جو انہوں نے کہا۔ میں نے کہا میں ایسا نہیں کہتا۔ آپ نے پوچھا تم کیا کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا اس میں حضور ﷺ کے وصال کی خبر تھی۔ آپ کو بتا دیا گیا کہ جب اللہ کی مدد اور فتح مکہ حاصل ہو جائے گی تو وہ آپ کے وصال کی علامت ہو گی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں بھی وہی جانتا ہوں جو تم جانتے ہو (1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے جب یہ سورت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے میری موت کی خبر دی گئی ہے (2)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۂ نصر قرآن حکیم کا چوتھائی ہے (3)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ اپنے رکوع اور سجدہ میں اکثر یہ کلمات کہتے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ (4)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ آپ اکثر یہ کلمات کہتے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ فرمایا۔ میرے رب نے مجھے خبر دی تھی کہ تم اپنی امت پر ایک نشانی دیکھو گے۔ جب تم اس نشانی کو دیکھو تو اس وقت کثرت سے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ کہنا تو میں نے وہ نشانی دیکھ لی۔ جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی طرف سے فتح آ گئی میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اللہ کے دین میں جماعت در جماعت داخل ہو رہے ہیں۔ اس لئے اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے وہ ثواب ہے (5)۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے یہ بتا دیا کہ آپ کے وصال کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اس لئے تسبیح اور استغفار کا حکم دیا تا کہ زائد عمل صالح پر آپ کا خاتمہ ہو۔ قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا کہ حضور ﷺ اس سورت کے نزول کے بعد دو سال تک دنیا میں رہے (6)، واللہ اعلم۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 743 (وزارت تعلیم)
2۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا
3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 113 (وزارت تعلیم)
4۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 742 (وزارت تعلیم)
5۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 192 (قدیمی)
6۔ تفسیر بغوی زیر سورت ہذا

سورۃ اللہب

اٰیاتہا ۵ سُوْرَۃُ اللَّھَبِ مَکِّیَّۃٌ ۱۱۱ رکوعہا ۱

سورۃ اللہب مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

’’اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے‘‘

شیخین نے صحیحین میں روایت کیا ہے جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو جمع کیا اور انہیں ڈرایا(1)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین کے ہاں ایک روایت ہے کہ حضور ﷺ صفا پر چڑھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو بلایا قریش آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ دشمن صبح یا شام تم پر حملہ کرنے والا ہے، کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا کیوں نہیں۔ تو فرمایا میں تمہیں آنے والے سخت عذاب سے ڈراتا ہوں۔ ابولہب نے کہا تو ہلاک ہو(2)۔ کیا تو نے اس لئے ہمیں جمع کیا تھا اور آپ کو مارنے کے لئے ایک پتھر اٹھایا تو یہ سورت نازل ہوئی۔

تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝۱ مَاۤ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ ۝۲ سَیَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳ وَّ امْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝۴ فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵

’’ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو گیا ۱؎ کوئی فائدہ نہ پہنچایا اسے اس کے مال نے اور جو اس نے کمایا ۲؎ عنقریب وہ جھونکا جائے گا شعلوں والی آگ میں ۳؎ اور اس کی جورو بھی بدبخت ایندھن اٹھانے والی ہے ۴؎ اس کے گلے میں مونج کی رسی ہو گی ۵؎‘‘

۱؎ تباب ایسے نقصان کو کہتے ہیں جو ہلاکت کی طرف لے جائے۔ یدا ابی لھب سے مراد اس کی ذات ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ہاتھوں کو خصوصی طور پر اس لئے ذکر کیا کیونکہ اس نے پتھر اٹھایا تھا تاکہ آپ کو مارے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ دونوں ہاتھوں سے مراد دنیا اور آخرت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس سے مراد مال اور اقتدار ہے کیونکہ یہ جملہ بولا جاتا ہے فَلَانٌ قَلِیْلُ ذَاتِ یَدٍ فلاں کم مال والا ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لھب کو ھاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے ھاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابولہب اس کی کنیت تھی۔ اس کی وجہ اس کا حسن اور چہرے کا چمکدار ہونا ہے(3)۔ یہاں اس کی کنیت ذکر کی کیونکہ اس کا نام لینا ناپسند کیا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ جہنمی تھا اور اس کی کنیت اس کے حال کے موافق اور ذات لھب کے ہم وزن تھی۔ وتب کے الفاظ سے خبر

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 743 (وزارت تعلیم) 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

کے بعد خبر دی جا رہی ہے۔ مقصود تاکید بیان کرنا ہے یا پہلا کلمہ دعا ئیہ ہے اور دوسرا خبریہ ہے۔ ماضی کے ساتھ اس لئے تعبیر کیا کیونکہ اس کا وقوع یقینی تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب حضور ﷺ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا تو ابولہب نے کہا اگر وہ حق ہے جو میرا بھتیجا کہتا ہے تو میں اپنے بدلے میں اپنا مال اور اپنی اولاد فدیہ کے طور پر دے دوں گا اور بچ جاؤں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(1)

۲۔ اس میں ما نافیہ ہے یا استفہامیہ ہے اور انکار کے لئے ہے یعنی اس نے جو مال جمع کر رکھا ہے وہ مال اسے عذاب سے نہیں بچا سکتا یا وہ کونسی چیز ہے جس سے اس کا مال اسے بچائے گا یعنی کسی سے بھی نہیں بچا سکے گا۔ ابولہب بڑا مالدار تھا۔ ما کسب سے مراد مال اور اولاد ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک مرفوع روایت مروی ہے سب سے پاکیزہ چیز جسے تم کھاتے ہو وہ وہ ہے جو تمہاری کمائی ہو اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے(2)۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح فرمایا ہے۔ اس کے بیٹے کو شام کے راستہ میں شیر نے پھاڑ ڈالا تھا جس طرح ہم نے سورۂ عبس میں ذکر کیا ہے جبکہ ابولہب بدر کے واقعہ کے چند روز بعد مر گیا تھا۔ اسے ایک دانہ نکلا تھا۔ وہ تین دن اسی طرح پڑا رہا یہاں تک کہ اس سے بدبو آنے لگی۔ پھر گھر والوں نے حبشی غلاموں کو اجرت پر لیا تو انہوں نے اسے دفن کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جہنم کی دھمکی دی۔

۳۔ یہ جملہ مستانفہ ہے یا ما اغنی کی علت بیان کر رہا ہے۔ یہاں تمام قراء کا اتفاق ہے کہ لہب کے ھاء پر فتحہ ہوگا کیونکہ قافیوں کی یہاں رعایت کی گئی ہے۔

۴۔ امراتہٗ کا عطف پوشیدہ ضمیر پر ہے جو سیصلی میں موجود ہے کیونکہ درمیان میں فاصلہ ہے اس لئے اسم ظاہر کا اسم ضمیر پر عطف تاکید کے بغیر بھی جائز ہے یا یہ مبتدا ہے اور ما بعد اس کی خبر ہے اس کی بیوی کا نام ام جمیل تھا جو ابوسفیان کی بہن تھی۔

عاصم نے حمالہ پر نصب پڑھی ہے۔ مقصود مذمت بیان کرنا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ مبتدا کی خبر ہے۔ ابن جریر نے ابن اسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے انہوں نے ہمدان کے ایک آدمی سے روایت کیا ہے جسے یزید کے نام سے یاد کیا جاتا تھا کہ ابولہب کی بیوی حضور ﷺ کے راستے میں کانٹے پھینکتی تھی تاکہ آپ کے پاؤں زخمی ہو جائیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح مروی ہے۔ ابن منذر نے عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ایک روایت اسی طرح نقل کی ہے۔ قتادہ، مجاہد اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا یہ چغل خور تھی اور باتیں ایک دوسرے تک پہنچاتی تھی اور دشمنی ڈال دیتی تھی۔ اس کی باتیں اسی طرح آگ بھڑکاتی تھیں جس طرح ایندھن آگ جلاتا ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ گناہوں کو اٹھانے والی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے هُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ۔(3)

۵۔ یہ امراتہٗ سے دوسری خبر ہے۔ جب اسے مبتدا بنایا جائے یا اس سے حال ہے۔ یہ اس صورت میں ہوگا جب امراتہٗ کو سیصلی کا حال بنایا جائے۔ حضرت ابن عباس اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا مسد اسے کہتے ہیں جسے بانٹا گیا ہو اور مضبوط کیا گیا ہو، خواہ وہ کسی چیز سے بھی ہو۔

اعمش نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ مسد سے مراد لوہا ہے۔ شعبی اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ کھجور کے

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا　2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 162 (وزارت تعلیم)　3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

چھال کی بنی ہوئی رسی تھی۔ یہ وہی رسی تھی جس میں وہ لکڑیاں لاتی تھی۔ ایک روز وہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے تھی کہ وہ تھک گئی۔ اس نے آرام کرنے کے لئے ایک پتھر پر گٹھا رکھا، فرشتہ آیا اور پیچھے سے رسی کو کھینچ کر اسے ہلاک کر دیا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ایک ایسے درخت کی بنائی گئی رسی تھی جو یمن میں اگتا ہے جسے مسد کہتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے اس کا ہار مراد ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ موتیوں کا ہار تھا جو اس کے گلے میں ہوتا تھا۔ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کی گردن میں عمدہ ہار تھا۔ اس نے کہا میں اسے حضور ﷺ کی دشمنی میں خرچ کر ڈالوں گی۔ (1)

میں کہتا ہوں اگر حبل سے مراد وہ رسی ہے جو آخرت میں اس کے گلے میں ہوگی یا تو یہ امراتہ سے دوسری خبر ہوگی۔ اگر یہ مبتدا ہو یا اس سے حال ہوگا۔ اگر وہ سیصلی کا فاعل ہو اور حمالۃ الحطب جملہ معترضہ کے طور پر منصوب ہوگا۔ مقصود اس کی مذمت بیان کرنا ہوگا۔ فی جید ھا حبل من مسد کو حمالۃ الحطب کی ضمیر سے حال بنانا صحیح نہیں کیونکہ دونوں کا زمانہ ایک نہیں کیونکہ لکڑیاں اٹھانے کا عمل تو دنیا میں ہوا۔ ہاں اس صورت میں حال بن سکتا ہے کہ حمالۃ الحطب سے یہ مراد ہو کہ وہ جہنم میں لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے گی۔ جس طرح زقوم اور ضریع وغیرہ یا جس کے ساتھ جہنم کو بھڑکایا جائے گا۔ یہ اس عمل کی جزاء ہے جو وہ دنیا میں حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کے ساتھ دشمنی کی صورت میں کیا کرتی تھی، امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ تاویل اسلاف سے منقول نہیں۔ اگر مراد یہ ہو کہ دنیا میں اس کی گردن میں رسی مراد ہے تو اس صورت میں یا تو یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگی وہ ھی ہے یا امراتہ کی دوسری خبر ہوگی یا اس پوشیدہ ضمیر سے حال ہوگا جو حمالۃ الحطب میں ہے۔ اس میں پھر کوئی اشکال نہ ہوگا۔ اس تاویل کی صورت میں یہ استعارہ مرشحہ ہوگا۔ یا اس لکڑیاں اٹھانے والے کی تصویر کشی ہوگی جو گٹھا اٹھاتی ہے اور رسی کو گردن میں باندھ لیتی ہے تاکہ وہ گٹھا سر سے نہ گرے۔ یہاں مقصود اس کی حقارت بیان کرنا ہے۔ پھر یہ کلام حقیقی معنی میں نہ ہوگی۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ کہا ہے وہ حقیت سے بہت ہی دور ہے کیونکہ وہ اور اس کا خاوند بہت ہی مالدار اور صاحب ثروت لوگ تھے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

سورۃ الاخلاص

آیاتہا ۴ ﴿سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ ۱۱۲﴾ رکوعہا ۱

سورۃ الاخلاص مکی ہے اس میں ایک رکوع اور چار آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

امام ترمذی، امام حاکم اور ابن خزیمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اپنے رب کا نسب بیان کرو تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا(1)۔ طبرانی اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ ان دونوں روایتوں کی بناء پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہودی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے ان میں کعب بن اشرف اور حی بن اخطب تھا۔ انہوں نے عرض کی جس رب نے تمہیں مبعوث کیا ہے اس کی ہمارے سامنے صفت بیان کرو تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا(2)۔ ابن جریر نے قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اور ابن منذر نے سعید بن جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ضحاک، قتادہ اور مقاتل رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ذکر کیا ہے کہ یہود کے علماء حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی ہمارے سامنے اپنے رب کی صفات بیان کرو شائد ہم آپ پر ایمان لے آئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں اپنی نعت بیان کی ہے ہمیں بتائیں وہ کس چیز کا بنا ہوا ہے؟ کیا وہ کھاتا پیتا ہے؟ وہ کس کا وارث ہے اور اس کا وارث کون ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا۔ ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العظمۃ میں ابان کے واسطہ سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ خیبر کے یہودی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے، انہوں نے کہا اے ابوالقاسم اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حجاب کے نور سے پیدا کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو گوندھی ہوئی لیس دار مٹی سے پیدا کیا، ابلیس کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا، آسمان کو دھوئیں سے زمین کو پانی کی جھاگ سے پیدا کیا، ہمیں اپنے رب کے بارے میں بتایئے وہ کس چیز سے پیدا ہوا؟ حضور ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ جبرئیل امین آئے اور یہ سورت پیش کی(3)۔ ان روایات کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ سورت مدنی ہے۔ ابن جریر نے ابوالعالیہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ قبیلوں کے سرداروں نے کہا ہمارے سامنے اپنے رب کا نسب بیان کریں تو جبرئیل امین یہ سورت لائے(4)۔ اس روایت کی بناء پر تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ سورت مدنی ہے اور ابی بن کعب کی روایت میں مشرکین سے مراد قبائل کے سردار ہیں۔ شاید یہودیوں اور غزوۂ احزاب میں

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 172 (وزارت تعلیم)
2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 705 (العلمیہ)
3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 704 (العلمیہ)
4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 269 (الامیریہ)

شریک قبائل کے سرداروں نے حضور علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوال کیا تھا تو یہ سورت نازل ہوئی۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوظبیان سے اور ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی تعالیٰ اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عامر نے کہا اے محمد علیہ السلام آپ ہمیں کس کی طرف بلاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں۔ اس نے پوچھا ہمارے سامنے اس کے اوصاف بیان کیجئے، کیا وہ سونے کا ہے، چاندی کا ہے، لوہے کا ہے یا لکڑی کا ہے؟ تو یہ سورت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اربد کو آسمانی بجلی اور عامر کو طاعون کے ساتھ ہلاک کر دیا۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

"(اے حبیب) فرما دیجئے وہ اللہ ہے، یکتا[1] اللہ صمد ہے[2] نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا[3] اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے[4]"

[1] قل سے خطاب حضور علیہ السلام کی ذات کو ہے۔ ھو ضمیر یا تو ضمیر شان ہے اور مابعد جملہ اس کی خبر ہے۔ ضمیر عائد ذکر کرنے کی ضرورت اس لئے نہیں کیونکہ وہ بھی ھو ہی ہوتی یا یہ ضمیر اس ذات کی طرف لوٹ رہی ہے جس کے بارے میں انہوں نے سوال کیا تھا لفظ اللہ اسم جلالت مبتدا کی خبر ہے۔ احد لفظ اللہ اسم جلالت سے بدل ہے یا دوسری خبر ہے۔ اصل میں یہ وحد تھا جو واحد کے معنی میں ہے۔ واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں قل ھو اللہ لو احد ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی طرح قرأت کی۔ جب کلام کی تعبیر یوں کی جائے کہ ھو ضمیر شان ہے اور اللہ احد مبتدا خبر ہے تو کلام اپنے ظاہر معنی میں نہ ہوگی کیونکہ لفظ اللہ جزء حقیقی کا نام ہے جو ایک ہی ہو سکتا ہے جس کا صدق کثیر افراد پر فرض کرنا ممتنع ہے۔ جس طرح زید کا صدق کثیر افراد پر ممتنع ہے تو اس صورت میں استدراک لازم آئے گا اور کلام فائدہ نہ دے گی۔ پس ضروری ہے کہ لفظ اللہ سے کلی معنی مراد لیا جائے، یعنی وہ مستحق عبادت ہے اور اس کا صدق ذات واجب الوجود کے علاوہ پر بھی ہوتا ہے جبکہ عبادت کا استحقاق اس وقت تک متصور نہیں ہو سکتا جب تک وہ کسی کو عدم سے وجود عطا نہ کرے اور اس کے لوازمات کا فیضان نہ کرے اور اس فیضان کا تصور ذات واجب الوجود سے ہی ممکن ہے جو صفات کمال سے متصف ہے جس کے لئے نقص کی صفات اور زوال ممتنع ہو اور وہ اپنی ذات کی حقیقت اور صفات میں ممکنات سے الگ تھلگ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی غیر کو وجود عطا کرنا اس امر کے تابع ہے کہ اس کا اپنا وجود فی نفسہ ہو۔ جب اس کا وجود فی نفسہ نہ ہو تو وہ غیر کے وجود کا تقاضا کیسے کر سکتا ہے، خواہ غیر جوہر ہو، عرض ہو یا بندے کا فعل ہو۔ اس معنی میں وجود (جو غیر کا مرہون منت ہے)، نقص، زوال اور ممکنات کے ساتھ مشابہت واجب الوجود اور استحقاق عبادت کے منافی ہے۔ پھر اس جملہ کا معنی یہ ہوگا وہ علی الاطلاق مستحق عبادت ہے، وہ اپنی ذات کی وجہ سے قائم ہے، وہ صفات کاملہ سے متصف ہے، اس پر نقص اور زوال ممتنع ہے، وہ واحد ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس تعبیر میں کلام مکمل فائدہ دے گی، مگر اس تاویل کی صورت میں جواب سوال کے مطابق نہ ہوگا کیونکہ انہوں نے یہ سوال نہ کیا تھا کہ وہ ایک ہے یا زیادہ ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام تو علی الاعلان توحید کی طرف دعوت دیتے تھے اور حضور کا یہ قول تھا لا الہ الا اللہ بلکہ وہ حقیقت ذاتیہ کے بارے میں پوچھتے تھے کہ ہمارے سامنے رب کی صفات بیان کرو، جس نے تمہیں مبعوث کیا ہے کیا وہ سونے کا ہے یا چاندی کا ہے۔ اسی طرح اگر ضمیر مسئول عنہ کی طرف لوٹے تو پھر بھی جملہ کا یہ معنی کرنا جائز نہ ہوگا کہ وہ ایک ہے زیادہ نہیں کیونکہ وہ سوال کے مطابق نہیں۔ دونوں تاویلوں کی صورت میں احد سے یہ مراد لینا

واجب ہوگا کہ وہ مرکب اور متعدد ہونے سے پاک ہے۔ اسی طرح جسم ہونے اور کسی مکان میں ہونے سے بھی پاک ہے اور حقیقت میں کسی شے کے ساتھ شریک ہونے سے بھی پاک ہے، صفات کمال میں کسی صفت میں کسی شے کے ساتھ مشابہت سے بھی پاک ہے۔ جب کوئی بھی ذات میں اور صفت میں اس کے مشابہ نہیں تو نہ اس کا کوئی ند ہے اور نہ ضد اور نہ ہی اس کی کوئی مثل ہے۔ اسی وجہ سے صوفیاء کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی احدیت اور کسی کا اس کے ساتھ صفت میں شریک نہ ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وجود میں بھی اس کے ساتھ کوئی شریک نہ ہو کیونکہ وجود تمام صفات کی اصل ہے حیات تمام صفات علم، قدرت، ارادہ، کلام، سمع اور تکوین کا مبداء ہے اور حیات وجود کی فرع ہے۔ وجود مصدر کے حکم میں ہے اور حیات اس سے مشتق کی طرح ہے جو اس پر مرتب ہے۔ اسی وجہ سے صوفیاء نے لا الہ الا اللہ کا معنی لا موجود الا اللہ کیا ہے کیونکہ حقیقت میں موجود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے باقی جتنی بھی ممکنات ہیں سب اس کے وجود کی وجہ سے موجود ہیں۔ ان کے وجود کی حیثیت وہی ہے جس طرح سایہ ہوتا ہے۔ پس ہر شے کا وجود وجود حقیقی کے لئے سایہ کا درجہ رکھتا ہے۔ علم، قدرت اور تمام دوسری صفات کا بھی یہی حال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی حقیقت میں موجود ہے، باقی کوئی چیز بھی فی نفسہ متحقق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔ ممکنات کی جتنی بھی صفات ہیں اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ محض نام میں مشترک ہیں۔ وہاں حقیقت میں کوئی اشتراک نہیں۔ جو آدمی صوفیاء کا کلام نہیں سمجھ سکتا اس پر لازم ہے کہ ان کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے تاکہ ان پر حق واضح ہو جائے۔ کیا اللہ تعالیٰ کی توحید اور مستحق عبادت ہونے کے لئے یہ کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ خبردار یہ لوگ اس کی ملاقات سے شک میں پڑے ہوئے ہیں، خبردار وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ایک جملہ میں ذات اور صفات کی تمام مباحث کی طرف اشارہ موجود ہے۔ قل کے کلمہ میں نبوت اور تبلیغ کی طرف اشارہ ہے۔ آیت کا اعجاز نبوت پر شاہد ہے اسی وجہ سے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ایسا کلام ہے جو بڑی بڑی ضخیم جلدوں سے غنی کر دیتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ صفات باری تعالیٰ عین ذات ہیں یا غیر ذات اس کلام میں کوئی دلیل نہیں اور نہ اس بحث سے کوئی دینی غرض وابستہ ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ فلسفہ کی یہ بحثیں انسان کو ہلاکت کی طرف لے جانے والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ جب انسان کو روح کے بارے میں معمولی علم عطا کیا گیا ہے جبکہ روح بھی مخلوق ہے تو اسے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کا علم کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ اس کے ادراک سے عاجز ہے۔ اس سے بحث کرنا شرک کرنا ہے جبکہ اس تک رسائی حاصل کرنے کا طریقہ صرف معیت ہے کوئی اور راستہ نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم تقدیر کے بارے میں بحث کر رہے تھے۔ آپ ﷺ سخت غصے ہو گئے یہاں تک کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، گویا آپ کے رخسار پر دو انار توڑ دیئے گئے ہیں۔ فرمایا کیا تمہیں اس چیز کا حکم دیا گیا، کیا مجھے اس لئے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے؟ تم سے پہلی قومیں بھی اس وقت ہلاک ہو گئیں جب انہوں نے اس معاملہ میں آپس میں جھگڑا کیا۔ میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں آپس میں نہ جھگڑنا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (1)۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی مثل عمرو بن شعیب سے، وہ اپنے باپ سے اور وہ دادا سے روایت کرتے ہیں۔

ؑ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری اور سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا صمد اسے کہتے ہیں جسے کوئی خوف نہیں (2)۔ ابن

1۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 35 (وزارت تعلیم)
2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

جریر نے بریدہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ میرا خیال ہے انہوں نے اسے مرفوع نقل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں شائد یہ مجاز ہے اس ذات سے جوعقل ووہم سے ماوراء ہے اور جہاں تک عقل نہیں پہنچ سکتی۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صمد وہ ذات ہوتی ہے جو نہ کھائے اور نہ پئے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کی تفسیر مابعد کلام ہے۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابی بن کعب سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابو وائل شقیق بن سلمہ نے کہا صمد ایسے سردار کو کہتے ہیں جس پر سرداری ختم ہو جائے۔ ابوطلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ایک روایت یہی کی ہے۔ یعنی ایسی ذات جس میں تمام سرداریاں جمع ہو جائیں۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے صمد اس ذات کو کہتے ہیں جو اپنی تمام صفات اور افعال میں کامل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد وہ سردار ہے جس کا تمام ضروریات میں قصد کیا جاتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صمد اسے کہتے ہیں جو مخلوق کے فناء ہونے کے بعد بھی باقی رہے۔ ایک قول یہ ہے ایسا سردار جس کا پسندیدہ چیزوں میں قصد کیا جائے اور مصائب میں اس سے مدد لی جائے۔ کہتے ہیں صَمَدْتُهٗ اس وقت کہتے ہیں جب تو ان کا قصد کرے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صمد اسے کہتے ہیں جو مخلوق کے فناء ہونے کے بعد باقی رہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صمد اسے کہتے ہیں جس سے برتر کوئی نہ ہو۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ ربیع نے کہا صمد اسے کہتے ہیں جسے آفات لاحق نہ ہوں۔ مقاتل بن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جس میں کوئی عیب نہ ہو(1)۔ میں کہتا ہوں اس کا حقیقی معنی ہے جو مقصود ہو۔ قاموس میں ہے الصمد جس کا معنی قصد کرنا ہے جب میم پر زبر ہو تو اس کا معنی سردار ہے کیونکہ لوگ اس کا قصد کرتے ہیں۔ اس پر الف لام اس لئے داخل کیا کیونکہ وہ بے نیازی کے اعلیٰ اور اکمل ترین درجہ پر فائز ہے کیونکہ لوگ اپنی فاسد رائے اور مرتبہ حق الیقین پر فائز نہ ہونے کی وجہ سے کبھی وہ اللہ تعالیٰ کی چھوڑ کر دنیا اور اس کی چیزوں کا بھی قصد کرتے ہیں۔

ہم نے اسلاف کے جو اقوال بھی ذکر کیے وہ صمد کے معنی کے لوازمات ہیں کیونکہ مقصود حقیقت میں وہ ہوتا ہے کہ ہر دوسری چیز اس کی محتاج ہو لیکن وہ کسی چیز میں بھی غیر کا محتاج نہ ہو تو وہ لازماً تمام کمالات، ہر قسم کی سرداری کو جامع ہو، عیوب اور لاحق ہونے والی آفات سے پاک ہو، کھانے پینے کا محتاج نہ ہو، وہ قدیم ہو، اسے کسی نے نہ جنا ہو، وہ کسی کے جنس سے تعلق نہ رکھتا ہو کہ اس سے کوئی مثل پیدا ہو، اس سے برتر کوئی نہ ہو بلکہ اس کی مثل بھی کوئی نہ ہو تو وہ لازماً ایسا ہی ہوگا کہ کسی کا فہم اور ادراک اس تک نہ پہنچے گا۔ جب سابقہ جملہ اس جملہ اور بعد والے جملوں سے غنی ہے تو یہ جملہ اور بعد والا جملہ پہلے جملہ کے لئے تاکید کی طرح ہے۔ یہ اہتمام کی زیادتی کے لئے لائے گئے ہیں جس طرح عام کے بعد خاص کو ذکر کیا جاتا ہے۔ مقصود پاکی بیان کرنے میں مبالغہ کرنا ہے اور جو مخاطب منکر و مشرک ہیں اور غیر اللہ کا قصد اور عبادت کرتے ہیں ان کا صریح رد کرنا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ مشرک اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹوں اور بیٹی کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس جملہ اور بعد والے جملوں میں حرف عطف ذکر نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے نام کو مکرر ذکر کیا۔ مقصود یہ شعور دلانا ہے کہ جو ذات ان صفات سے متصف نہ ہو وہ عبادت کی مستحق نہیں ہو سکتی اور مقصود بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی اور نہیں ہونا چاہئے۔

اسی وجہ سے صوفیاء کہتے ہیں کہ لا الہ الا اللّٰہ کا معنی ہے لا مقصود الا اللّٰہ اور انہوں نے یہ کہا جو تیرا مقصد ہے وہی تیرا معبود ہے کیونکہ انسان اپنے مقصد کے حصول کے لئے حد درجہ عاجزی کرتا ہے جبکہ عبادت کا معنی بھی حد درجہ کی عاجزی ہوتی ہے۔ صوفیاء

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

کرام جب نفی اور اثبات کا ذکر کرتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ غیر کے مقصود ہونے کی نفی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں اور اس میں حد درجہ کوشش کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے دلوں سے غیر اللہ کے کسی بھی اعتبار سے مقصود ہونے کا تصور نکل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے۔

سے مشرکوں نے جس طرح گمان کیا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور یہودیوں نے گمان کیا کہ عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور انہوں نے گمان کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ بات اس طرح نہیں، اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی نہیں جنا کیونکہ اس کی جنس ہونا محال ہے اسے کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔ اسے کسی نائب کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے لئے احتیاج اور فنا محال ہے۔ اسے ماضی کے لفظ سے تعبیر کیا اگرچہ اس کی اولاد کا نہ ہونا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ یہ اصل میں ان کے قول کا رد ہے۔ نیز اس لئے بھی ماضی کا صیغہ ذکر کیا تاکہ مابعد کلام کے مطابق ہو جائے وہ کسی کی اولاد اس لئے نہیں کیونکہ حادث ہونا الوہیت کے منافی ہے۔

ہے اس کا کوئی ہم پلہ نہیں حفص رحمۃ اللہ علیہ نے کفوا کو کاف کے ضمہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے فاء کے سکون اور وصل میں ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ جب اس پر وقف ہوگا تو ہمزہ کو واؤ مفتوحہ سے بدل دیں گے تاکہ خط کا اتباع ہو جائے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کی حرکت فاء کو دے دی جائے جبکہ باقی قراء نے فاء کے ضمہ اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ احد یکن کا اسم ہے اور کفوا اس کی خبر ہے اور ظرف کفوا کے متعلق ہے۔ خبر کو اسم پر مقدم کیا اور ظرف کو خبر پر مقدم کیا۔ مقصود اہتمام کرنا ہے کیونکہ یہاں مقصود اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہے اور مکافات (برابری) کی نفی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ آیات کے سروں کی رعایت کی گئی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ صرف اس ضمیر سے حال ہو جو کفوا میں پوشیدہ ہے یا ظرف خبر ہو اور کفوا احد سے حال ہو۔ ان تین جملوں میں حرف عطف ذکر کیا کیونکہ یہاں مقصود اس کی مثل ہونے کی نفی اور جن چیزوں سے وہ اس کی صفت بیان کرتے تھے اس سے پاکی بیان کرنا ہے۔ اس لئے یہ تینوں جملے ایک جملہ کے حکم میں ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ابن آدم نے میری تکذیب کی جب کہ اسے یہ حق نہیں تھا اس نے مجھے گالیاں دی جبکہ اسے یہ حق حاصل نہیں تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دوبارہ پیدا نہیں کرے گا جس طرح اس نے مجھے پہلی دفعہ پیدا کیا حالانکہ پہلی دفعہ پیدا کرنا دوسری دفعہ پیدا کرنے سے آسان نہیں۔ اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا رکھا ہے حالانکہ میں احد اور صمد ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ ہی مجھے کسی نے جنا اور نہ ہی میرا کوئی شریک ہے۔(1)

فصل:۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی ایک اس امر سے عاجز ہے کہ وہ ایک رات میں قرآن کا تیسرا حصہ پڑھے۔ لوگوں نے عرض کی ایک آدمی قرآن کا تیسرا حصہ کیسے پڑھ سکتا ہے؟ فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ یہ قرآن کے تیسرے حصے کے برابر ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(2)۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ اسی کی مثل حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے جسے ہم نے سورۂ زلزال میں روایت کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک آدمی کو ایک چھوٹے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا جو اپنے ساتھیوں کو جب نماز پڑھاتا تو سورۂ اخلاص پڑھتا۔ جب یہ صحابہ واپس آئے تو حضور ﷺ کی

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 744 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 271 (قدیمی)

بارگاہ اقدس میں ذکر کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا اس سے پوچھو کہ تو ایسا کیوں کرتا تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا، تو اس نے جواب دیا کہ یہ رحمٰن کی صفت ہے اور میں پسند کرتا ہوں کہ اسے پڑھوں تو حضور ﷺ نے فرمایا اسے خبر دے دو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے(1)۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک آدمی نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں اس سورت کو پسند کرتا ہوں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا تیرا اس صورت کو پسند کرنا تجھے جنت میں داخل کر دے گا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ہم معنی روایت کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا واجب ہوگئی۔ میں نے عرض کی کیا واجب ہوگئی فرمایا جنت(3)۔ اسے امام مالک، امام ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ جو آدمی اپنے بستر پر سونے کا ارادہ کرے تو وہ اپنے دائیں پہلو کے بل سوئے پھر سو دفعہ سورۂ اخلاص پڑھے۔ جب قیامت کا روز ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندے اپنی دائیں طرف جنت میں داخل ہو جا(4)۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور کہا یہ روایت حسن غریب ہے۔ آپ (حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ہی ایک روایت مروی ہے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے دن میں سو بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ سورت پڑھی تو اس کے پچاس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں مگر قرض باقی رہتا ہے(5)۔ اسے امام ترمذی اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں پچاس دفعہ کا ذکر ہے اس میں یہ ذکر نہیں کہ اس پر قرض ہو۔ سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرسل روایت ہے، وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ گیارہ دفعہ پڑھی اس کے لئے جنت میں ایک محل بنایا جاتا ہے، جس نے بیس دفعہ پڑھی اس کے لئے جنت میں دو محل بنائے جاتے ہیں، جس نے تیس دفعہ پڑھی اس کے لئے جنت میں تین محل بنائے جاتے ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یارسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم ہمارے تو پھر محل بہت زیادہ ہوں گے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا احسان اس سے بھی بہت وسیع ہے(6)، واللہ تعالیٰ اعلم۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 271 (قدیمی) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 114 (وزارت تعلیم) 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً
5۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 113 (وزارت تعلیم) 6۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 190 (وزارت تعلیم)

سورۃ الفلق

آیاتہا ۵ | سُوْرَۃُ الْفَلَقِ مَکِّیَّۃٌ ۱۱۳ | رکوعہا ۱

سورۃ الفلق مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل نبوت میں کلبی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے ابوصالح سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ سخت بیمار ہوگئے، دو فرشتے آئے، ایک آپ کے سرہانے بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی جانب بیٹھ گیا۔ جو پاؤں کی جانب بیٹھا ہوا تھا اس نے سر کی جانب بیٹھنے والے سے کہا تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا بیمار ہیں تو پاؤں کی جانب بیٹھنے والے نے سوال کیا انہیں کیا بیماری ہے، اس نے جواب دیا انہیں جادو ہے۔ اس نے پوچھا کس نے انہیں جادو کیا؟ تو اس نے جواب دیا لبید بن اعصم یہودی نے جادو کیا ہے۔ اس نے پوچھا وہ کہاں ہے؟ تو سرہانے بیٹھنے والے فرشتے نے جواب دیا جادو ایک تسمہ میں کیا گیا ہے جو فلاں کنویں میں ایک پتھر کے نیچے ہے، تم اس کنویں کے پاس جاؤ، پانی نکالو، پتھر اٹھاؤ، پھر اس کھجور کے گابھے کو نکالو اور اسے جلا ڈالو۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے عمار بن یاسر کو چند صحابہ کے ساتھ بھیجا۔ وہ اس کنویں کے پاس آئے تو اس کا پانی اس طرح تھا جس طرح مہندی کا پانی ہوتا ہے۔ پھر انہوں نے چٹان اٹھائی، اس گابھے کو نکالا اور اسے جلا دیا۔ اس میں ایک باریک ریشہ تھا جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئیں تھیں۔ اسی حوالے سے حضور ﷺ پر یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔ جب آپ ﷺ ایک آیت پڑھتے تو ایک گرہ کھل جاتی۔ دو سورتوں سے مراد قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہے۔ (1)

ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں ابو جعفر رازی رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہودیوں نے حضور ﷺ پر کچھ عمل کیا تھا جس وجہ سے حضور ﷺ کو سخت درد لاحق ہو گیا۔ حضور ﷺ کے صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے گمان کیا کہ آپ کو کوئی مرض لگا ہے۔ جبرئیل امین حاضر ہوئے اور دونوں سورتیں پیش کیں۔ حضور ﷺ نے دونوں کے ساتھ دم کیا (2) تو حضور ﷺ ٹھیک ٹھاک صحابہ کے پاس تشریف لے آئے۔ صحیحین میں اس کی شاہد ہے، اس میں سورت کے نازل ہونے کا ذکر نہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ ایک یہودی غلام حضور ﷺ کی خدمت کرتا تھا۔ یہودیوں نے خفیہ سازش کی۔ وہ اس کے پیچھے پڑے رہے یہاں تک کہ اس نے حضور ﷺ کی کنگھی کے بال اور کنگھی کے چند دندانے حاصل کر لئے اور یہودیوں کو دے دیے جنہوں نے جادو کیا۔ اس کام کی ذمہ داری لبید بن اعصم نے اپنے ذمہ لی جو ایک یہودی تھا۔ تو یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔

1۔ دلائل النبوۃ، جلد 6، صفحہ 248 (العلمیہ)
2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 717 (العلمیہ)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ بیمار ہوئے یہاں تک کہ طبیعت یوں ہوگئی کہ آپ خیال کرتے تھے کہ میں نے یہ کام کرلیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا۔ آپ نے اپنے رب سے دعا کی۔ پھر فرمایا میں نے اپنے رب سے پوچھا تھا اللہ تعالیٰ نے مجھے بتا دیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی وہ کیا ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ؟ فرمایا میرے پاس دو آدمی آئے، ان میں سے ایک میرے سر کے پاس بیٹھ گیا اور دوسرا میرے پاؤں کے پاس بیٹھ گیا۔ ان میں سے ایک نے کہا ان کو کیا تکلیف ہے؟ دوسرے نے کہا اس پر جادو کیا گیا ہے۔ پہلے نے پوچھا کس نے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا لبید بن اعصم نے جادو کیا ہے۔ پہلے نے پوچھا کس میں جادو کیا ہے؟ اس نے کہا کنگھی، بالوں اور نر کھجور کے گابھے پر۔ پہلے نے پوچھا وہ کہاں ہے؟ دوسرے نے کہا وہ بنی زریق کے ذروان کنویں میں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے گئے پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس واپس تشریف لائے تو فرمایا اللہ کی قسم اس کا پانی ایسا تھا جیسے اس میں مہندی ڈالی گئی ہو اور اس کی کھجوریں ایسی تھیں جیسے شیاطین کے سر ہوں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے اس سے نکال کیوں نہیں لیا۔ فرمایا مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفا دی۔ اس لئے میں نے ناپسند کیا کہ میں لوگوں کو ایک فتنہ میں ڈال دوں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ روایت بھی کی گئی ہے کہ وہ کنویں میں پتھر کے نیچے تھا۔ صحابہ نے اس پتھر کو اٹھایا تھا اور نیچے سے نر کھجور کا گابھا نکالا تھا تو اس میں سر کے کچھ بال اور کنگھی کے دندانے تھے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے یزید بن ارقم سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ پر ایک یہودی نے جادو کیا۔ حضور ﷺ اس وجہ سے بیمار ہو گئے تو جبرئیل امین حاضر ہوئے، کہا ایک یہودی نے آپ ﷺ پر جادو کیا ہے اور آپ کے لئے گرہیں لگائیں ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا جنہوں نے اسے نکالا۔ جب وہ کوئی گرہ کھولتے تو حضور ﷺ کو تکلیف میں کمی آجاتی۔ حضور ﷺ یوں اٹھے گویا پھندے سے آزاد کیا ہو۔ آپ نے اس یہودی کا ذکر نہ کیا اور نہ ہی اس کے منہ پر کچھ کہا۔

ابن مردویہ اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے دلائل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی نے ایک تانت میں گیارہ گرہیں لگا کر حضور ﷺ پر جادو کیا پھر اسے کنویں میں دبا دیا جس وجہ سے حضور ﷺ بیمار ہوگئے تو **معوذتیں** نازل ہوئیں۔ جبرئیل امین نے جادو کی جگہ کے بارے میں بتایا۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا، وہ اسے لے آئے۔ حضور ﷺ نے دونوں سورتیں اس پر پڑھیں، گویا جب بھی آپ آیت پڑھتے تو ایک گرہ کھل جاتی اور آپ کو کچھ آسودگی نصیب ہوتی۔

ایک روایت یہ بھی کی گئی کہ حضور ﷺ چھ ماہ تک اس مرض میں مبتلا رہے اور تین دن سخت تکلیف میں گزارے تو یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو سعید سے روایت کی ہے کہ جبرئیل امین حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی آپ ﷺ بیمار ہیں؟ فرمایا ہاں۔ تو جبرئیل امین نے کہا **بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ**۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ تجھے دم کرتا ہوں ہر ایسی چیز سے جو آپ کو اذیت دیتی ہے، یعنی ہر نفس اور حاسد کی نظر کے شر سے بچنے کے لئے اللہ آپ کو شفا دے اللہ تعالیٰ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں۔ (1)

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 219 (قدیمی)۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾ وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾ وَ
مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ﴿۴﴾ وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

''آپ عرض کیجئے میں پناہ لیتا ہوں صبح کے پروردگار کی [1] ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا [2] اور (خصوصاً) رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے [3] اور ان کے شر سے جو پھونکیں مارتی ہیں گرہوں میں [4] اور (میں پناہ مانگتا ہوں) حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے [5]''

[1] بِرَبِّ الْفَلَقِ سے مراد صبح پھوٹنے کے رب کی پناہ چاہتا ہوں۔ یہ جابر بن حسن، سعید بن جبیر، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فالق الاصباح (1)۔ ایک قول یہ کیا کہ اس کا معنی ہے دانے اور گٹھلی کو کونپل سے، بادل کو بارش سے، زمین کو چشموں سے اور رحم کو بچے سے پھاڑنے والے رب کی پناہ چاہتا ہوں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی مخلوق ہے (2)۔ والبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ایک روایت یہی نقل کی ہے جبکہ مشہور پہلا معنی ہے۔ اکثر مفسرین نے کہا اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ایک روایت ہے کہ فلق سے مراد جہنم میں ایک قید خانہ ہے۔ اسے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ جہنم میں ایک وادی ہے (3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک روایت نقل کی ہے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فلق جہنم میں ایک ڈھکا ہوا گڑھا ہے (4)۔ ابن جریر اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عبدالجبار خولانی سے روایت کیا ہے کہ ہمارے پاس دمشق میں ایک صحابی رسول تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ کس طرح دنیا میں منہمک ہیں فرمایا یہ تو انہیں کچھ نفع نہ دے گا کیا ان کے آگے فلق نہیں؟ لوگوں نے پوچھا فلق کسے کہتے ہیں تو آپ نے جواب دیا یہ جہنم میں ایک گڑھا ہے جب اسے کھولا جائے گا تو جہنمی بھاگ کھڑے ہوں گے۔

ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرو بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فلق جہنم میں ایک کنواں ہے۔ جہنم اس سے اس طرح تکلیف محسوس کرے گی جس طرح انسان جہنم سے اذیت محسوس کرتے ہیں (5)۔ اس کے اوپر ڈھکنا ہے جب ڈھکنا ہٹا دیا جاتا ہے تو اس سے آگ نکلتی ہے تو اس آگ کی وجہ سے جہنم بھی چیخ اٹھتی ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے کعب رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ فلق جہنم میں ایک گھر ہے۔ جب اسے کھولا جائے گا تو اس کی گرمی کی شدت سے جہنمی چیخ اٹھیں گے (6)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن علی سے وہ اپنے معزز آباء و اجداد سے روایت کرتے ہیں کہ فلق جہنم کی گہرائی میں ایک گڑھا ہے (7)۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پناہ حاصل کرنے کا خصوصی ذکر کیا کیونکہ جہنم اور فلق (جو جہنم کا سخت ترین جزء ہے) شدید ترین مصیبتیں ہیں اور بہت بڑا شر ہیں۔ جب ان کا خالق انہیں دور کر سکتا ہے تو تمام دوسری مصیبتوں کو بھی دور کر سکتا ہے۔ اگر فلق کا معنی صبح کیا جائے تو بھی درست ہے کیونکہ صبح بھی مصیبتوں کو دور کرتی ہے خصوصاً جو رات کی تاریکی کی وجہ سے متحقق ہوتی ہیں۔ جب صبح مصیبتیں اور تکالیف دور کرتی ہے تو صبح کا رب ہر قسم کی مصیبت کو ختم کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا ذکر تمام مصیبتوں کو ختم کرنے کا باعث ہے۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر طبری زیر آیت ہذا
5۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 6۔ تفسیر طبری زیر آیت ہذا 7۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا

2۔ ماخلق سے مراد تمام مخلوق ہے کیونکہ کوئی ممکن شر سے خالی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عدم ہر ممکن کی ماہیت میں داخل ہے مگر جب بھی کوئی ممکن اللہ تعالیٰ کی ذاتی اور صفاتی تجلیات سے جگمگا جاتا ہے تو اس کا شر زائل ہو کر خیر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اولئک یبدل اللہ سیناتھم حسنات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میرا شیطان مسلمان ہو چکا ہے وہ مجھے خیر کا ہی مشورہ دیتا ہے (1)۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آیت کریمہ میں صرف عالم خلق کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم اس لئے دیا کیونکہ عالم امر سراسر خیر ہے اور عالم خلق کا شر یا تو انسان اختیاری ہے جو اپنی ذات تک محدود رہتا ہے جیسے کفر یا ایسا اختیاری ہے جو دوسروں تک بھی پہنچتا ہے، جیسے ظلم، یا عالم خلق کا شر طبعی ہے جیسے آگ کا جلانا اور زہر کا ہلاک کرنا۔

3۔ غسق کا معنی بھر جانا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ اس وقت تک جب رات تاریکی سے بھر جائے۔ جب آنکھ آنسوؤں سے بھر جائے تو کہتے ہیں غَسَقَ الْعَیْنُ۔ جب چاند مکمل ہو جائے تو کہتے ہیں غَسَقَ الْقَمرُ۔ قاموس میں غاسق سے مراد چاند ہے اور رات ہے جب شفق غائب ہو جائے۔ غسوق اور اغساق کا معنی تاریکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی بہنا ہے جیسے غسق اللیل، یعنی اس کی تاریکی بہہ پڑی۔ غسق العین اس کا آنسو بہہ پڑا۔ غسق القمر اس کی رفتار تیز ہو گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا غسق کا معنی ٹھنڈک ہے۔ رات کو غاسق اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ دن کے مقابلہ میں ٹھنڈا ہوتا ہے اور چاند کو غاسق اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ سورج سے ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے چاند کو زمھریر کہتے ہیں۔ یہاں غاسق سے مراد چاند ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے کہ حضور ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا تو چاند کی طرف دیکھا فرمایا اِسْتَعِیْذِیْ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اس تقدیر کی بناء پر وقب کا معنی ہو گا۔ جب اس کی روشنی کم ہونے لگے اور وہ غائب ہو جائے کیونکہ چاند کی روشنی اسی وقت کم ہونا شروع ہو جاتی ہے جب وہ پہلے مکمل ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے رات مراد ہے جب وہ آ رہی ہو اور اس کی تاریکی دن کی روشنی میں داخل ہو رہی ہو (2)۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد ثریا ہے جب وہ گرے۔ عرب کہتے ہیں جب ثریا گر رہا ہو تو مصائب زیادہ ہوتے ہیں، جب بلند ہو رہا ہو تو مصائب اٹھ جاتے ہیں۔

4۔ نفاثات سے مراد جادوگر مرد ہیں یا جادوگر عورتیں ہیں جو دھاگے کی گرہ میں پھونکے مارتے ہیں جب وہ حضور ﷺ پر جادو کرتے ہیں۔ ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لبید کی بیٹیاں لبید کے کہنے پر ایسا کرتی تھیں۔ (3)

5۔ جب وہ حسد ظاہر کرے اور حسد کے مطابق تکلیف پہنچانے کی کوشش کرے۔ یہ قید اس لئے ذکر کی کیونکہ سب سے پہلے حسد کا نقصان حاسد کی ذات کو ہوتا ہے کیونکہ وہ غیر کی خوشی سے غمگین ہوتا ہے اور جس سے حسد کیا جا رہا ہوتا ہے اسے نقصان نہیں ہوتا۔ پہلے عام کا ذکر کیا یعنی فرمایا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ پھر ان چیزوں کو ذکر کیا تو یہ اسی طرح ہے جس طرح عام کے بعد خاص کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کی تخصیص کی حکمت یہ ہے کیونکہ یہ تینوں چیزیں اس شر میں داخل تھیں جو حضور ﷺ کو پہنچانے کی کوشش کی گئی، یعنی حضور ﷺ پر جادو کیا گیا جنوں کے شیطان یعنی ابلیس کا وسوسہ بھی تھا اور انسانوں کے شیطان، یعنی لبید بن اعصم کا کردار بھی تھا۔ نفاثات کو جمع

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 376 (قدیمی) 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 3۔ ایضاً

ذکر کیا جبکہ اس پر الف لام عہدی ہے جبکہ **غاسق** اور **حاسد** کو مفرد اور نکرہ ذکر کیا کیونکہ جب پناہ طلب کی جارہی ہے تو اس وقت لبید کی بیٹیاں تو معین ہیں جبکہ **غاسق** اور **حاسد** معین نہیں کیونکہ یہاں مقصود ہر **حاسد** اور **غاسق** کے شر سے پناہ چاہنا ہے کیونکہ حضور ﷺ کے حاسد تو شمار سے بھی باہر ہیں اور وہ ہمیشہ حسد کرنے والے تھے تو ان کے شر سے اس طرح پناہ مانگی کہ مستقبل میں بھی امن حاصل ہو۔ عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں سورۂ ہود اور سورۂ یوسف پڑھتا ہوں فرمایا سورۂ فلق سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسائی حاصل کرنے والی کوئی سورت نہیں (1)۔ اسے امام احمد، امام نسائی اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

Nafse Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

1۔ سنن نسائی، جلد 2، صفحہ 158 (دار الحدیث)

سورۃ الناس

آیاتہا ۶ — سُوْرَۃُ النَّاسِ مَکِّیَّۃٌ ۱۱۴ — رکوعہا ۱

سورۃ الناس مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور چھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۝

"(اے حبیب) عرض کیجئے میں پناہ لیتا ہوں انسانوں کے پروردگار کی ۱؎ سب انسانوں کے بادشاہ کی ۲؎ سب انسانوں کے معبود کی ۳؎ بار بار وسوسہ ڈالنے والے، بار بار پسپا ہونے والے کے شر سے ۴؎ جو وسوسہ ڈالتا رہتا ہے لوگوں کے دلوں میں ۵؎ خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں سے ۶؎"

۱؎ اے محمد ﷺ کہو میں پناہ مانگتا ہوں رب الناس کی۔ یہاں رب سے مراد خالق، تربیت کرنے والا اور امور درست کرنے والا ہے۔

۲؎ مَلِكِ النَّاسِ یعنی ان کا مالک اور امور کی تدبیر کرنے والا ہے۔

۳؎ اِلٰهِ النَّاسِ یعنی لوگوں کا معبود ہے۔ مَلِكِ النَّاسِ اور اِلٰهِ النَّاسِ دونوں رب الناس کا عطف بیان ہیں کیونکہ لفظ رب کا اطلاق کبھی والد اور کبھی گھر کے مالک پر ہوتا ہے۔ نیز عام مالک پر بھی ہوتا ہے جبکہ وہ نہ ملک ہوتا ہے اور نہ ہی معبود ہوتا ہے۔ ملک کا اطلاق کبھی بادشاہ پر ہوتا ہے جبکہ وہ معبود اور مستحق عبادت نہیں ہوتا۔ الناس میں الف لام عہدی ہے اور اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات اور آپ کے پیروکار ہیں۔ جب وہ ہر چیز کا رب، ملک اور الہ ہے تو ناس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ انسانوں کی شرافت کا اظہار ہو ایک اور وجہ یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں کو اس لئے نازل کیا تا کہ حضور ﷺ اور آپ کے ناموس سے جادو اور اس جیسے شر کو دور کیا جائے کیونکہ جو رب، مالک اور الہ ہو اس کا حق بنتا ہے کہ مربوب، مملوک اور عابد کو ہر شے سے محفوظ رکھے۔

غوث الثقلین نے فرمایا:

ترجمہ: کیا مجھے ذلت پہنچ سکتی ہے جب تو میرا مددگار ہے

کیا دنیا میں مجھ پر ظلم کیا جا سکتا ہے جبکہ تو میرا مددگار ہے

جب چراگاہ کی حفاظت کرنے والا قادر ہو تو اس کے لئے یہ عار کا باعث ہے کہ میدان میں اونٹ کا ڈھنگا گم ہو جائے۔

کفار بھی اگرچہ اللہ تعالیٰ کے مربوب (جن کی پرورش کی جا رہی ہو) اور مملوک ہیں لیکن جب وہ اس بات کا اعتراف نہیں کرتے تو وہ

حمایت کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احزاب (۱) میں فرمایا اَللّٰہُ مَوْلٰنَا وَلَا مَوْلَا لَکُمْ۔ یہاں الناس کے لفظ کو مکرر ذکر کیا حالانکہ ضمیر سے کام چل سکتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عطف بیان اصل میں وضاحت کے لئے وضع کیا گیا ہے اور اسم ظاہر ذکر کرنے میں زیادہ وضاحت ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں حضور ﷺ اور آپ کے متبعین کے شرف کا اظہار بھی ہے۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب سابقہ سورت میں بدن کو لاحق ہونے والی مصیبتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کا سوال تھا جبکہ ایسی مصیبتیں انسان اور دوسری جاندار چیزوں کو لاحق ہو سکتی ہیں جبکہ اس سورت میں ان مصیبتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کا سوال ہے جو نفوس بشریہ کو لاحق ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے وہاں مضاف الیہ عام تھا جبکہ یہاں یہ خاص ہے۔ گویا کلام یوں کی گئی میں انسانوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرنے والوں کے شر سے ان کے اس رب کی پناہ چاہتا ہوں جو ان کے امور کا مالک ہے اور ان کی عبادت کا مستحق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ الناس کا تکرار اس لئے ہے کیونکہ پہلے الناس سے مراد بچے ہیں جس پر لفظ رب کا معنی دلالت کرتا ہے۔ دوسرے لفظ الناس سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے جوان ہیں۔ ملک کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ملک میں سیاست کا مفہوم موجود ہے۔ تیسرے لفظ ناس کا مطلب وہ شیوخ ہیں جو سب کچھ چھوڑ کر اللہ سے لو لگا کر بیٹھے ہیں۔ لفظ اللہ اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس لفظ میں عبادت کا مفہوم موجود ہے۔ چوتھے لفظ ناس سے مراد صالح لوگ ہیں کیونکہ شیطان ان کی دشمنی کا حریص ہوتا ہے اور پانچویں لفظ ناس سے مراد فسادی لوگ ہیں کیونکہ اس کا عطف ایسے اسم پر ہے جس سے پناہ مانگی جاتی ہے۔ مومنوں کے بچوں اور صالح لوگوں کے ذکر میں رحمت کی طلب اور عذاب کو دور کرنے کی تمنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوزہ پشت بوڑھے نہ ہوتے، دودھ پینے والے بچے نہ ہوتے اور چرنے والے جانور نہ ہوتے تو تم پر عذاب بارش کی طرح برستا۔ اسے ابو یعلی، بزار اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ایک مرسل روایت اس کی شاہد ہے۔ اسے ابو نعیم نے زہری رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ الخ اگر مومن مرد اور مومن عورتیں نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس نظم میں اس بات پر دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ کرنے کا حق رکھتا ہے اور اس پر قادر ہے اور یہ اس کے لئے ممنوع نہیں۔ نیز اس میں اس امر کا بھی شعور دلایا گیا ہے کہ عارف کے مراتب کیا ہیں کیونکہ جب وہ اپنے اوپر ظاہری اور باطنی نعمتیں دیکھتا ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے پھر غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ وہ ہر شے سے غنی ہے، ہر چیز اس کی ملک میں ہے اور تمام امور میں تصرف اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ پس وہی حقیقی بادشاہ ہے پھر وہ یہ استدلال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مستحق عبادت ہے۔

یہ وسواس وسوسہ کے معنی میں ہے۔ یہ مخفی آواز ہوتی ہے جس کا مفہوم دل تک پہنچ جاتا ہے لیکن آواز سنائی نہیں دیتی۔ یہ زلزال کے وزن پر ہے۔ یہاں اس سے مراد شیطان ہے۔ مبالغہ کے طریقہ پر وسواس کا ذکر کیا۔ یا یہاں مضاف مقدر ہے جو ذو ہے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا خناس یہ وسواس کی صفت ہے۔ اس سے مراد شیطان ہے کیونکہ اس کی عادت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن شقیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ ہر آدمی کے دل میں دو گھر ہیں، ایک میں فرشتہ ہوتا ہے اور دوسرے میں شیطان ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو

(۱) شائد کتابت کی غلطی ہے۔ یہ الفاظ حضور ﷺ نے غزوۂ احد میں ابو سفیان کے جواب میں کہے تھے، مترجم۔

شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا جائے تو شیطان اپنی چونچ اس کے دل میں رکھ دیتا ہے اور اس میں وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ اسے ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، انہوں نے حضور علیہ ﷺ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

۵۔ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا جائے تو وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ اسم موصول محل جر میں ہے کیونکہ یہ وسواس کی صفت کے بعد صفت ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ مذمت کے طور پر منصوب ہو یا وہ مرفوع ہو کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

۶۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ یہ وسواس کا بیان ہے یا الذی کا بیان ہے۔ وسوسہ جنوں اور انسانوں کا فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ الآیۃ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی کو حکم دیا کہ وہ تمام انسانوں اور جنوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ لوگ تو انسانوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی نہیں کرتے، یہ تو صرف جنوں کا فعل ہے۔

ہم جواب دیتے ہیں انسان بھی وسوسہ اندازی کرتے ہیں مگر ایسے طریقہ پر جو ان کے لئے موزوں اور مناسب ہوتا ہے۔ وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جو لوگوں کے دلوں میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ اسی سے وسوسہ جنم لیتا ہے۔ یا جار مجرور یوسوس کے متعلق ہے یعنی وہ لوگوں کے سینوں میں جنوں اور لوگوں کے معاملات کے متعلقہ وسوسہ اندازی کرتے ہیں۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ جار مجرور اس الناس کا بیان ہے جو فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ میں ہے وہاں الناس عام ہے(1) جو جنوں اور انسانوں سب کو شامل ہے۔ جنوں کو ناس کا نام دیا جس طرح انہیں رجال کہا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایک عرب سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ وہ بات کر رہا تھا جنوں کی ایک قوم آئی، وہ رک گئے۔ ان سے پوچھا گیا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا اناس من الجن یعنی ہم جنوں میں سے لوگ ہیں۔ فرا رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا بھی یہی مطلب اور مفہوم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مِنَ الْجِنَّةِ الْوَسْوَاسِ کا بیان ہو اور الناس کا عطف وسواس پر ہو۔ پھر معنی یہ ہوگا میں شیطان کے شر سے جو وسوسہ اندازی کرتا ہے اور جنوں میں سے ہے اور لوگوں کے شر سے لوگوں کے رب کی پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں ان آیات کی خبر نہیں جو آج رات نازل ہوئیں تم نے ان کی مثل کبھی نہ دیکھی ہوں گی۔ وہ یہ ہیں قل اعوذ برب الفلق اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں ان آیات کے بارے میں نہ بتاؤں جو تورات، زبور، اور انجیل میں نازل نہ کی گئیں اور ان کی مثل قرآن میں بھی نازل نہ کی گئیں۔ میں نے کہا کیوں نہیں۔ فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔(3)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ ﷺ نے فرمایا جب آپ ہر رات بستر پر تشریف لے جاتے تو اپنی ہتھیلیوں کو جمع کرتے پھر ان میں پھونک مارتے۔ ان ہاتھوں میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھتے۔ پھر جہاں تک ممکن ہوتا اپنے جسم پر ہاتھ پھیرتے اپنے سر اور چہرے سے ہاتھ پھیرنا شروع کرتے اور جسم کے اگلے حصے پر ایسا

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا　2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 272 (قدیمی)　3۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 385 (صادر)

کرتے۔آپ ﷺ اس طرح تین دفعہ کرتے، متفق علیہ۔(1)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اسی اثناء میں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ جحفہ اور ابواء کے درمیان چل رہا تھا کہ ہمیں سخت تاریکی اور آندھی نے آلیا۔ حضور ﷺ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عقبہ تم بھی یہ پڑھ کر اللہ کی پناہ طلب کرو۔ کسی پناہ چاہنے والے نے اس جیسی چیز سے پناہ نہ چاہی ہوگی۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔ حضرت عبد اللہ بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ہم ایک بارش اور سخت تاریک رات میں حضور ﷺ کی تلاش میں نکلے۔ ہم نے آپ کو تلاش کرلیا۔ آپ نے فرمایا پڑھو۔ میں نے عرض کی کیا پڑھوں۔ فرمایا صبح وشام قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور معوذتین (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) تین دفعہ پڑھا کرو، یہ تیرے لئے ہر چیز کے لئے کافی ہو جائیں گی(3)۔ اسے امام ترمذی، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بیمار ہوتے تو اپنے آپ پر معوذتین پڑھتے اور پھونک مارتے۔ جب آپ کو تکلیف زیادہ ہوتی تو میں آپ پر پڑھتی اور برکت حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ کا ہاتھ مبارک آپ کے جسم پر پھیر دیتی۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

1۔ صحیح بخاری، جلد 5، صفحہ 750 (وزارت تعلیم)
2۔ سنن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 380 (الرشد)
3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 197 (وزارت تعلیم)

قرآن حکیم کے فضائل

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہترین وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔ اسے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔(1)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسماء میں یہ بات زائد ذکر کی ہے کہ تمام کلاموں پر قرآن کی فضیلت اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کو مخلوقات پر فضیلت حاصل ہے۔(2)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو آدمیوں کے علاوہ کسی پر حسد اور شک نہیں کرنا چاہئے۔ ایک ایسا آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا فرمایا اور وہ صبح و شام اسی میں مصروف رہتا ہے (یاد کرتا ہے اس پر عمل کرتا ہے)۔ دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا وہ دن رات اس میں سے خرچ کرتا ہے۔(3)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے روز تین چیزیں عرش کے نیچے ہوں گی:۔

(1) قرآن یہ بندوں کے لئے جھگڑے گا، اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔

(2) امانت۔

(3) رحم جو اعلان کر رہی ہوگی خبردار جس نے مجھے جوڑا اسے اللہ تعالیٰ نے جوڑا، جس نے مجھے قطع کیا اسے اللہ تعالیٰ نے قطع کیا۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنہ میں روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حافظ قرآن سے کہا جائے گا پڑھتا جا اور اوپر چڑھتا جا، ٹھہر ٹھہر کر اس طرح پڑھ جس طرح تو دنیا میں پڑھتا تھا، تیرا ٹھکانہ وہ جگہ ہوگی جہاں تو آخری آیت پڑھے گا(4)۔ اسے امام احمد، امام ترمذی، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جسے قرآن حکیم نے میرے ذکر اور مجھ سے مانگنے سے غافل رکھا تو اسے ان لوگوں سے بہتر عطا کروں گا جو سائلوں کو عطا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت دوسرے کلاموں پر اسی طرح ہے جس طرح مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی فضیلت ہے(5)۔ اسے امام ترمذی، دارمی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کتاب اللہ میں سے ایک حرف پڑھا اس کے لئے نیکی ہے اور نیکی کا بدلہ دس گنا ہوگا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الم مکمل ایک حرف ہے بلکہ الف حرف ہے

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 752 (وزارت تعلیم) 2۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 360 (صادر) 3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 272 (قدیمی)
4۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 115 (وزارت تعلیم) 5۔ سنن دارمی، جلد 2، صفحہ 317 (المحاسن)

WWW.NAFSEISLAM.COM

لام حرف ہے اور میم حرف ہے(1)۔ اسے امام ترمذی اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کی سند حسن صحیح غریب ہے۔

حارث اعور سے مروی ہے کہ میں ایک مسجد کے پاس سے گزرا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ احادیث میں بحث وتمحیص کر رہے ہیں اور نئے نئے معانی اخذ کر رہے ہیں تو میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے سب کچھ بتایا۔ آپ نے فرمایا کیا انہوں نے ایسا کیا ہے؟ میں نے عرض کی ہاں۔ فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ عنقریب ایک فتنہ رونما ہوگا میں نے عرض کی اس سے بچنے کی کیا تدبیر ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب، اس میں پہلے لوگوں کی خبریں ہیں اور اس میں مابعد کی خبریں بھی ہیں۔ جو تمہارے باہم کے معاملات ہیں ان کے احکام بھی ہیں۔ یہ مکمل قول فیصل ہے، اس میں کوئی بات فضول نہیں۔ جس نے اسے چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ نے اسے بہرہ بنا دیا، جس نے قرآن کے علاوہ کسی اور چیز سے ہدایت طلب کی اسے اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے یہ ذکر حکیم ہے، یہ صراط مستقیم ہے۔ اسی وجہ سے خواہشات میں کجی واقعہ نہیں ہوتی اور نہ ہی زبانوں میں التباس ہوتا ہے۔ علماء اس سے سیر نہیں ہوتے۔ اس کا بار بار پڑھنا انسانوں کو اکتاہٹ عطا نہیں کرتا۔ اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے۔ یہی وہ کلام ہے جس سے جن آگاہ نہ تھے۔ جب انہوں نے کلام کو سنا تو کہا ہم نے عجیب وغریب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے، ہم اس پر ایمان لائے جو اس کے موافق بات کرے گا وہ سچا ہوگا، جو اس کے مطابق عمل کرے گا اسے اجر دیا جائے گا۔ جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا وہ عدل کرنے والا ہوگا۔ جسے اس کی طرف بلایا گیا اس کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کی گئی۔ اسے امام ترمذی اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔(2)

حضرت معاذ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے قرآن حکیم پڑھا اور اس کے مطابق عمل کیا۔ قیامت کے روز اس کے والدین کو ایسے تاج پہنائے جائیں گے جن کی روشنی سورج کی روشنی سے بڑھ کر ہوگی جو تم اپنے گھروں میں سورج کی روشنی پاتے ہو تو جس نے عمل کیا اس کے مقام ومرتبہ کا اندازہ کر لو۔ اسے امام احمد اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔(3)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا اگر قرآن کو کسی چمڑے میں رکھا جائے پھر اسے آگ میں پھینک دیا جائے تو وہ نہیں جلے گا اسے دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(4)۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے قرآن پڑھا، اسے پناہ گاہ بنایا، اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام جانا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا اور اپنے گھر کے دس ایسے افراد کی شفاعت کرے گا جن کے لئے جہنم ثابت ہو چکی تھی، اسے امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے(5)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا نماز میں قرآن پڑھنا نماز کے علاوہ قرآن پڑھنے

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 115 (وزارت تعلیم)

2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 114

3۔ سنن ابی داؤد مع شرح، جلد 5، صفحہ 366 (الرشد)

4۔ سنن دارمی، جلد 2، صفحہ 309 (المحاسن)

5۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 114 (وزارت تعلیم)

سے بہت بہتر ہے، نماز کے علاوہ قرآن پڑھنا تسبیح اور تکبیر سے افضل ہے، تسبیح (سبحان اللہ کہنا) صدقہ سے افضل ہے، صدقہ روزے سے افضل ہے اور روزہ جہنم سے ڈھال ہے۔(1)

حضرت اوس ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی آدمی جب مصحف کے بغیر قرآن پڑھے تو اس کے لئے ہزار درجے ہیں اور مصحف سے قرآن پڑھنا اس سے دگنے درجات کا باعث ہے جو دو ہزار درجات بنتے ہیں۔(2)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دلوں کو اسی طرح زنگ لگ جاتا ہے جس طرح لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے جب اسے پانی پہنچتا ہے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ اس زنگ کو کس طرح دور کیا جاسکتا ہے؟ فرمایا موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن حکیم کی تلاوت کرنا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے تینوں احادیث شعب الایمان میں روایت کی ہیں(3)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی آواز کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنا وہ نبی کی آواز کو توجہ سے سنتا ہے جب وہ قرآن خوش الحانی سے پڑھ رہا ہو، متفق علیہ (4)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی اچھی آواز کی طرف کان نہیں لگاتا جتنا قرآن بلند آواز سے پڑھے جانے کی طرف کان لگاتا ہے، متفق علیہ۔(5)

آپ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی قرآن خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(6)۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ باہر تشریف لائے جبکہ ہم قرآن پڑھ رہے تھے جبکہ ہم میں عربی اور عجمی لوگ بھی تھے۔ فرمایا پڑھو سب کا پڑھنا اچھا ہے۔ عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کو پڑھنے میں ایسی مشق کریں گے جیسے تیر کو سیدھا کرنے میں کوشش کی جاتی ہے۔ وہ دنیا میں اس کے اجر کے طالب ہوں گے۔ آخرت میں اس کے اجر کو طلب نہ کریں گے۔ اسے ابوداؤد اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔(7)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کو عربی لہجوں اور آوازوں میں پڑھو۔ اسے اہل عشق اور اہل کتاب کے لہجوں میں نہ پڑھو۔ میرے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو قرآن کو یوں پھیر پھیر کر پڑھیں گے جس طرح نغمہ اور نوحہ پڑھا جاتا ہے۔ لیکن یہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کے دل آزمائش میں مبتلا ہوں گے۔ اسی طرح ان کے دل بھی فتنہ میں مبتلاء ہوں گے جو انہیں اچھا جانتے ہیں۔ اسے بیہقی اور ابن رزین رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔(8)

حضرت عبیدہ ملیکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جسے صحابیت کا شرف حاصل تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اہل قرآن قرآن کو تکیہ نہ بنالو صبح وشام اس کی تلاوت کا حق ادا کرو، اس کو عام کرو، اس کو خوش الحانی سے پڑھو، اس میں غور وفکر کرو تا کہ تم کامیاب ہو، دنیا میں اس کا بدلہ طلب نہ کرو، بے شک اس کا ثواب ہے۔ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔(9)

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ بہترین دواء قرآن ہے۔ اسے

1۔ شعب الایمان، جلد 2، صفحہ 413 (العلمیہ) 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 407 3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 353
4۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 268 (قدیمی) 5۔ ایضاً 6۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 1123 (وزارت تعلیم)
7۔ شعب الایمان، جلد 2، صفحہ 538 (العلمیہ) 8۔ ایضاً، صفحہ 540 9۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 350

ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ایک میں الفاظ یہ ہیں قرآن ہی دواء ہے(1)۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے تمہارے لئے دو چیزیں شفاء کا باعث ہیں شہد اور قرآن(2)۔واثلہ بن اسقع سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضور علیہ السلام کی بارگاہ اقدس میں اپنے حلق میں درد کی شکایت کی فرمایا تم قرآن پڑھا کرو۔اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے(3)۔حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک آدمی حضور علیہ السلام کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔عرض کی میرے سینے میں درد ہوتا ہے۔فرمایا قرآن پڑھو۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ یہ شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ہے۔حضرت طلحہ بن مطرف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرمایا کرتے تھے جب مریض کے پاس قرآن پڑھا جائے تو اس وجہ سے اس کی تکلیف میں کمی ہو جاتی ہے۔اسے ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا(4)، واللہ تعالیٰ اعلم۔

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

2 رشوال، 29 دسمبر 2000ء

WWW.NAFSEISLAM.COM

1۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 130 (العلمیۃ) 2۔ شعب الایمان، جلد 2، صفحہ 519 (العلمیۃ)
3۔ ایضاً 4۔ ایضاً، صفحہ 518 (العلمیۃ)